قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے تاکہ تم پہچانے جاؤ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہے

جو

بفرمان عالیشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائنس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ اس محروسہ کے نام جاری ہے

ایڈیٹر

محمد علی رونق صدیقی

ماہ جنوری ۱۹۳۱ء | قیمت سالانہ تین روپے | جلد ۱ نمبر ۱

(تاریخ اشاعت ہر انگریزی مہینے کی ۱۵)

صوبہ دہلی۔ یو۔ پی اور پنجاب کے قریشی نمائندگی کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۶ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا رزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرنقد کی تھیلی پیش کی گئی۔

رزولیوشن

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی سولہ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قریشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے کم از کم

ایک سو ایک اور زیادہ سے زیادہ پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کیجائے

نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ "القریش" ایسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں۔

ضیاء ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھپایا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع ہوا
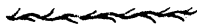
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناظرین القریش کی خدمت میں تحفۂ نوروز

السلام اے اہل رازِ القریش (القریش کے بہی خواہ)
السلام اے پاکبازِ القریش

تحفۂ نوروز ہے میرا یہی!
پیشِ محمود و ایازِ القریش (ناظرین)

خونِ دل سے کیجئے اُٹھ کر وضو
آگیا وقتِ نمازِ القریش (وقت امداد مراد ہے)

چھیڑیئے کچھ اس طرح جنگِ عمل
زندہ ہوجائے حجازِ القریش

گوہرِ اشکِ عقیدت لائیے
آج پھر بھر نیازِ القریش

ناخدائی کیجئے کچھ اس طرح
نکلے طوفان سے جہازِ القریش

پھونک ڈالے قوم کا سارا جمود
شعلہ زا ہو سوز و سازِ القریش

سالِ نو نے مجھ سے اے شاکر کہا
عام کر دے اب یہ رازِ القریش

تاج بسم اللہ کا سر پر رکھے
نغمۂ حق ہے بسازِ القریش
۱۹ ۲۹

شاکر صدیقی

شذرات

اس مہیب اور پُر آشوب زمانہ میں جبکہ فرزندانِ قریش قریشیت سے نفور ہو ہو کر اغیار میں مدغم ہونا فخر و مباہات سمجھتے تھے حوادث و فتن کے اس دور میں جبکہ قریش اپنا آپ بھول چکے تھے۔ اس کی تمنائیں اور امیدوں کا جنازہ اُٹھ چکا تھا۔ نامساعد حالات گرد و پیش جمع تھے اور قریب تھا کہ قریشیت لحدِ خود فراموشی میں دفن کر دی جائے۔ دو ہستیاں سکتہ کے عالم میں بے حس و حرکت پڑی تھیں جو آج قوم کے درد میں گھلی جاتی ہیں۔

القریش نے قوم کے لئے اپنے مقاصد مجوزہ اور فرائض مفوضہ کے لئے گذشتہ سولہ سال میں کن کن مشکلات اور کن کن مصائب و نوائب کا سامنا کیا۔ ایک فتنہ مراسیت ہی قومی مصیبت سے کم نہ تھا تمام جوش و ولولے اور تمام مدعیانِ خیر اندیشی سہمگین صورت بنائے ساکت و صامت تھے اور سوائے انجمن قریشیانِ پنجاب گوجرانوالہ اس کے روح رواں حضرت مولانا "حافظ نسب رسول" اور "القریش" کے ان فرض سے تارک ہونے کا خوف ظاہر کرنے والوں میں سے ایک بھی نہ تھا جو قوم کے آڑے آتا نیز اس پر اس وقت کسی تفصیلی تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ خدائے عز و جل کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے "القریش" کو اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دی۔ اور یہ صعب ترین اور پُر از مصائب زمانہ عین خیر و خوبی اور انتہائی کامیابی کے ساتھ گذر گیا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کا احسان ہے کہ اس کے فضل و کرم سے آج "القریش" اپنی عمر کے سترہویں سال میں قدم رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ تقریب قوم کے خادم "القریش" اس کے عالی وقار محسن حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ و جملہ ناظرین و معاونین اکرم کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو۔ آمین ثم آمین۔

کارپردازانِ القریش کا تہیہ اور عزم راسخ ہے کہ القریش کی ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی حالت میں اس قدر تغیر کر دیا جائے کہ ہر مذاق اور ہر طبیعت کا ناظر اس سے مستفید ہو سکے۔ قوم کے بہی خواہوں اور برادرانِ قریش کی سرد مہری کی ہمیں شکایت ہے اور القریش کی موجودہ اشاعت بھی اس بات کے منافی ہے کہ اعلیٰ کتابت و طباعت کے ساتھ ہر ماہ ایک شاندار ضخیم رسالہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا سکے۔ تاہم حالات جہاں تک اجازت دیں گے۔ رسالہ بہترین صورت میں پیش کرنے کی سعی کی جائیگی و باللہ التوفیق۔

شکوہ نہ ہو تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں۔ کہ قومی آواز کے سننے میں آپ افسوس ناک بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں اور دیدہ دانستہ قومی ضروریات سے بے پرواہی کے خوگر ہو چکے ہیں۔ اور یہی ایک سبب ہے جو روز افزوں نازک تر حالات پیدا کرنے کا موجب ہو رہا ہے۔ اگر آپ غور کریں۔ اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ منٹ کے لئے قوم کے اصلاحی امور پر غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ سلاسل کا اعتراف کیا جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ... میں جو قریش کو ... سلالات سے اُبھار کر اوج عروج پر پہنچا

کے لئے اختیار کرنے لابدی و لازمی ہیں۔

قریش کا قومی مرکز (ندوۃ القریش) قائم ہو کر ابتدائی منازل طے کر چکا ہے۔ قومی تنظیم کا مسئلہ اس کے سامنے ہے اور چاہتا ہے کہ افراد قوم کو اتحاد و یگانگت کی سٹیج پر مجتمع کر کے متفقہ مساعی اور متحدہ کوششوں سے کام لے کوئی زندہ دل انسان کوئی دردمند قوم ہستی اس اہم اور نیک ضرورت سے انکار نہیں کر سکتی اور یقیناً آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا لہذا اس اہم قومی ضرورت کے لئے آپ کے ذمہ اگر کوئی کام ہے تو صرف یہ کہ اس کی رکنیت قبول کریں اور مقاصد کی اشاعت کرتے ہوئے اپنے اعزہ و اقارب کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ القریش کی اعانت اور توسیع اشاعت کے لئے کوشش کریں۔ قریشی احباب کی مکمل فہرستیں بھجوائیں تاکہ کارپردازان "ندوہ" و "القریش" کو ان سے براہ راست خط و کتابت کی سہولت ہو۔ امید ہے کہ آپ اپنی قومی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے اس فرض کو بطیب خاطر انجام دینے کے لئے تیار ہوں گے۔

بغض و حسد اور ضد وکد [illegible] کوئی قوم کوئی [illegible] فرقہ [illegible] ان زہریلے اثرات سے معرا و مبرا نہیں۔ لیکن شومئی قسمت سے قریش کو [illegible] ہیں اور وہ بیگانے درد میں تڑپنا عین حمیت انسانی سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں [illegible] اور [illegible] کامی پر نالاں و گریاں نہ ہوتے ہوں۔ اور جنہوں نے اپنا مقصد حیات ہی مردم آزاری قرار دے رکھا ہو۔

القریش کی کامیاب کوششوں اور نیک مساعی پر [illegible] ہوئی اور قومی خدمات کو سراہا جانے لگا حسن خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے [illegible] زر نقد کی تھیلیاں پیش ہونے لگیں۔ تو [illegible] پیدا ہوئی اور اس کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہ حشرات الارض کی طرح نمودار ہوئی۔ اور فضا میں ذروں کی طرح [illegible] ہو کر اپنے مسموم مقاصد کی تکمیل پر ڈٹ گئی۔ حق و صداقت پر کذب و بطلان کی فتح، یہ قدرت کاملہ کو منظور نہیں۔ ناکامی و نامرادی کا سامنا ہوا۔ قلم ٹوٹ گیا تو زبان کھلی۔ بدظنی کی ترویج و اشاعت کے لئے مشہور کیا جا رہا ہے کہ القریش کی [illegible] اصل [illegible] یتیم خانہ اور سکول کی امداد ہے۔ القریش نے مدیر کو کیڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ دنیا و جہان کے عیوب کا [illegible] ہے۔ [illegible] ان مفاسد کا گلا کس طرح دبانا ہے ہمیں نہ ان حیلہ سازوں کی کچھ پرواہ ہے۔ اور نہ ان اتہامات کا کچھ گلہ۔

خدا ہے مہربان اپنا تو پھر خوف و خطر کیا ہے

"قوم میں حسا [illegible] اور دردمند حضرات کی کمی نہیں جہاں پست خیال اور کج فہم لوگ موجود ہیں۔ وہاں خدائے برتر و توانا کے فضل و کرم سے بلند حوصلہ اور علو عزم ہستیاں بھی موجود ہیں۔ حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب ہاشمی رئیس بہرام سے یہ پہلا غائبانہ تعارف ہے۔ اس سے قبل نہ آپ سے ہمیں تعلق تھا اور نہ آپ ہم سے [illegible] ذریعہ سے القریش آپ کی نظر سے گذرتا ہے

اور آپ اس کی ادنیٰ خدمات سے واقف ہوں ۔ ۱۰ جنوری کو آپ کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ۔ لکھا تھا کہ "القریش قریش کی سچائی کر رہا ہے ۔ اس کی خدمات کے اعتراف کے لئے نہ الفاظ ہیں اور نہ اس قدر دولت کہ نثار کر دی جائے ۔ سو روپے کا چک بھیجتا ہوں قبول کیجئے ۔ اگر ممکن ہو تو رسالہ میرے نام جاری کر دیجئے ۔ فقط" ۔ اس مختصر محبت نامہ میں کس قدر اخوت و یگانگت اور خلوص و ایثار کا جذبہ موجود ہے ۔ اس کی شرح وبسط کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ۔ آپ کی قدر شناسی بہر نوع قابل ہر ستائش ہے ۔ ہم اس علم دوستی اور قومی حمیت پر آپ کو صدق دل کے ساتھ ہدیہ تشکر و مبارک باد پیش کرتے ہیں ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خلوص و ایثار اور حسن کارگذاری کا نمونہ انجمن حمایت اسلام لاہور ہمارے سامنے ہے ۔ اللہ اللہ جس ادارہ کی بنیاد ۴۵ سال قبل چند متوسط الحال مگر درد مند مسلمانوں نے مٹھی بھر آٹا پر رکھی تھی ۔ اور جس کے ابتدائی جلسوں میں چند غربائے ملت کے سوا شرکت کی کوئی زحمت نہ کرتا تھا آج اس کے سالانہ اجتماع کو والیانِ ریاست ۔ نوابان ۔ جاگیرداران اور علو مرتبت عہدیداران کی شرکت کا فخر حاصل ہے ۔ انجمن مذکور کے اس اجتماع عظیم کی مثال جو ۲۹ دسمبر کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اختتام پذیر ہوا انجمن کی گذشتہ زندگی میں نہیں مل سکتی ۔ بیا جلاس سلطان ابن سلطان ہز ہائی نس نواب سر محمد صادق خاں فرمانروائے بہاول پور ایسی بلند و بالا شخصیت کی صدارت اور ہز ہائی نس میر صاحب خیر پور سندھ اور نواب صاحب ڈھاکہ کی موجودگی اور معززین قوم کی شمولیت میں ۲۷ دسمبر کو شروع ہوا اور نہایت کامیاب اور شاندار طریق پر ۲۹ دسمبر کو ختم ہوا ۔ عالی وقار تاجدار نے مسلم ٹکنیکل سکول کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ عطا فرمایا ۔ نواب صاحب ڈھاکہ نے پانسو روپے نقد کے علاوہ تین سال کے لئے پندرہ پندرہ روپے ماہوار کے دو وظائف دینے کا اعلان کیا ۔ چندہ کی کل تعداد ستر ہزار تک پہونچ گئی ۔ یہ اس نیک نیتی اور خلوص قلبی کا نتیجہ ہے کہ جو بانیان اور کارکنان انجمن نے اپنے فرائض مفوضہ کے انجام دینے میں روا رکھی کہ آج دنیا کی بڑی بڑی ہستیاں ادہر کھچی چلی آتی ہیں ۔ اور زر و مال کے پھول اُن پر نچھاور کئے جا رہے ہیں ۔ کیا "ندوۃ القریش" کے اراکین اس سے کچھ سبق حاصل کریں گے ؟

---

۲۹ رجب کو سلطنت آصفیہ کی خودمختاری کے اعلان کی تعطیل اور جشن منایا گیا ۔ اس تقریب میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی فوج کے منتخب سکاؤٹس نے حصہ لیا ۔ نواب اکبر یار جنگ کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا ۔ سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد دو صد سالہ جشن خودمختاری میں جو شاہی تقریر ہوئی تھی اس کا اعادہ کیا گیا ۔

اس کے بعد مولوی فخر الدین محمد نے ان حالات کی وضاحت کی جن کے ماتحت آصف جاہ اوّل نے دکن کی خودمختاری کا اعلان کیا تھا اور ایک مختصر تقریر میں بتایا کہ کسی ملک کی ترقی کا راز اس کی خودمختاری میں مضمر ہے ۔

نواب بہادر یار جنگ نے ایک مختصر تقریر میں بتایا ہمیں اس امر کا احساس اور زندہ رہنی چاہئے۔ کہ ہم ایک خود مختار سلطنت میں بستے ہیں۔ اور ایک ایسا بادشاہ رکھتے ہیں۔ جو رعایا کے آرام کو ذاتی آرام پر ترجیح دیتا ہے۔ اس احساس کے بعد ہم ترقی کی منزلیں طے کر سکتے ہیں یہ تقریب نہایت تزک واحتشام اور خیر وخوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔

کانگرسی دردمندان ملک کی ذہنیت روز افزوں شرمناک طریق پر بگڑ رہی ہے اور وہ ایسے ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب ہو رہے ہیں جو بندگان خدا کی پریشانی اور مصیبت کا موجب ہوں۔ ۲۳ر دسمبر کا واقعہ کس قدر المناک ہے جبکہ ہری کشن نامی ایک ہندو نوجوان نے ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب پر ریوالور سے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے مسلسل چھ فائروں سے ہز ایکسیلنسی کے علاوہ چھ اشخاص اور زخمی ہوئے۔ جن میں سے ایک اسی وقت فوت ہوگیا۔ اور پانچ کو شدید زخم آئے۔ ہز ایکسیلنسی کو دو زخم آئے۔ عام حالت تسلی بخش ہے اور امید کی جاتی ہے کہ چند ہی روز میں آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ حملہ آور اسی وقت موقع پر گرفتار کر لیا گیا۔ شبہ میں دو تین طالب علم اور بھی گرفتار ہیں

اس ذہنیت کے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ان اوچھے ہتھیاروں اور وحشیانہ کارروائیوں سے کبھی سلطنتیں پلٹ سکتی ہیں! ہرگز نہیں۔ اس سے ملک کو خطرات کا سامنا ہوگا اور تمہارے رہنماؤں اور لیڈروں کی قربانیاں اکارت جائیں گی اور تم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ کوئی عقلمند انسان بم سازی اور پستول بازی کو پسند نہیں کر سکتا۔ ملک کے لئے یہ انتہائی ذلت ورسوائی کا پیش خیمہ ہے۔ ہر سلیم الطبع شخص ان حرکات مذبوحی پر نفرت وحقارت کا اظہار کرتا ہوا تمہاری اس جرأت وجسارت کو بزدلانہ خیال کرتا ہے۔ پس اگر تم ملکی مفاد کیلئے کوئی آئینی کارروائی کرنیکی قابلیت نہیں رکھتے تو تمہیں کوئی حق نہیں کہ مصائب ومشکلات کا منبع بنجاؤ اور ملک اور اہل ملک کے لئے آفات وبلیات کا دہانہ کھول دو۔

کانگرسی مساعی اگر بارود وآتش تک ہی محدود ہیں اور ملکی آزادی کا راز وہ اسی بم وپستول میں مضمر پاتی ہے تو ہر امن پسند انسان کا فرض ہے کہ وہ اس سے الگ ہوجائے کہ یہی بہترین انسانی فرض اور مذہبی تعلیم ہے۔

ہم ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب کو سلامتی جان پر مبارک باد دیتے ہیں اور شفاء صحت کے لئے دست بدعا۔

تصحیح

پیر علی احمد صاحب قریشی تجویز فرماتے ہیں۔ کہ رسالہ ماہ دسمبر کے صفحہ ۳۰ میں فاروقی قریشیوں کو بودلہ لکھا ہے فاروقی قریشیوں کو بودلہ نہیں کہتے بلکہ قریشی بودلہ کہلاتے ہیں۔ اضلاع فیروزپور۔ منٹگمری۔ لاہور وغیرہ میں کاغذات مال میں قریشی صدیقی المعروف بودلہ لکھا جاتا ہے۔ ناظرین القریش درست فرمالیں۔

ہجرت کی پہلی منزل

مکہ کی سرزمین جو ہے عالم میں انتخاب — چھایا ہوا تھا کفر کا اس پر کبھی سحاب
بجلی کی طرح کوندتا تھا خنجرِ ستم — روپوش ہو گیا تھا صداقت کا آفتاب

داخل تھے معصیت ہی میں جتنے تھے نیک کام — اک قہر تھا زبان پہ لانا خدا کا نام
بدکاریوں میں ڈوبی ہوئی تھی سرشت قوم — خونریزیوں کے ہوتے تھے ہر وقت اہتمام

لیکن خلیلؑ کی وہ دعائیں ہوئیں قبول — اس سرزمین پہ رحمت حق کا ہوا نزول
وہ طفل جس کے سر پہ نہ تھا سایۂ پدر — ہو کر جوان بنا وہی اللہ کا رسول

مکہ میں تھا شباب پہ گمراہیوں کا دور — سہنا تھا یہ یتیم ہزاروں طرح کے جور
بجھتا نہیں بجھائے سے وحدت کا یہ چراغ — کفار کر رہے تھے اسی مسئلہ پر غور

اس رائے پر قریش ہوئے متفق تمام — اس کو شہید کرنے کا فوراً ہوا اہتمام
کرنے لگے حصار وہ "بیت الرسول" کا — تشنہ اسی کے خون کی تھی تیغ بے نیام

نظارہ ہولناک تھا، تاریک رات تھی — تکیہ تھا صرف جس پہ وہ اللہ کی ذات تھی
شیرِ خدا نبی کے بچھونے پہ سو گئے — یہ مخلصی کی شان تھی ہمت کی بات تھی

اعدا سے بچ کے نکلے جو گھر سے رسول پاک — دیکھا کہ آہ! دشمنِ جان ہے وطن کی خاک
بے چین سے نہ بیٹھنے دیں گے مجھے قریش — ظالم ہیں، بیکسوں ہی کو کرتے ہیں یہ ہلاک

سوچا کہ مکہ میں ہے ابوبکرؓ سا رفیق — میرا مرے عزیزوں سے بڑھ کر ہے جو شفیق
پہونچے حضورؐ ان کے مکاں تک پیادہ پا — فرمایا "ظلم پر ہے کمربستہ ہر فریق"

سن کر اسے ہوئے تو ابوبکرؓ کچھ ملول — لیکن یہ سوچ کر کہ تردد سے کیا حصول
کی التجا جناب رسالت مآبؐ سے — "حاضر ہے یہ غلام ہو خدمت اگر قبول"

وہ ہولناک رات، وہ سناٹا دور دور — مہ کیا، فلک پہ تھا نہ ستاروں کا بھی ظہور
ظلمت سے دیو سے نظر آتے تھے کوہسار — کرتا تھا رہنمائی رخِ مصطفےٰ کا نور

اس حال میں تھے صرف ابوبکرؓ ہمسفر — بے آب و بے گیاہ پہاڑوں پہ تھا گذر
اس راہ پرخطر کو کیا مشکلوں سے طے — ناگاہ کوہ ثور کی جانب اٹھی نظر

دیکھا کہ جسم اپنا مسافت سے چور ہے　　اور قصد ہے جہاں کا وہ منزل بھی دُور ہے
حضرت نے بڑھ کے گوشِ ابوبکرؓ میں کہا　　جائے پناہ صرف یہی غارِ ثور ہے

اُترا یہ غمگسارِ نبیؐ پہلے غار میں　　باہر رہے رسُول کریمؐ انتظار میں
سوراخ بھر رہا تھا یہ کپڑوں کو پھاڑ کر　　آتا تھا جو نظر شب تاریک و تار میں

حضرت نے اس کو غار کے اندر بلا لیا　　شائستگی سے پاؤں کے اوپر لٹا لیا
سوراخ رہ گیا تھا کہ اب تک کھلا ہوا　　پاؤں کا جس پر اپنے انگوٹھا لگا لیا

بیٹھا رہا اسی طرح گھنٹوں یہ جاں نثار　　گو ڈس چکا تھا سانپ اس کے انگوٹھے کو ایک مار
کچھ آنکھ لگ گئی تھی رسُولِ کریمؐ کی　　تکلیف تھی، مگر نہیں ہوتا تھا بیقرار

آنکھوں میں اشک اس کی نمودار ہو گئے　　افسوس جو ذریعۂ اظہار ہو گئے!
شبنم کی طرح جب گلِ عارض پہ یہ گرے　　حضرت کی آنکھ کھل گئی بیدار ہو گئے!!

فرمایا آپ نے کہ ابوبکرؓ کیا ہوا　　کی عرض ہاتھ جوڑ کے "پیغمبر خدا"
"نادم ہوں فرق آگیا راحت میں آپ کی"　　"سوراخ میں جو سانپ تھا وہ مجھ کو ڈس گیا"

اعجاز یہ نبی کے لعاب دہن میں تھا　　ملتے ہی اس کے درد مٹا جو بدن میں تھا
صحت ہوئی جناب ابوبکرؓ کو نصیب　　اس معجزہ کا تذکرہ اہل وطن میں تھا

دُوسری منزل

کفار غارِ ثور تک آئے مگر فضُول　　اللہ کی اماں میں تھا اللہ کا رسُول
کی جُستجو بہت مگر آیا نہ کچھ نظر　　واپس گئے وہ مکّہ کو افسردہ و ملول

دونوں نے چار دن کیا اس غار میں قیام　　لاتا تھا دُودھ روز ابوبکرؓ کا[1] غلام
اور اُن کے بیٹے[2] آ کے سناتے تھے شام کو　　مکہ میں بھر قتل جو ہوتے تھے اہتمام
آگے بڑھے وہاں سے ابوبکرؓ و مصطفٰےؐ　　ہمراہ اپنے لے کے ارلیقط[3] کو لے لیا

---

[1] صحیح روایات میں یہی ہے مگر ابن ہشام نے لکھا ہے کہ شام کو حضرت اسماء گھر سے کھانا پکا کر غار ثور میں پہنچایا کرتی تھیں۔ [2] عبداللہ بن ابوبکرؓ۔ [3] عبداللہ بن ارلیقط جو کافر تھا۔ مگر اس پر اعتماد تھا اور راستہ بتانے کے لئے اجرت پر مقرر کر دیا گیا تھا۔

[4] اس واقعہ کے متعلق راویوں میں اختلاف ہے۔

کچھ دور غارِ ثور سے جانے نہ پائے تھے / مشہور شہ سوار سراقہ[1] نظر پڑا
آتا تھا اپنے گھوڑے کو سرپٹ کئے ہوئے / ترکش میں تیر ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے
آنکھیں تھیں سرخ قاتل بدمست کی طرح / تھا بادۂ غرور و تکبر پیئے ہوئے
گھوڑا اڑا تو گھوڑے کو ظالم نے ایڑ دی / چابک لگا کے کھال تک اُس کی اُدھیڑ دی
گھوڑا تھا تندخو، اُسے تھا چھیڑنا غضب / بیوجہ جنگ اس سے سراقہ نے چھیڑ دی
گھوڑے نے فرش خاک پر اس کو گرا دیا / سارا غرور خاک میں اس کا ملا دیا
دل میں خیال آیا کہ اچھا شگون نہیں / اس حادثہ نے پردۂ نخوت اٹھا دیا
ترکش سے تیر اس نے نکالے جو بہر فال / نکلا "نہیں" جواب میں تو کچھ ہوا ملال
لیکن نہ باز آیا یہ پھر بھی غلام حرص / لینا قریش سے تھا اسے خون بہا[2] کا مال
جو راہ گیر نکلا سراقہ یہ پھنس گیا / گھوڑے کو ساتھ لا کے مصیبت میں پھنس گیا
گھوڑا اتھا خوش خرام مگر بڑھتا کس طرح / گھٹنوں تک اس کا پاؤں زمیں ہی میں دھنس گیا
پھر فال دیکھی تیر سے۔ نکلا "نہیں" جواب / سوچا یہ اس نے آج کچھ آثار ہیں خراب
مجبور ہو کے عرض کی خیر الانامؐ سے / جان بخشدیں گے آپ تو ہوگا بہت ثواب
کیا مرتبہ تھا آپ کا قربان جائیے / فرمایا "ہم تو بخش چکے جان" جائیے
کی عرض جب سراقہ نے "تحریر دیجئے" / فرمایا لے کر امن[3] کا فرمان جائیے

آخری منزل

جب ہو گئی[4] سولہ منزلیں طے کر چکے حضور / اور رہ گیا مدینہ کوئی تین میل دور،

[1] سراقہ ابن خثعم عرب کا مشہور تیرانداز۔ [2] اہل قریش نے اشتہار دیا تھا۔ کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کا سر لائے گا اس کو ایک خون بہا کی برابر یعنی سو اونٹ انعام دئے جائیں گے۔ سراقہ ابن خثعم اسی خون بہا کے لالچ میں گھر سے نکلا تھا

[3] حضور سرور کائنات نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے ارشاد فرمایا کہ اُسے فرمان امن لکھکر دیدو چنانچہ عامر نے چمڑے کے ٹکڑے پر سراقہ کو امن کا فرمان لکھ کر دیا۔

[4] مورخین خصوصاً ابن سعد نے طبقات میں ہجرت کی حسب ذیل منزلیں گنائی ہیں۔ خرار[1]۔ ثنیۃ المرۃ[2]۔ لقف[3]۔ مدلجۃ[4]۔ مرجح[5]۔ حدابد[6]۔ اذاخر۔ رابغ (یہ مقام اب بھی موجود ہے) ذاسلم۔ ثمانیۃ[10]۔ فاختۃ[11]۔ عرج[12]۔ حدوات[13]۔ کوبۃ[14]۔ عقیق[15]۔ جثجاثہ۔

انصار بولے روئے پیمبر کو دیکھ کر
تھے اہل شہر سب ہمہ تن چشم انتظار
کوچوں میں کہتے پھرتے تھے اطفال خورد سال
کہتے تھے لوگ غنچہ امید کھل گیا
عمرو[۲] بن عوف کا تھا ہر اک فرد شادماں
وہ ذات پاک جس کا خدا پاسبان ہے
کلثوم[۳] ہی کے طالع میں لکھا تھا یہ شرف
مسجد نہ تھا قبا میں کوئی بھر امتیاز
رکھ رکھ کے اپنے دست مبارک سے سنگ و خشت
آگے بڑھے قبا سے جو سرکار ذوالمنن
گاتی تھی نغمہ یہ بنی سالم[۴] کی عورتیں
معصوم لڑکیوں[۵] کو نظر آئی جب قطار
"تم مجھ کو چاہتی ہو؟" کہا سب نے جی حضور
ہر شخص کہہ رہا تھا کہ اے شاہ ذوالجلال
اُن کو دعائیں دیتے تھے حضرت جواب میں
یثرب کا ہر بشر ہوا جاتا تھا فرش راہ
کی عرض یہ اُنہوں نے کہ اے فخر دو جہاں
دولت کدہ پر اُن کے کیا آپ نے قیام
ان کو بھی اپنے دامن رحمت میں لے لیا
جو گل وطن کے ہو رہے بے خانماں بنا
آشفتہ خاطری میں کبھی منتشر تھا اسکی راز

بدر الدجیٰ نے کوہ قبا[۱] پر کیا ظہور
نکلے وہ پیشوائی کو باندھے ہوئے قطار
لوگو چلو کہ آتے ہیں محبوب کردگار
جس کی تلاش تھی وہ گہر ہم کو مل گیا
نعروں سے جن کے چرخ گراں گوش ہل گیا
جس کے قدم سے دشت عرب گلستاں بنے
اس میزبان دہر کے وہ میزبان بنے
جا کر جہاں جھکاتے مسلماں سر نیاز
مسجد بنائی اور پڑھی آپ نے نماز
کوچوں سے بہر دید نکل آئے مرد و زن
سوئے مدینہ ماہ کی چمکی نئی کرن
ہنس ہنس کے پوچھنے لگے محبوب کردگار
فرمایا میں بھی کرتا ہوں دل سے تمہیں پیار
حاضر ہیں آپ کے لئے اولاد جان و مال
کرتے نہ تھے کسی سے مگر آپ کچھ سوال
حضرت کی جب پڑی ابو ایوب پر نگاہ
"موجود ہے قیام کو خادم کی خوابگاہ"
مکہ سے آ چکے تھے مہاجر بھی اب تمام
ہونے لگے ہر ایک کی راحت کے انتظام
یثرب بن آ کے غیرت صد گلستاں بنا
نکہت اُڑی تو اس سے معطر جہاں بنا
[illegible]

[۱] مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی پر آبادی ہے۔ جسکو [illegible] ۔ [۲] [illegible] خاندان مدینہ میں سب سے ممتاز تھا۔ [۳] کلثوم بن الہدم عمرو بن عوف کے قبیلہ کے افسر تھے آنحضرت نے [illegible] کی مہمانی قبول فرمائی تھی۔ [۴] وادی بنی سالم [۵] قبیلہ بنجار کی لڑکیوں کی طرف اشارہ ہے۔

مکافاتِ عمل

کردن خویش آمدن پیش

کہتے ہیں کہ خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا ۔ جو بہت ہی عقلمند اور بے حد ہوشیار تھا ۔ بادشاہ اسکی لیاقت اور سعادتمندی سے ازحد خوش ہوا ۔ اور اس کو اپنا مقرب و مصاحب بنالیا ۔ اس نے اپنی سچائی اور دانشمندی سے بادشاہ کے دل پر پورا سکہ بٹھا دیا ۔ اور بادشاہ کی عنائت سے بے روک ٹوک محلسرائے میں آنے جانے لگا ۔ بادشاہ اس کی ہر بات کو منظور کرتا تھا ۔ اور اس کی ہر بات مانتا تھا ۔ اس بادشاہ کا ایک وزیر بہت ہی حاسد اور کینہ تھا ۔ وہ ہر وقت اعرابی کا اقتدار دیکھ کر کڑھتا تھا ۔ اور اس کی حالت پر رشک و حسد کرتا تھا ۔ اور ہمیشہ اس کو ذلیل کرنے کی فکر میں رہتا ۔ لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہ آتی ۔ آخر سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا کہ دوستی کے پردہ میں دشمنی کرے اور اس اعرابی سے دوستی کرلی ۔ بہت لطف و مہربانی سے پیش آنے لگا ۔ اور اعرابی کے سامنے اپنے کو اس کا جان نثار دوست ظاہر کیا ۔ اعرابی اس کے مکر میں آگیا ۔ اور سب سے بہتر اس کو اپنا دوست سمجھنے لگا ۔ وزیر نے ایک روز اس سے کہا ۔ کہ دوست آج تم ہم ملکر کھانا کھائیں گے ۔ اور دعوت دے کر اس کو اپنے گھر لے گیا ۔ بہت اہتمام کے ساتھ کھانے پر لطف تیار کئے لیکن سب کھانوں میں لہسن زیادہ ڈال دیا ۔ جب وہ اور اعرابی کھانے سے فارغ ہوئے تو وزیر نے اعرابی سے سخت تاکید کے ساتھ کہا ۔ کہ تم کچھ عرصہ تک امیرالمومنین کی خدمت میں نہ جانا ۔ کیونکہ ان کو لہسن کی بو سخت ناگوار ہے ۔ کہیں تمہارے منہ سے سونگھ کر تکلیف پائیں ۔ جب٭ اعرابی جس پر آپ کی ازحد مہربانی ہے ۔ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے ۔ کہ امیرالمومنین بڑا ہی گندہ دہن ہے ۔ اور اس کے منہ سے اکثر بدبو آیا کرتی ہے ۔ اگر آپ میری بات کا اعتبار نہ فرمائیں ۔ تو اس اعرابی کو بلا کر میری اس بات کی تصدیق کر لیجئے ۔ یہ کہہ کر وزیر باہر آگیا ۔ اس کے جانے کے بعد بادشاہ نے اس اعرابی کو بلوا بھیجا ۔ جس وقت اعرابی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس ڈر سے کہ کہیں لہسن کی بو امیرالمومنین نہ سونگھ پائیں ۔ منہ پر رومال رکھ لیا ۔

جب امیرالمومنین نے دیکھا ۔ کہ وہ اپنا منہ رومال سے ڈھانپ رہا ہے تو وزیر کی بات کا یقین ہوگیا ۔ اور ایک بند رقعہ لکھ کر اعرابی کو دیا ۔ جس کا مضمون یہ تھا ۔ کہ

"حامل رقعہ کو فوراً ہلاک کردو" اور اعرابی سے کہا کہ فلاں عہدہ دار کے پاس اس رقعہ کو لے جا ۔ جس وقت اعرابی باہر آیا ۔ تو وزیر سے ملاقات ہوئی ۔

وزیر نے پوچھا ۔ کہاں کا ارادہ ہے ؟ کہا اس خط کو امیرالمومنین نے فلاں عامل کے پاس لے جانے کے لئے کہا ہے ۔ وزیر نے دل میں خیال کیا ۔ کہ ضرور اس میں اعرابی کے متعلق کوئی انعام ہوگا ۔ یا کوئی بڑا عہدہ ملے گا ۔ یہ خیال دل میں لاکر اعرابی سے کہا ۔ اگر کوئی شخص تجھ کو سفر کی مشقت سے چھڑا دے اور دو ہزار دینار بھی دے ۔ تو اس کے حق میں کیا کہتا ہے ؟ اعرابی نے کہا ۔

آپ بڑے ہیں بزرگ ہیں۔ جو آپ فرمائیں وہی بہتر ہو۔ یہ کہہ کر وہ خط وزیر کے حوالہ کیا۔ وزیر کہ اُس طرف چل دیا جس طرف اعرابی کو جانا تھا۔ جب وزیر نے اس عامل کے پاس پہنچ کر رقعہ دکھایا۔ تو عامل نے حسب فرمان شاہی وزیر کی گردن اُڑا دی۔ جب چند روز گذر گئے تو بادشاہ نے وزیر کو یاد کیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ وزیر تو چند دن سے غائب ہے البتہ اعرابی موجود ہے۔ بادشاہ نے اعرابی کو بلوایا۔ اور تمام ماجرا پوچھا۔ اس نے تمام قصہ اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ جب بادشاہ کو وزیر کے حسد کا حال معلوم ہوا۔ تو کہا۔ بیشک خدا نے فیصلہ کیا۔ اور اس کو اس کے حسد کے ہاتھوں کھویا۔ جیسا کیا۔ ویسا پایا۔ بعد اس کے اعرابی سے بہت خوش ہوا اور اس کو وزیر کی جگہ دے دی خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اعرابی بادشاہ کو پہلے سے زیادہ عزیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ عنان سلطنت اس کے اختیار میں آگئی۔ ع

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

آہ! مولانا محمد علی

فدائے ملت مولانا محمد علی جن کے نام اور حسنِ خدمات ملی سے دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے لنڈن تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک ولولہ انگیز آزادانہ تقریر کر کے ان لوگوں کو محجوب کر دیا جو آپ کو "دشمن ملت" اور "ٹوڈی" کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ کانگریسی جو آپ کو مشکوک و مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس تقریر سے حیران و ششدر رہ گئے اور تحسین و آفرین کے نعرے لگانے لگے۔ آپ ملک و ملت کے ہمدرد اور آزادی کے حامی و معاون تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں صاف الفاظ میں کہ دیا تھا۔ کہ خوش ہیں گے یا جنازہ یہیں اُٹھے گا۔ اللہ اکبر۔ ان الفاظ میں کس قدر صداقت و خلوص تھا کہ وہی ہوا اور خدائے قدیر کو بھی قوم و ملت کے سامنے آپ کو سرخرو کرنا منظور تھا چنانچہ آپ نے ۴ جنوری کو اتوار کے دن ۹½ بجے صبح ان تمام مایوسیوں سے جو کانفرنس مذکور کے حالات سے پیدا ہو گئی تھیں منہ موڑ کر سفرِ آخرت اختیار کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم مراد آباد کے باشندے اور رام پور کے جاگیردار تھے۔ آپ علی گڑھ کے بی۔ اے اور ولایت کی اکسفورڈ یونیورسٹی کے منتہی تھے ابتداً آپ سول سروس میں شامل ہوئے۔ مگر جلد ہی اس سے الگ ہو گئے۔ اور اخبارات اُردو و انگریزی جاری کئے مسجد مچھلی بازار کانپور کے مشہور واقعہ کے وقت سے عملاً میدان میں آئے۔ خلافت کی تحریک میں بدرجہ اتم قومی خدمات انجام دیں۔ نظر بند ہوئے۔ کانگرس بنے لیڈر ہو ۔۔ قید ہوئے۔ مشکلات و مصائب کا سامنا کیا لیکن عزم و استقلال میں لغزش اور پائے ثبات میں ذرہ بھر جنبش نہیں آئی۔ مستقل ارادہ کے انسان تھے۔ آپکی وفات سے ناقابل تلافی قومی نقصان ہوا ہے۔ آپکا مزار فلسطین کے مسلمانوں کی خواہش پر وہیں بنایا گیا۔ خدا مغفرت

قومی خدمت

ازمولانا سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری

(۱)

مولانا کامل اپنے وطن کے ایک قابل فرزند ہیں۔ انہوں نے ایک علم دوست خاندان کے ممبر کی حیثیت سے پہلے فارسی اور عربی میں کافی دستگاہ حاصل کی اور پھر ۱۲ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم شروع کی۔ کچھ دنوں پرائیویٹ پڑھکر باقاعدہ مدارس میں داخل ہوئے۔ اور چند سال میں بڑی کامیابی کے ساتھ بی اے کا امتحان پاس کیا۔ گریجوایٹ ہو جانے کے بعد کامل صاحب کے سامنے ایک شاندار مستقبل موجود تھا یعنی وہ اپنے خاندانی اثرات کی بنا پر اگر کوشش کرتے تو یقیناً نائب تحصیلدار اور پھر رفتہ رفتہ کوئی بڑے عہدے دار ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے ایک قومی کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اور اس لئے اُن کے دل و دماغ پر قومیات کے تاریک بادل چھا رہے تھے۔ اور کالج چھوڑنے کے بعد قومیات میں کسی قدر سیاسیات کا عنصر بھی شامل ہوگیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ تہا۔ کہ انہوں نے تمام زرّین مشاغل سے رُخ پھیر کر اپنی زندگی ملک و قوم کی خدمت میں بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ ایوانِ سیاسیات میں در آنے کے لئے پہلا قدم یہ تھا کہ انہوں نے دو چار روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات اپنے نام جاری کرائے۔ سیاسی حلقوں میں نشست برخاست شروع کی۔ قومی اور سیاسی انجمنوں کی شرکت اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ اخبارات میں مضامین لکھنے لگے۔ دماغ میں خیالات، اور زبان میں خوش گوئی کا پیدا ہونا تھا کہ وہ ایک لیکچرار کی حیثیت سے قومی و سیاسی پلیٹ فارم تک پہنچنے لگے۔ لیکن ان مشاغل میں چونکہ آمدنی کچھ زیادہ نہ تھی اور کچھ نہ کچھ روپیہ خرچ ہو جاتا تھا۔ اس لئے باپ دادا کا اندوختہ صرف میں آنے لگا۔

(۲)

کامل صاحب کے پاس کوئی قابل تذکرہ جائداد نہ تھی۔ وہ دو مکانوں اور چار دوکانوں کے مالک تھے۔ اُنکی والدہ کے پاس جو کچھ اندوختہ تھا وہ اُن کی تعلیم اور شادی میں ختم ہو چکا تھا۔ مکانات ذاتی صرف میں تھے اور دو دکانوں کا کرایہ پچاس روپیہ جوں توں گھر کے ضروری اخراجات کو تو کافی ہو جاتا تھا۔ لیکن ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے اُن کو لیڈروں کی مُلاقات و مہمانی اور اپنے ریل کے سفر کے لئے جو رقم درکار تھی اس کا حصول قرض کے سوا کسی صورت سے ممکن نہ تھا۔ کامل کو سیاسیات کا ایسا زبردست نشہ تھا۔ کہ انہوں نے عاقبت اندیشی سے ذرا بھی کام نہیں لیا۔ اور ایک مہاجن سے معاملہ کرکے بڑی خوصلہ مندی کے ساتھ سودی قرض لینے لگے۔ تین سال کا زمانہ گذرا تھا اور ابھی انہوں نے ایک چھوٹے سے لیڈر کی پوزیشن بھی حاصل نہیں کی تھی کہ وہ پانچ ہزار روپے کے مقروض ہو گئے۔ مہاجن نے روپے کا مطالبہ کیا۔ اور جب روپیہ نہیں ملا تو اصل و سُود وغیرہ سب رقم ملاکر دس ہزار کا دعویٰ کر دیا۔ اور کامل صاحب کی ساری جائداد اس مطالبہ میں نیلام ہوگئی۔ اب بھی اُن کا نشہ نہ اُترا۔ وہ کرایہ کے مکان میں اُٹھ گئے۔ بیوی کا زیور اور اثاث البیت بیچ بیچ کر زندگی بسر کرنے لگے۔ اُن کا دل خلوص اور خلوص سے بڑھکر جوش سے لبریز تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ممکن ہو قوم پر نثار ہو

جائیں چنانچہ قوم کے عشق میں انہوں نے گورنمنٹ کو اپنا دشمن بنا لیا۔ اُن کا طریق عمل قانون وقت کی زد میں آنے لگا اور آخر کار ایک پُرجوش تقریر کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کی زبان بندی کر دی گئی۔ اور جب اس پر بھی وہ باز نہ رہے تو ایک سخت دفعہ کے ماتحت اُن کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

(۳)

کامل صاحب کو اپنی سزا کا ذرا بھی غم نہ تھا کیونکہ اُن کو یقین تھا کہ جس قوم کے لئے انہوں نے اپنا روشن مستقبل فنا کر دیا جس کے لئے انہوں نے سرکاری معزز عہدہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جس کے لئے انہوں نے اپنی جوانی برباد کر دی جس کی خاطر انہوں نے اپنی موروثی جائداد تباہ کر ڈالی۔ اور جس کی فداکاری میں انہوں نے عزت و آبرو گنوا کر جیل کی تکالیف گوارا کیں۔ وہ کبھی اُن کو فراموش نہیں کرے گی اور کم از کم ان احسانات کا اتنا معاوضہ ضرور دے گی کہ اُن کی عدم موجودگی میں اُن کے اہل و عیال کی خبرگیری رہے گی۔ کامل اپنی قوم کے متعلق بڑے مغالطہ میں مبتلا تھے۔ اُن کو معلوم نہ تھا کہ قوم کا حافظہ بہت کمزور ہے۔ وہ اپنے محسنوں اور جاں نثاروں کو اُن کے روپوش ہونے ہی ہمیشہ کے لئے بھول جاتی ہے۔ صدیاں گزریں کہ وہ اپنا کیرکٹر کھو چکی ہے۔ مدتیں ہوئیں کہ اخلاقی صفات اُس میں نہیں پائی جاتیں نیک و بد کی تمیز اُس کے دماغ سے مفقود ہے۔ وہ اہل خلوص کو ہمیشہ بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور خواہ کیسی ہی نیک نیتی کے ساتھ اس کی خدمت کی جائے لیکن وہ ہر خدمت کو ذاتی مفاد اور بدنیتی پر محمول کرتی ہے۔ اور اس لئے ان کی جاں نثاریوں کو قابل احترام اور لائق معاوضہ نہیں سمجھتی۔ چنانچہ کامل کے سزایاب ہونے پر اُستاد ذوقؔ کا یہ مشہور شعر کسی قدر ترمیم کے ساتھ اُن کے حسب حال ثابت ہوا کہ ؎

جب قید ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوقؔ پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

(۴)

کامل کے قید ہونے پر اُن کے سیاسی احباب میں تو دو چار دن تذکرہ رہا لیکن پھر کسی نے نام بھی نہیں لیا۔ اُن کے متعلقین میں چار لڑکیاں۔ ایک بیوی اور ایک بوڑھی ماں تھی۔ کچھ دنوں قریبی عزیزوں نے ان کی خبرگیری کی لیکن مستقل طور پر ایک پورے کنبہ کی کفالت ناممکن تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک سال کے بعد یہ مصیبت زدہ خاندان انتہائی مشکلات اور فاقہ کشی کی تکالیف میں مُبتلا ہو گیا۔ وہ قوم جو کامل کے اسٹیج پر آتے ہی کئی منٹ تک چیئرز دیتی تھی۔ وہ قوم جو کامل کی تقریر و تحریر پر عالم وجد میں سر دُھنتی تھی۔ آج اُن کے اہل و عیال سے بے خبر تھی۔ تین تین دن گذر جاتے تھے۔ اور ان معصوم مظلوم بچوں کو آب و دانہ میسر نہیں آتا تھا۔ دُوسرے سال مکان بھی چھوڑنا پڑا۔ اور ایک تنگ و تار جھونپڑا کرایہ پر لے کر ان لوگوں نے بود و باش اختیار کی۔ کامل کی بیوی نے محنت مزدوری شروع کی لیکن تاریک و مرطوب جھونپڑے میں رہنے سے سارا کنبہ ملیریا میں مبتلا ہو گیا۔ مناسب غذا اور ضروری دوا میسر نہ آنے سے طحال اور جگر میں خرابیاں واقع ہوئیں۔ ایک مرتبہ تین دن کے فاقہ کے بعد جب ایک پیسہ میسر آیا تو موٹی ککڑیاں منگا کر ان فاقہ کشوں نے کھائیں ایک لڑکی ہیضہ میں مبتلا ہو کر راہی مُلک بقا ہوئی۔ دو لڑکیاں کرانک ملیریا کی نذر ہوئیں۔ شیرخوار بچی ماں کی علالت اور کثافت وغیرہ

کے باعث سرخ بادہ میں ایسی مبتلا ہوئی کہ جانبر نہ ہوسکی۔ پہلی اٹھتی کونپلوں کو اسطرح مرجھاتے ہوئے دیکھکر بیماریاں ضبط نہ کرسکی۔ اس کے اعضائے رئیسہ پہلے ہی سے کمزور ہو رہے تھے۔ ان پیہم صدمات سے رہی سہی طاقت بھی چھین لی اور آخرکار چندماہ میں سسک سسک کر وہ بھی اپنی مصیبت زدہ اولاد سے جاملی۔ اب اس کنبہ میں صرف کامل کی ماں اپنی سخت جانی کی بناپر زندہ تھی۔ کامل کے ایک قریبی رشتہ دار اس ضعیفہ کو اپنے گھر لے گئے۔ ورنہ وہ بھی موت کا شکار ہوجاتی۔

(۵)

خدا خدا کر کے سزا کی میعاد ختم ہوئی اور کامل نے قید سے رہائی پائی۔ اس اثناء میں ایک دو رشتہ داروں کے سوا جنہوں نے کسی ضرورت سے سفر کیا تھا سنٹرل جیل میں کسی نے اُن سے ملاقات نہیں کی۔ عرصہ دراز سے وہ اپنے متعلقین کے حالات سے بے خبر تھے۔ چندماہ بیشتر انہوں نے اپنے چند دوستوں کو لکھا تھا کہ اُن کے گھر کا حال لکھیں۔ سیاسی دوستوں کو کیا پڑی تھی کہ تحقیقِ حال کی زحمت گوارا کرتے انہوں نے لکھدیا کہ تمہارے متعلقین صحیح سلامت اور آرام سے ہیں مطمئن رہو۔ بہرحال کامل جب جیل سے باہر نکلے تو سوادِ وطن کے سوا کوئی ہستی اُن کے خیر مقدم کے لئے موجود نہ تھی۔ وہ افتاں خیزاں اپنے مکان پر گیا کیونکہ فرماں پذیر بیوی اور معصوم بچوں کے اشتیاق نے اُسے مضطرب کر رکھا تھا۔ مکان پر جاکر دیکھا تو کوئی اور کرایہ دار اس میں مقیم تھا جب کچھ پتہ نہ چلا تو اپنے اعزہ واقربا کے پاس پہنچا۔ آخر حالات معلوم ہوئے۔ کامل کو غش آگیا۔ جب ہوشیار ہوا تو اس کی حالت دیوانوں کے مانند تھی۔ کئی ہفتہ میں اس کا مزاج روبہ اصلاح ہوا لیکن پھر بھی اُس کی طبیعت مشتعل تھی۔ اور اس کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ جب تنہا ہوتا تھا تو دانت پیس پیس کر کہتا تھا کہ اے قوم اور اے افرادِ قوم کیا میری مخلصانہ خدمات کو فراموش کردیا۔ تم نے میری نیک نیتی اور خلوص کی کچھ قدر نہ کی۔ میرے گھر میں آگ لگ گئی اور تم دیکھتے رہے۔ میری کشتی ڈوب گئی اور تم طاقت کے باوجود اس کے بچانے کیلئے آگے نہیں بڑھے۔ اچھا میں تم سے انتقام لوں گا۔ اور اب میں وہ طریقِ عمل اختیار کروں گا جس کے تم مستحق ہو۔

(۶)

یہ خیالات اور انتقام کے جذبات کامل کے دل میں اس قدر مستحکم ہوئے کہ چند روز میں عملی صورت اختیار کر گئے انہوں نے ترکِ وطن کرکے دوسرے شہر میں قیام اختیار کیا اور ایک شخص سے دو دو روپے قرض لیکر اور ایک اخبار کو بھیج کر حسب ذیل اشتہار شائع کرایا۔

"ایک مسلمان حسین خوبرو دوشیزہ کے لئے جو کافی تعلیمیافتہ، سلیقہ مند اور زنانہ ہنر مندیوں سے اچھی طرح واقف ہے اور پچاس ہزار کی جائداد بھی رکھتی ہے شوہر کی ضرورت ہے۔ قومیت کی قید کوئی نہیں۔ البتہ اُمیدوار اپ ٹوڈیٹ اور برسرِ کار ہونا چاہیئے۔ جو صاحب رشتہ کرنا چاہیں۔ وہ چار آنے بھیج کر لڑکی کا فوٹو طلب کرلیں"۔ اس ایک بار کے اشتہار کا یہ اثر ہوا کہ کامل کو اپنے فرضی پتہ پر تقریباً ڈھائی سو خط موصول ہوئے جس کے یہ معنی تھے کہ ٹکٹوں سے ساٹھ پینسٹھ روپے کی آمدنی ہوگئی۔ اب انہوں نے اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں قیام اختیار کیا اور اب کے انہوں نے مردانہ شکایات کے متعلق ایک پُرزور اشتہار شائع کیا۔ دوا کی قیمت ۲ (دو) روپے تھی۔ اس اشتہار کا مضمون خلافِ تہذیب ہونے کی وجہ سے یہاں درج نہیں کیا جاتا۔ اشتہار نہایت کامیاب ہوا اور ایک ماہ میں تین سو فرمائشیں آئیں۔ جس کے یہ

معنی ہیں کہ تقریباً چھ سو روپے کامل کو وصول ہوئے۔ وہ یہ روپیہ لے کر ایک بڑے مرکزی شہر میں پہنچے اور ایک اعلیٰ درجہ کا رسالہ جاری کیا اور اتنا ضخیم اور چھپائی لکھائی وغیرہ اتنی عمدہ کہ پانچ روپے سالانہ میں بھی سستا سمجھا جاتا لیکن کامل نے اُس کی قیمت دو روپے سالانہ رکھی۔ دو ماہ میں بارہ سو خریداروں کی رقم وصول ہوئی اور تقریباً چھ سو روپیہ خرچ ہُوا۔ کامل بارہ سو روپے کی رقم لے کر اس شہر سے بھی رخصت ہوئے۔

(۷)

اتنی رقم حاصل کرنے کے بعد کامل نے جس شہر میں سکونت اختیار کی وہاں ایک قومی مڈل اسکول کی ہیڈ ماسٹری خالی تھی۔ ان کو فوراً کامیابی ہوگئی۔ ارکانِ شہر کے ساتھ اختلاط پیدا کر کے انہوں نے فی الجملہ پبلک لائف کی بنیاد ڈالی اور چند روز کے بعد سکول وغیرہ کی امداد کا نام لے کر انہوں نے ایک لاکھ روپے کی لاٹری کا بندوبست کیا اور اس سلسلہ میں پچیس ہزار روپے کی رقم بڑے سلیقہ کے ساتھ اپنے لئے بچا لی۔ اپنی زندگی کو اس قدر کامیاب بنانے کے بعد اب اُن کو شادی بیاہ کا خیال پیدا ہُوا۔ اب اُن کے لئے شادی کا مسئلہ کچھ پیچیدہ نہ تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ ایک دولتمند بیوی اُن کو حاصل ہو اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اپنے وطن پہنچ کر جائداد خرید کی مکان مول لیا اور لوازمِ امارت کو بہم پہنچایا اور اس کے بعد بیوی کی جستجو کرنے لگے۔

(۸)

کامل کی خوش قسمتی اور حُسن اتفاق سے ایک بخیل سُود خوار رئیس کا انتقال ہُوا۔ وہ لاولد تھا اور بیوی کے سوا کوئی وارث نہ تھا۔ بیوی کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ ایک طرف تو وہ شوہر کی دو تین لاکھ روپے کی جائداد کی مالکہ تھی اور دوسری طرف کئی لاکھ کی جائداد اُسے ترکہ پدری میں ملنے والی تھی۔ کامل نے اس طلائی موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بڑی جد و جہد کے ساتھ اس مہم کو سر کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی کامل کی بیوی کے والدین نے انتقال کیا۔ اور تمام علاقہ کامل کے قبضہ میں آ گیا۔ اب کامل شہر کے سب سے بڑے رئیس اور سب سے زیادہ متمول شخص شمار کئے جانے لگے۔ یہ عروج اور تموّل دیکھ کر اُن کے سیاسی اور قومی دوستوں کو تجدید تعلقات کا خیال پیدا ہُوا لیکن کامل نے تحقیر و تذلیل کے ساتھ اُن کو ٹھکرا دیا۔ کامل کے تموّل کا شہرہ سُن کر قومی بھکاری اور سیاسی گداگر ان کے پاس آتے تھے۔ لیکن یہ نہایت بداخلاقی کے ساتھ اُن کو واپس کر دیتے تھے۔ عرصہ دراز تک کامل کے خیالات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہُوا حتیٰ کہ سولہ سال کا زمانہ گذر گیا۔ اس اثناء میں وہ پھر چار بچوں کے باپ بنے۔ لیکن ایک دن عالم تنہائی میں جب وہ اپنی گذشتہ زندگی پر غور کر رہے تھے اُن کے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے قوم ظالم تھی اور میں مظلوم تھا۔ لیکن اب میں ظالم ہوں اور قوم مظلوم ہے۔ پس بہتر ہے کہ نہ میں ظالم بنوں نہ مظلوم رہوں اور اس خیال کی بناء پر انہوں نے وہ تمام ذاتی جائداد جو حاصل کی تھی۔ قومی درسگاہوں اور یتیم خانوں کو تقسیم کر دی اور بیوی سے مہر و حقوق معاف کرا کے خود گوشہ نشینی اختیار کی۔ چنانچہ آج کل اُن کی عمر کا باقی ماندہ حصہ اس طرح بسر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے صوفیوں کے لئے باعث رشک ہے۔

صدائے حق

از سید نواب علی صاحب رضوی ایم۔ اے

لشکر اسلام جس دم شام کی جانب چلا
سرور دیںؐ نے صحابہ کو مخاطب یوں کیا

رومیوں کی جنگجوئی خلق میں مشہور ہے
حامیانِ ملت بیضا کو لیکن خوف کیا

اپنا مرنا اپنا جینا ہے خدا کے واسطے
جو موحد ہیں شعار ان کا ہے تسلیم رضا

گرچہ یہ موسم ہے گرمی کا پھر اس پر قحط ہے
ہے سفر مثل سقر لیکن یہ ہے راہ خدا

سُن کے یہ اصحاب جانباز نبیؐ آگے بڑھے
جس سے جو کچھ ہو سکا لاکر وہیں حاضر کیا

حضرت عثمان غنیؓ تھے مال و زر لائے وہیں
"جیش عسرت کا مجہز" یہ لقب حاصل کیا

اک صحابی تھوڑے سے جَو لاکے یوں کہنے لگے
مجھ کو مزدوری میں جو کچھ آج کے دن تھا ملا

اس میں سے آدھا خدا کی راہ میں لایا ہوں میں
ہو قبول اے سرور دیں ہدیہ اس ناچیز کا

نیکیٔ وسعت پاک میں جو بولے یہ سالار دیں
وہ غنی ہے، اپنے بندوں کی ہے نیت دیکھتا

دوستو یہ راہ حق ہے، دیں کی یہ تعلیم ہے
ہو اگر دیندار راہ حق میں ہو جاؤ فدا

ہے قلم کا یہ زمانہ علم و فن کا دور ہے
مانگنا اب چاہئے قل رب زدنی کی دعا

یہ جہالت ہے، کیا ہے قلب کو جس نے سیاہ
یہ جہالت ہے پڑا امت میں جس سے تفرقا

اب بہتر کیا ہوئے سو سے بھی زائد فرقے آہ
ٹکڑے ٹکڑے قالب اسلام ہے واحسرتا

یہ جہالت ہے کہ ہیں جو صاحب مال و منال
وہ سمجھتے ہی نہیں مصرف ہے اس دولت کا کیا

مدرسوں کی ان کے بس خالی عمارت دیکھ لو
کیسی ہے تعلیم کی حالت۔ کہیں افسوس کیا

ہو بُرا تیرا جہالت کر دیا ہم کو تباہ
ہو گئے چھوٹے بڑے سب اس مرض میں مبتلا

غم نہیں لیکن کہ صدقہ ہیں رسول اللہؐ کے
شافیٔ برحق نے دی ہم کو مجرب اک دوا

وہ شفا، رحمتہ للمومنین لاریب ہے
وہ ہدیٰ ہے۔ نور ہے۔ یعنی کلام اللہ کا

گر عمل ہو صدق دل سے اس کی تعلیمات پر
پھر وہی عزت ملے ہم کو طفیل مصطفےٰ

تفرقے مٹ جائیں گر ہو دائروں کا مرکز ایک
رنگ کثرت کے فنا ہوں گر ہو وحدت کا ضیا

ظلمت جہل و تعصب دُور ہو جائے ابھی
گر کتاب اللہ کو لے کر کہیں ہم حسبنا

دو طالب علم

(از ابو الاشرف غلام اصغر صاحب بارہ بنکی)

(ا)

حامد اور محمود دونوں نے ایک ساتھ انٹرنس پاس کیا۔ اسکول میں جب سے دونوں داخل ہوئے ایک ہی جگہ رہتے سہتے اور ایک ساتھ لکھتے پڑھتے۔ دونوں میں بہت انس و محبت رہی۔ ایسے صاحب حیثیت نہ تھے کہ آگے سلسلہ تعلیم جاری رکھتے۔ اس لئے اس منزل میں اب قدم رکھنا لابدی تھا جس کے لئے فی زمانہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔ دونوں بلند خیال و اولوالعزم تھے اس اعتبار سے دونوں کا نصب العین ایک ہی تھا۔ "یعنی دنیا میں ترقی کرنا" حامد تجارت کا حامی تھا۔ اور محمود کا میلان طبع ملازمت کی طرف تھا۔ اوقات فرصت میں اسی موضوع پر دونوں میں گرما گرم بحثیں ہوتیں۔ حامد کا قول تھا۔ کہ اقوام عالم کی تاریخ بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسی قوم نے ترقی کی جس نے تجارت کو مدار عمل قرار دیا۔ تمدنی و معاشرتی شان و شکوہ محض تجارت کی رہین منت ہے۔ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ جاپان اور جاپانیوں سے دنیا کس قدر بے خبر تھی دول عالم میں ان کا کوئی امتیازی درجہ نہ تھا۔ لیکن ادہر چند ہی برسوں میں تجارت کی بدولت اسی جاپان نے جو ترقی کی وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جنگ یورپ کے زمانہ میں جب جرمنی کی تجارت سرد پڑگئی تو تمام ملک میں ہلچل مچگئی۔ یہ اقوام عالم سے ایک قوم و ملک کی اجتماعی ترقی کی مثالیں ہیں۔ انفرادی نظیریں صدہا ہمارے شہر میں موجود ہیں۔ تھول جھنگا ساہ بسنتی لال کے اب سے دس پندرہ سال پیشتر کے تمام و کمال حالات سے ہم واقف ہیں۔ آج اس ابتدائی حالت کا موازنہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے نہ ان کی کثیر جائدادیں تہیں، نہ موروثی دولت محض اس تجارت کا کرشمہ ہے۔ جس کو انہوں نے اختیار کیا۔ اور خوش اسلوبی سے برتا۔ صحیح اصول اور محنت واستقلال کے برکات نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ ملازمت ایسے فیوض و ثمرات سے قطعاً مبرّا ہے۔ اور تجارت وہ میدان ہے جس کا اور چھور نہیں۔ کرواد ربڑ ہو بابو روشن لال پینتیس ۳۵ سال ملازمت میں رہے ان کی محنت و قابلیت اور جانفشانی کا حکام تک کو اعتراف تھا۔ لیکن غریب ڈہائی سو سے زیادہ ترقی نہ کرسکے۔ زندگی میں کبھی کسی غریب درماندہ عزیز و اقارب کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کے قابل نہ ہوئے اور مرنے پر پس ماندگاں کو جس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہم نے خود دیکھا۔ ایک شخص کے لئے ملازمت کے جو انتہائی مدارج ترقی ہیں وہ اس کے لئے انتہائی مدارج اخراجات بھی ہیں کیونکہ باعتبار عہدہ شان و نمود ہونا لازمی ہے۔ اعلیٰ حکام سے میل جول اور اسی طبقہ کی پوزیشن رکہنا قیام ملازمت کے لئے بسا ضروری ہے۔ ان سب کے لئے ہر وقت زیر کف رہنا لازمی ہے۔ حامد اور محمود کے دلائل و ترغیبات کا اثر دونوں میں سے کسی پر کچھ بھی نہ ہوا۔ اور جس طرف رجحان طبع تھا۔ اپنے لئے اس نے وہی راستہ اختیار کرلیا۔

(۲)

محمود کو دفتر میں ایک جگہ اسّی روپے ماہوار کی مل گئی اور حامد نے خود سوچ سمجھ کر اور شہر کے اکثر مسلمان و ہندو نیک نفس تاجروں سے مشورہ کر کے ایک ہزار روپے کے سرمایہ سے کام شروع کر دیا۔ دساور سے کتھ، ڈلی، ہلدی، مرچ لاتا اور بوری بندی کے حساب سے خوردہ فروش دوکانداروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا اس صورت میں مال رکتا نہ تھا گو اخراجات آمد و رفت و باربرداری کی وجہ سے زیادہ نفع نہ ہوتا لیکن بعد منہائی اخراجات تیس۳۰ پینتیس روپے ماہوار کا اوسط ضرور ہو جاتا ایک سال تک حامد و محمود دونوں ایک ہی شہر میں رہے لیکن اس مدت کے بعد آب و دانہ نے ان دیرینہ دوستوں میں تفرقہ ڈال دیا۔ محمود دس روپے ترقی پر دوسرے ضلع تبدیل ہو گیا اور حامد نہایت استقلال و دانشمندی سے اپنے کام میں لگا رہا تین سال گذرنے پر حامد کے کاروبار نے ترقی کی اب اس کا مجموعی سرمایہ دو ہزار سے زائد تھا تمام شہر کے خوردہ فروش اس سے مال خریدتے، مال زیادہ مقدار میں فروخت ہوتا اور جلد نکل جاتا اس وجہ سے اب نفع زیادہ ہونے لگا رفتہ رفتہ حامد نے دوسری چیزوں کا بھی اضافہ کیا اس طرح سات سال میں یہ کیرانہ بھوک فروش کی دوکان شہر میں بڑی دوکان ہو گئی۔ دساور سے مال زیادہ تعداد میں آتا اور شہر اور مضافات میں جس قدر خوردہ فروش دوکاندار تھے مال لیجاتے حامد کی خوش معاملگی دیانت و ایمانداری سے تمام خریدار بہت خوش تھے۔ ان کی ہجوم کا یہ اثر تھا کہ حامد کو اکثر ہفتہ میں دساور سے دو دو بار مال منگانے کی ضرورت پیش آتی۔ دس سال میں یہ دوکان نمایاں ہو گئی۔ دس ہزار کا مال ہر وقت موجود رہتا۔ دو نوکر دوکان کا کام کرتے اور حامد ایک گوشہ میں گاؤ تکیہ لگا کر آرام سے دوکان کی نگرانی اور بیرونی تاجروں سے خط و کتابت کرتا رہتا۔

(۳)

جب سے محمود اس شہر سے تبدیل ہو کر گیا ایسے اتفاقات پیش آئے کہ باوجود دلی خواہش کے ایک دن کے لئے بھی حامد سے ملاقات کرنے نہ آسکا۔ آب و ہوا موافق نہ آنے سے تیسرے ہی مہینے بیمار ہو گیا۔ اور باوجود سخت کوشش کے حکام بالا نے اس کی درخواست تبادلہ خارج کر دی۔ قہر درویش بجان درویش۔ ملازمت ترک کرتا تو اور کوئی ذریعہ بسر اوقات نہ تھا۔ جیوں تیوں گذر کرتا رہا۔ تین سال گذر گئے دس روپے ترقی ہو گئی۔ لیکن اس ترقی کے تیسرے ہی مہینے کام میں کچھ ایسی غلطی ہو گئی کہ افسر متعلقہ ناراض ہو گیا۔ محمود کے خلاف افسر بالا سے شکایت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیس۲۰ روپے تنزل ہو گیا۔ اور تین سال کے لئے مانع ترقی کر دیا گیا۔ غریب محمود پر اس کا بہت برا اثر پڑا سخت بیمار ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ علالت کئی مہینہ تک قائم رہا جس میں تین چار سو روپیہ صرف ہوا۔ محمود کو ملازم ہوئے دس سال گذر گئے اب ایک سو۱۱۰ دس روپے اس کی تنخواہ تھی۔ کاغذات پیش کرنے وہ اعلیٰ حکام کے پاس روزانہ جاتا اس وجہ سے ہر دوسرے روز سوٹ بدلنا لازمی تھا۔ دفتر قیام گاہ سے دور تھا۔ دوسرے یہ اپنے آفس میں سب سے زیادہ تنخواہ پاتا تھا۔ اور معزز عہدہ پر تھا آمد و رفت کے لئے ایک تانگہ رکھنا پڑا۔ گو خود اس کی بیوی اور ایک بچہ تھا جن کے لئے ایک مختصر مکان کافی ہوتا۔ لیکن مکان اس حیثیت کا لینا پڑا کہ باہر نشست کے لئے علیحدہ کمرہ تھا اور ایک کمرہ میں آفس تھا اس مکان کا کرایہ پندرہ روپیہ تھا یہ ضروری اخراجات ایسے تھے کہ محمود ہمیشہ تنگدست رہا۔ ظاہر میں خیال کرتے کہ ایک سو۱۱۰ دس روپے تنخواہ میں بہت آرام میں بسر ہوتی ہو گی۔ لیکن اس آرام کا حال کوئی محمود کے دل سے پوچھے۔

(۴)

دس سال کی طویل مدت کے بعد ایک تقریب میں حامد و محمود کو یکجا ہونے کا اتفاق ہوا۔ حامد کی حالت دیکھ کر محمود کی آنکھیں کھل گئیں مشاہدہ نے حامد کے تمام دلائل کو ثابت کر دیا۔ اسے اعتماد کامل ہو گیا کہ حقیقتاً دنیا میں تجارت ہی کے ذریعہ ترقی کی جا سکتی ہے۔ آج اس کے دس سال کی جد و جہد اور خون جگر پی پی کر رہنے کا یہ ثمرہ تھا کہ گو پہلی تاریخ کو ایک سو دس روپے ملتے لیکن دوسری تیسری کو وہ مفلس اور قلاش ہوتا۔ برعکس اس کے حامد کی دس سالہ محنت اور تجارتی برکات کا یہ ثمرہ تھا کہ کم و بیش تین سو روپیہ ماہوار کا منافع تھا اور پھر بھی کسی کا محکوم نہ تھا آزادانہ بسر کرتا۔ ہر وقت دس پانچ ہزار نقد پاس رہتا جس سے دل غنی رہتا۔ اور قوت و طمانیت حاصل رہتی۔

پیغامِ حیات

(یہ نظم خواجہ دل محمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس میں پڑھی)

اُٹھ کہ تیری گرمجوشی میں ہے رازِ زندگی
کر نئے سر سے مہیا برگ و سازِ زندگی

اُٹھ کہ باتوں سے نہ ہونگے سر کبھی حصنِ حصین
زندگی کا رازِ پنہاں خوابِ نوشیں میں نہیں

اُٹھ کہ ننگِ موت ہے تیری حیات بے عمل
اُٹھ کہ ہے بے ہمتی سے زندگانی پُر خلل

اُٹھ کہ ہے رازِ ترقی عزم و استقلال میں
کوہ کی صورت رہیں تیری جڑیں پاتال میں

اُٹھ کہ جب انسان کا عزم رائنیں لیتا ہی جست
پھر بلندی آسماں کی بھی نظر آتی ہے پست

اُٹھ کہ مردوں کو کوئی بھی کام ناممکن نہیں
"غیر ممکن" حرف ہے زیب لُغاتِ جاہلیں

اُٹھ کہ مستِ خواب کب سوتے ہوئے پائیں شکار
بند منہ میں لقمۂ تر ہو نہ داخل زینہار

اُٹھ کہ شبنم سے نہ ہونگے خود بخود سیراب کھیت
اُٹھ بہا ستلج سے نہریں کھود نالے چھان ریت

اُٹھ کہ گرتے کو گرانا آسمان کا کام ہے
چل کہ چلتے کو چلانے کا ترقی نام ہے

زندگی ذوقِ عمل ہے لذتِ آرام موت
زندگی صبحِ کشاکش بے حسی کی شام موت

زندگی تنظیمِ ملت زندگی تنظیمِ قوم ہے
زندگی پیغامِ فطرت زندگی جہدِ بقا

زندگی کے واسطے جوشِ عمل مقیاس ہے
زندگی شوقِ تجسس زندگی احساس ہے

زندگی ہنگامہ پرور زندگی گرم ستیز، موت ہے آسودگی کا شوق محنت سے گریز
زندگی احساسِ ملت، زندگی سوز و نوا زندگی شوقِ شہادت، زندگی سازِ وفا
زندگی شوقِ ترقی، زندگی تخلیق ہے ہو نہ گر آزادگی تو زندگانی ضیق ہے
زندگی جود و سخا ہے زندگی ایثار ہے مہر تاباں ہو تو عالم مطلع الانوار ہے
زندگی بے جوش و ہمت تربتِ خاموش ہے شعلۂ بے سوز چشمِ دہر سے روپوش ہے

زندگی بچپن ہے عمرِ جاودانی کے لئے
موت کا کھٹکا نہیں ہے غیر فانی کے لئے

دردِ ملت ہی نہو تو زندگی بے کیف ہے ہو جو اپنے ہی لئے جینا تو جینا حیف ہے
منتشر ہو کر ذلیل آخر مسلمان ہو گئے ڈال سے ٹوٹے اگر پتے پریشان ہو گئے
ہو نہ مرکز کی کشش تو ابتری ہوگا مآل اصلِ دیں ہے لذتِ دلسوزیٔ عشقِ بلالؓ
خام ہے دیں کی محبت ہو نہ گر عشقِ اویس لیلیٰ مقصود کو درکار ہے سودائے قیس
زندگیٔ ملت کی ہے صدیق کے ایثار ہیں جانِ گلشن کو ملے گی ابرِ گوہر بار میں
کالج اسلامیہ یکسر تمنا ہے ابھی حسرتِ قلزم لئے سینے میں دریا ہے ابھی
تب سمجھنا کچھ دلِ پُر درد کی حسرت مٹی جب یہ کالج بن کے دکھلائے گا یونیورسٹی
نوجواں لیں گے سدا درسِ جگر تابی یہاں ہونے والے ہیں بہت سینا د فارابی یہاں

آسماں ہوگا نیا اپنے ستاروں کے لئے
اس کی ہے تعمیر زیبا تاجداروں کے لئے

یاددہانی

جن برادران کا سالِ خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اور وہ القریش کی خدمات کو قوم کے لئے مفید خیال کرتے ہوئے آیندہ بھی اُسے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مہربانی کر کے سالِ آئندہ کا زرِ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور فرمادیں۔ تاکہ کارکنانِ القریش کو وی۔پی کی زحمت اور احباب کو ڈاک کے زائد خرچ کی زیرباری نہ ہو۔ خدانخواستہ اگر کوئی بھائی کسی وجہ سے جاری نہ رکھنا چاہتا ہو تو وی۔پی واپس آنے کی بجائے وہ بذریعہ پوسٹ کارڈ اپنے منشاء سے دفتر کو پہلے ہی مطلع کردیں۔

مینجر

ریل گاڑی میں جنگل کی سیر

ایک تفریحی نظم

(از ابن الاسد فیض محمد صاحب فیض لدھیانوی)

اک روز میں سفر کی زحمت اُٹھا رہا تھا ۔ فیروزپور سے ہو کر لاہور جا رہا تھا

جنگل میں ریل گاڑی تانیں اُڑا رہی تھی ۔ ہر شخص بیخودی میں ہچکولے کھا رہا تھا

وقتِ سحر تھا قدرت جلوہ دکھا رہی تھی ۔ یہ دلپذیر منظر جی کو لبھا رہا تھا

کانوں میں ایک ایسی آواز آ رہی تھی ۔ مستی میں کوئی جیسے تونبہ بجا رہا تھا

شبنم کیاریوں میں موتی لٹا رہی تھی ۔ سبزۂ زمیں پہ فرشِ مخمل بچھا رہا تھا

بادِ نسیم دل کے غنچے کھلا رہی تھی ۔ چڑیوں کا چہچہانا بے خود بنا رہا تھا

ہر سمت روشنی کی چادر سی چھا رہی تھی ۔ سورج جہاں سے شب کی ظلمت مٹا رہا تھا

بلبل ادا سے شیریں نغمے سنا رہی تھی ۔ طاؤس جھاڑیوں میں خوشیاں منا رہا تھا

ٹھنڈی ہوا کسی کا پیغام لا رہی تھی
پوچھو نہ فیض ہم سے جو لطف آ رہا تھا

الطافِ جہانگیری

(ایک تاریخی واقعہ)

سارا جنگل سورج کی گرمی سے تپ رہا تھا ہر ذرہ سے چمک پیدا ہو رہی تھی، پیڑوں کی پتیاں جھلس کر زرد پڑ گئی تھیں۔ جانور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ چڑیاں گھونسلوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھیں۔ عین اسی حالت میں شہنشاہ جہانگیر شکار کھیلتا ہوا اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ کر سایہ اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا اس کا گھوڑا پسینہ سے تر ہو گیا تھا مگر اب بھی ہوا کے مانند خراٹے بھر رہا تھا۔ شہنشاہ کا چہرہ پیاس اور دھوپ کی تیزی کے باعث سانولہ ہو رہا تھا۔ آخر کار بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسے ایک ہری بھری جگہ نظر آئی۔ وہ فوراً گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہاں پہنچا۔ یہ جگہ اس جنگل میں جنت کا نمونہ تھی ایک بہت بڑے برگد کے سایہ میں ایک گھر تھا۔ جس کے دروازے پر ایک حسین اور کمسن لڑکی "روپا" کھڑی تھی پاس ہی چند کیاریوں میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کی دیکھ بھال غالباً اس وجہ سے کی جاتی تھی کہ مہادیوجی کے مندر میں چڑھانے کے کام آئیں جو قریب ہی بنا ہوا تھا۔

شہنشاہ جہانگیر نے روپا کی بھولی بھالی صورت کو پیار سے دیکھ کر کہا۔ کہ بیٹی میں ایک مسافر ہوں۔ اور راستہ بھٹک کر ادھر آ گیا ہوں، تھوڑا پانی پلا کر میری پیاس کو بجھا۔

روپا نے شہنشاہ کو دیکھتے ہی ڈر کر اور شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں اور نہائیت ادب سے بولی۔ آپ مسافر ہیں۔ میں سمجھ گئی۔ گھوڑے سے اُترئیے، تشریف رکھئے، میں ابھی پانی لاتی ہوں۔

شہنشاہ جہانگیر گھوڑے کو باندھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ روپا اندر گئی اور تھالی میں جو کی دو روٹی، کچھ ترکاری اور پیتل کی لٹیا میں پانی لے کر باہر آئی اور نہائیت ہی محبت بھری آواز میں بولی کہ حضور خالی منہ پانی نہ پیجئے ایک ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیجئے جہانگیر اس کی بھولی بھالی خواہش کو رد نہ کر سکا۔

جس وقت جہانگیر کھانے میں مصروف تھا اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس میں یاقوت عراقی کا نگینہ تھا۔ اسے دیکھتے ہی روپا اندر گئی اور ایک تھیلا اُٹھا لائی جس میں کچھ کاغذات تھے اس نے تھیلہ کو جہانگیر کے سامنے کھول کر بھولے پن سے کہا کہ میں آپ کا ہاتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ روپا نے اسے دیکھا اور کاغذ نکالا جس میں کوئی زائچہ بنا تھا۔

اس نے جہانگیر کی صورت کو اس سے ملایا تو اس کے چہرے کا رنگ چمکنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اُٹھ کر کسی کو پکارا ایک بڑھیا مندر سے باہر آئی۔ اور روپا سے یہ پوچھنے لگی کہ بیٹی یہ کون ہے؟ روپا ابھی کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ شہنشاہ نے گردن

جھکا کر کہا کہ میں ایک سپاہی ہوں۔ دہلی رہتا ہوں۔ لشکرِ شاہی سے بچھڑ کر آ گیا۔ اس لڑکی کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پانی پلایا۔

رُوپا یہ سُنکر ہنسنے لگی اور بولی۔ میں پہچان گئی۔ آپ سچ کیوں نہیں بتاتے کہ میرے شہنشاہ ہیں۔ یہ دیکھئے میرے پِتا (باپ) نے یہ زائچہ بنایا تھا تمام نشانیاں آپ میں موجود ہیں۔ جہانگیر نے رُوپا کی سمجھ اور عقلمندی دیکھ کر بڑھیا سے کہا۔ آپ کچھ اپنی کہانی سُنائیں۔ کہ اس سنسان جنگل میں کیونکر بسر ہوتی ہے۔

بڑھیا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ کیا کہوں گاؤں والے کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے دے جایا کرتے ہیں۔ ہم کبھی امیر تھے میرے پتی (شوہر) پنڈت گیانی بیاس نجومی تھے کچھ خفا ہو کر جنگل میں آ بسے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی رُوپا کو بھی نجوم سکھایا تھا۔ انہوں نے رُوپا سے کہا تھا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے تو آرام سے رہے گی۔ شاہِ دہلی تیرا مہمان ہوگا تمام نشانیاں بتا دی تھیں۔ رُوپا نے آپ کو پہچان لیا اور اب میں کیسے تسلیم کروں کہ آپ سپاہی ہیں۔ شہنشاہ نے کہا اس سے کیا فائدہ۔ تم میری ماں اور رُوپا میری بیٹی ہے۔ یہ کہکر جہانگیر نے اپنی انگوٹھی رُوپا کو پہنا دی۔ رُوپا قدموں پر گرنے لگی۔ جہانگیر نے اسے سینہ سے لگا لیا۔ اتنے میں بگل کی آواز آئی اور تمام بچھڑے ہوئے سوار جہانگیر سے مل گئے۔ رُوپا نے ہنسکر کہا۔ کہ میرے باپ کا عمل سچا تھا۔ کہ ہاں بیشک میں جہانگیر شاہ دہلی ہوں۔ یہ سُنکر بڑھیا نے کہا کہ بیٹی جا شاہ کی امانت ادا کر دے۔

رُوپا گئی خط لائی۔ عبارت فارسی تھی اس میں لکھا تھا۔ کہ اے شہنشاہِ ہند آپکی عمر بڑی ہو۔ ہندوستان کا راج مبارک ایک روز دکن بھی آپ کی حکومت میں ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی زیارت نہ کرسکا۔ میری ایک وصیت ہے کہ میری بیٹی رُوپا جو بے یار و مددگار ہے اپنے سایہ میں لے لیجئے جہانگیر رُوپا کو اپنے محل میں لے آیا۔ نورجہان اس کے ہنر اور عقلمندی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور اُسے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر دلہن بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد جہانگیر نے ایک شریف امیر برہمن سے اس کی شادی کر دی۔ جب نوشہ اندر آیا تو جہانگیر۔ شاہجہان۔ اور بڑے بڑے افسر اس کے ہمراہ تھے تمام رسمیں منائی گئیں۔ شاہی جہیز کے ساتھ دلہن رخصت ہوئی۔ شاہ نے لاکھوں روپیہ نقد اور ٹالی کوٹا کی ریاست بھی رُوپا کو بخشدی۔

→ × ←

اعتذار

قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی کے حالات یعنی "میری سرگذشت" اور مولوی محمد عبید اللہ صاحب فرحتی العباسی کے حالات دسمبر اور جنوری کی اشاعتوں میں بوجہ عدمِ گنجائش درج نہیں ہو سکے انشاءاللہ تعالےٰ اب انہیں ختم کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ امید ہے کہ ہمیں معذور سمجھا جائے گا

بزم قریش

حکیم سیّد ذاکر حسین صاحب اختر مدیر "عرفان" ایک دردمند اور نیک دل انسان ہیں۔ آپ نے "ندوۃ القریش" کی اس فروگذاشت پر جو دراصل فروگذاشت نہ تھی اپنے موقر جریدہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں "القریش" کے عنوان سے ایک مخلصانہ رائے کا اظہار کرتے ہوئے اراکین "ندوۃ" کو مشورہ دیا کہ وہ سادات کرام کو بھی شرکت کی دعوت دیں۔ اور "ندوۃ" کا نام بدل دیں۔

"القریش" مطبوعہ نومبر میں "عرفان کی برادرانہ توجہ" کے عنوان سے اس کا مشفقانہ جواب دیتے ہوئے ہم نے ندوۃ کی رکنیت کی دعوت پیش کی۔ ناظرین کرام یہ سُنکر خوش ہوں گے کہ آپ نے اس دعوت کو ان الفاظ کے ساتھ کہ "میری نسبت جو ارشاد ہوا ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض پرداز ہوں۔ کہ رکن ہونے کی تو صلاحیت نہیں اور نہ ہی اپنی مصروفیتوں کے باعث کوئی عملی کام کر سکتا ہوں۔ ہاں باوجود اس کے کہ یہ نام مجھے کھٹکتا ہے اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ ایک معمولی ممبر بنکر فقط چندہ دے سکتا ہوں اور بس۔ اور اس دعوت کا شکریہ ادا کرتا ہوں" بخندہ پیشانی قبول کر لیا ہے۔ امید ہے۔ کہ آپ "ندوۃ القریش" کے بازوئے راست ثابت ہوں گے۔ اور اصلاح و تنظیم قومی کے لئے اپنی امکانی مساعی عمل میں لانے سے دریغ نہ کریں گے۔

آپ کے قبول دعوت سے متعلقہ الفاظ خلوص و محبت قومی میں تمر الور ہیں۔ اور ہم کارکنان ندوۃ کی طرف سے آپ کی اس توجہ فرمائی کے بدل مشکور ہیں۔ رہا نام کا کھٹکنا اگر ذہن خطا نہیں کرتا تو جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ وہ مجلس جس کی نسبت سے آپ کو یہ نام کھٹکتا ہے "دارالندوۃ" کے نام سے موسوم تھی اور اس میں کفار قریش کے پاس عرب کے دیگر خاندانوں کے سردار بھی شریک تھے۔ موجودہ انجمن کا نام "ندوۃ القریش" ہے اور خالص فرزندان اسلام کی مجلس ہے۔ علاوہ ازیں ملک میں اور بہت سے ادارے ندوۃ کے نام سے موسوم ہیں۔ اور اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں "ندوۃ العلما"۔ "ندوۃ العلوم" وغیرہ۔ اس مبحث پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ مگر اب اس کی ضرورت نہیں۔ مختصر مگر جامع صراحت کے لئے القریش مطبوعہ جولائی ۱۹۳۰ء ملاحظہ فرمائیے۔

اسی ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ابھی آپ کے مجلّا محترم سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ میرٹھ کے قصاب بھی قریشیت کا ادعا کر رہے ہیں۔ اب آپ کو ان کے دعویٰ کے ابطال میں دردسری کرنی پڑے گی۔ حالانکہ مباحث میں اس قدر طوالت کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً آپ کے نامہ نگار نے جو کچھ قصابوں کے متعلق لکھدیا ہے وہ کافی ہے۔ بس یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ممکن ہے آپ اس کے خلاف ہوں۔ (عرفان دسمبر ۱۹۳۰ء)

ہم آپ کی اس رائے کی قدر کرتے ہوئے اس وقت تک اس مبحث کو ملتوی کرتے ہیں۔ جب تک کہ اسکی اشاعت کی کوئی اہم ضرورت پیش نہ آئے۔ امید ہے کہ آپ اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہا کریں گے۔ والسلام۔

قریشی عبدالحق صاحب ڈیرہ دون سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ گو ضلع راولپنڈی میں جس کا میں باشندہ ہوں۔ قوم قریش زراعت پیشہ ہے۔ اور ہم زرعی اراضی بلا روک ٹوک خرید و فروخت کرتے ہیں۔ تاہم "ندوہ" اور "القریش" کی (اُن باقی اضلاع پنجاب کے لیے جن میں قریشی زراعت پیشہ تسلیم نہیں کیے گئے ہیں) کوشش قابل ہزار تحسین ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالے ہماری قوم کو اس مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔
"القریش" اور "ندوہ" کی دوڑ دھوپ کاغذات مردم شماری میں قسائیوں اور مراسیوں کے اندراج قومیت کے بارے میں بھی مستحق شکریہ ہے۔
والسلام۔

"ندوۃ القریش" کے رکن رکین ڈاکٹر طالب علی صاحب انسپکٹر وٹرنری ڈیپارٹمنٹ کے صاحبزادہ مسٹر محمد اسلم کی شادی کتخدائی کی تقریب ۲۵ر دسمبر کو عمل میں آئی۔ برات شاندار طریق پر لیجائی گئی۔ دعوت ولیمہ خاص اہتمام و انصرام سے کی گئی۔ لیکن کسی قسم کی خلاف شرع رسم ادا نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تقریب مسرت پر "ندوۃ القریش" کو بیس روپے کا گراں قدر عطیہ پیش کیا جو خوشی کے ساتھ قبول کیا گیا اس موقعہ پر قاضی مظفرالدین صاحب منتین نائب تحصیلدار نے پانچ احباب کے فارم ممبری اور پندرہ روپے نقد "ندوہ" کو عطا کئے جو شکریہ کے ساتھ وصول کیے گئے۔ انہی ایام میں شیخ عبدالحمید صاحب گرداور قانونگوئی کی تقریب شادی بھی سر انجام ہوئی۔ آپ نے بھی ندوہ فنڈ میں دس روپے کا نذرانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

امید ہے کہ دیگر برادرانِ قریش بھی ان تقاریب پر اپنے قومی مرکز کو یاد کر لیا کریں گے کہ یہی بہترین مصرف ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قریشی سلطان علی صاحب پنشنر انسپکٹر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سب سے ضروری اور مقدم کام قوم کی تنظیم ہے۔ یہ جس قدر مشکل ہے اس سے کہیں زیادہ مفید بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دفتر میں قوم کے جملہ بالغ اشخاص کی فہرست موجود ہو۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم سرکردہ اصحاب کے اسماء اور پتے تو ضرور ہونے چاہئیں۔ مجھے مطلع فرمائیں تاکہ میں ضلع ہوشیارپور کی فہرست آپ کی خدمت میں بھیجدوں ابتداءً یہ کام اضلاع ہوشیارپور۔ گورداسپور۔ جالندھر۔ امرتسر۔ سیالکوٹ اور لاہور سے شروع کیا جائے۔ رفتہ رفتہ دورافتادہ اضلاع شریک کئے جائیں۔ اس کار خیر سے یقیناً کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا میری طرف سے جملہ برادران قریش کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ وہ اپنے اپنے اضلاع کے معززین قریش کی فہرستیں ارسال کر دیں تاکہ اراکین ندوہ کو خط و کتابت اور دورہ میں سہولت حاصل ہو۔ "القریش" کو ترقی دی جائے۔ کیونکہ پراپیگنڈا کا یہی ایک بہترین ذریعہ ہے۔ باقی بوقتِ ملاقات۔

آپ کی رائے معقول و مناسب ہے۔ احباب قریش سے فہرستوں کے لئے پہلے بھی عرض کیا گیا اور اب مکرر تاکید کی گئی ہے۔ امید ہے۔ کہ دردمندانِ قوم توجہ دیں گے۔ آپ ضلع ہوشیارپور کی فہرست ارسال فرمادیں۔ اور مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہا کریں۔
(ایڈیٹر)

ندوہ کے محسن و معاون قوم کے بہی خواہ **منشی محمد علی** صاحب کچھ عرصہ سے مرض ضیق میں مبتلا تھے۔ اوائل اکتوبر گذشتہ میں مرض کا ایسا حملہ ہوا۔ کہ صاحب فراش ہوگئے اور تین ماہ علی التواتر بستر استراحت پر پڑے رہے۔ نکاہت و کمزوری دن بدن بڑھتی گئی اور حالت لحظہ بہ لحظہ نازک سے نازک تر ہوتی گئی۔ قومی محبت سے دل اس قدر لبریز تھا کہ باوجود اس پریشان حالی کے بھی ندوہ کی ترقی اور قومی تنظیم کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش نہیں ہوا۔ آپ زندہ دل، ملنسار، خوددار اور طبعاً خلیق واقع ہوئے۔ حسن انتظام کے لئے برادری میں یگانہ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی بڑی طمطراق اور شاندار طریق پر بسر کی۔ جو زبان سے نکل گیا اسی پر عمل کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ ستر برس کی عمر تھی۔ حج کی تیاریاں تھیں کہ حیات مستعار ختم ہوگئی اور یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو اڑھائی بجے دن داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ آپ کے پانچ لڑکے ہیں۔ اور برسر روزگار ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت کرے اور صاحبزادگان کو ان کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

مخترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کے اس تعمیری اور بنیادی کام کو آنے والی نسلیں ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھیں گی۔ آفرین باد بریں ہمت مردانہ تو۔" آپ کے ان حوصلہ افزا الفاظ کے لئے نیاز مند ایڈیٹر خصوصاً اور ارکان ندوہ عموماً مشکور ہیں۔ دراصل یہ سب ہمت و جرأت آپ ایسے کرم فرما حضرات کے ہے۔ اس لئے ہم سے زیادہ آپ صاحبان قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

قریشی عبدالغنی صاحب پرنسپل اسسٹنٹ ٹو کرنل (پڑھا نہیں گیا) معرفت (پڑھا نہیں گیا) کسایوں علاقہ یو۔پی سے ندوۃ القریش کا چندہ ممبری ۱۲ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماتے ہیں۔ چونکہ پورا پتہ پڑھا نہیں گیا۔ اس لئے آپ کا اسم گرامی رجسٹر ممبران میں درج نہیں ہو سکا۔ لہٰذا آپ کی اس قومی حمیت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے التماس ہے۔ کہ براہ مہربانی بواپسی ڈاک اپنا صحیح پتہ صاف الفاظ میں بھجوا کر مشکور فرما دیں۔

جن **برادران** کی خدمت میں القریش نمونتہً حاضر ہوتا ہے۔ ان کا فرض ہے۔ کہ اس کے مطالعہ کے بعد اپنی منشائے خریداری و عدم خریداری سے دفتر کو بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں۔ خاموشی رضامندی متصور ہوگی۔ اور آئندہ اشاعت بذریعہ وی۔پی ارسال کی جائے گی۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی فرض ہوگا۔

مینیجر

نقد و نظر

چمنستان ۔ امرتسر سے محمد افضل خاں صاحب کی ادارت میں ماہوار نکلتا ہے ۔ ناظرین القریش کو پہلے بھی اس سے تعارف کرایا گیا تھا ۔ تیسری جلد کا پہلا نمبر سالنامہ سنہ ۱۹۳۱ء کے نام سے کم و بیش ڈیڑھ سو صفحات کے حجم میں شائع کیا گیا ہے ۔ ٹائیٹل رنگین و خوشنما ۔ چند عکسی و خیالی فوٹو بھی دئے گئے ہیں ۔ مضامین منظوم و منثور اعلیٰ معیار اور بلند پایہ درج کئے گئے ہیں ۔ جن سے اُردو کی بہترین خدمت مقصود ہے ۔ مدیر چمنستان کی محنت بہر نوع قابلِ داد ہے کہ وہ گوناگوں پریشانیوں کے باوجود اس قدر ضخیم مجلہ کی کامیاب طریق پر تدوین و ترتیب میں فائز المرام ہوئے ۔ کاغذ طباعت و کتابت دیدہ زیب ۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ ۔ مینجر چمنستان امرتسر سے منگائیے ۔

چاند ۔ اس نام سے ایک ماہوار رسالہ الہ آباد سے منشی کنھیالال صاحب ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ بی ۔ ایڈووکیٹ کی ایڈیٹری میں جاری ہے ۔ دوسری جلد کا گیارھواں اور بارھواں نمبر توام نکالا گیا ہے ۔ اور یہ کم و بیش پانسو صفحات پر "ایڈیٹر نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے ۔ اس سے قبل اس رسالہ کا کوئی پرچہ ہماری نظر سے نہیں گذرا جس سے اس کے حُسن و قبح کا اندازہ لگایا جا سکتا ۔ زیر تبصرہ نمبر میں منظوم و منثور مضامین کے علاوہ ۳۵ مدیران جرائد کے فوٹو ۱۶ کارٹون اور چار سہ رنگی تصاویر دی گئی ہیں ۔ محترم مدیر کی محنت و کوفت اور عرق ریزی قابل داد ہے ۔ پانسو صفحات کے لئے مضامین کی بہم رسانی ان کی ترتیب و تنظیم بڑی جرأت اور قابل تعریف ہمت ہے ۔ اکثر مضامین قابل قدر اور دلچسپ ہیں ۔ طباعت و کتابت کے اخراجات فراخدلی کے ساتھ برداشت کئے گئے ہیں ۔ ہم مدیر موصوف کو ان کی قابل رشک اور کامیاب کوششوں پر ہدیۂ مبارک پیش کرتے ہیں ۔

قیمت خاص نمبر تین روپے ۔ پتہ :۔ مینجر رسالہ "چاند" الہ آباد ۔

عِفّت ۔ یہ رسالہ صنف نازک کی خدمات کے لئے دہلی سے جاری ہے ۔ اور اپنے فرائض بوجہ احسن انجام دے رہا ہے ۔ ستمبر و اکتوبر سنہ ۳۰ء کی اشاعت کو اس نے بھی "سالگرہ نمبر" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ترتیب میں محنت و دماغ سوزی سے کام لے کر اپنی مخصوص اشاعت کو دلچسپ بنانے میں تا بحد امکان کوشش کی ہے ۔ کتابت و طباعت اور کاغذ [illegible] حجم قریباً سوا سو صفحات آٹھ عکسی تصاویر کے علاوہ سوئی سے کشیدہ نکالنے کے طریقے بھی دیئے گئے ہیں ۔ حجم سوا سو صفحات ۔ قیمت سالانہ چار روپے نمونہ کا پرچہ پانچ آنے میں ۔۔۔۔۔۔ مینجر رسالہ "عفت" دہلی سے منگوائیے ۔

القریش صحافتِ حاضرہ میں جرائد کے "سالگرہ نمبر" اور سالنامے شائع کرنے کی سنّتِ جاریہ عام ہوگئی ہے۔ اور اسی میں کامیابی کا راز مرکوز خیال کیا جاتا ہے بمشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہُوا ہے۔ کہ یہ خیال کسی حد تک صحیح ہے۔ لیکن یہ تجویزیں غالبًا انہیں جرائد کو راس آتی ہیں۔ جن کا کسی خاص قوم یا مخصوص فرقہ سے تعلق نہ ہو محدود مقاصد کے جرائد تو اپنی امتیازی حد اور کشیدہ خط سے سرِمو ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ان کی ترقی وخوشحالی اپنے متوسلین اور متعلقین کی توجہ پر منحصر ہے۔ قوم پر اگر جمود ہے تو ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہیں۔ قوم اگر ساکت ہے تو یہ ساکن۔ قوم بے پروا ہے تو ان کا خدا حافظ!

وہی فاقہ مستی ہے رات دن وہی فکر فردا ہیم ہے

القریش کو بھی شوقِ تقلید ہُوا۔ اور بدقسمتی سے اس نے بھی یکے بعد دیگرے "صدیق نمبر" "رسول نمبر" "نبی نمبر" اور "نظام نمبر" یا خاص اشاعتیں شائع کردیں۔ دنیائے صحافت میں انقلاب ہُوا۔ اخبارات وجرائد نے تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔ انڈیا آفس لنڈن تک یہ اشاعتیں طلب کی گئیں۔ مگر قوم کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی۔ مختلف النوع نسخے تجویز کئے گئے مگر قوم کو مرضِ غنودگی سے افاقہ نہ ہُوا۔ اب "القریش" ہے کہ لبِ آسمان ٹکٹکی لگائے بیٹھا ہے اور رحمتِ ایزدی کا منتظر۔ خدا ہے قوم کو ابھرنے کی قوت اور قدردانی کی توفیق دے۔ اور القریش کو بھی صحافت حاضرہ کی تقلید میں میدانِ ترقی میں قدم بڑھانے کی جرأت عطا ہو۔

آہ! یہ اس قوم کا میگزن ہے جو استادِ زمان تھی۔ اور یہ اس گروہ سے نسبت رکھتا ہے جو علم دوستی میں یکتائے روزگار تھی آج ستر سال جاری قومی خدمات سرانجام دینے پر بھی قدردانی کا شکوہ سنج ہے۔ آہ۔

یاد آیا ہے کہ رگ رگ میں بلا کا جوش تھا
گوشہ گوشہ خاطرِ مسلم کا محشر کوش تھا
ایک یہ دن ہے کہ اپنی بھی خبر ہم کو نہیں
ایک وہ دن تھا کہ جب سارے جہاں کا ہوش تھا
کھیلتا تھا کچھ مسرت ہائے بے پایاں سے دل
شاہدِ اقبال و نصرت زینتِ آغوش تھا
دام تھا سب کے لئے فیضِ خمستانِ عرب
ذرّہ ذرّہ کائناتِ دہر کا مے نوش تھا
تھی نگاہِ مضطرب آئینۂ بزمِ الست
جلوۂ حُسنِ ازل ہم سے نہ یوں رُوپوش تھا
اللہ اللہ تھی عجب تاثیر نغموں میں مرے
گلشنِ عالم میں جو گل تھا سراپا گوش تھا
اس قدر مجبور تھے ہم جذبۂ ایثار سے
جانِ بارِ زندگی تھی سر وبالِ دوش تھا
اپنی خاکستر میں کچھ ایسی بھی تھیں چنگاریاں
جن کی مرہونِ کرم تھی گرمئ بزمِ جہاں

مُراسلات

مسئلۂ تنظیم کا حقیقی حل

مولنا سید سلیمان کے خیالات گرامی

(از سید کشفی شاہ نظامی۔ رنگون)

گذشتہ "معارف" میں تنظیم ملت کے عنوان پر مولنا سید سلیمان صاحب ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اس قابل ہے۔ کہ ہندوستان کے وردمند اور روشن خیال مسلمان نہایت ہی سنجیدگی سے اس مضمون پر غور کریں۔

مسلمانوں کے موجودہ اختلاف و نفاق کی اصل علت مولنا کے نزدیک یہ ہے۔ کہ ان میں وحدت اعتقاد، وحدت خیال اور وحدت مقصد موجود نہیں ہے۔ مولنا فرماتے ہیں۔ "اگر اعتقاد، خیال اور مقصد میں خواہ وہ سیاسی ہو یا قومی۔ معاشرتی ہو یا مذہبی۔ کسی قسم کی وحدت وجامعیت نہ ہو۔ تو اس اعتقاد خیال اور مقصد کے اعمال اور مظاہر میں اتحاد و وحدت کا جلوہ کیونکر نظر آسکتا ہے"

قوت و ترقی کا سرچشمہ

مولنا فرماتے ہیں:۔

"ہر قوم کی ترقی اور تنزل کا صرف ایک ہی سبب ہے۔ اور وہ یہ کہ جب کسی قوم کے تمام یا بیشتر افراد میں کسی ایک اعتقاد خیال اور مقصد کے لئے ایسی وحدت پیدا ہو جائے۔ جو شیرازہ بنکر منتشر افراد کو جکڑ کر اور ایک دوسرے سے ملاکر اس طرح ایک کردے۔ کہ ان کا جینا اور مرنا اسی کے لئے ہو۔ تو وہ قوم اپنے میں ناقابل تسخیر قوت پاتی ہے۔ اور ہر بڑی سے بڑی مشکل کے خس وخاشاک کو سیلاب بنکر لے جاتی ہے۔ ذاتی اغراض۔ مالی حرص۔ طمع نفسانی اور خاندانی عزت وآبرو کی خواہش ہر چیز اس وحدت مقصد کی تیز آگ میں جلکر بھسم ہو جاتی ہے"

ان الفاظ میں مولانا نے جس حقیقت کبریٰ کا انکشاف کیا ہے۔ اس میں قطعاً قطعاً اختلاف کی گنجائش نہیں ہے البتہ یہ ضرور قابل غور ہے۔ کہ مولنا نے جس اتحاد خیال اور اتحاد مقصد کو قوت و ترقی کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ وہ عملی طور پر مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہو؟ یہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ کہ قومی اور سیاسی حقوق و ضروریات کے متعلق روزمرہ کئی کئی چٹانیں قوم کے سامنے آتی ہیں۔ چونکہ تمام افراد ملت یک سیلاب بنکر ان کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اس واسطے ہمیشہ ٹھوکریں لگتی ہیں۔ قدم رکتے ہیں۔ اور شکست ہو جاتی ہے؛

عملی تدبیر

میری ناچیز رائے یہ ہے کہ خداوند پاک نے نمازوں اور جمعوں کی صورت میں، امت کو اتحاد کا نفرنسوں کا جولا انتہائی سلسلہ عنایت فرمایا ہے۔ اگر مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو اتحاد خیال، اتحاد مقصد اور اتحاد عمل کی وہ لہر جس کا مولنا نے ذکر فرمایا ہے، مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ بڑی آسانی سے ہر مشکل و مصیبت اور ہر مذہبی اور سیاسی مطالبے کے وقت ایک سیلاب صورت میں نمایاں ہو سکتے ہیں۔

میں نے انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے خطبہ میں عرض کیا تھا:-

آج دنیا میں ہر ایک مقصد کی کامیابی کا انحصار "پروپیگنڈا" پر ہے۔ جنگ و انقلاب اور تعمیر و تعلیم ہر چیز پروپیگنڈا کے تابع ہے۔ کسی جماعت کے پاس اپنی قوم کو باقاعدہ اور منتظم طور پر مشتعل کرنے۔ سمجھانے۔ ہم خیال بنانے اور آمادہ عمل کرنے کے لئے جس قدر وسیع وسائل موجود ہونگے۔ اسی قدر وہ قوم اپنے مقاصد کی کامیابی پر حاکم و قادر ہوگی۔ اگر ہندوستان میں ۵ لاکھ مساجد ہوں۔ اور مسلمانوں کی سات سال سے زائد عمر کی آبادی نماز پنجگانہ (با جماعت) کی پابند ہو۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی مسئلہ پر مسلمان معمولی طور سے ۲۵ لاکھ جلسے روزانہ منعقد کرنے پر قادر ہیں۔ اگر جمعہ کے اجتماعوں کو اتحاد مقصد اور اتحاد عمل کا ذریعہ بنایا جائے۔ تو اس میں اور بھی سہولیت ہے۔ اس وقت اسی نوے لاکھ مسلمان ہر جمعہ کے دن بڑی بڑی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اگر ان مساجد میں جدید ادر ضروریات وقت کے مطابق خطبات جمعہ کا ایک مشترکہ پروگرام رائج ہو جائے۔ بالسر دست صرف اسی قدر انتظام کیا جائے۔ کہ کسی اہم اور متفق علیہ مسئلہ کے پیش آجانے پر ملک کی تمام جامع مسجدوں میں ایک ہی خطبہ پڑھا جایا کرے۔ جس میں اس مسئلہ کے متعلق مسلمانوں کی پالیسی اور فرائض کی تفصیل موجود ہو۔ تو اس سے تمام ملک میں ایک ہی خیال و عمل اور ایک ہی احتجاج و اقدام کی گونج پیدا ہو سکتی ہے۔"

بہر حال مولنا سلیمان صاحب نے جس حقیقت کو علمی طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا بہترین عملی طریقہ یہ ہے۔ کہ ہم جمعہ کے اجتماعوں سے منتظم طور پر فائدہ اٹھائیں۔

آخر میں ہمدرد ملت اور روشن خیال مسلمان سے میری استدعا ہے۔ کہ وہ متذکرہ صدر معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

مذہب کی ہمہ گیر قوّت

طبقات ابن سعید میں لکھا ہے۔ کہ ایک دن فاروق اعظمؓ مدینہ طیبہ کے مشہور محلّے "جارۃ الیمین" میں سے گذر رہے تھے۔ وہاں ایک شامی مسافر کو دیکھا۔ کہ ایک ٹیلے پر بیٹھا ہُوا اشکبار اور بیقرار ہے۔ آپ نے دریافت کیا۔ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا عمر کو ہلاک کرے۔ وہ ہمارے حق میں نہائیت بیرحم اور سنگدل ہے حضرت فاروق نے پوچھا۔ اس نے تم پر کیا ظلم کیا؟ مسافر نے کہا کہ جابجا مسافرخانے بنواتا۔ اور غریبوں کی آسائش کا انتظام کرتا۔ لیکن وہ غافل ہے ہم علاقہ شام کا رہنے والا ہوں۔ میری بیوی حاملہ ہے۔ اور وضع حمل کا وقت قریب ہے۔ اسوقت نہ کوئی مونس ہے نہ غمگسار، نہ سفرخرچ ہمارے پاس ہے۔ حیران ہوں؛ یہ الفاظ سُنکر حضرت عمر اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور بیوی سے کہا۔ خدا کیلئے جلد میرے ساتھ چلو۔ ایک شامی عورت حاملہ ہے۔ اور وضع حمل کا وقت قریب ہے۔ اسکی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ بی بی صاحبہ فوراً روانہ ہوگئیں۔ اور شامی خاتون کی خدمت انجام دی۔ جب بچہ پیدا ہوگیا۔ تو حضرت عمر نے چالیس دینار مسافر کی نذر کئے اور چلتے وقت کہا۔ کہ میں اپنے قصور کا خواستگار ہوں۔ میرا ہی نام عمر ہے مسافر حیران ہُوا۔ اس نے کہا میں نے تو یہ سُنا تھا کہ عمر ایک پیکر آتش ہے مگر آپکو رحمدل معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت فاروق نے فرمایا۔ بیشک میرے مزاج میں غصہ تھا لیکن اسلام نے میرے غصہ کو نیست و نابود کر دیا۔ تم نے جب یہ کہا۔ کہ خدا عمر کو ہلاک کرے وہ ظالم ہے، بے رحم ہے، سنگدل ہے تو میرے دل میں غصہ پیدا ہُوا اور میرا جی چاہا کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ لیکن میرے مذہب نے مجھ سے کہا۔ انصاف کی ضرورت ہے وہ ایک پریشان حال اور درماندہ مسافر ہے اگر فرطِ جوش میں اسکی زبان سے کچھ نامناسب الفاظ نکل گئے تو قابل معافی ہے۔ وہ ہمدردی کا مستحق ہے۔ میں نے اس حکم کو سُنکر سرِ تسلیم خم کیا۔ اور غصے کو برداشت کیا۔

واقعات و حوادث

— لارڈ ہارڈنگ سابق وائسرائے ہند دسمبر کے ابتدائی ہفتے میں حیدرآباد تشریف لے گئے جہاں آپ کا شاندار استقبال ہوا اور اعلیحضرت شہریار دکن کی طرف سے ایک پرتکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں اعلیحضرت کے دلپذیر ارشادات کے جواب میں لارڈ موصوف نے دولت آصفیہ کی بلندپایہ خدمات اور شاندار ترقیات کا ذکر کیا اور اعلیحضرت کے ساتھ ذاتی تعلقات کا محبت بھرے الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے ان بیش بہا امدادوں کی تفصیل بیان فرمائی جو دولت آصفیہ نے دوران جنگ میں دیں۔ اس کے بعد لارڈ موصوف نے دولت آصفیہ کے مالیہ کی عظیم الشان ترقی اور رفاہ عام کے کاموں پر خاص توجہات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آٹھ کروڑ لاکھ کے مصارف میں تعلیم کیلئے اکاسی لاکھ کی رقم کا انتظام بیحد دلخوش کن ہے آبپاشی کی بڑی بڑی سکیمیں زیر تکمیل یا زیر غور ہیں۔ ریلوے کی پالیسی حوصلہ افزا ہے اور یقیناً اس سے ملک کو بیحد فائدہ پہنچیگا۔ تجارت صنعت و حرفت اور انجمن ہائے امداد باہمی پر خاص توجہ مبذول ہے وغیرہ وغیرہ۔ ریاست بفضل خدا ہر طرح روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور رعایا بھی خوش و خرم اور خوشحال ہے۔ دعا ہے کہ خدائے برتر و اکبر اعلیحضرت کو سلامت رکھے۔

— افسوس کا مقام ہے۔ کہ نارتھ ویسٹرن ریلوے نے ۲ جنوری سے ہفتہ وار واپسی ٹکٹ بند کردیئے اور یہ رعایت مسافروں سے چھین لی ہے۔

— حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں زبان اردو کی جو خدمات انجام دیجا رہی ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ان تمام مساعی کے ماسوا جو اس وقت تک عمل میں لائی گئیں ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اردو نستعلیق خط کا ٹائپ تیار کیا جائے مولوی قدرت اللہ صاحب ماہر خطوط اس میں ایک بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مفید ایجاد بہت جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

— پریس آرڈیننس پھر جاری ہو گیا اور یہ پہلے سے زیادہ سخت ہے بعض صورتوں میں اگر یہ نقصان رساں ہے تو اکثر حالتوں میں مفید بھی ہے۔ شوریدہ سری ہرزہ گوئی اور گندہ دہنی کا قلع قمع ہو جائیگا اور امن پسند لوگ شر انگیز قلم کے نوک سے محفوظ و مامون رہ سکینگے

— امریکہ میں ہندوستانی سیاست پر لارڈ لوسٹن نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانیوں کی سب سے بڑی مصیبت انکے ملک کی آب و ہوا ہے جس نے انکی قوت کو مضمحل اور امنگوں کو پژمردہ کر دیا ہے ہندوستان بہت سی بیماریوں اور وباؤں کا مخزن ہے جس میں ملیریا سب سے زیادہ ہمہ گیر اور تکلیف دہ ہے یہ مرض اس ملک سے اسوقت تک دور نہیں ہو سکتے جبتک کہ انکے خانگی طرز عمل اور عادتوں میں مکمل تغیر و تبدل واقع نہ ہوگا۔ اسکے علاوہ ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں مویشی موجود ہے جسکے ذبح کرنیکے ہندو سخت مخالف ہیں۔ اگرچہ ان کا ذبیحہ اقتصادی نقطۂ نظر سے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو اسطرح ہندوستان میں جو مویشی بھی کثرت سے ہیں جو اقتصادی اور طبی نقطۂ نظر سے ہندوستانیوں کے نقصان کا باعث ہو رہے ہیں اہل ہند میں افلاس بھی ہمہ گیر ہو رہا ہے جسکی اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے اور باشندوں میں ایسے رسوم و رواج ترقی پذیر ہیں جنہیں فضول خرچی اور اسراف بیجا کا سرچشمہ کہنا بجا ہے۔ کاشتکار پیشہ طبقہ دائمی طور پر قرضوں کے بار کے نیچے دبا رہتا ہے نیز ہندوستان میں صنعت و حرفت کی ترقی بھی بہت سست ہے۔ ہندوستان مختلف قوموں اور ذاتوں کا گہوارہ ہے جسکی وجہ سے وہاں آئے دن فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں

۷۸۶

قولہ تعالیٰ

جو

بفرمان عالی شان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائی نس اعلیٰحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

ایڈیٹر
محمد علی رونق صدیقی

قیمت سالانہ
تین روپے

ہر انگریزی کی سترہ تاریخ کو شایع ہوتا ہے۔

٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد (۱۷) | فروری ۱۹۳۱ء | نمبر (۲)

مدینۃ الرسول علیہ السلام

(از جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ لکھنوی)

اے مدینے! خواب گاہِ حضرتِ ختمی مآب
سو رہا ہے یہ ترے آغوش میں کون آفتاب

تیرے دل کو معرفت سے آشنا کس نے کیا
ذرّے ذرّے کو ترے وحدت نما کس نے کیا

کانپ اٹھتا ہے دل پر جوش جب کرتا ہوں غور
اللہ اللہ تیری پہلی عظمتوں کا دور دور

نغمۂ وحدت ہر اک مرغ ہوا گاتا ہوا
پرچم توحید دیواروں پہ لہراتا ہوا

عالم بالا پہ ہوتے تھے ملائک سجہ خواں
گونجتی تھی جب فضا میں تیری آوازاذاں

نورِ عرفاں سے ترا ہر ذرّہ ہم آغوش ہے
چپّے چپّے پہ ترے روحانیت کا جوش ہے

جلوۂ نقشِ قدم نے کردیا سورج کو ماند
سرزمیں پر تیری یہ کس نے لگائے چار چاند

یوں ہے تو دنیا میں جیسے دیدۂ عرفاں تل
پیکر گیتی میں ہے یا اک تجلی زارِ دل

پرتوِ عارض سے ہر ذرہ ہے ابتک جلوہ زار
نکہت گیسو سے ہر جادہ ہے ابتک مشکبار

نغمۂ توحید سے لبریز تیرا ساز ہے
طائرِ قدس آشیاں پیہم ترا دمساز ہے

تھی یہ حسرت دل میں اس دنیا سے جب منہ موڑتے
اے مدینے! تیرے فرشِ خاک پر دم توڑتے

شذرات

جنوری کے شذرات لکھتے وقت بہت سی ضروری اور قابل ذکر باتیں اس اشاعت کیلئے اٹھا رکھی تھیں اور خیال تھا کہ اس وقت تک ہم ان تمام امور پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے قابل ہو لیں گے اور قارئین کرام اور بہی خواہان قوم کو واضح ہو جائیگا۔ کہ شاہ مقصود کے حصول کیلئے انہیں کیا لائحہ عمل تجویز کرنا ہوگا۔ اور کونسی شاہراہ انہیں سید ہے منزل مقصود پر پہونچا سکے گی۔ کارکنان "ندوۃ" شبانہ روز کی محنت و کوفت، دماغ سوزی و عرقریزی سے بفضل خدا ایک نتیجہ پر پہونچ گئے ہیں۔ اور وہ قومی تنظیم ایسے اہم مسئلہ کو باین حالات کوئی کٹھن مرحلہ نہیں سمجھتے سرکلر نمبر ۲ اور ۳ کی اشاعت حوصلہ افزا نتائج کا باعث ہوئی درد مندان قوم کی توجہ سے حلقہ ممبری کی وسعت، چندوں اور عطیوں کی ترسیل یہ باتیں اس قابل تھیں کہ اگلے شذرات میں انکا بالوضاحت تذکرہ ہوتا۔ تاکہ بہی خواہان قوم کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہوتی کہ "ندوۃ" کی عملی کوششیں جمود قومی میں کس قدر ہیجان پیدا کر چکی ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں اور کرنے والوں کیلئے سد سکندری بننا عین سعادت خیال کرتے ہیں۔ چشم بینا وا کرکے دیکھ لیتے کہ حق و صداقت کے سایہ میں بڑھنے والی کمزور جماعت پر سول سے دوڑ لینے والے پہلوانوں سے آگے بڑھنے کیلئے کس طرح راستہ صاف کر لیتی ہے اور خدائے برتر و توانا اس کے لئے کیا کیا اسباب و ذرائع مہیا کر دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہماری صحت جو پندرہ بیس روز سے خراب ہو رہی ہے اس تفصیل کو قلمبند کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ عوارض مختلفہ کی پیہم زد سے بینائی کمزور ہے اور اسی اب وائیں آنکھ میں کچھ ہلکی سی سفیدی نمودار ہو گئی ہے۔ جس سے نوشت و خواند کئی روز سے بند ہے۔ اور سخت گھبراہٹ ہے۔ علاج جاری ہے۔ شافع مطلق کی فضل و کرم سے امید ہے کہ جلد صحت ہو جائیگی۔ انشاء اللہ تعالی مارچ کے القریش میں ان کو الف کو بالتصریح شائع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ "بزم احباب" سے متعلقہ مضمون اور "واقعات و حوادث" وغیرہ عنوانات سب مجبوراً چھوڑ دینے پڑے۔ ترتیب مضامین پر بھی کوئی تسلی نہیں امید ہے کہ ناظرین کرام ہمیں اسکے لئے معذور سمجھتے ہوئے۔ دعائے صحت سے مشکور کرینگے ؛

عذر

کاپیاں اگرچہ دیکھ لی گئی ہیں لیکن مجھے اطمینان نہیں میں خود تو اچھی طرح دیکھ نہیں سکا اور دوسرے کی کام پر کامل بھروسہ نہیں ہوسکتا ہے اگر کسی صاحب کے مضمون میں کوئی کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہوں تو [illegible] نہیں اور ناراض نہ ہوں ؛

ایڈیٹر

اسلامی تاریخ کا ایک ورق

رعیّت نوازی

امیر المومنین شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کا عہد خلافت ہے آپ کسی ضرورت سے کہیں تشریف لیے جا رہے ہیں اتفاقاً ایک ضعیفہ پر جو پانی کی مشک سر پر لئے ہوئے رُک رُک کر نہایت دقت کیساتھ چلی جا رہی تھی نظر پڑتی ہے آپ بیچین ہو جاتے ہیں مشک اس سے لے لیتے ہیں اور اس کو گھر تک پہنچا کر دریافت حال فرماتے ہیں وہ پہچانتی نہیں آبدیدہ ہو کر اس طرح جواب دیتی ہے" آہ! اے کریم النفس محسن! کیا عرض کروں؟ رونے لگتی ہے نہایت جوش کے ساتھ " اَللّٰھُمَّ احْکُمْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبْ " پس میں اپنا انصاف احکم الحاکمین پر چھوڑتی ہوں۔ وہ عالم الغیب ہے اس سے تو کوئی بات چھپی نہیں وہی اس کا خوب فیصلہ کریگا"

حضرت نے نہایت بے تابانہ آبدیدہ ہو کر کہا" علی کی بدسلوکی سے جلد آگاہ کر اسکی ذات تو ایسی امید نہ تھی۔ خدا رحم کرے"

" بدسلوکی! ضعیفہ چلا اٹھی نہیں نہیں ظلم، شدید ترین ظلم علی نے مجھ پر اور میرے ان (لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے) چھوٹے چھوٹے بچوں پر کیا ہے " ہمدردی کے لہجہ میں۔ ظلم! تیرے الفاظ مجھے حیرت میں ڈال رہے ہیں مفصل بیان کر۔ اگر واقعی کچھ خطا ہوگئی ہو تو میں علی کو سزا دینے کے لئے تیار ہوں"۔ ضعیفہ نے جواب دیا" میں اپنے محسن کو اب زیادہ منتظر نہیں رکھنا چاہتی۔ میری اور میرے بچوں کی خبرگیری میرا شوہر کیا کرتا تھا۔ علی کے حکم سے اسکو کہیں جہاد پر جانا پڑا۔ اور آہ۔ (آبدیدہ ہو کر) ایسا گیا کہ پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ درجہ شہادت پر فائز ہو کر مجھ دکھیا کو رونے اور کڑیاں جھیلنے کیلئے ہمیشہ کے واسطے تنہا چھوڑ گیا۔ اب میں ہوں اور یہ ننھے ننھے یتیم اور روز روز کی مشقت

مغرب کا وقت قریب تھا۔ رنگ انور کی متغیر کیفیت شام کا اداس منظر پیش کر رہی تھی۔ قطرات اشک حدیث اضطراب بنکر ٹپک رہے تھے چشم مبارک کی سرخی شفق شام کی طرح پتلیوں کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی دقت سے بھرائی ہوئی آواز میں تلقین صبر کی اور مسجد نبوی کو روانہ ہو گئے نہایت بے چینی کیساتھ تڑپ تڑپکر حضرت نے رات کاٹی۔ فریضہ صبح ادا کرنیکے بعد چادر اقدس میں سامان خوراک باندھ کر پشت مبارک پر رکھ لیا اور ضعیفہ کے گھر کی طرف چلے مگر کس طرح؟ بحر تفکر میں ڈوبے ہوئے کبھی آہستہ کبھی تیز کبھی چلتے چلتے خود بخود رک جاتے کچھ سوچنے لگتے دل سے ایک آہ نکل جاتی۔ پھر خدا جانے کیوں چونک پڑتے۔ نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے تھوڑی دیر کے بعد پھر یہی کیفیت طاری ہو جاتی رکتے چلتے

السلام علیکم یا امیر المومنین حضرت نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ ایک صحابی دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں آپ نے جواب سلام دیا۔ اس صحابی نے قریب آکر عرض کی " یا امیر المومنین۔ خادموں کی موجودگی میں ایسے جلیل القدر آقا کا اس طرح تکلیف اٹھانا مناسب نہیں ہے شاباش حضرت نے فرمایا آج دنیا میں تو نے یہ بار اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی مجھے بڑی مسرت ہوئی مگر آہ کل قیامت میں کون اٹھائیگا؟ بہتر ہے ایسی تمنا نہ کر سکا بوجھ اٹھانے دے۔ آپ ضعیفہ کے مکان پر پہنچ گئے ہیں وہ آپکا شکریہ ادا کر رہی ہے آپ فرماتے ہیں للہ مجھے شرمندہ نہ کر یہ احسان نہیں بہت بڑا فرض ہے جو ہر مسلمان پر خدا اور اسکے رسول کی طرف سے عائد کیا گیا ہے فرشتہ صفت انسان، ضعیفہ نے کہا تیری باتیں میری استعجاب

قندِ مکرّر

مشرقِ بخت سے تاباں ہوا مہرِ اقبال علم و دولت سے ہوا عالمِ امکاں کو کمال
دنیا نے اس میں دکھایا ہے ترقی نے جمال روز روشن ہے اسلام کی ہستی کا سوال
ناخدا قوم کی کشتی کو بچائیں کیونکر
بیچ منجدھار میں ہے پار لگائیں کیونکر

نیو فیشن

نوجوانوں کے خیالات میں ترمیم رہے اب نیا دور ہے اسکی نئی تقویم رہے
بوستاں اور گلستاں کی نہ تعظیم رہے فارسی دور کرو مغربی تعلیم رہے
جان پڑ جائیگی یورپ سے برابر ہو کر
کام بنجائیں گے ہربرٹ اسپنسر ہو کر
کام آنے کی نہیں تیغ زبانی اپنی زنگ آلودہ ہے شمشیر پرانی اپنی
لغو تاریخ ہے جھوٹی ہے کہانی اپنی کون برباد کرے مفت جوانی اپنی
آئیں گے راہِ ترقی میں وہ نیوٹن ہو کر
قوم کی ریل کو لیجائینگے انجن ہو کر
فلسفی ہیں تو زمانے میں نئے دور کے ہیں باتیں ہیں بات خیالات عجب طور کے ہیں
دور کی سوچنے والے ہیں بڑے غور کے ہیں خاص لندن کے ہیں دلی کے نہ لاہور کے ہیں
حل کیا ہے کششِ ثقل کا عقدہ کس نے
کان پکڑا ہے دلیلوں کو سنا ہے جس نے
ان کی تحقیق کا دعویٰ ہے زمیں پھرتی ہے آگیا سوچنے والوں کو یقیں پھرتی ہے
ورنہ اب تک یہی کہتے تھے کہیں پھرتی ہے یہ تو دیکھا ہے کہ حسینوں کی جبیں پھرتی ہے
جو کوئی عشق کی راہوں میں پھرا کرتا ہے
کوچۂ یار لگا ہوا میں پھرا کرتا ہے

اس ترقی نے طلسمات دکھائے کیا کیا خبریں دینے کیلئے تار بنائے کیا کیا
بیڑے زپلین کے ہواؤں میں اڑائے کیا کیا اور طوفان سمندر میں اٹھائے کیا کیا
بہتے دریا کی روانی کو کہیں روک دیا
نہر کے واسطے پانی کو کہیں روک دیا
دی ترقی ہی ہوابازوں کو جانبازی نے کام آسان نہ کیا ہوگا کسی غازی نے
کرلیا وقت کو قابو میں گھڑی سازی نے خوب ترکیب کی تہذیب کی غمازی نے
برق وش شوخ حسیں کہتے ہیں پیارے ہارے
ان کی طاقت میں ہیں بجلی کے کرشمے سارے
ایک سے ایک ترقی ہی قیامت ان کی صنعت چیں سے بھی بڑھ گئی صنعت انکی
ربع مسکوں میں ہے مشہور جو حرفت ان کی جس جگہ دیکھئے پھیلی ہے تجارت انکی
انکے قابو میں سمندر ہے ہوا بس میں ہے
ہارے جو خیر ہے وہ نام خدا بس میں ہے
الغرض اس نئے فیشن سے ترقی ہوگی ہند میں وادی ایمن کی تجلی ہوگی
مغربی طرز کی جو بات ہے اچھی ہوگی سربلندی کیلئے ہیٹ کی کلغی ہوگی
مغربی رنگ جمے بوٹ پہن کر نکلیں
کوٹ پتلون کا ہم سوٹ پہنکر نکلیں
سبز میدان میں کرکٹ کہیں ٹنس کھیلیں گول فٹ بال کا لڑ بھڑ کے برابر لیں
علم کیواسطے کالج کی مصیبت جھیلیں یعنی لوہے کے چنے چاب کے پاپڑ بیلیں
جب کہیں دہر میں اسلام کی ہستی ہوگی
اپنے مذہب میں اگر قوم پرستی ہوگی

اولڈ فیشن

اگلے لوگوں کا یہ دعویٰ ہے وہی بات کرو ہوتی آئی ہے بزرگوں سے جو وہ بات کرو

ہادی قوم جو ہیں اُن سے ملاقات کرو دور فیشن کی زمانے سے خیالات کرو
ہوگی قرآں کی تلاوت سے ترقی اپنی
پارسائی سے عبادت سے ترقی اپنی

یاد خالق کی کرو خوب نمازی ہو کر زلفِ زاہد کی بڑھے بندہ نوازی ہو کر
نازوالے بھی کریں ناز نیازی ہو کر اپنا الطاف بڑھے بندہ نوازی ہو کر
دھیان ہو اپنے بزرگوں کے نسب کا دل میں
لئے اخلاق و تمدن کا ادب کا دل میں

اپنی تاریخ ہو اسلاف کے افسانوں کی جسکی بنیاد یہ ہستی ہو مسلمانوں کی
کچھ خبر بھی ہے مشاہیر کے احسانوں کی مسجدیں سینکڑوں بنوائی تھیں میخانوں کی
ہیں مسلمان وہی ہند کے رہنے والے
کلمۂ پاکِ شہادت کے کہنے والے

دین اسلام کی جس وقت میں پابندی تھی شادمانی تھی میسر ہمیں خورسندی تھی
عقل تھی فہم تھی عزت تھی خردمندی تھی چاندنی رات کی ہر شہر میں نوچندی تھی
فارغ البال تھے تسلیم و رضا کے بندے
عیش و آرام کے مالک تھے خدا کے بندے

دہر میں کاشف اسرار نہانی ہم تھے اور سرچشمۂ اعجاز بیانی ہم تھے
علم میں علم طبیعات کے بانی ہم تھے بحث میں تخت سکندر کی نشانی ہم تھے
فلسفہ اور ریاضی تھا ہمارے گھر کا
نام لقمان فلاطون تھا سارے گھر کا

دوئی کا نام نہ تھا دور تھا یکتائی کا لطف توحید میں آجاتا تھا تنہائی کا
شوق تھا سب کو درِ حق کی جبیں سائی کا دل قناعت سے غنی صبر و شکیبائی کا
شمع حسن نبوی جلوہ فگن تھی دل میں + نور پُر نور برستا تھا ہر اک محفل میں

آجکل اُنس و محبت کا کہیں نام نہیں بخشش و فیض و کرم جود و سخا عام نہیں
فائدہ بخش خلائق کا کوئی کام نہیں اہل دولت کو بھی اس دور میں آرام نہیں
حرص غالب ہے قناعت سے بہو رہتے ہیں + اور فیشن کی ترقی پہ مَر رہتے ہیں

ہیٹ ہے کوٹ ہے پتلون ہے نکٹائی ہے سائیکل کا کوئی موٹر کا تماشائی ہے
مینا بازار میں اب انجمن آرائی ہے جسکو دیکھو وہ نئے حسن کا شیدائی ہے
روز ہوٹل میں جہاں بادہ پرستی ہوگی
غیر ممکن ہے وہاں قوم کی ہستی ہوگی

ایسی باتوں میں کبھی ہستی اسلام نہیں مغربی طرز میں وحدت کا کہیں نام نہیں
اہل فیشن میں حقیقت کا سر انجام نہیں روزی روزی ہے یہاں درد کا کچھ کام نہیں
ہستی اسلام کی درکار اگر ہے تو کہو!
روز قرآن پڑھو اپنے طریقوں پہ رہو

فیصلہ

الغرض دونوں فریقوں کی زبانی کچھ ہے ہستی قوم کی دنیا میں کہانی کچھ ہے
زندگی کیلئے تجویز پرانی کچھ ہے نوجوانوں کی مگر سحر بیانی کچھ ہے
دونوں سچے ہیں اگر دونوں میں یکتائی ہو
میل ہو اُنس ہو اخلاق ہو دانائی ہو

قوم بن جائیگی ایثار اگر ہو تم میں قوم بنجائیگی غمخوار اگر ہو تم میں
ایک کا ایک طرفدار اگر ہو تم میں ایک کا ایک مددگار اگر ہو تم میں
روز آپس میں لڑا کیجیے لہروں کی طرح
ایک ہو جاؤ مگر وقت پہ نہروں کی طرح

مغربی علم پڑھو مشرقی تہذیب رہے جاؤ دنیا میں مگر قوم کی ترتیب رہے
اس زمانے میں ترقی کی یہ ترکیب رہے کھیل کا کھیل ہو تادیب کی تادیب رہے
جتنے بچے ہیں یہاں غیرتِ سر سید ہوں
محسن الملک ہوں یا ڈپٹی نذیر احمد ہوں

اس طرح دہر میں اسلام کی ہستی ہوگی رحمت ابر کرم گھر میں برستی ہوگی
اہل اسلام کی ہر شہر میں بستی ہوگی عافیت قوم کے بازار میں سستی ہوگی
ہے خلیق جگر افگار کی آواز یہی
ایک ہو جائیے توحید کا ہے راز یہی

عبدالخالق خلیق دہلوی

اسلامی طریقِ عدالت

(از مولنا عبد السلام صاحب ندوی)

مُقدمات فوجدارِی

اگرچہ خود عہد رسالت میں ہی ایک صحابیؓ کا تقرر بحیثیت پولیس افسر کے ہوچکا تھا لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قائم ہوا۔ اور بعد میں اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث" "والی مظالم" اور "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبوں سے سرفراز ہوتے رہے جن کے فرائض میں مختلف جرائم کی سزاؤں کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام اور مجرمین سرکوبی داخل تھی اور فوجداری کے جن مقدمات میں شہادت یا اقرار کا وجود نہیں ہوتا تہا۔ ان کا فیصلہ بھی انہیں افسروں سے متعلق تھا۔

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائیں اسلام نے مقرر کردی ہیں اور بھی متعدد مذہبی اخلاقی اور تمدنی جرائم ہیں جن کی اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور عادۃً عدالتوں میں کوئی شخص انکے متعلق مرافعہ نہیں کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑہے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ وزن میں کمی کریں، کھانے پینے کی چیزوں میں مضر یا ناجائز چیزیں ملائیں، یا ناجائز چیزوں کی تجارت کریں۔ تو گو اسلام میں ان کی کوئی سزا مقرر نہیں ہے اور ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہیں ہوتے لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی نہ کی جائے تو مذہب، اخلاق اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائیں، اسلئے اس ضرورت کیلئے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوئی اور انہوں نے بازار کی نگرانی کے لئے حضرت عبداللہؓ اور حضرت صائبؓ کو مقرر کیا، لیکن بعد میں احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہوگیا اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہوگئے کہ انپر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے بہرحال اسلام میں یہ صیغہ پولیس کے صیغہ سے الگ تھا۔ اور ان جرائم پر سزا دینا، ان کی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض میں داخل لیکن ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ انکی تحقیقات کیلئے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے اپنے بعض فوائد کیلئے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک خط لکہا اور اس کو ایک مشرکہ عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے جنہوں نے تعاقب کرکے اس کو گرفتار کیا۔ لیکن جب اُسنے خط حوالے کرنیسے انکار کیا تو ان لوگوں نے دہمکی دی۔ کہ اگر تونے خط واپس نہیں کیا تو ہم تم کو برہنہ کردینگے مجبوراً اُسنے کیسہ سے خط نکالکر انکے حوالے کیا۔

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے قطعاً تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکہا ہے کہ اگر مدعا علیہ

دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور اسکے خلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہو۔کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

انکشاف جرائم میں وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کر کے تمام غلاموں میں جا کر سو رہا۔ معتضد نے تحقیقات شروع کی تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا جن میں اس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی۔جس نے ارتکاب قتل کیا تھا۔چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کرایا۔ اور اس کو سزائے قتل دی گئی۔

وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے البتہ زمانہ حراست کی مقدار میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک اس کی مدت صرف ایک مہینہ ہے اور بعضوں کے نزدیک اس کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کر سکتا ہے۔

پیروی مقدمات

اسلام میں اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمات کی پیروی کرائی جا سکتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ اسلام کی عدالتی تاریخ میں بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہیں؟ بعض کتابوں میں ہے کہ امام شافعی کے معاصرین میں عیسیٰ بن ابان جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو انکے پاس دو بھائی آئے جو مقدمات میں وکیل ہوا کرتے تھے۔جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور کوئی بدعت نہیں ہے۔

فیصلہ

ان مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں:۔

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ میں جس چیز کے متعلق نزع ہے اس کی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا۔

(۲) انکے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا۔

اسلام میں ان دونوں مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے گئے ہیں۔ مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کا پتہ لگانے کیلئے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے کیونکہ مدعی ایک دعویٰ کر رہا ہے جو ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہے اسکے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے۔ مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضہ میں ہے اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہیں ہے لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں انصاف کا یہ اقتضا ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اسکے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت کو ہی سند قرار دے رہا ہے شہادت کی بجائے صرف حلف لیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی مشروعیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:۔

" اگر لوگوں کے حقوق صرف انکے دعویٰ کر دینے سے دلا دئیے جائیں تو بہت سے لوگ لوگوں کی جان و مال کے مدعی ہو جائیں

سلئے مدعی پر گواہ لانا فرض ہے۔ اور مدعا علیہ پر حلف "

اب اس حدیث کی رُو سے اسلام میں مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد صرف دو چیزوں یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے ؛

بذلِ عثمانی
خسروِ دکن کے شاہانہ عطیات

سر اکبر حیدری نے بادشاہ جارج پنجم کے خزانچی کو اطلاع دی ہے کہ حضور نظام حیدر آباد نے کنگز ہسپتال کیلئے دو ہزار پونڈ کی رقم بدیں وجہ منظور کی ہے۔ کہ چونکہ بادشاہ نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور حیدر آباد کے ڈیلی گیشن میں ذاتی دلچسپی لی ہے اسلئے حضور نظام اس ذاتی دلچسپی کا شکریہ دو ہزار پونڈ کی شکل میں ادا کرنا چاہتے ہیں نیز اس طرح حضور نظام تاج برطانیہ سے اپنی وفاداری کا بھی ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے سر اکبر حیدری کو جواب دیا ہے کہ میرا صدق دلانہ شکریہ حضور نظام حیدر آباد تک پہنچا دیں ؛

آل انڈیا ویمنز ویجوکیشن فنڈ ایسوسی ایشن کے دوسرے سالانہ اجلاس کے موقع پر جو حال ہی میں زیر صدارت لیڈی ارون بمقام دہلی منعقد ہوا تھا۔ ہوم سائنس کالج کو دوبارہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نیز اعلان کیا گیا کہ حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اس کالج کے اجرا کے لئے دو لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے حضور نظام نے اپنی دریادلی اور فیاضی کیلئے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے اور تمام دنیا میں آپ کی علم نوازی کا چرچا ہے۔ ملک کے ممتاز ترین ادارے اور انجمنیں آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہو رہی ہیں۔ اور سینکڑوں اہل علم آپ کے خرمن کرم کی خوشہ چینی کر رہے ہیں۔ آپ تعلیم نسواں کے پرجوش حامی ہیں۔ اور آپ کو ان کی ترقی و بہبودی کا بے انتہا خیال ہے۔ حضور نے مذکورہ کالج کو دو لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم عطا کر کے تمام خواتین ہند کو اپنا مرہون منت بنا لیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس بادشاہ سلام کی عمر میں برکت دے۔ اور اسے ملک و قوم کی خدمت کرنے کی بیش از بیش استطاعت فرمائے ؛

آمین ثم آمین

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ عدم تعمیل معاف۔ مینجر۔

اُسوۂِ مُرتضوی

آپ کی شجاعت

کسی لڑائی میں مقابلہ کے وقت حریف کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حریف مقابلہ سے مجبور ہو کر چپ ہو رہا۔ یہ دیکھ کر جناب علی مرتضےٰ نے اپنا دست مبارک روک لیا۔ دشمن نے نہایت بے باکی سے حضور سے تلوار مانگی۔ آپ نے کمال خندہ پیشانی سے وہی تلوار جس سے اس وقت کام لے رہے تھے اپنے خون کے پیاسے دشمن کو عطا فرمائی۔ دشمن اس بیجا اور ناممکن مروت پر دنگ رہ گیا اور بولا یا علیؓ یہ تم نے کیا غضب کیا۔ اپنے قریب الہزیمت مخالف کو پھر سرنو قوی کر دیا۔ سرکار نے مسکرا کر جواب دیا۔ میں کیا کروں میری کوئی حالت ہو۔ سائل کا کوئی سوال کسی وقت میں مجھ سے رد نہیں کیا جا سکتا امیر المومنین کے اس دلیرانہ اخلاق اس کے دل پر اس قدر اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہو گیا ؛

آپ کی مروّت

ایک مرتبہ جنگ جمل میں جبکہ میدان جنگ نہایت سختی سے گرم تھا اور آفتاب اپنی پوری تیزی پر تھا۔ آپ کا خادم قنبر دودھ اور شہد میں پانی ملا کر شربت بنا کر لایا۔ اور حضور مرتضوی میں پیش کیا آپ نے اس جام کو دیکھا اور فرمایا قنبر مجھ سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی پیاس بجھاوں اور میری فوج اور قوم کے لاکھوں پیاسے ہزاروں من لوہے کا بوجھ لادکر اپنا خون اور پسینہ ایک کر رہے ہوں۔ جا اور یہ جام اس شخص کو تلاش کر کے پلا دے جو مجھ سے زیادہ پیاسا ہو ؛

آپ کا زہد فی الطعام

سوید ابن غفلہ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ قصر الامارت میں جناب امیر المومنین کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے جو کی روٹی اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا ہے روٹی ایسی خشک ہے کہ سخت دقت سے ٹوٹتی ہے یہ حالت دیکھ کر مجھے نہایت تاسف ہوا۔ اور آپ کی خادمہ فضہ سے کہا کہ تو اس بزرگ پر ترس نہیں کھاتی اور انکے لئے جو چھان کر روٹی نہیں پکاتی۔ فضہ نے جواب دیا کہ سرکار نے حکم دیا ہے کہ ان کی روٹی کبھی چھان کر نہ پکائی جائے یہ سن کر جناب امیر المومنین میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابن غفلہ تم اس خادمہ کو کیوں ڈانٹ رہے ہو میں نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین آپ اس قدر مصائب کیوں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا اے سوید تجھ پر افسوس ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل وعیال نے کبھی متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ اور کبھی جو چھان کر ان کے لئے روٹی نہیں پکائی گئی تھی۔ سبحان اللہ! اتباع رسول ہو۔ تو ایسا ہو۔

آپ کا زہد فی اللباس

ایک روز ایک بزاز کی دکان سے آپ نے دو عدد کپڑے خریدے۔ ایک کپڑے کی قیمت دو درم تھی اور دوسرے کی تین درم۔ قنبر ہمراہ تھے دو روپے والا کپڑا آپ نے اپنے لئے رکھا اور تین روپے والا قنبر کو دیا۔ قنبر نے عرض کیا کہ اس کو سرکار ہی زیب تن فرمائیں۔ کیونکہ یہ حضور ہی کے لئے زیبا ہے۔ ارشاد ہوا۔ نہیں تم جوان ہو۔ تمہارے لئے نفیس کپڑا ہی زیبا ہے اور میرے لئے یہی کافی ہے ؛

ایک دفعہ جناب علی مرتضیٰ گھر سے باہر ایک مجمع میں تشریف لائے۔ آپ کے لباس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ جعد ابن نعجہ آپ کو اس لباس میں دیکھ کر طعن کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو میرے لباس سے کیا سروکار ہے یہ میرا لباس غرور سے پاک ہے اور اس لایق ہے کہ مسلمان اس کی پیروی کریں کیونکہ پیراہن میں پیوند لگانے سے دل نرم ہوتا ہے ؛

آپ کا طرز معاشرت

آپ ایسے سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے کہ کوئی شخص جس نے آپ کو اس سے قبل نہ دیکھا ہو۔ نہیں پہچان سکتا تھا گھر کا تمام کام خود کر لیتے۔ بازار سے خود سودا خرید لاتے اپنا جوتا آپ سی لیتے۔ اپنا کپڑا آپ دھو لیتے۔ اپنے پیراہن میں آپ پیوند لگا لیتے مسجد میں خود جھاڑو دے دیتے تھے ؛

آپ کی مہمان نوازی

ایک مرتبہ ایک باپ بیٹے حضور کے مہمان ہوئے کھانے کا وقت قریب آیا۔ قنبر نے طشت و آفتابہ سامنے رکھا۔ آپ خود اٹھے اور مہمان کے ہاتھ دھلانے لگے۔ اسنے آفتابہ تھام لیا اور عرض کیا کہ آقا یہ نہوگا۔ آپنے فرمایا نہیں میں تمہارے ہاتھ دہلاؤں گا مجھے اس سنت کے ثواب سے کیوں محروم کرتے ہو۔ القصہ آپنے ہی اس کے ہاتھ دھلوائے۔ جب بیٹے کی باری آئی۔ تو آفتابہ اپنے صاحبزادہ محمد حنیفہ کو دیدیا۔

بیعت خلافت کے بعد جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اپنے مکان میں آئے تو آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی۔ آپ کی حرم محترم نے گھبرا کر کہا خیر تو ہے؟ فرمایا۔ خیریت کہاں! میری گردن پر امت محمدیہ کا بوجھ ڈالدیا گیا ہے۔ ننگے، بھوکے، بیمار، مظلوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے، کم حیثیت، الغرض دنیا بھر کے لوگوں کا بار مجھ پر لاد دیا گیا ہے۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن پرسش ہو۔ اور وہاں مجھے جواب نہ بن آئے۔ بس اسی لئے روتا ہوں ؛

بقیہ ۲۵ معصوم قیدی۔

پیک اجل کو لبیک کہتے ہوئے۔ اسکے تن خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔ وہ بحس و حرکت آسمان کی طرف نظر اٹھائے فرش پر پڑا تھا اور اسکی خاموشی زبان حال سے کسی شاعر کا یہ شعر الاپ رہی تھی ؎

زندگی موت تھی اک عمر میں ثابت یہ ہوا

میرا ہونا تھا فقط میرے نہ ہونے کے لئے

ختم شد

(ابن الاسد فیض لدھیانوی)

ابو مسلم خراسانی

(۴) نمبر

(گذشتہ سے پیوستہ)

جب منصور کو اس کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے تمام امرائے دولت اور ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہ ابو مسلم کے استقبال کو جائیں اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کریں۔ چنانچہ ابو مسلم نہایت شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت ادب سے منصور کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ منصور نے بھی بہت آؤ بھگت کی اور اپنے قریب بٹھایا۔ تھوڑی دیر گفتگو کر کے کہا کہ تم سفر کی تکان سے مضمحل ہو رہے ہو۔ اس وقت جا کر آرام کرو۔ کل پھر آنا۔

چنانچہ دوسرے دن صبح منصور نے پھر ابو مسلم کو طلب کیا اور دیوانخانے کے پردوں کے پیچھے ایک دستہ پوشیدہ کر کے ہدایت کر دی کہ جب میں (منصور) دستک دوں تم فوراً نکل کر ابو مسلم کا کام تمام کر دینا۔ منصور یہ انتظام کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ ابو مسلم حاضر ہوا۔ رسمی گفتگو کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ وہ دو تلواریں جو عبداللہ ابن علی کے معرکہ میں دستیاب ہوئی تھیں کہاں ہیں؟ ابو مسلم نے اپنے ہاتھ کی تلوار پیش کر کے عرض کیا کہ ان میں سے ایک تو یہ ہے! منصور نے اسے لیکر اپنی جانماز کے نیچے جس پر بیٹھا تھا رکھ لیا۔ اب منصور نے اپنا انداز کلام بدلنا شروع کیا اور ابو مسلم کی تقصیریں شمار کرانا شروع کیں۔ ہر قصور پر ابو مسلم کچھ معذرت کرتا جاتا تھا اور خلیفہ ایک قصور کے دوسرا گنتا جاتا تھا یہاں تک کہ آخر میں تنگ آ کر ابو مسلم نے کہا کہ "امیر المومنین یہ معمولی فروگذاشتیں مجھ جیسے شخص کے مقابلہ میں کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتیں! انکا اعادہ فضول ہے۔ میری کارگذاریاں اور جاں نثاریاں ان غیر اہم تقصیرات کے مقابلہ میں بدرجہا بلند تر ہیں!"

یہ سن کر منصور بے انتہا برہم ہوا اور گالی دے کر کہا کہ بلا شبہ تو نے یہ کام سرانجام دیئے' لیکن اگر تیری جگہ کوئی حبشی لونڈی ہوتی تو وہ بھی یہی کر سکتی جو تو نے کیا۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ تیرا یہ مرتبہ اور تیری یہ دولت محض بنی عباس کی چشم کرم کا نتیجہ ہے؟

ابو مسلم نے جواب دیا "امیر المومنین! اب یہ قصے جانے دیجئے بہر صورت میں خدا کے سوا کسی متنفس سے نہیں ڈرتا!"

منصور نے دستک دی' مسلح جماعت کمین گاہ سے جھپٹی' اور اس نے یکایک ابو مسلم پر حملہ کر دیا۔ ابو مسلم چلایا کہ "امیر المومنین! مجھے اعدا کے مقابلہ کیلئے زندہ رہنے دیجئے" منصور نے کہا "میرا تجھ سے زیادہ کون دشمن ہے"

ہو سکتا ہے ؟"

اتنے عرصے میں ابو مسلم زخموں سے چُور ہو چکا تھا۔ وہ گرا اور ساتھ ہی کئی تلواریں اُس کے سر و سینہ میں پیوست ہو گئیں۔ اب اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ منصور نے اس کی نعش کو چادر میں لپٹوا کر علیحدہ رکھوا دیا۔

اس کے بعد عیسیٰ ابن موسےٰ منصور سے ملنے آیا۔ اُسنے دریافت کیا" امیر المومنین ابو مسلم کہاں ہے؟" منصور نے اس چادر کی طرف جس میں ابو مسلم کی نعش لپٹی ہوئی رکھی تھی اشارہ کر دیا۔ عیسیٰ نے تعجب سے پوچھا" کیا قتل ہو گیا؟" منصور نے کہا" ہاں!"

عیسیٰ نے انا للہ پڑھا اور منصور سے کہا" حقیقت میں آج آپ کی حکمرانی کا پہلا دن شروع ہوتا ہے۔ اور آج آپ حقیقی معنوں میں امیر المومنین اور محکوم ممالک کے بادشاہ کہے جانے کے مستحق ہوئے۔ تمام دنیا میں آپ کا اس شخص سے بڑا دشمن نہ تھا"

منصور نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ ابو مسلم کے لشکر میں جا کر لوگوں کو حسب حیثیت نقد و جنس تقسیم کرے اور پھر انہیں منتشر کر دے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور لشکر والے منتشر کر دیئے گئے اس کے بعد منصور کا خراسان پر پورا پورا قبضہ ہو گیا یہ واقعہ ۱۳۷ھ کا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابو مسلم کے قتل کے بعد سب سے پہلے جعفر ابن حنظلہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ منصور نے اس سے دریافت کرنا چاہئے؟ اسنے کہا کہ اگر امیر المومنین کو ایک بال کے برابر بھی اس پر قابو حاصل ہو تو فوراً اسے قتل کر ڈالنا چاہئے۔ منصور نے کہا خدا نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ کہہ کر اس چادر کی طرف جس میں ابو مسلم کی نعش تھی اشارہ کر دیا۔ جعفر نے کہا کہ آج حضور کی حکومت کا پہلا دن ہے۔ مبارک ہو ——— !

کہا جا سکتا ہے کہ منصور نے دھوکے اور ظلم سے ابو مسلم کو قتل کیا۔ لیکن منصور کی جانب سے بھی یہ جواب ممکن ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی حکومت سخت خطرہ میں مبتلا ہو جاتی۔ بہر حال یہ امر کہ منصور کا طرز عمل مستحسن تھا۔ یا غیر مستحسن؟ اور اس کی جانب سے یہ عذر قبول ہے یا نہیں؟ ہمارے موضوع بحث سے غیر متعلق ہے ؎

عام اخلاق و عادات

ابو مسلم کا پستہ قد، گورا رنگ، سیاہ آنکھیں، چوڑے شانے، خوبصورت داڑھی، گداز پنڈلیاں اور نرم آواز تھی۔ عربی و فارسی میں نہایت فصاحت سے گفتگو کرتا تھا۔ بہت خوب شعر کہتا تھا اور سخن فہمی کا خاص ملکہ رکھتا تھا۔

نہ بے محل ہنستا۔ اور نہ کسی سے مذاق کرتا۔ خوشی، رنج اور غصہ وغیرہ جذبات کی علامات اسکے چہرہ پر کبھی نمایاں نہیں ہوتی تھیں۔ بڑی بڑی فتوحات اور سخت رنجیدہ واقعات کا اسکے سامنے تذکرہ ہوتا اور اسکے سکون و سنجیدگی میں مطلق فرق پیدا نہ ہوتا۔ نہایت پاکباز اور غیرت دار تھا۔ ایک سال میں صرف ایکبار عورتوں کی جانب ملتفت ہوتا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے۔ اور انسان کیلئے سال میں ایکمرتبہ مجنون ہونا کافی ہے اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے محل سرا میں کوئی نامحرم شخص داخل ہو سکے۔ اپنی بیگمات کے ساتھ اس کا برتاؤ شریفانہ اور فیاضانہ تھا۔ اور کبھی ان سے بدسلوکی سے پیش نہیں آتا تھا۔ نہایت خوش اخلاق اور سیر چشم تھا۔ طامع و حریص نہ تھا۔ حوصلہ مند اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں بے انتہا دلیر اور صاحب عزم تھا۔ مامون رشید کا قول ہے کہ :

"دنیا میں تین بادشاہ بہت ذی حوصلہ اور دلیر گزرے ہیں۔ جنہوں نے سلطنتوں میں انقلاب پیدا کر دیئے۔ سکندر، اردشیر، اور ابومسلم خراسانی!"

ابومسلم اپنی عمر اور غیر معمولی اولوالعزمی کے لحاظ سے بڑی حد تک سکندر کے ساتھ مشابہ ہے + (مہند)

نہ سہی

چلی صبا کہ چمن میں گذر نہیں نہ سہی
کھلے شگوفے کہ مٹی میں زر نہیں نہ سہی

نمود و بود سراب جہاں کی فکر عبث
اگر ہے کچھ تو ہمیں کیا، اگر نہیں نہ سہی

مزہ حکایت تیر نگہ میں کیا کم ہے ؟
اگر شکایت زخم جگر نہیں نہ سہی

چٹک رہی ہیں جو کلیاں تو پھول ہنستے ہیں
غرض کہ کیجئے نالے اثر نہیں نہ سہی

لحاظ خاطر زاہد ضرور ہے ساقی !
ادھر تو دے کوئی ساغر ادھر نہیں نہ سہی

فلک سے ہم نہیں جھکنے کے لاکھ مٹ جائیں
دماغ تو ہے وہی، تاج زر نہیں نہ سہی

ٹھہر کے بزم شب وصل دیکھ لے اے چرخ
جو ایک رات دوران سحر نہیں نہ سہی

مزہ ہے ابلِ توکّل کو روکھی روٹی کا !
نمک نہیں نہ سہی یا شکر نہیں نہ سہی

ترا خیال ہو اور میں ہوں اور دل بیمار
کوئی انیس کوئی چارہ گر نہیں نہ سہی

تمہیں تو اپنے تغافل پہ ناز ہے بارے
مجھے تحمل درد جگر نہیں نہ سہی

مرا قلم تو جواہر نگار رہے نظم
جہاں میں گر کوئی صاحب نظر نہیں نہ سہی

نظم

نوائے وقت

از علامہ اقبال

خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم　　در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم، در کاخ و شبستانم　　من دردم و درمانم، من عیش فراوانم

من تیغ جہاں سوزم، من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری، مشتے ز غبار من　　ہنگامۂ افرنگی، یک جستہ شرار من
انسان جہان او، از نقش و نگار من　　خون جگر مرداں، سامان بہار من

من آتش سوزانم، من روضۂ رضوانم

آسودہ و سیارم، ایں طرفہ تماشا بیں　　در بادۂ امروزم، کیفیت فردا بیں
پنہاں بہ ضمیر من، صد عالم رعنا بیں　　صد کوکب غلطاں بیں، صد گنبد خضرا بیں

من کسوت انسانم، پیراہن یزدانم

تقدیر فسون من، تدبیر فسون تو　　تو عاشق لیلائے، من دشت جنون تو
چوں روح روح پاکم، از چند و چگون تو　　تو راز درون من، من راز درون تو

از جان تو پیدایم، در جان تو پنہانم

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل　　تو ساز صد آہنگے، تو گرمی ایں محفل
آوارۂ آب و گل! دریاب مقام دل　　گنجیدہ بہ جامے بیں، ایں قلزم بے ساحل

از موج بلند تو، سر بر زدہ طوفانم

آثارِ عرب

ایامِ جاہلیت کی تعمیرات

مدینہ مارب۔ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ اس شہر کو عبد الشمس نے آباد کیا جس کا لقب "سبا" تھا۔ یہ شہر زیادہ تر "سبا" ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ یمن کا دار السلطنت تھا۔ مارب کے حکمرانوں میں سے ملکہ سبا بھی تھی جس کا نام "بلقیس" تھا۔ اور جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔ یہ شہر نہایت ہی قدیم ہے اور سدِ مارب کے ٹوٹنے سے قبل عربوں کا بڑا مسکن رہا۔

سد مآرب۔ دو پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند تھا۔ چونکہ پہاڑوں سے پانی آکر مدینہ مآرب کو نقصان پہنچایا کرتا تھا اسلئے یہ زبردست بند تیار کیا گیا۔ اس اور بھی زراعتی فائدے تھے ایک مدت تک یہ بند قائم رہا۔ اور آخر جس وقت یہ بند ٹوٹا ہے شہر کو سخت نقصان پہنچا۔ ملک یمن میں عام تباہی پھیل گئی باشندوں نے ترک وطن کیا۔ اور عرب کے مختلف مقامات میں جاکر آباد ہو گئے۔ اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شکست سد مآرب ہی غیر آباد سرزمین عرب کی آبادی کا باعث ہوا۔

مورخین کہتے ہیں کہ اس بند کو بھی عبد الشمس بانی مدینہ مآرب ہی نے بنوایا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ سبا نے بنوایا تھا۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ نہیں لقمان بن عاد نے بنوایا۔ اہل عرب سد مآرب کو عجائبات عالم میں سے شمار کرتے ہیں اس کی تعمیر کی تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں

قصر خورنق

اس قصر کو ایک رومی کاریگر "سنمار" نے نعمان اکبر بن امرالقیس لخمی کیلئے تیار کیا تھا یہ قصر کوفہ کی پشت پر واقع ہے بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت اس کی تعمیر تکمیل کو پہنچ چکی نعمان نے کاریگر کو ایک بلند مقام سے گرا کر مار ڈالا تاکہ کوئی دوسری عمارت اس کے مثل کوئی اور شخص تعمیر نہ کرا سکے۔ اس کا یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "جوزی جزاء سنمار" یعنی سنمار کا سا بدلہ دیا گیا۔

اس واقعہ سے تیس سال بعد جبکہ ایک روز بادشاہ نعمان اکبر اپنے اسی محل میں بیٹھا ہوا تھا اسنے اپنی تمام مال و دولت سامنے رکھ کر دیکھی نعمان اس منظر سے بہت متاثر ہوا۔ اسنے کہا "کیا ہوگا جبکہ اسکے مالک غیر ہو جائینگے" دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہونے لگے آخر نوبت بانیجا رسید کہ ترک دنیا پر آمادہ اس نے اپنے تمام

خدمت گاروں سے کہا "تم لوگ اپنے اپنے گھر جاؤ" نصف رات گذر چکی تھی فضا میں بالکل سکون تھا، بادشاہ چپکے سے اٹھا۔ شاہی کپڑے اتار دیئے اور گیروے رنگ کا ایک کرتہ پہن لیا۔ ایک معمولی کمبل کاندھے پر رکھا، اور اس قصر شاہی سے نکل کر جنگل کی راہ لی۔ پھر اسے کسی نے نہ دیکھا۔

اس قصر کی خوبصورتی تمام عرب یمن میں مشہور تھی ایک مشہور شاعر ایک واقعہ میں کہتا ہے ؎

فاذا انتشیت فاننی — رب الخورنق والسدیر

واذا صحوت فاننی — رب الشویھۃ والبعیر

یعنی جس وقت میں نشہ شراب میں سرشار ہوتا ہوں تو گویا میں قصر خورنق اور سدیر کا بادشاہ ہوں اور جس وقت نشہ اترا۔ اور میں نے اپنے اوپر نظر ڈالی تو وہی اونٹ بکری والا۔

حافظ رحمۃ اللہ نے بھی کہا ہے ؎

چو بخود گشت حافظ کے شمارد — بیک جو ملک کیکاؤس کے را

قصر سدیر

یہ بھی نعمان اکبر کا ایک محل تھا ؛

حصن الصنبر

یہ قلعہ امرا القیس بن نعمان اعور کا بنوایا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سنمار کا واقعہ اسی سے متعلق ہے

قصر غمدان

صنعاء یمن کے نیت پر بادشاہ شرحبیل بن عمر نے بنوایا تھا یہ قصر نہایت ہی خوبصورت بڑا اور پایدار تھا۔ اس قصر کے سات حصے تھے اس میں عجیب عجیب نادر چیزیں تھیں اس کی تعمیر میں چار قسم کے پتھر لگے تھے سرخ، سفید، زرد، اور سبز مکان کے ہر دو حصہ میں ۴۰ ستون لگے تھے اسی قصر کو سیف بن ذی یزن نے لیا تھا۔

مارد اور ابلق

یہ دونوں مشہور قلعے سموأل بن عادیا غسانی عرب کے مشہور یہودی شاعر کے تھے جس کے فخریہ اشعار عرب کے بچہ بچہ کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے سموأل بن عادیا اپنی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے "ابلق" کے بارے میں کہتا ہے ؎

لنا جبل الخیلۃ من نجیرہ — منیف یرد الطرف وھو کلیل

رسا اصلہ تحت الثریٰ وسما بہ — الی النجم فرع لا ینال طویل

یعنی ہمارے پاس اس قدر بلند اور مضبوط قلعہ ہے کہ اس کی بلندی تک نگاہ نہیں کام کر سکتی اس کی بنیاد تحت الثریٰ میں ہے اور بلندی ایسی کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہا ہے اس میں وہی شخص داخل ہو سکتا ہے جس کو ہم پناہ دیں ؛

ملکہ زباء" (جس کا واقعہ مشہور ہے) نے ایک بار ان کا محاصرہ کیا' لیکن بے سود' ہزار کوشش کی' لیکن فتح نہ کر سکی۔ عاجز آ کر اسنے محاصرہ اٹھا لیا اس نے کہا "تمرد مارد وعز الابلق" یہ جملہ بطور مثل مشہور ہو گیا۔

صرح الغدیر

شاہان غسان کی یادگار تھی' ثعلبہ بن عمرو بن جفنہ غسانی نے بنوایا تھا' یہ قصر اطراف حوران میں واقع تھا۔

قناطر' اذرح' قسطسل

یہ سب جبلہ بن الحرث بن ثعلبہ کے بنوائے ہوئے تھے۔

حفیر' مصنعہ' قصر ابیر و معان

یہ بھی جبلہ بن الحرث بن ثعلبہ کے تعمیر کردہ مکانات تھے۔

قصر الغضاء' صفات العجلات' قصر منار

عمرو بن الحرث کے بنوائے تھے' نواح دمشق میں اس کی اکثر یادگاریں تھیں۔

قصر سویداء' قصر حارب

نعمان بن عمرو کے بنوائے ہوئے تھے۔

قصر برقع

اس قصر کو جبلہ بن الحرث نے ایک بڑے میدان میں تعمیر کرایا تھا۔

جبلۃ الادہمیہ

جبلۃ بن الایہم آخری غسانی تاجدار نے اس شہر کو آباد کرایا تھا۔ جبلۃ الایہم حضرت عمر بن الخطاب کے عہد میں موجود تھا۔ اور اسلام بھی لایا' لیکن جب قیصر روم کے پاس گیا' تو عیسائی ہو گیا' شہر جبلۃ "سلطان ابراہیم ادہم (جو کہ ایک صوفی منش آدمی تھے) کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ یہ اسی شہر میں مدفون ہیں۔

یہ سب ایام جاہلیت کی تعمیریں تھیں جن میں سے اکثر دست برد زمانہ سے فنا ہو گئیں۔ بلکہ اب ان کے کھنڈر تک باقی نہیں۔

(محمد عنایت اللہ بی اے۔ جامعہ)

رباعی

دیکھئے تو دل بیچارہ کا اب کیا حشر ہو | شیخ صاحب کو تو پھر یہی وجد آنے لگا
کیوں کریگا پیش ہمسر جلوۂ حور و بہشت | جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

اکبر

وہ ملک جو اس وقت بلوچستان کے نام سے موسوم ہے بلحاظ موسم اُس کی چوٹی پر زمستان ہے۔ شانوں پر خزاں۔ اور اسکے پاؤں کے نیچے تابستان۔

بلحاظ معیشت بروہیوں کی تقسیم دو قسم پر ہے (۱) خانہ بدوش اور (۲) قصباتی۔ اوّل الذکر اپنے اوضاع، عادات اور رسوم میں اس وقت بجنسہ ویسے ہی ہیں۔ جیسے کہ اس سے ایکہزار سال بیشتر۔ اور ممکن ہے کہ وُہ ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔ کیونکہ خانہ بدوشوں کے نزدیک کسی خاص مقام کو مسکن دوامی ٹھیرانا گویا قدرت کے عطا کردہ آزادی اور صحرائی زندگی کو خُدا حافظ کہنا ہے اور یہ ان کی جبلی اور موروثی خاصیت ہے اور اسی میں انکی زندگی کا راز مضمر ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی ان کے اونٹ اور مویشی ایک مقام پر پانی اور چارے کو پوری طرح صرف کر چکے۔ تو وُہ اپنے گِدان (جھونپڑے) اٹھا کر دوسرے مقام پر لے جاتے ہیں۔ ان کو بادیہ نشین بھی کہا جاتا ہے وہ گِدانوں ہی میں رہتے اور پانی کے کنارے شاداب مقامات پر زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں۔ اور معاشرتی آزادی ہی ان کی تمامتر دولت ہے جس کو انہوں نے سالہائے دراز سے قائم بھی رکھا ہے ان کی معیشت نہایت سادہ ہے۔ اور اس میں وہ پیچیدگیاں جو ایک جگہ متوطن ہو جانے سے پیدا ہوتی ہیں مطلق نہیں پائی جاتیں۔ ان کی مستورات کے اشغال میں بڑا شغل بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہنا۔ اور خیموں کیلئے سیاہ اون کے بالونکا کپڑا اور فرش کیلئے دریاں طیار کرنا ہے۔

خیمے یا گِدان عموماً پست ہوتے ہیں اور بجز درمیانی حصّے کے آدمی ان میں پورے طور پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ مدوّر ہوتے ہیں مینہ اور شبنم کے قطرے اِدہر اُدہر سُرک جاتے ہیں اور اندر نفوذ نہیں کر سکتے۔

قصباتی باشندے اپنی عادات و رسوم میں بلحاظ مقام بود و باش و حالات متعلقہ کے بدلتے رہتے ہیں۔

بروہی ہوں یا بلوچ، قبائلی اقوام میں امور ذیل کی پابندی لازمی خیال کی جاتی ہے:۔

(۱) پناہ گیرندہ کی حمایت میں لڑ مرنا۔ پناہگزین کو "بھادھڑ" کہا جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے محافظ کی پناہ میں رہے وہ اسے خوراک بھی دیتا ہے۔ اس ملک میں یہ بھی عربوں ہی کی خصُوصیّت کی یادگار ہے۔ کیونکہ جو کوئی مصیبت زدہ اُن کی پناہ میں آتا جس نے ان کی حمیت پر بھروسہ کیا ہوتا۔ تو پھر اس کی مدارات دوستوں کی سی نہیں۔ بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کی سی ہوتی۔ اور ایسے مہمان کی جان مقدس اور محترم ہو جاتی۔ میزبان کو اس کی حفاظت بسا اوقات اپنی جان پر کھیل کر

بھی واجبات سے ہوتی۔ اگرچہ اسیر یہ کیوں نہ ثابت ہوجائے کہ پناہ میں آیا ہُوا اسکا جانی دشمن ہے جس کی تلاش اور جستجو میں سرگردان تھا (۳) خون کا بدلہ لینا (۳) گم شدہ جانوروں کی تلاش میں امداد دینا۔ اور دوسروں کے اس مال کی حفاظت کرنا جو تحویل میں دیا جائے (۴) عورت۔ ہندو۔ کمیں۔ اور ایسے لڑکے کو جو پاجامہ نہ پہنتا ہو قتل کرنے سے احتراز کرنا۔ (۵) مہمان کی ذات اور جائداد کی حفاظت کرنا۔ (۶) مجرم کے کُنبے کی عورت کی استدعا پر جرم کو معاف کردینا۔ یا بصورت ثانی اس عورت کو بطور نشان عزت کپڑوں کا جوڑا دیکر رخصت کرنا (۷) جو مجرم کسی فقیر یا بزرگ کی خانقاہ میں داخل ہوجائے۔ جب تک اسکے احاطہ یا چاردیواری کے اندر رہے اسکے قتل سے پرہیز کرنا (۸) جب مُلّا یا سید یا عورت سر پر قرآن اٹھا کر یا ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر فریقین میں دخل دے۔ تو لڑائی کو بند کردینا (۹) زانی اور زانیہ کو موت کی سزا دینا۔

زنا کے متعلق ایسی سزا کا رواج قبائلی علاقہ میں ہی ہے۔ جسے غیر آئینی کہا جاتا ہے برخلاف اسکے اگر شہر سبی اور شہر کوئٹہ کی حالت پر نگاہ ڈالی جائے۔ تو لامحالہ کہنا پڑیگا کہ ان میں بیشمار راحتوں اور خوبیوں کا سامان موجود ہونے کے علاوہ اخلاقی بربادی کے جو اسباب پائے جاسکتے ہیں۔ وہ فسق و فجور اور فحش و زناکاری کے قحبہ خانے یعنی چکلے ہیں ؂

جہالاء ان کے بروہی عرب کے بدوؤں کی طرح مختلف قبائل میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے سردار کی زیر اطاعت رہتا ہے اور یہ بھی عربوں ہی کی حکومت کی ایک یادگار ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ عربوں کا یہ قومی دستور تھا کہ جہاں آباد ہوتے۔ قبیلہ وار مختلف بستیاں بنالیتے۔ ہر ایک قبیلہ کا اپنا جدا حصہ۔ جدا مکانات۔ جدا مسجد۔ جدا بازار حتیٰ کہ قبرستان بھی جدا ہوتا۔ اور عام آبادی سے علیحدہ رہتے جیسا کہ ہندوستان میں انگریز شہروں سے باہر اقامت کے عادی ہیں۔

یہ قومی خصوصیات ایران۔ افغانستان۔ اور سندھ تک ہی عربوں کے ساتھ نہ رہیں۔ بلکہ پنجاب میں آکر بھی باوجودیکہ ملک عرب کو چھوڑے ہوئے صدیاں گذر چکی تھیں۔ پھر بھی بعض خصوصیات ان سے مختص ہیں۔ چنانچہ ہمارے جدامجد شیخ سید محمد فاروقی (نور اللہ مرقدہٗ) جب شیر گڈھ سے نقل مکانی کرکے ایمن آباد آئے۔ تو بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر آپنے ایمن آباد سے متصل ایک میل کے فاصلہ پر بجانب غرب اراضیات جاگیر میں قریہ "کوٹلی" آباد کیا۔ اور اس میں جداگانہ سکونت اختیار کی اور قبرستان بھی علیحدہ کرلیا جو اب تک چاہ ظاہر والہ پر واقعہ ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ کی اولاد میں سے جدّ محترم شیخ فتح اللہ فاروقی (اناالیہ برہانہٗ) جب مظالم سکھی کی وجہ سے ایمن آباد سے ترک سکونت پر مجبور ہوئے اور آپنے قصبۂ سادھوگوارہ کو اقامت کیلئے منتخب کیا۔ تو وہاں بھی اپنا قبرستان جُدا تجویز کیا گیا۔ جو آجتک چاہ فقیراں کے متصل موجود ہے۔

ازیں قبیل خصوصیات کا برقرار رکھنا اسلئے زندگی کا جزولاینفک تھا۔ کہ اینگلوسیکسن کی طرح عرب اپنے آپ کو اشرف المخلوقات میں اشرف ترین سمجھتے تھے اور بلحاظ تہذیب و معاشرت اور شجاعت و تہور اس بات کے مستحق بھی تھے

عربوں نے (بنی امیہ تھے یا بنی عباس) اپنے عہد حکومت میں توران یا جہالاوان میں جس قدر اشاعت اسلام کا کام کیا وہ اس قدر کافی تھا کہ ان کے بعد انکے غیر عرب جانشینوں کے لئے مزید اشاعت کی گنجائش نہ رہی۔ مگر امتداد زمانہ سے اب مذہبی حیثیت کے لحاظ سے باعتبار عمومیت جہالاوان کے بروہی نماز اور دیگر فرائض سے بہت بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ اور ان میں سے اکثر صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمان ضرور ہیں مگر یہ پتہ نہیں کہ اسلام ہے کیا چیز؟

جہالت اور بے علمی کی وجہ سے ان میں دینی ہو یا دنیوی۔ تقدم و ترقی کا احساس اور کوئی داعیہ نہیں پایا جاتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ تمریہ نچارو کے ایک مُلّا کی ذاتی سعی سے چند ابتدائی کتب دینیہ کا ترجمہ بروہی زبان میں ہوا ہے۔ تاکہ بروہیوں کی مادری زبان کے ذریعے ان میں ترویج دین ہو سکے۔ ایسی مساعی قابل تحسین ضرور ہیں۔ لیکن انفرادی کوششیں تمام ملک کی اصلاح کے لئے کفایت نہیں کرسکتیں۔ کاش کہ خانان قلات کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی۔

۵ استمبر ۱۸۹۴ء کو ہم دوبارہ قلات آئے۔ اور میر عبدالکریم زرک زئی ہی کی بستی میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۵ راکتوبر ۱۸۹۴ء کو جبکہ پولیٹیکل ایڈوایزر صاحب کی ملاقات کے لئے جا نیوالے تھے۔ تو میری سواری کیلئے ایک ایسا گرانڈیل گھوڑا۔ تجویز کیا گیا جس سے کئی دنوں سے سواری نہیں لی گئی تھی۔ اثناء راہ میں گھوڑے نے شوخی اختیار کی۔ میں نے ہر چند روکا مگر وہ نے اڑا۔ اور ایک پرانی خشک کاریز کے ایک کنویں کے کنارے پر جہاں سے کنویں کا دہانہ صرف ایک بالشت کے فاصلہ پر تھا۔ مجھے گرا دیا۔ اگر کنویں میں گرتا تو چکنا چور ہو جاتا۔ پر مجھے خیمہ میں لایا گیا۔ پولیٹیکل ایڈوایزر صاحب نے ایک مرہٹہ فوجی ڈاکٹر کو علاج کے لئے بھجوایا۔ اور خود بھی تشریف لائے۔ تین چار دن کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا

۱۳ راکتوبر ۹۴ء کو قلات سے روانہ ہو کر ۱۵ راکتوبر کو ہم کوئٹہ پہنچے۔ اور بارلس سرائے کے زیرین حصہ میں ٹھیرے۔ اس سے چند روز بعد ہزایکسیلنسی لارڈ ایلجن صاحب وائسرائے ہندوستان کوئٹہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور براؤن جمخانہ میں جو شہر سے باہر ایک پرفضا جگہ ہے۔ وائسریگل دربار منعقد ہوا جس میں سردار یوسف خان بحیثیت چیف آف جہالاوان کے شامل کیا گیا۔ اور مجھے بحیثیت اتالیق معتمدین کے زمرہ میں شمولیت دربار مذکور کا اتفاق ہوا۔ میرے لئے یہ پہلا وائسریگل دربار تھا۔ جسے مینے اس طرح سے دیکھا۔ جرنیل سر جیمز براؤن ایجنٹ گورنر جنرل و چیف کمشنر بلوچستان نے ایڈریس پڑھا۔ اور ہز ہائی نس میر محمود خان والئے قلات جی۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب سے سرفراز کئے گئے ؛

گوجرانوالہ
یکم نومبر ۱۹۳۰ء

قاضی نظیر حسین فاروقی۔ ریٹائرڈ مستوفی۔

تعارف

سوانح حیات مولوی میر محمد عبید اللہ صاحب فرحتی عباسی محقق اقوام ہندوستان

مؤلفہ المورخین پنشنر سب رجسٹرار۔ امروہوی

(گذشتہ سے پیوستہ) (نمبر ۲۵)

تعلقات گورنمنٹ (عمل گنور ضلع بدایون) چونکہ مورخ صاحب کے نام پروانہ منظوری گورنمنٹ صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری کی پیشگاہ سے بلا توسط ضلع جج صاحب مراد آباد صادر و موصول ہوا تھا۔ لہذا مورخ صاحب بوجہ اثر مرض وجع المفاصل امروہہ سے سیدھے یکم اگست ۱۹۰۱ء کو گنور پہنچے۔ جس سے وہاں کا سابق رجسٹرار پنڈت دیسی پرشاد از حد حیران ہوگیا۔ کیونکہ اسکے پاس انسپکٹر جنرل رجسٹری کا حکم بذریعہ جج مراد آباد ہنوز نہ پہنچا تھا پس اس نے جوابی تار آپ کو چارج دیئے جانے کو جج صاحب کے نام روانہ کیا جس کا جواب دوسرے روز آگیا۔ اور مورخ صاحب نے عہدہ رجسٹراری کا کام تیسری اگست سے لے لیا۔ مقام گنور میں خام مکانات کے باعث بہتر مسکن جلد نہ مل سکا۔ پس مورخ صاحب وہاں کے زمیندار اعظم چودہری لطف علی انصاری کے مکانات پر مقیم رہے وہ بہت ہی خلیق و خوش مزاج تھے۔ وہ مورخ صاحب کے مستقل قیام کی خواستگاری کرتے تھے لیکن آپنے بوجہ ملازمت سرکاری اس امر کو خلاف مصلحت سمجھا۔ گنور کے لوگ اکثر سرکش مانے گئے ہیں۔ لیکن آپکے دوران قیام میں کسی نے گستاخانہ عمل کا اظہار نہیں کیا جیساکہ سابق افسران کرتے تھے چنانچہ سابق العہد رجسٹرار از حد خائف رہتا تھا اور اپنی تبدیلی کو مغتنمات سے سمجھا۔ مورخ صاحب یہاں۔ پانچ سال۔ پانچ ماہ عمل پیرا رہے۔ آپ کے یکماہہ ایام رخصت میں منشی فرید احمد صاحب فاروقی امروہوی جو ابکہ مستقل سب رجسٹرار ہوئے۔ آپ کی قائم مقامی پر مامور ہوئے تھے ؛

قیام نگینہ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آپ کی تبدیلی مقام نگینہ ضلع بجنور کو ہوئی۔ جہاں آپ سات سال اور دو ماہ تک کام انجام دیتے رہے۔ گنور کے معمولی زمیندار بالعموم انصاری قوم سے ہیں۔ اور مادری نقص سے کمتر خالی ہوں گے۔ نگینہ میں مختلف النسل مسلمان آباد ہیں۔ جنمیں میر سرائے کے علوی شیعہ مذہب اور محلہ سید واڑہ کے سنی المذہب ہیں محلہ قاضی سرائے کے قاضی نسل کے صدیقی کہلاتے ہیں۔ یہ سب آپ کے ساتھ اخلاص رکھتے رہے۔ البتہ ایک مسلمان کلال زمیندار اور ایک ہندو نوہیہ ساہو رنے آپ کی سخت مزاجی کی شکایات جج صاحب مراد آباد سے کیں جس کے نتیجے میں وہ خود بخاسر ہوکر مطیع و منقاد بنگئے۔ یہاں کے بہترین اشخاص میں میر ارشاد علی قریشی و منشی عبد الحق و شیخ عبد الواسع و حکیم اسمعیل۔

میر عابد علی۔ اور منشی ضمیر احمد مختار قابل ذکر ادر آپ کے عنایت فرما ہیں۔ مولوی عبد الحی وکیل دیوانی نے آپکے حصۂ موضع یعقوب پور بلوچ تحصیل دھامپور کی تقسیم میں آپکو مدد دی۔ اور منشی ضمیر احمد مختار فوجداری نے بعض اراضیات مزروعہ واقع سواد امروہہ کی بید خلی میں عمدہ پیروی کی۔ انسپکٹر ان رجسٹری بابو کشن سیوک لعل بی لے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور راجہ رام بی۔ لے نے بہنگام معائنہ دفاتر رجسٹری مورخ صاحب کے کام میں اغلاط برآمد کرنے کی بالعموم کوشش کی۔ لیکن بفضل ایزدی ان کی مساعی متعصبانہ حرف غلط کی مثال مسترد ہوتی رہیں۔ نگینہ میں سات برس اور دو ماہ کام انجام دینے کے بعد جہانسی دوبارہ آپ رخصت پر رہے۔ انسپکٹر جنرل نے مورخ صاحب کی تبدیلی مقام سدھور ضلع بارہ بنکی کو فرمائی۔

قیام سدہور ضلع بارہ بنکی

آخر ماہ فروری ۱۹۱۴ء کو مورّخ صاحب لاہور پہنچے۔ جہاں کا کار دفتری حد درجہ ناکارہ و خراب تھا۔ خرابی قسمت سے کنور د نگینہ کے دفاتر بھی آپ کو ابتر حالت میں ملے تھے۔ لیکن سدہور کا سابق رجسٹرار سب سے زائد کم علم اور ناقابل تہا۔ جسکے نقائص کار دکھلانے کو حسب الحکم ضلع جج صاحب لکھنؤ۔ کاغذات پراگندہ دفتر کا معائنہ کرانے کو سب جج بارہ بنکی کے پاس جانا پڑا۔

اس بے رونق و ناپسندیدہ مقام میں جو ریلوے اسٹیشن صفدر گنج سے تیرہ میل فاصلہ پر تھا۔ آزوقۂ خورش میں لحم بز اور آلو کی ترکاری کے سوا دیگر اشیا کمیاب تھیں۔ بوجہ برداشتہ طبعی کے یہاں سے ہر ممکن الحصول رخصت کے لینے میں ہرگز آپ نے کوتاہی نہ کی۔ چنانچہ اول رخصت ماہ اپریل ۱۹۱۴ء میں لیکر مورّخ صاحب وطن امروہہ کو گئے۔ دو ماہہ قیام وطن کے بعد ماہ جولائی کے وسط میں ریاست جاورہ کے عازم ہوئے جہاں پر پہنچکر آپنے اپنی دوسری شادی مسماۃ مخدوم جہان بیگم دختر مرزا اختر یار خان صاحب کے ساتھ ۱۴ر جولائی ۱۹۱۴ء کو کی۔ مرزا اختر یار خان صاحب کا رشتہ نواب صاحب جلوؤ سے اور مخدوم جہان صاحبہ کا نسب مادری نوابصاحب لوہارو عمائد دہلی سے ملتا ہے یہ شادی مورّخ صاحب نے بوجہ اولاد نرینہ نہ ہونے کے بتوسط وسعی مرزا محمدی بیگ صاحب و مرزا واجد علی بیگ صاحب دہلوی آپ کے محبان خالص الوداد کے کی تھی۔ آپ کی زوجہ ثانیہ آپکے ساتھ لاہور میں طوعاً و کرہاً ایک سال قیام پذیر رہیں۔ ان کی طبع نازک ایسے غیر مانوس و منحوس مقام میں کب لگتی تہ مجبوراً ۱۹۱۵ء میں دوبارہ ششماہہ رخصت حاصل کرکے آپ جاورہ داخل ہوئے۔

سیاحت پالن پور

جاورہ سے بمزید تو دد و اشتیاق نواب سر شیر محمد خانصاحب بہادر والئی پالنپور اس ریاست کو مورّخ صاحب تشریف لیگئے۔ نواب صاحب ممدوح کے فرستادہ منشی میر گلاب میاں مصاحب سرکار آپ کے لینے کو ریلوے اسٹیشن پر مع سواری خاصہ نواب صاحب موجود تھے جنہوں نے آپ کو ہمراہ لے جاکر باغ دلکشا کے ایک عالیشان بنگلہ میں فروکش کرایا۔ دوپہر کا وقت تھا اطعمۂ لذیذہ باورچی خانہ ریاست سے عطا ہوئے۔ منشی گلاب میاں بھی [illegible] تھے۔ بعد دو [illegible] مقام [illegible] واسطے دو باورچی مع تمام اشیائے خوردنی کے مورخ صاحب کی قیام گاہ پر حاضر کئے گئے۔ اور حکم ہوا کہ جس [illegible] کا طعام آپ کے [illegible] خاطر ہو۔ طیار کیا کریں۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ رئیس لوگ اکثر بوقت

اور دلیر خوری کے عادی ہوتے ہیں۔ چائے نوشی کے ظروف و اشیاء مورخ صاحب نے واپس کر دیں۔ کیونکہ آپ حقہ و چاء نوشی و پان خوری کے مطلق عادی نہیں ہوئے۔ آپ نے صرف دو وقت طعام کا انصرام چاہا۔ اس واقعہ پر نواب صاحب بہت متعجب و خاطر ہوئے۔ کیونکہ اس دور فرنگ پسندی میں ہر فرد بشر ان اشیاء کے استعمال کا دلدادہ ہے۔

ملاقات نواب صاحب بہادر

دوسرے روز سواری خاصہ نواب صاحب میں مورخ صاحب سوار ہو کر جس میں اعلیٰ قسم کی سفید عربی گھوڑے لگائے جاتے تھے۔ مع میر منشی گلاب میاں محل کے دیوانخانہ پر جو وسط محلات میں واقع ہے آپ داخل ہوئے۔ نواب صاحب اپنی ذاتی فروتنی و خلق عمیم سے اپنے گہوارۂ نقرئی سے استادہ ہوئے۔ قبل آپ کے آدائے آداب کے نواب صاحب نے بقاعدۂ اسلامی السلام علیکم فرمایا۔ آپ نے بھی آداب ادا کیا۔ پھر حضور نواب صاحب مرحوم نے دست مبارک بڑھا کر آپ کو شرف مصافحہ بخشا۔ حسب منشائے والا گہوارۂ خاص کے دست راست کی نقرئی کرسی پر مورخ صاحب اور دست چپ کی ایسی ہی کرسی پر گلاب میاں جاگزین ہوئے۔ نصف گھنٹہ تک بعد مزاج و صحت پرسی کے تاریخی حالات کا تذکرہ رہا بوقت واپسی آپ نے آداب ادا کیا۔ اور حضور نواب صاحب نے بار دگر مصافحہ و سلام علیکم فرمایا۔ منشی گلاب میاں کو قابل دید مقامات مثل اسپتال و مدرسہ و عدالت و مسافرخانہ و خیرات خانہ و مقابر و گنبد ہائے گورستان ریاست وغیرہ کی سیر کرایا کریں۔

ملاقات صاحبزادہ ولیعہد بہادر

بعد دوسرے روز ملاقات نواب صاحب کے صاحبزادہ ولیعہد طالع محمد خانصاحب کے دولتکدہ پر ان کی ملاقات کو ان کی طلب فرمائی پر مع گلاب میاں آپ کو جانا پڑا۔ صاحبزادہ صاحب نے بھی بعد سلام باہمی استادہ ہو کر مصافحہ فرمایا۔ اور کرسیوں پر نشست کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب بہادر حسب اقتضائے زمانہ انگریزی وضع و قطع کے پابند گندم گون نوجوان اور حال میں پالنپور کے نواب ہیں۔ برعکس اسکے مرحوم والی ریاست خوش رنگ لاغر اندام ہندوستانی ملبوسات کے عادی تھے اور چھیاسٹھ ۶۶ سالہ عمر میں بھی خوش وضع معلوم ہوتے تھے۔

(باقی دارد)

حجاب!

خدا اگر فلسفے سے ملتا لذت جستجو نہ ہوتی ؛ اگر دماغوں میں وہ سماتا دلوں میں پھر آرزو نہ ہوتی
اگر وہ محفل میں گنگناتا تو نغمے پردے ہی میں بجتا ؛ رباب خم گر نہ بجتا نوائے اسرار فو نہ ہوتی
اگر دلیل اسکو دیکھ سکتی اگر نظر اسکو دیکھ پاتی ؛ جنون کا تار نہ کوئی پرساں وفا کی کچھ آبرو نہ ہوتی
اگر وہ غنچہ کی طرح اپنی تمام خوشبو نہ بند کرتا ؛ چمن کبھی رنگ پر نہ آتے صبا کبھی مشکبو نہ ہوتی
ہماری ہیم جو اس سے وہ اگر نہ کرتا حجاب اتنا ؛ فسردہ رہتی نگاہ مستی بہار جام و سبو نہ ہوتی
فضائے دل پر جو اس طرح سے نہ چھایا ہوتا سکوت اسکا ؛ نئے نئے زمزمے نہ چھڑتے نہ بدلے لہجہ گفتگو نہ ہوتی

جوش

مسلمانو! بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے؟ — تمہارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے؟
اگر کچھ ہے! تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے! — حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے؟

تمہیں معلوم ہے کیسے رہ گئے ہو کیا سے کیا ہوکر؟
کدھر آ نکلے ہو! راہِ ترقی سے جدا ہوکر؟

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں! — کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں!
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں! — تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں!

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج پر رتبہ تھا [illegible] — تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئین تھیں!
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں — تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں!

غرورِ ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو!!
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو!!

تمہارا اتفاقِ باہمی دیوارِ آہن تھا — مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمہاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا — تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ مذہب کے جھگڑے تھے نہ یہ انساں پرستی تھی! — طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی!
نہ دل میں بغض و کینہ تھا نہ ہمت میں یہ پستی تھی! — نظر میں مظہرِ نورِ حقیقت ساری ہستی تھی!

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی!
خوشی اخلاق تمہاری مظہرِ شانِ جلالی تھی!

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چین باقی! — نہ وہ حُسن عمل باقی! نہ اب وہ حُسن ظن باقی!
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی! — نہ دِل میں ہے وہ جوشِ حُبّ یارانِ وطن باقی!

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی!
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی؟

غضب ہے حُبّ اسلامی سے خالی سب کا سینہ ہے — عقیدوں میں اگر کچھ فرق ہے آپس میں کینہ ہے
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے — یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینہ ہے؟

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بے غرض اُلفت؟
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ یک مرض اُلفت!

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو — اُٹھو! تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو
بڑھا ؤ تجربے، اطراف دنیا میں سفر سیکھو — خواص خشک و تر سیکھو، علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ!
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو! جوش میں آؤ!

مَیں تم سے کیا کہوں اسوقت دِل پر کیا گذرتی ہے! — تصوّر دِل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے! — خلش سینہ میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دِل اگر گویم زباں سوزد!!
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد!

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دِل بہلتا ہے — کلامِ خوش کلاماں رنگ بامعنی بدلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے — مگر شوقِ عمل ہو، واقعی تب کام چلتا ہے

توجّہ گر نہ ہو دِل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو!
کلامِ دلکش اکبرؔ ہو یا مہدی کا لکچر ہو!

اکبرؔ

بقیہ از صفحہ ۳۲

"اچھا خدا تمہیں معاف کرے۔ میں تم سے بھی زیادہ گناہ گار ہوں!"

جمشید کے دِل سے گھر جانے کی تمنّا رخصت ہو چکی تھی۔ وہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی سے جہاں سے اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ بسر کیا تھا۔ اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ اس کو چھوڑ کر جانا اُسے گوارا نہیں تھا۔ دنیا اس پر تنگ تھی۔ اور وہ جیل کی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا بیقراری کے ساتھ موت کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر جب اس کی رہائی کا حکم صادر ہوا۔ تو اس کی پاک روح

باقی بر صفحہ ۱۰

فرمانِ پدری

اورنگ زیبؒ کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کو اُس نے کس طرح تکمیل کے ساتھ سمجھا تھا۔ اور وہ اپنی اولاد کی تربیت کس طرح کرتا تھا۔

۱۶۵۴ء میں اورنگ زیبؒ دکن کا وائسرائے تھا اور اسکا بڑا بیٹا محمد سلطان جس کی عمر اس وقت صرف ۱۵ سال کی تھی، اجمیر کی طرف جارہا تھا کہ شاہجہان کے دربار میں حاضر ہو۔ تو اورنگ زیبؒ نے اسے خط بھیجا۔ جسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیموری شہزادوں کے اوقات کیا تھے۔ اور ان کی زندگی کیسی مصروف و منہمک ہوا کرتی تھی ؛

اورنگ زیبؒ اپنے بیٹے سے خطاب کرکے ہدایت کرتا ہے۔ تم سفر میں ہو یا حضر میں، طلوع آفتاب سے کم سے کم ۲۷ منٹ قبل بستر چھوڑ دو۔ ۴۸ منٹ میں نہاکر اور کپڑے پہنکر باہر آجاؤ۔ اور نماز فجر ادا کرو۔ اس کے بعد کلام مجید کی تلاوت کرو۔ اور بعد ازاں ناشتہ سے فارغ ہو۔ اگر تم حالت سفر میں ہو۔ تو طلوع آفتاب کے ۴۸ منٹ بعد گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ اگر راستہ میں شکار کرو تو اس کا خیال رہے کہ خیمہ گاہ پر وقت مقررہ کے اندر لازمی طور سے پہنچ جاؤ۔ اگر جائے قیام پر پہنچکر زیادہ خستہ نہ ہو۔ تو عربی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ ورنہ آرام کرو۔ دوپہر کے ۴۲ منٹ بعد جب سورج ڈھلنے لگے۔ اپنے خیمہ سے نماز ظہر کیلئے باہر آجاؤ۔ اور نماز جماعت کیساتھ ادا کرو۔ کھانے اور قیلولہ میں زیادہ سے زیادہ عصر تک وقت صرف کرنا چاہئے۔ اگر دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کی ضرورت نہ ہو تو یہ وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کرنا چاہئے۔ نماز عصر کے بعد کچھہ دیر عربی پڑھو اور غروب آفتاب سے ۴۲ منٹ قبل امراء کی جماعت میں بیٹھو۔ اور نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد بھی ۴۲ منٹ ان کی صحبت میں صرف کرو۔ اور نماز عشا سے فراغت حاصل کرکے ۹ بجے بستر پر چلے جاؤ۔ حالتِ سفر میں جو دن قیام کرنیکا ہو اس میں علاوہ ان کاموں کے جو اس سے قبل ظاہر کئے گئے ہیں ہر صبح ۴۸ منٹ تیرو تفنگ کی مشق میں صرف کرو۔ اور طلوع آفتاب کے ایک گھنٹہ ۴۲ منٹ بعد ۴۵ منٹ تک عام جلسہ میں امرا کے ساتھ خلوت میں اسکو انجام دو۔ ورنہ یہ وقت عربی پڑھنے میں صرف کرو ؛

کوچ کے دن قرآن شریف کے دو رکوع اور قیام کے دن تین رکوع پڑھنے کا التزام رکھو۔ اگر منزل طویل ہو تو نماز فجر پڑھتے ہی روانہ ہو جاؤ۔ اور ناشتہ راستہ میں کرو۔ بے وقت سفر کرنے سے ہمیشہ احتراز کرو۔ اگر راستہ میں تم شکار کرنا چاہتے ہو تو اپنی فوج کو میر بخشی کی ماتحتی میں پڑاؤ کی طرف روانہ کردو۔ اور مخصوص آدمیوں کو ساتھ لے کر شکار کو جاؤ۔

سوائے محمد طاہر کے (جو شہزادہ کا اتالیق تھا) اور کسی افسر کو جو دو ہزار سپاہیوں سے کم کی کمان کرتا ہو اپنی فوج کے آگے نہ چلنے دو۔ ہمیشہ ضرورت کے مطابق گفتگو کرو۔ جو لوگ خطاب کے اہل نہیں ہیں ان کو بلطائف الحیل ٹالدو۔

مجھے یہ سنکر صدمہ ہوا کہ تم بعض وقت صرف قمیص اور پاجامہ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہو۔ اکبرنامہ کا مطالعہ اکثر کیا کرو تاکہ تمہاری تحریر اور تقریر درست ہو۔ لیکن تاوقتیکہ تم الفاظ اور جملوں کی ترکیب کو اچھی طرح ذہن نشین نہ کرلو۔ اس وقت تک ان کا استعمال نہ کرو جو بولو یا لکھو۔ اس پر پہلے کافی غور کرلو ؛

(سید ظہور احمد)

غزل

غریقِ قلزمِ انوارِ جستجو ہوں میں !
خوشا نصیب کہ ناکام آرزو ہوں میں

غرور جس نے فرشتوں کا ایک دم توڑا
زبانِ عرش کی پہلی وہ گفتگو ہوں میں

تھا برگ خشک مگر شبنم محبت سے
مثالِ گلشنِ فردوس رنگ و بو ہوں میں

نظر بخویش نہ کیوں دل کے آئینے میں رہوں
شہیدِ شیوۂ سروِ کنار جو ہوں میں

میں اپنی آنکھوں میں بیٹھا ہوا ہوں بنکر اشک
نمازِ عشق کو ہر دم ہی باوضو ہوں میں

مجھے بچالے اے بزمِ وفا خدا کیلئے !
فریب خوردۂ اندازِ ماتو ہوں میں

یہ کس کی چشم مئے پاش کا تصور ہے
کہ اسکے آتے ہی سرشار سے سبو ہوں میں

ملی ہے مثلِ سحر مجھ کو چاک دامانی !
خدا کا شکر کہ بیگانہ رفو ہوں میں

نہ پوچھ درد کی ہمدم نوا کی گرمی سے
ٹپک پڑے جو نگاہوں سے وہ لہو ہوں میں

خزف کہ گوہرِ تاباں ہوں جو بھی ہوں لیکن
وہ آب رکھتا ہوں خود اپنی آبرو ہوں میں

نہ کیوں ناز مجھے اپنے آپ پر شاکر
خطیرِ قدس کی نا درسی آرزو ہوں میں !

شاکر صدیقی

کُلُّ شَیْئٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ

(ہر شئے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے)

سید علی نامی ایک صاحب غریب گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چنداں تعلیم یافتہ نہ تھے اور نہ خوشحال تھے۔ اور اس لئے اپنی اولاد کو تعلیم نہ دلوا سکے۔ سید علی نے محلہ کے مکتب میں معمولی طور پر اردو فارسی پڑھی تھی۔ اور سادہ خط وکتابت کے ساتھ ان میں کسی طرح کی قابلیت نہ تھی۔ والد کے انتقال کے بعد انہیں معاش کی فکر ہوئی۔ آدمی خوبرو و بلند و بالا تھے۔ لوگوں نے صلاح دی کہ پولیس کی ملازمت اختیار کرو چنانچہ انہوں نے کوشش کی اور بہت آسانی کے ساتھ سپاہیوں میں بھرتی ہو گئے۔ ان کو چھ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی قلیل رقم میں آدمی گذر نہیں کر سکتا پس انہوں نے توسیع آمدنی کے وہ ذرائع اختیار کئے۔ جنکے لئے پولیس بدنام ہے۔ اس پاک اور ناپاک آمدنی کے مجموعہ سے وہ اپنا کام چلاتے تھے اور ایک حد تک آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لوگ مجھ سے متفق الرائے ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن میں اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ انسان کے اکل شرب کو اس کے اخلاق وعادات اور افعال وخیالات میں بہت کچھ دخل حاصل ہے چنانچہ ایسی غذائیں جن کو جائز وسائل سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ انسانی دماغ میں خیالات فاسدہ پیدا ہوتے ہوتے ایک دن ضرور عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہیں عبادت میں لطف نہیں آتا تھا۔ غور کرتے رہے کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ سوچتے سوچتے انہیں یاد آیا کہ ایک جگہ سے جو کئی منزل دور واقع تھی۔ جب روانہ ہوئے تو انہوں نے خرمے خرید کئے تھے ایک خرما ترازو کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اور یہ بات مشتبہ تھی کہ آیا وہ تول کے اندر ہے یا خرمے والے کی ملکیت ہے اس اشتباہ کے باوجود انہوں نے وہ خرمہ اپنے خرموں میں شامل کر لیا پس یہ مشتبہ خرمہ غذا میں شامل ہو جانے کی وجہ سے عبادت بے کیف اور بے لطف محسوس ہوتی تھی۔ بزرگ موصوف یہ خیال آتے ہی اس شہر کو جہاں سے خرمے خرید کئے تھے روانہ ہو گئے۔ اور خرمہ والے کو اس مشتبہ خرمے کی قیمت واپس کر کے آئے ممکن ہے کہ اس طرح کی مثالیں ان لوگوں کے لئے کچھ سبق آموز ثابت نہ ہوں۔ جن کے ہر بن مو سے یہ صدا نکلتی ہے کہ ؎

آسے پر ز حرام کاسہ وکوزہ ما

لیکن جن دلوں میں سیاہیوں کے باوجود نور کی ایک کرن موجود ہے وہ جائز و ناجائز کے امتیازات کو ضرور سمجھ سکتے ہیں۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ سید علی نے اپنی جائز آمدنی میں ناجائز رقم شامل کی۔ اور ناجائز خوراک ان کے بدن میں پہنچی [illegible] بعد انہیں محسوس ہونے لگا۔ [illegible] میں دوڑنے پھرنے والا خون اب خالص نہیں رہا اور دل دماغ

کے سادہ اوراق پر گناہ کے دخانی نشانات پیدا ہونے لگے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ آثار نمایاں ہونے لگے اور جس طرح افلاس نے انہیں رشوت خوار بنا دیا تھا اسی طرح شباب نے بدکار بنا دیا۔

(۲)

سید علی سیاہ کاریوں کے باوجود نہایت محنتی جفاکش اور مستعد شخص تھے۔ وہ اپنے فرائض کو بڑی قابلیت سے انجام دیتے تھے ظاہری وجاہت بھی قدرت نے انہیں عطا کی تھی۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حکام کی نگاہ ان پر پڑنے لگی۔ ایک ڈاکو کی گرفتاری میں انہوں نے ایسی دلیری اور بہادری دکھائی کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ اور خود ان کے حریفوں نے حکام بالا کے سامنے ان کی تعریف کی۔ اس کارنامہ کے صلہ میں ان کو ہیڈ کانسٹبل بنا دیا گیا۔ تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا اب ممکن تھا کہ سید علی رشوت چھوڑ دیتے۔ کیونکہ تنخواہ ایک حد تک ان کی ضروریات کے لئے کافی تھی۔ لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ تنخواہ کے اضافہ کے ساتھ ان کی رشوت ستانی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اب ان کو پہلے سے زیادہ ناجائز آمدنی کے مواقع ملنے لگے آمدنی بڑھی تو اپنے ساتھ گناہوں کی ایک نئی فہرست لائی۔ اور پہلے عیش ونشاط کے جن مشاغل کو چھوٹے پیمانہ پر انجام دیا جاتا تھا اب وہ زیادہ وسعت کے ساتھ صورت پذیر ہونے لگے۔ ان واقعات سے میاں سید علی کی عاقبت جو کچھ بھی خراب ہوئی ہو۔ اور ستم رسیدوں کی آہوں نے عرش بریں تک پہنچکر ان کی مخالفت کی ہو۔ لیکن ان کی دنیوی عزت واحترام اور کامیابی وترقی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ وہ ایک انگریز کے مال مسروقہ کی بازیافت پر سب انسپکٹر بنا دیئے گئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہ ابتدائی مدارج طے کر کے ایک اسٹیشن کے انچارج ہو گئے۔ ایک سب انسپکٹر کو اپنے اسٹیشن پر جو شاہانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ لوگوں سے مخفی نہیں سید علی کی حالت میں انچارج ہوتے ہی نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ ان کی آمدنی اب پانچسو روپیہ ماہوار سے زیادہ تھی۔ قرب وجوار میں کوئی ایسا خوشحال اور صاحب جائداد شخص نہ تھا۔ جو ان کے زیر اثر نہ ہو۔ ان کی عمر اب تیس چالیس سال کے درمیان تھی۔ لیکن ہنوز انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کمی کو انہوں نے اس طرح پورا کیا تھا کہ دو سو روپے ماہوار پر ایک طوائف ملازم رکھی تھی۔ نصف درجن مصاحب ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔ فرائض منصبی سے جس قدر وقت بچتا تھا یا بچایا جا سکتا تھا وہ اسی عیش وعشرت میں بسر کیا جاتا تھا۔ جس کی مثالیں واجد علی شاہ کی سوانحعمری کے سوا کہیں نہیں مل سکتیں :

(۳)

سب انسپکٹر صاحب کے دوستوں میں میر جعفر حسین رضوی نامی ایک رئیس تھے جو اثنا عشری مذہب رکھتے تھے۔ بڑے خلیق اخلاق بنی فاطمہ کا ایک نمونہ اور پابند شرع مسلمان تھے۔ شیعہ سنی تفریق سے انہیں سخت نفرت تھی۔ وہ قوم کے تمام فرقوں کے اتحاد کو قوم کے لئے خیر وبرکت کا باعث سمجھتے تھے۔ ان کی اصلاحی کوششیں الفاظ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ وہ ایک عملی انسان تھے ان کو بڑی تمنا تھی کہ قوم سادات قعر پستی سے ابھرے اور دنیا میں اپنی شان عظمت حاصل کرے۔ جس کی وہ مستحق ہے چنانچہ اسی مقصد سے وہ محرم کے زمانہ میں یہ سلسلہ مجالس ایک نئی مجلس منعقد کرتے تھے۔ اس مجلس میں مذہب

جاتے تھے۔ اور نہ سوزخوانی ہوتی تھی۔ بلکہ چند قابل اشخاص اپنے مضامین اور تقریروں کے ذریعہ سے بنی فاطمہ کے مناقب وفضائل اور ان کی ترقی وعروج کی تدابیر بیان کرتے تھے اس مجلس میں میر صاحب صرف فاطمی سادات کو مدعو کرتے تھے اب چونکہ سب انسپکٹر صاحب ان کے حلقہ تھانہ میں انچارج تھے اسلئے انہوں نے ان کو مدعو کیا اور باصرار مدعو کیا۔ سید علی صاحب سنی تھے۔ لیکن درحقیقت ان کو سنی شیعہ سے کوئی بحث نہ تھی۔ بلکہ سچ پوچھو تو انہیں مذہب سے بھی چنداں سروکار نہ تھا چنانچہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا۔ اور پولیس کی ملازمت اختیار کی۔ اس وقت سے آج تک کبھی نماز نہیں پڑھی۔ عید کے دن وہ کپڑے ضرور بدلتے تھے۔ اُن کا مکان آراستہ ہوتا تھا کئی دن تک جشن منایا جاتا تھا۔ لیکن وہ کبھی عیدگاہ جاتے تھے اور نہ عید کا دوگانہ ادا کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی مظلوم ومصیبت زدہ انہیں خدا ورسول کا واسطہ دیتا تھا۔ تو وہ اس کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے ان کو اپنی ملازمت کے فرائض انجام دینے کے بعد اگر کوئی کام تھا تو صرف یہ کہ شراب پئیں، دوستوں کے ساتھ فحش مذاق کریں اور دل کھول کر سیاہ کاریوں سے لطف اندوز ہوں۔ جو شخص اپنی عمر کے پندرہ سولہ سال ان سیاہ کاریوں میں بسر کر چکا ہو۔ گناہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گیا ہو۔ وہ حد درجہ کا ناخداترس بلکہ ناخداشناس ہو۔ ایسے مجالس سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ سید علی صاحب میر جعفر حسین سے خاص تعلقات رکھتے تھے اسلئے ان کی دلجوئی کے خیال سے چلے گئے۔ بہرکیف مجلس منعقد ہوئی۔ سنی بھی تھے شیعہ بھی تھے۔ تقریباً ستر اسی آدمیوں کا مجمع تھا۔ لیکن سب سید تھے اور فاطمی سید ہونے کی وجہ سے سید علی صاحب کو بھی شریک کیا گیا تھا۔ مجلس میں کارروائی شروع ہوئی۔ پہلے ایک دو مقررین کی تقریریں ہوئیں۔ اس کے بعد ایک مولوی صاحب نے جنکے چہرہ سے تقدس وبزرگی کے آثار نمایاں تھے اور جن کے لفظ لفظ سے اُن کا صاحب دل ہونا مترشح تھا۔ تقریر شروع کی جو تمام تر بنی فاطمہ کے فضائل وشمائل پر مشتمل تھی۔ لیکن مقرر نے ایسے دردناک اور موثر طریقہ سے تقریر کی کہ حاضرین بے تاب ہوگئے۔ مولوی صاحب موصوف نے حضرت امام حسنؓ حضرت امام حسین اور حضرت امام زین العابدین کی عبادت وریاضت اور اخلاق حسنہ سنا کر اس زمانہ کے سادات سے موازنہ کیا وہ خود بھی اپنے بیان سے متاثر تھا۔ بس انہوں نے رو رو کر بتایا۔ کہ کیا اسلاف تھے اور اب کیا ان کے اخلاف ہیں۔ سید علی کے لئے عمر بھر میں پہلا موقعہ تھا۔ کہ انہیں اپنے سید ہونے کا احساس ہوا۔ اور پھر معلوم ہوا۔ کہ وہ کن کن بزرگوں کے نام لیوا ہیں۔ ان کا دل بے حد اثر پذیر ہوا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ان کی روح مدینہ کی گلیوں میں پھر رہی تھی۔ مجلس ختم ہونے کے بعد وہ اپنے گھر آئے۔ لیکن اس طرح کہ ان کا دل ودماغ بالکل متغیر تھا انہوں نے اسی وقت طوائف اور مصاحبین کو رخصت کیا۔ مکان میں جس قدر آرائش کی چیزیں تھیں۔ انہیں تلف کر ڈالا۔ پرتکلف لباس کے بکس منگا کر آگ کے سپرد کئے۔ لیکن ہنوز دل کو قرار نہ آیا۔ ملازمت سے استعفا دیدیا اور تمام قیود سے اپنے آپ کو آزاد کرکے سیر وسفر کی زندگی بسر کرنے لگے آخر کار ایک بڑے شہر میں پہنچکر انہوں نے ایک زبردست عالم کی صحبت اختیار کی۔ علم دین حاصل کیا۔ اور پھر مشائخ کی خدمت میں عرصہ تک رہ کر فیوض باطنی سے اور تعلیمات روحانی سے فائدہ اٹھایا ہے آج مولانا سید علی صاحب ایک ایسے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنکے اخلاق وعادات کو لوگ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور

معصوم قیدی

پیوستہ بگذشتہ

پانچواں باب

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

اتفاق سے دوسرے روز تمام قیدی ایک سرکاری کام کو سرانجام دینے کیلئے جیل سے باہر لے جائے گئے۔ تو سپاہیوں کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے اُس دیوار کے نیچے ایک بہت بڑا سوراخ کھدا ہوا پایا۔ جیل کے داروغہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اس نے تمام قیدیوں کو ایک جگہ جمع کرکے اس امر کی باقاعدہ بازپرس شروع کی۔ لیکن سب نے اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا۔ اور اس کی بابت کسی نے کچھ نہ بتایا؛

آخر کار داروغہ نے جمشید کو جسے وہ ایک راست گو اور حق پسند آدمی خیال کرتا تھا مخاطب کرکے کہا:-

"بابا! خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتاؤ کہ دیوار میں یہ سوراخ کس نے کھودا ہے؟"

جمشید کے ہاتھ پاؤں خوف کے مارے کانپنے لگ گئے۔ سانس پھول گیا۔ اور ضعف کی زیادتی کے سبب وہ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے ادا نہ کر سکا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اس ملعون کی جان کو کیوں بچاؤں جس نے میری عزیز زندگی کو مفت میں برباد کیا ہو۔ ناکردہ گناہ کے عوض جو مصیبت آج تک مینے برداشت کی ہے وہ اب اس بدکردار کو بھی جھیلنی چاہیئے۔ اور پھر کبھی سوچتا۔ کہ اگر یہ راز میں نے ظاہر کر دیا تو ظالم جلاد کوڑوں کی ضربوں سے راشد کی جان نکال دینگے۔ ممکن ہے کہ مینے شب کی ظلمت کو اچھی طرح نہ پہچانا ہو۔ اور وُہ غریب یونہی بے قصور جان سے مارا جائے۔ بھلا اسمیں میرا کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ خاموش ہو رہا۔ اور اس سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا۔

راشد اس وقت قیدیوں کی ایک پچھلی قطار میں کھڑا اس طرح گنگھنیاں بھر رہا تھا۔ کہ گویا اس معاملہ سے اُس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

"بابا! سچ سچ بتاؤ کہ دیوار کے نیچے یہ سوراخ کس لعین نے کھودا ہے؟" داروغہ نے تحکمانہ لہجہ میں جمشید سے دوبارہ

دریافت کیا۔

"حضور! میں اسکی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا!" جمشید نے راشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے جو سزا دینی ہو۔ وہ مجھے دے لیں۔ میں حاضر ہوں!"

جیل کے داروغہ نے بہت کوشش کی۔ کہ کسی نہ کسی طریق سے اس بھید کا پتہ چل جائے۔ لیکن اس کی تمام کوشش رائیگاں گئی۔ اور اسے اس بارہ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اسی رات جب جمشید اپنے بوریئے پر لیٹا ہوا۔ خراٹے لے رہا تھا۔ ایک سن رسیدہ آدمی اسکے کمرہ میں داخل ہوا۔ اور چپکے سے اسکے قریب آکر بیٹھ گیا۔ جمشید نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اور تاریکی میں اِدھر اُدھر جو جھانکنا شروع کیا۔ تو پہچان گیا کہ یہ راشد ہے!

"تم اس وقت کیوں آئے ہو؟ تمہارا کیا مطلب ہے؟ چلے جاؤ!" جمشید نے کہا "ورنہ میں ابھی محافظ کو بلاتا ہوں"

"جمشید! معاف کرو۔ خدا کیلئے معاف کرو" راشد نے سر کو جھکاتے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا

"تم کیا چاہتے ہو؟" جمشید نے پوچھا

"یہ میں ہی ہوں جسنے اس رات کے اندر تمہارے ساتھ والے سوداگر کو قتل کیا تھا" راشد نے آہستہ سے کہا "میرا ارادہ تمہیں بھی قتل کرنے کا تھا لیکن مینے عین اسی وقت ایک شور سُنا اور دہشت کے مارے خون آلودہ چاقو تمہارے تھیلہ میں بند کر کے خود روشندان کی طرف سے باہر نکل گیا۔ جمشید! مینے یہ بہت بڑا گناہ کیا ہے اب میں تم سے خلوص دل کے ساتھ اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو!"

(جمشید بالکل خاموش تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کو اس بات کا کیا جواب دینا چاہئے؟)

"خدارا مجھ بدکار پر ترس کھاؤ" راشد نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا "میں عدالت کے روبرو اقبالی ہو جاؤنگا کہ اس سوداگر کو مینے قتل کیا تھا اور تم اس طرح سے رہا کر دیئے جاؤ گے"

"میں نے تمہاری خاطر جیل میں رہ کر پورے پچیس سال مصیبت کا سامنا کیا ہے" جمشید نے سرد آہ بھر کر کہا "بھلا اب میں کہاں جا سکتا ہوں جبکہ میری بیوی اس جہان سے چل بسی ہوگی۔ میرے بال بچوں نے مجھے بالکل فراموش کر دیا ہو گا؟"

"یہ سب کچھ صحیح ہے۔ تو نے مجھ غریب پر رحم کھایا اور میری جان بچائی" راشد نے کہا "اگر میرا یہ راز فاش ہو جاتا۔ تو مجھے اُن کوڑوں کی سزا سے ہرگز اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ جتنی کہ اس وقت تمہیں دیکھ کر محسوس ہو رہی ہے میں بدبخت روسیاہ ہوں۔ خدا کے لئے مجھ گناہ گار کی خطا کو معاف کرو"

اتنا کہنے کے بعد راشد ہچکیاں لے کر رونے لگا۔ جمشید کو اُس کی اس حالت پر ترس آگیا۔ اور اس نے اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالے:-

بقیہ بر صفحہ ۲۵

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یوپی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوا اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی۔

"ندوۃ القریش کا یہ اجلاس مولنا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں، خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

"القریش"

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں"

(دی یونین پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

جو

بفرمان عالی شان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیٰحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے!

ایڈیٹر
محمد علی رونق صدیقی

قیمت سالانہ
تین روپیے

ہر انگریزی ماہ کی سترہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

مساواتِ اسلامی

(از جناب شباب بدایونی)

کرکے ہجرت ہوئے جس وقت مدینے میں مقیم
شاہِ دیں سیدِ کونین رسولِ مختار

بسکہ تھی بندگیِ خالقِ کُل پیشِ نظر
پڑ گئی فکر کہ اللہ کا گھر ہو تیار

تھا وہاں کوئی نہ معمار نہ کوئی مزدور
اس طرف چند مہاجر تھے اُدھر کچھ انصار

سُن کے ارشادِ مبارک وہ نفوسِ قدسی
سب کے سب کس کے کمر ہو گئے فوراً تیار

کوئی مشکیزوں میں لانے لگا پانی بھر کر
کوئی گارے کے لئے کرتا تھا تیار تگار

کوئی اینٹیں کوئی پتھر کوئی مٹی لاتا
کوئی اس فکر میں تھا جلدی سے اٹھائیں دیوار

بسکہ مصروف تھے وہ کام میں اپنے اس طرح
ایک کو دوسرے سے جیسے نہ کچھ سروکار

اتفاقاً کہیں نظریں جو اٹھیں لوگوں کی!
دیکھا تو آتے ہیں لادے ہوئے پتھر سرکار

اِک طرف چہرۂ پُرنور پہ چھائی ہوئی دھول
اِک طرف سینۂ اقدس پہ اٹا گرد و غبار

عرض کرنے لگے انصار و مہاجر مل کر
ہم تصدق گئے اے فخرِ زماں عزّ و وقار

یہ شرف اپنے غلاموں کے لئے رہنے دیں
ہم جو موجود ہیں آرام سے بیٹھیں سرکار

سُن چکے جب شہِ کونین یہ خدام کی عرض
ہنس کے فرمایا کہ بے جا ہے تمہارا اصرار

ہوں تمہاری طرح اک میں بھی خُدا کا بندہ
مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے زنہار

یہ مساوات تھی جس سے بڑھی شانِ اسلام
اس مساوات نے بخشا تھا ہمیں عزّ و وقار

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ شانِ مساوات ہے اب
الغرض ہم سے اب آنے لگی اسلام کو عار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد (۱) بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء نمبر (۳)

مسلمانانِ ہند کا قومی نظام

دردمندانہ آواز

(عالیجناب خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر "البشیر" کے دل سے)

اِس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہو گیا ہے۔ اگرچہ مسلم لیڈروں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایسے لیڈر ہیں کہ جن کے مقلد اور پیرو کوئی نہیں ہیں۔ لیڈری کا معیار یہ سمجھا گیا ہے کہ جو میونسپل بورڈ کا ممبر ہو وُہ لیڈر، جو کونسل کا ممبر ہو وہ لیڈر، جو اسمبلی کا ممبر ہو وہ لیڈر، جو کسی جلسہ میں تقریر کر سکے وہ لیڈر، یا وکیل ہو وُہ لیڈر، اخبار کا ایڈیٹر ہو وُہ لیڈر۔ غرضیکہ مسلمانوں میں لیڈر ایک ایسا لفظ ہے جو ربڑ کی طرح کھینچ تان کر ہر جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔ لیڈر کے معنے عوام الناس اور جہلا کی رائے میں ہاں میں ہاں ملانا ہے اور ان کی خواہشات و جذبات کی پیروی کرنا اور بجائے اسکے کہ وہ عوام الناس کی رہبری کریں خود ان کا تتبع کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ان کو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے۔ اگر ہم عوام الناس کی رائے کے خلاف اپنی صحیح رائے کا اظہار کرینگے۔ تو ہم کو الیکشن کے موقع پر ووٹ نہ مل سکیں گے علیٰ ہذا القیاس مسلم اخبارات کو یہ خوف رہتا ہے کہ اگر صاف طور پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ تو اخبار کی اشاعت کم ہو جائے گی۔ اگرچہ بہت سے ہمدرد اور نیک نیت مسلمان اس خرابی کو محسوس کر رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی اسکول بناتا ہے۔ کوئی تعلیمی کانفرنس مسلم لیگ یا دوسری سیاسی انجمن قائم کرتا ہے۔ کوئی مجلس تنظیم بناتا ہے۔ اور کوئی

تنظیم الصلوٰۃ غرضیکہ بہت سی انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ لیکن جس قدر انجمنیں اور کانفرنسیں ہیں۔ ان سب کی اندرونی حالت خراب، مالی حالت کمزور، اور اصل مقصد فوت، یہ سب خرابیاں کیوں ہیں۔ اس کی وجہ ہماری دانست میں صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے کوئی متحدہ قومی مقصد نہیں ہے۔

پہلے مسلمانوں کے سامنے متحدہ قومی مقصد مسلم یونیورسٹی بنانا تھا۔ مسلم یونیورسٹی بن گئی۔ لیکن جو غلط توقعات قوم نے مسلم یونیورسٹی سے قائم کر رکھی تھیں۔ جب وہ پوری نہ ہوئیں۔ تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسلم یونیورسٹی اس درجہ پر بھی نہ رہ سکی۔ جو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں کو حاصل ہے۔ مسلم یونیورسٹی کی بحث چونکہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ اس وجہ سے ہم اس موقعہ پر اس کے متعلق تفصیل سے بحث کرنا نہیں چاہتے غرضیکہ مسلم یونیورسٹی کا وہ مقصد قوم کے سامنے نہ رہا۔ اس کے بعد جنگ طرابلس، جنگِ بلقان، ایران کی تقسیم اور جنگ عظیم واقع ہوگئی۔ جس کی وجہ سے مسلمانانِ ہندوستان کو خوف پیدا ہوگیا۔ کہ دنیا میں ان کی قوم کی کوئی سلطنت باقی نہ رہے گی اور دنیا میں ان کا وجود یہودیوں کی طرح ہو جائیگا۔ لہذا ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک عام مقصد خلافت کو بچانا ہوگیا۔ جنگِ عظیم کے ختم ہونے کے بعد جس طرح سے ٹرکی ممالک کی تقسیم ہوئی تھی۔ اور اتحادیوں نے جو شرائط ٹرکی سے کی تھیں۔ اس سے خلافت کا وجود چونکہ برائے نام رہ گیا تھا اسلئے خلافت ایجی ٹیشن مسلمانوں کا قومی مقصد رہا۔ اور مسلمان من حیث القوم کانگریس میں شامل ہوگئے۔ اور نان کواپریشن کی تحریک میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ کیونکہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ٹرکی کی خلافت اسی حالت میں مضبوط ہو سکتی ہے۔ جب ہندوستان میں سوراج حاصل ہو جائے گا۔

بہر حال خلافت قائم ہونا مسلمانوں کا متحدہ قومی مقصد تھا۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے سمرنا میں یونانیوں کے مقابلہ میں حیرت انگیز فتح حاصل کی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگلستان نے ٹرکی سے صلح کر لی۔ اس کے بعد خود مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کا درجہ پھونک دیا۔ اب ہندوستان کے مسلمان بے بس ہو گئے۔ کہ مصطفےٰ کمال کے مقابلہ پر کس طرح خلافت کو بچایا جائے۔ اس لئے خلافت کا مقصد بھی ختم ہوگیا۔ ہماری رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ فاش غلطی کی تھی۔ کہ وہ ہندوستان کے سیاسی ایجی ٹیشن سے خلافت کو بچا لیں گے۔ اگر وہ سوراج کی ایجی ٹیشن کی موافقت یا مخالفت ہندوستان کے مسلمانوں کے نفع یا نقصان کی غرض سے کرتے۔ تو ایک حد تک درست ہوتا۔ اور جو حالت آج ہندوستان کے مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ وہ ہرگز نہ ہوتی۔

بہر حال ٹرکی میں خلافت کے وجود کے نیست و نابود ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کی مرکزی خلافت کمیٹی کے چندہ ملنے میں کمی آگئی ہے یہ رنگ دیکھ کر خلافت کمیٹی کے بعض ممبران نے تنظیم کانفرنس قائم کردی اس وجہ سے خلافت کمیٹی کے پرجوش ممبران میں آپس میں اختلاف شروع ہوگیا۔ تنظیم کو دیکھ کر ہندوؤں نے

ہندو سنگھٹن قائم کر دیا۔ مسلمان تو آپس میں لڑتے رہے۔ مگر ہندو اپنے سنگھٹن کا کام کرتے رہے۔ مسلمانوں کی تنظیم
کا تو کوئی مقصد نہیں تھا کہ آخر کس غرض سے یہ تنظیم کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے سامنے یہ مقصد تھا کہ وہ بغیر
مسلمانوں کے ہندوستان میں سوراج حاصل کر لیں۔ غرضکہ بوجہ کوئی مقصد نہ ہونے کی وجہ سے ہندو کامیاب ہو گئے
اس کے بعد ہندوؤں نے شدھی کی تحریک شروع کی۔ ان کا مقصد تھا کہ ایسے مسلمانوں کو جو برائے نام مسلمان ہیں
ہندو بنا کر اپنی سیاسی قوت اور اقتدار کو قائم کریں۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں میں تبلیغ کی تحریک پیدا ہوئی۔ شدھی کی تحریک
چونکہ آریہ سماج کے نظام پر تھی۔ مذہب کے ماتحت تھی۔ لہذا اس میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن مسلمانوں کی
تبلیغ کسی ایک نظام کے ماتحت نہ تھی بہت سی انجمنیں جدا جدا قائم ہوئیں۔ اور بہت سے کمپ ان مقامات پر مسلمان
مولویوں کے پہنچ گئے جہاں پر شدھی کی تحریک کا زیادہ زور تھا۔ مسلمان آپس میں لڑتے رہے غرضکہ لاکھوں روپیہ
مسلمانوں کا محض اس وجہ سے خراب گیا۔ کہ ان کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا اور تبلیغ کی تحریک کسی ایک نظام کے
ماتحت نہ تھی۔ اس کے بعد مساجد کے سامنے ہندوؤں کے باجا بجانے کی یلغار ہوئی کہ روک ٹوک آزادی رہنی چاہئے جس
سے ان کی ایک غرض تو یہ تھی کہ قوم کو جد و جہد میں مصروف رکھا جائے دوسرے قوم میں اپنی بات منوانے کا اور قانون
شکنی کا مادہ پیدا کیا جائے۔ ہندو جو کچھ کر رہے تھے۔ وہ سنگھٹن کے ماتحت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا چونکہ کوئی نظام
نہیں تھا اور مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ [illegible] وقت باجہ نہ بجے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندوؤں نے
مسلمانوں کو اشتعال دلایا۔ اور سادہ مسلمان اس اشتعال میں آ گئے۔ اور اس طرح کثرت کے ساتھ ہندو مسلمانوں
میں بلوے ہوتے رہے۔ ان بلووں میں ہمیشہ مسلمان ہی زیادہ مارے گئے مسلمان زیادہ زخمی ہوئے اور سزا بھی
زیادہ تر مسلمانوں نے ہی پائی۔ پیروی مقدمات میں مسلمانوں کو سودی روپیہ لینے کی ضرورت واقع ہوئی۔ لہذا
مسلمانوں کو اقتصادی نقصان بھی زیادہ پہنچا۔ اور بکثرت مسلمان اپنے ہندوؤں کے ماتحت ہو گئے۔ کانگریس کی
طرف سے ہندوستان کی کامل آزادی کا دعویٰ ہوا۔ قانون شکنی کی تحریک۔ ولایتی کپڑا کا بائیکاٹ شراب اور ولایتی
کپڑے کی دکانوں اور سکولوں پر دھرنا دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ انفرادی حیثیت سے بہت سے مسلمان اس تحریک
میں شریک ہو گئے بعض سیاسی مسلمان جو ایک زمانہ میں کانگریسی تھے وہ مسلمانوں کو اس تحریک سے پورے طور
پر علیحدہ رہنے کی جد و جہد میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رکھنے کے واسطے انجمن
تنظیم صلوٰۃ قائم کی۔ اور جس طرح سے کانگریس والے سوراج کا جھنڈا لے کر گیت گا کر گشت کرتے ہیں۔ اس
طرح سے انجمن صلوٰۃ والوں نے بھی انجمن کے نام سے سبز جھنڈے نکال کر نظمیں پڑھ کر جلوس نکالنے
شروع کئے!

غرضکہ مسلمانوں کی حالت اکبر الہ آبادی کے اس شعر کی مصداق ہے۔ ؎

نہیں معلوم کیا مقصود ہے کس سمت جاتے ہیں
زمانہ میں پڑا ہے شور ہم بھی غل مچاتے ہیں

نماز اگرچہ عمدہ چیز ہے۔ اور خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ دل سے نماز پڑھنے لگیں۔ لیکن نماز کا مقصد ہونا چاہیئے۔ ایک مذہبی فرض کا ادا کرنا اور خدا کی خوشنودی خدا ہم کو بدگمانی کے گناہ سے معاف کرے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نماز کی تحریک ہی روز بروز کمزور ہو رہی ہے تو سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اس تحریک کا مقصد خدا کی خوشنودی نہ تھا۔ بلکہ کانگریس کی شرکت سے مسلمانوں کو باز رکھنا تھا۔ کیونکہ ہم تنظیم الصلوٰۃ کے ایسے لیڈروں سے واقف ہیں جو خود نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن وہ اس تحریک میں بڑا نمایاں حصہ لے رہے ہیں تو اس کے سوا اور خیال کیا کیا جا سکتا ہے کہ اس کا مقصد مسلمانوں کو نمازی بنانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو سوراج کی تحریک سے علیحدہ رکھنا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس وقت ہندوؤں کانگرسیوں کا جو کچھ مقابلہ ہے وہ گورنمنٹ سے ہے ایک فریق سوراجی ہے، اور دوسرا گورنمنٹ، مسلمان نہ صرف اس تحریک سے علیحدہ ہیں۔ بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمان یہ کوشش کر رہے ہیں کہ یہ تحریک ناکامیاب رہے۔ بعض جگہ مسلمان عوام الناس ہندوؤں سے مقابلہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر مسلمانوں کی مخالفت اس درجہ کیوں ہے؟ اور اس سے انہوں نے کیا قومی مفاد سمجھا ہے۔ بعض مسلمان لیڈروں کا یہ بیان ہے کہ سوراج کو ہم بھی چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے حقوق کا حفظ مقدم رکھتے ہیں۔ بعض مسلمان لیڈر ایسے بھی ہیں جو پہلے گاندھی پرست تھے مگر آج وہ گاندھی سے روٹھ گئے ہیں۔ اور کانگریس سے ناراض ہیں۔ ان کا یہ بیان ہے کہ چونکہ انہوں نے ہم سے بغیر مشورہ کئے وائسرائے سے ڈومنین سٹیٹس کا مطالبہ کرنے کی کوشش کی اور اس سمجھوتہ میں ناکامی ہونے پر آزادی کا اعلان کیا اور بغیر مسلمانوں سے مشورہ کیئے ہوئے انہوں نے قانون شکنی کی تحریک کانگریس میں پاس کر دی۔ ہماری مخالفت کی یہ وجہ ہے کہ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہندو بغیر ہماری امداد کے کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس عجیب و غریب منطق کے علاوہ ہمارے علم میں کوئی امر نہیں۔ کہ آخر اس مخالفت سے قومی مفاد کیا سمجھا گیا ہے اور انکا مقصد اعلیٰ کیا ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک مسلمانوں کے سامنے کوئی قومی متحدہ مقصد نہیں ہے اور یہی وجہ مسلمانوں کے تمام کاموں کی خرابی کی ہے اور جب تک کہ کوئی زبردست قومی مقصد نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ہمیں امید نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوم ترقی کر سکے۔

ترقی کرنا درکنار ہم کو اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ ہستی کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت جو تعلیم یافتہ مسلمان ہیں ان کے سامنے سوائے اس مقصد کے کہ وہ اپنے آپ اچھی زندگی بسر کریں۔ عمدہ کھانا کھائیں

اعلیٰ درجہ کے فیشن ایبل کپڑے پہنیں اور اپنے فرصت کے وقت کو ٹینس یا تاش کھیلنے یا خوش گپیوں میں صرف کریں اور کوئی قومی مقصد نہیں ہے۔ قوم درکنار انہیں اپنے خاندان، برادری، غریب رشتہ داروں کی مصیبت کا بھی احساس نہیں۔ کسی مذہبی، تعلیمی، یا سیاسی کام کے واسطے ان سے چندہ وصول نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنی ضروریات اس قدر بڑھا دی ہیں کہ ان کے پاس اتنا روپیہ بچتا ہی نہیں۔ مسلمانوں میں جو سیاسی لیڈر ہیں ان کے سامنے سوائے جداگانہ انتخاب کے کوئی اور سیاسی مسئلہ نہیں ہے اگر کوئی سیاسی مسئلہ ہے تو وہ چند ملازمتیں سرکاری حاصل کرنا، جداگانہ انتخاب اس وجہ سے کہ ہم کونسلوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل بورڈوں میں یا تو بلا مقابلہ پہنچ جائیں یا صرف چند مسلمانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔ ملازمتوں کے واسطے جو جدوجہد ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ ہم اپنی اولاد کو سرکاری ملازمت دلا سکیں۔ اگرچہ بیکار مسلمانوں کو جگہ ملنے سے قوم کے چند افراد کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی قوم کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ملازم اپنی تنخواہ کا کوئی جز کسی قومی کام میں صرف کرنے کو تیار نہ ہو۔ بہرحال ہمارے نزدیک اس وقت مسلمانوں کے سامنے کوئی متحدہ قومی مقصد نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کی قوم کے سامنے سوراج یا ڈومنین سٹیٹس ایک قومی مقصد ہے۔ آریہ سماجی ہو یا سناتن دھرمی، بودھ مذہب کے پابند ہوئے یا جین مت کے کانگریسی ہوں یا لبرل پارٹی والے۔ مہاسبھائی ہو یا نیشنلسٹ، انقلاب پسند ہوں یا تشدد کے حامی یا عدم تشدد کے دلدادہ، ملازم ہوں یا آزاد پیشہ کرنے والے وکیل، ٹھیکیدار، تاجر غرضکہ ہندوؤں کا ہر طبقہ سوراج یا ڈومنین سٹیٹس ملنے کا حامی ہے جو کچھ اختلاف ہے وہ طریقہ عمل میں ہے۔ مگر سب کا مقصد واحد ہے برخلاف اس کے مسلمانوں کا کوئی نصب العین یا مقصد حیات نہیں ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارا کوئی ایک قومی مقصد ہو تاکہ اس وقت انتشار کی جو حالت ہے وہ کسی طرح رفع ہو جائے۔

مسلمانوں کا متحدہ قومی مقصد کیا ہو یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جن مسلمانوں کے دل میں قوم کا سچا درد ہے وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ اس طریق سے اس مسئلہ پر غور کرنے کا کافی موقع مل جائیگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ کوئی صحیح راستہ ہی نکل آئے۔

ریویو **نظام نمبر۔** علیگڑھ کے دلچسپ اور مشہور جریدہ "سرگزشت" کا خاص نمبر شائع ہوا ہے جو صوری و معنوی ظاہری و باطنی خوبیوں کا ایک دلآویز مرقع ہے خسرو دکن ادام اللہ حشمتہ کی عکسی شبیہ کے علاوہ وزراء، امراء اور اراکین دولت آصفیہ کی تصاویر دی گئی ہیں "القریش نظام نمبر" کے بعد یہ دوسرا نظام نمبر ہے اور ہر لحاظ سے قابلقدر اور لایق دید ہے حجم ۸۴ صفحات۔ تقطیع کلاں۔ مینجر صاحب "سرگذشت" علی گڑھ سے طلب کیجئے۔

ظہورِ قدسی

تھا آئینے کا ٹوٹنا — ہر سخت دل آنسو بنا
آنسو یہ پھیلایا گیا — حدِ نظر تک آب تھا
چادر شبِ ظلمات کی — آہوں سے چھلنی ہو گئی
سوراخ تارے بن گئے — نالے شرارے بن گئے
آئی اجابت کی گھڑی — ختم نبوت کی گھڑی
رحمت کا بادل ناگہاں — ہوکر محیطِ آسماں
برسا وہ عبد اللہ کے گھر — پیدا ہوئے خیر البشر
معمارِ کعبہ کی دعا — خلقِ عظیمہ کی بنا
صدر الصدورِ بزمِ دیں — محبوب صورت آفریں
وہ کون؟ اک بے بال و پر — وہ کون؟ شاہِ بحر و بر
وہ کون؟ اک بے خانماں — وہ کون؟ سلطانِ جہاں
وہ کون؟ مضروبِ جفا — وہ کون؟ محبوبِ خدا

وہ کون؟ مسجودِ ہبل!
وہ کون؟ خضرِ بے بدل!

آتش کدہ ایران کا — یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا!
قصرِ شہی کے کنگرے — بھونچال آیا گر گئے
دریائے ساوا تھم گیا — یخ ہو کے پانی جم گیا
جو بت صنم خانوں میں تھے — سب سرنگوں دیکھے گئے
تثلیث مغلوبِ الم — تلبیس خوں آشامِ غم

شاہِ زمیں پیدا ہوئے
عزّے شکن پیدا ہوئے

خلیلی

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) سچ بولنا نکوکاری کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نکوکاری بہشت کی طرف رہنمائی کرتی ہے آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک صدیق ہوجاتا ہے۔ جھوٹ بولنا بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔

(۲) منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے تو وفا نہیں کرتا اور جب اسے امین بنایا جاتا ہے۔ تو خیانت کرتا ہے۔

(۳) میں اس شخص کے لئے بہشت کے گوشہ میں ایک گھر کا ذمہ دار ہوں جو حق بجانب ہونے کی صورت میں بھی جھگڑے کو ترک کر دے۔ اور اس شخص کے لئے بہشت کے درمیان ایک گھر کا ذمہ دار ہوں جو مزاح کی صورت میں بھی جھوٹ نہ بولے۔

(۴) سب سے بڑا جہاد اس شخص نے کیا۔ جس نے ایک بادشاہ ظالم کے سامنے سچی بات کہدی۔

(۵) صفوان بن سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟" فرمایا "ہاں" پھر اس شخص نے پوچھا کہ "کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟" فرمایا "ہاں" لیکن جب اس شخص نے پوچھا کہ "کیا مسلمان کذاب ہوسکتا ہے؟" تو آپ نے فرمایا "ہرگز نہیں"

(۶) اے اللہ میری زبان کو جھوٹ سے پاک رکھ۔

(۷) جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس سے میل بھر دور ہوجاتے ہیں۔ بوجہ اس بدبو کے جو جھوٹ بولنے سے پیدا ہوتی ہے۔

(۸) یہ بہت بڑی بات خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کچھ بات کہے اور وہ تجھے سچا سمجھتا ہو۔ لیکن تو جھوٹ بول رہا ہو۔

(۹) اس شخص کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور اچھی باتیں کہے اور ایک کی طرف سے جاکر دوسرے کو اچھی باتیں کہے خواہ وہ جھوٹی ہی ہوں ۞

(بقیہ صفحہ ۱۰)

---

(۱) جو شخص میرے ممبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے۔ خواہ وہ ایک سبز مسواک ہی کے متعلق ہو۔ وہ خود اپنی

تازیانۂ عبرت

اِتنا تو سوچ مسلم دل میں ذرا خدارا
اِس کشمکش میں کیونکر ہوگا ترا گُذارا

یا تو ترے ہی بل پر چلتی تھی ساری دُنیا
یا تو ہی ڈھونڈتا ہے اب اور کا سہارا

یا تو کرم پہ تیرے تھیں کل جہاں کی نظریں
یا ہو رہا ہے تیرا خود بھیک پہ گذارا

سب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے ہٹ رہا ہے
ہاں اب ذرا سنبھل کر دیکھ آ گیا کنارا

غیرت نے منہ کو موڑا حشمت نے ساتھ چھوڑا
سب چھوڑ بیٹھے تجھ کو ہمت جو تھی تو ہارا

کیا یونہی اپنے گھر سے نکلا تھا ہاتھ خالی
یا دے دیا ہے تو نے غیروں کو مال سارا

ہمت نہیں ہے تجھ میں جھوٹی ہے ڈھاک تیری
ہو جائیگا کسی دن یہ راز آشکارا

جو آفتاب عزت تھا تیرے سر پہ تاباں
وہ دور ہوتے ہوتے اب رہ گیا ہے تارا

وہ دن بھی تجھکو غافل ہیں یاد یا نہیں ہیں
مشرق کا جا ملا تھا مغرب سے جب کنارا

فرحت کو بھی تو آخر کچھ تم سے واسطہ ہے
تم ہی کہو وہ کیونکر پھر چپ رہے بچارا

بہر خدا یہ سوچو! تم خود بدل گئے ہو
یا کچھ بدل گیا ہے شاید غدر تمہارا

مرزا فرحت

جگہ دوزخ میں بناتا ہے۔ (سبز مسواک سے مطلب ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز)

(۲) جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔

(۳) جو شخص جھوٹی اور واہی تباہی کی باتوں کو نہ چھوڑے اور ان پر عمل کرے۔ خدا اس کی روٹی اور پانی چھوڑنے (یعنی اس کے روزہ رکھنے کی) پرواہ نہیں کرتا۔

---

(۱) چغل خور بہشت میں نہ جائے گا۔

(۲) غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کے متعلق ایسی بات کہے جو اسے ناپسند ہو۔ اگر وہ بات سچی ہو تو یہ غیبت ہے اور اگر سچی نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ جو تو نے اپنے بھائی پر باندھا۔

(۳) جب میرا خدا مجھے اوپر لے گیا (معراج شریف ہوا) تو میں ایک قوم کے پاس سے گذرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ اُسنے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے! (یعنی غیبت کرتے تھے) اور ان کی آبروریزی کرتے تھے

(۴) لوگوں پر من گھڑت بہتان مت باندھا کرو!

(۵) جو شخص غیبت کرنے والے کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے سے روکے (غیبت کرنے سے روکے) خدا تعالیٰ پر لازم آتا ہے کہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔

(۶) میرے صحابہ میں سے کوئی کسی شخص کی باتیں مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب گھر سے نکل کر تمہارے پاس آؤں۔ تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو (مطلب یہ ہے کہ مجھے آکر یہ نہ کہا کرو کہ فلاں شخص نے ایسا کیا، یا ایسا کیا، کیونکہ اس طرح اس شخص کی طرف سے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میرے دل میں کسی طرف سے کدورت پیدا ہو)

— ایک اخباری بیان مظہر ہے کہ حیدر آباد کی قوم پرست پارٹی نے لارڈ اروِن سے خواہش کی ہے کہ وہ ہندوستان کو الوداع کہنے سے پیشتر عارضی طور پر بھیجے ہوئے انگریز افسران کو واپس بلا کر برطانی سلطنت کی عظیم الشان خدمت انجام دیں کیونکہ یہ امر عدل گستری کے خلاف ہے کہ برطانوی ہند میں تو وہ عہدے بھی جو انگریزوں کی خاص میراث سمجھے جاتے تھے اس وقت ملکی باشندوں سے پر کئے جا رہے ہیں اور وفادار حلیف اعلیحضرت خسرو دکن کی ریاست میں ایسے اطاعت گذار مطلق العنان یورپین باشندوں بجبر امور کرایا جائے جو ریاست کے مقتدر حکام کی تعمیل کو اپنی کسر شان تصور کرتے ہوں۔ ✦

ثریا کو اسپتال میں پڑے ہوئے آج پورے تیرہ دن ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں اُسے شدید سے شدید بخار بھی چڑھا۔ کلیجہ کے درد سے بھی متواتر کئی روز تک تڑپی۔ اور پھر جگر کے پھوڑے کا آپریشن بھی ہو گیا۔ مگر اس کے سسرال والوں میں سے کسی نے جھوٹوں بھی کبھی آ کر یہ نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ ساس نندوں سے اسے اس قسم کی توقع بھی نہ تھی۔ لیکن خاوند کے متعلق ابھی تک یہ حسن ظن باقی تھا کہ وہ لاکھ ناراض ہوں مگر اس حالت میں کہ میری زندگی کی بھی آس باقی نہیں ہے۔ وہ ضرور آئینگے۔ آپریشن کے لئے جب اسے میز پر لٹایا گیا، تو اس نے چپکے سے اپنے بھائی کے کان میں کہا تھا کہ اگر اس وقت کسی طرح "وُہ" آجاتے تو میں ان سے اپنے قصور معاف کرا لیتی۔ خدا جانے اس اُپریشن کے بعد میں بچوں یا نہ بچوں" آپریشن کے بعد جب کلوروفارم کا اثر دور ہؤا۔ اور وُہ ہوش میں آئی۔ تب بھی اس نے سب سے پہلے اپنی ماں سے یہی پوچھا تھا کہ "وُہ" آئے تھے؟

دبیر کو اپنی بیوی کی بیماری کی خبر تھی، اور یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ بیماری بہت خطرناک ہے۔ اُپریشن والے دن اُسے یہ خبر بھی لگ گئی تھی کہ آج اس کے جگر کے پھوڑے میں شگاف دیا جائیگا، اور ثریا کی انتہائی کمزوری کی وجہ سے ڈاکٹر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُپریشن کے صدمے کو وُہ برداشت نہ کر سکے، مگر یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود اس نے اتنا بھی نہ کیا کہ بلا سے خود نہ آیا تھا تو کسی کو بھیجکر ہی خیریت دریافت کرا لیتا۔

دبیر اور ثریا کی شادی کو ابھی چار ہی برس گذرے ہیں لیکن مزاجوں کی ناموافقت کچھ ایسا رنگ لائی کہ پورا ایک سال بھی خوشی اور خرمی میں نہ گذرا، چھوٹے موٹے اختلاف تو چھٹے یا ساتویں مہینے سے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن باقاعدہ جنگ گیارہویں مہینے شروع ہوئی۔ اور ناشدنی لڑائی کچھ ایسی منحوس گھڑی سے شروع ہوئی تھی۔ کہ پھر کسی طرح اس کا سلسلہ بند ہی نہ ہؤا! یہاں تک کہ کوئی دو سال تک تعلقات کشیدہ رہنے کے بعد دبیر نے بھی یہی چاہا کہ ثریا اپنے میکے چلی جائے۔ اور ثریا کے میکے والوں نے بھی اسے بلا لینا ہی اس کے حق میں بہتر سمجھا اب کوئی سال بھر سے وہ برابر اپنی ماں کے پاس رہتی تھی۔ اور سسرال سے اتنا سا تعلق بھی باقی نہ رہ گیا تھا کہ چھٹے چھ ماہے تو کوئی خبر کو آجاتا۔

ثریا! نالایق یا نافرمانبردار لڑکی نہ تھی اور حق یہ ہے کہ خاوند سے بگاڑ ہونے میں اس کا اگر کچھ قصور تھا تو

تناکہ جب اس کی ساس نندیں اس پر جھوٹے الزام لگاتیں اور دبیر ناراض ہوتا تو وہ کبھی لوٹ کر جواب نہ دیتی۔ اور اس کی خودداری یا غرور کبھی اس کو اجازت نہ دیتا کہ اصلی حالات سے ایک ایسے خاوند کو اطلاع دیدے جو یکطرفہ بیان سُننے ہی پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا کرتا تھا۔ ہمیشہ اس کی یہی عادت رہی کہ جب دبیر نے اسپر کوئی جھوٹا الزام اپنی ماں یا بہن سے سنکر لگایا۔ اور ناراض ہوا تو وہ غصہ کی وجہ سے بالکل خاموش ہوگئی۔ اور کبھی یہ نہیں کیا کہ خاوند سے صاف صاف کہدیتی کہ یہ الزام غلط ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ خاوند میں خود اتنی عقل ہو۔ اور اس کے دل میں بیوی کی اتنی محبت ہو کہ ماں یا بہن سے کچھ سنتے تو خفا ہونے سے پہلے بیوی سے دریافت حال کرلے۔ اور جب وہ دیکھتی تھی کہ اس کے خاوند کو اتنی سی بھی عقل یا اتنی ذراسی بھی محبت نہیں ہے تو اس کا دل ٹوٹ جاتا تہا اور غم و غصہ کی وجہ سے اس کی زبان بالکل بند ہوجاتی تھی۔ اس کی اس خاموشی کو دبیر ہمیشہ اعتراف گناہ کا ہم معنے سمجھتا تہا۔ اس لئے بار بار بیوی سے اسی قسم کے قصور سرزد ہوتے دیکھکر اس کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکال کر کہ اس کے پاس الزام کا کوئی جواب نہیں ہے وہ برابر متنفر ہوتا چلا گیا۔ اور بالآخر وہ وقت آگیا کہ جب اسے ثریا کا اپنے گھر میں رہنا کسی طرح گوارا نہ ہوسکا۔

علیحدہ ہونے کے بعد بھی کبھی اسے خیال نہ آیا کہ اگر اور کچھ نہیں تو کم سے کم بیوی کا خرچ تو اس کے گھر بھیجدیا کرے اسے حقیقتاً ثریا سے دلی نفرت ہوگئی تھی۔ اور اگر کبھی اتفاق سے گھر میں کسی کی زبان سے اس کا ذکر سن لیتا تھا تو اُسے ناگوار گذرتا تھا۔ اپنی اس قدر کمزوری کے باوجود بھی ایمان کی بات یہ ہے کہ دبیر بدطینت یا ظالم نہ تھا۔ اسے اس کے گھر والوں نے یہ یقین دلادیا تہا کہ اس کی بیوی بدترین عورت ہے۔ اور یہ اس کی کمزوری تھی کہ اس نے کامل تحقیق و تفتیش کے بغیر ماں اور بہن کی اس رائے کو قبول کرلیا اگر ثریا اتنی غیرضروری خودداری نہ برتتی اور ہر مرتبہ الزام لگائے جانے کے موقعے پر اپنی بریت کے ثبوت دیدیا کرتی۔ تو غالباً دبیر کو اس سے کبھی نفرت نہ ہوتی۔ اور شاید دو چار مرتبہ کے بعد پھر وہ اپنی ماں اور بہن کے متعلق یہ فیصلہ کرلیتا کہ یہ ہمیشہ یوں ہی جھوٹے الزام لگایا کرتی ہیں۔ لیکن ثریا کی خاموشی نے سب کام بگاڑ دیا اور دو ایسے میاں بیوی جن میں سے کوئی سا ایک بھی برا نہ تھا۔ بے وجہ و بے سبب ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے۔

دبیر اوّل تو مرد تہا دوسرے یہ کہ اسے ثریا سے نفرت بھی ہوگئی تھی۔ اس لئے اس پر تو اس علیحدگی کا کچھ زیادہ اثر نہ پڑا۔ لیکن ثریا کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اسے دبیر کی ان زیادتیوں کے باوجود اس سے محبت ہوگئی تھی۔ اور اس دائمی علیحدگی نے اس کی جان بربنادی۔ تین سال میں جب تک کہ وہ خاوند کے ساتھ رہی اس نے کبھی کسی بات میں بھی دبیر کی ذراسی نافرمانی نہ کی تھی۔ اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کیا کرتی تھی کہ اپنے آپ کو مٹا کر دبیر کی خدمت کرے۔ اور اب علیحدگی کے بعد اس کی دلی تمنا تھی کہ کسی طرح آپس میں پھر صفائی اور مصالحت ہوجائے تمناؤں کی پامالی نے صدمہ کی صورت اختیار کرلی۔ اور اس ہر وقت کے صدمہ نے اس کی صحت پر اثر ڈالنا

شروع کیا۔ اچھی طرح بھرا اور گداز جسم گھل گھل کر کانٹا ہوگیا۔ اور ہر وقت ہلکی ہلکی حرارت رہنے لگی۔ غم کی بیماری سچ مچ کی بیماری بن گئی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اسپتال میں پڑی ہوئی اپنے مرنے کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی

"تم واقعی بڑے ظالم ہو!" مظہر نے دبیر سے کہا اور افسردگی کے ساتھ خاموشی اختیار کر لی۔

دبیر۔ "میں نہیں سمجھتا کہ میں کیوں ظالم ہوں؟ کیا اس لئے کہ ایک نالایق اور نافرمان بیوی سے محبت نہیں کر سکتا"

مظہر۔ "اس لئے کہ تم ایک مظلوم عورت کو جس کی صرف یہ آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے تمہیں ایک مرتبہ دیکھ لے' اپنی صورت دکھانا نہیں چاہتے!"

دبیر۔ "ثریا ہرگز مظلوم نہیں ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی یہ خواہش اور آرزو بھی محض ایک تصنع اور ایک بناوٹ ہے۔ اس طرح وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتی ہے کہ میں نے اس پر ظلم کئے ہیں۔ اور اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ میں ان فریبوں میں آنے والا نہیں ہوں۔

مظہر۔ "تم نے یہ بہت جلدی میں فیصلہ کیا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کی زندگی کی طرف سے اسکے معالج بھی تقریباً مایوس ہو چکے ہیں۔ اور اتنا تو تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ بستر مرگ پر پڑے پڑے دنیا کو دھوکہ دینے کا کسی کو خیال نہیں آیا کرتا!"

دبیر۔ "مظہر! تم اصلی حالات سے واقف نہیں ہو! اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ بدقسمتی سے مجھے اپنی بیوی کے متعلق یہ تمام باتیں کہنی پڑی ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک بڑی چالاک اور مکار عورت ہے۔ اس نے تین سال میں میری زندگی تلخ کر دی۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ صرف اسی وجہ سے اب مجھے اپنی زندگی میں کوئی لطف نہیں آتا۔ میں نے اسے خوش رکھنے کی انتہائی کوششیں کیں' اور ہمیشہ اپنی حیثیت سے زیادہ اس کے لئے خرچ کیا' صرف اسی امید پر کہ شاید وہ مجھ سے مانوس ہو جائے۔ اور محبت کرنے لگے۔ لیکن سب امیدیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اور اس نے کبھی مجھے اپنا خاوند اور میرے گھر کو اپنا گھر نہ سمجھا!"

مظہر۔ "اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ میں ثریا کے حالات سے کسی طرح بھی باخبر نہیں ہو سکتا کہ جس قدر تم۔ لیکن مجھ سے خود ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے خاوند سے علیحدہ ہونے کا اس قدر صدمہ ہوا ہے کہ اس کی صحت بالکل خراب ہو گئی ہے۔ اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر صرف ثریا کے بھائی نے مجھ سے کہا ہوتا تو شاید میں تم سے اس قدر ضد اور اصرار کے ساتھ درخواست نہ کرتا' لیکن خود ڈاکٹر نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ اگر اس کا خاوند آ جائے تو اس کے مرض پر بہت ہی اچھا اثر پڑے گا۔ اور ممکن ہے کہ اس کی جان بچ جائے!"

دبیر۔ "(کچھ سوچ کر) بھئی مظہر تم مجھے معاف کرنا کہ میں تمہارے کہنے کو ٹال رہا ہوں۔ مگر میں کیا کہ میرا

دِل کسی طرح بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کی صورت دیکھوں، یا اس کو بلاکر پھر اپنے سر لگاؤں۔

دبیر، ہندوستان کے بہترین پولو کھیلنے والوں میں سے تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس سال بھوپال کی پولو ٹیم نے اس سے درخواست کی تھی کہ ٹورنامنٹ میں ان کی طرف سے کھیلے۔ دبیر نے خوشی سے اسے منظور کر لیا اور چونکہ ٹورنامنٹ میں صرف پندرہ روز باقی تھے اس لئے وہ فوراً بھوپال روانہ ہوگیا۔ تاکہ اتنے عرصے میں کچھ مشق بھی کر لے اور کچھ نئے ساتھیوں کے ہمراہ کھیلنے کی عادت ڈال لے، آنکھ بند کرتے ہی پندرہ دن گذر گئے۔ اور دہلی میں مختلف مقامات سے پولو کی ٹیموں کی آمد شروع ہوگئی۔ بھوپال کی ٹیم ابتدائی دو ایک میچ جیت لینے کے بعد آخری کھیل میں آگئی۔ اور اب اس کا مقابلہ انگریزوں کی ایک بڑی مشہور ٹیم سے تھا۔ جو اسی کی طرح شروع کے مقابلوں میں کامیاب ہوتی چلی آرہی تھی۔ ہلکی آسمانی رنگ کی وردیاں پہنے ہوئے۔ صبارفتار گھوڑوں پر سوار بھوپال کی ٹیم نکل کر میدان میں آئی۔ اور کھیل شروع ہوگیا۔ دونوں ٹیمیں کچھ اس قدر برابر کی کھیلنے والی تھیں کہ نصف وقت گذر گیا اور طرفین کی انتہائی کوشش کے باوجود کوئی ایک گول بھی نہ کر سکا دوسرے نصف گھنٹہ میں مقابلہ اور بھی سختی کے ساتھ ہوا گھوڑے بھی اپنے مالکوں کی تشویش میں برابر حصہ لے رہے تھے اور گیندوں کے پیچھے کچھ اس طرح جاتے تھے۔ کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ خود کھیل رہے ہیں دس منٹ کے دو چکر ختم ہو چکے۔ لیکن کسی فریق کو کسی قسم کی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخری دس منٹ میں کھیل کا جوش اس قدر بڑھ گیا اور فریقین نے ایسی جان توڑ کوشش شروع کی۔ کہ تماشائیوں کو خوف معلوم ہونے لگا۔ سواروں کا اندھادھند گھوڑے دوڑانا، اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر پوری طاقت سے ایک دوسرے کو دھکیلنا ایسی چیزیں تھیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر اکثر تماشائی ڈرے جا رہے تھے اور بار بار انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب کوئی گرا، اور اب کسی کی جان گئی۔ کھیل ختم ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ کہ ایک مرتبہ گیند دبیر کے ہاتھ آگئی۔ گھوڑا بھی اس کے پاس بہت تیز تھا، وہ گیند کو لے کر چلا، اور تماشائیوں نے شاباش شاباش کے فلک شگاف نعروں سے اس کی ہمت بڑھائی۔ پوری تیزی سے وہ گیند لئے ہوئے فریق مخالف کی گول کے سامنے پہنچ گیا، اور ایک جچا ہوا بھرپور ہاتھ ایسا لگایا کہ گیند گول کے پار تھی۔ لیکن عین اس وقت کہ جب اس نے یہ ہاتھ لگایا اس کے گھوڑے نے کچھ اس بری طرح سے ٹھوکر کھائی کہ گھوڑا اور سوار دونوں لوٹ پوٹ ہوگئے، ہر شخص بے تاب و بے قرار ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر جب وہ بالکل نہ ہلا تو لوگ بھاگے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ اور معلوم ہوا کہ وہ بالکل بے ہوش ہے۔ نہایت احتیاط کے ساتھ اور جلد سے جلد اسے اسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے یہ رائے دی کہ اس کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور اس کی جان سخت خطرے میں ہے۔

ہیلو ثریا بیگم صاحبہ، آج آپ اٹھ کر کیسے بیٹھ گئیں۔ ہم نے تو ابھی آپ کو اٹھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ثریا۔ "(بڑی لجاجت کے ساتھ) ڈاکٹر صاحب میرے خاوند زخمی ہوکر آپ کے اسپتال میں آئے ہیں اور میں آپ سے بڑی عاجزی سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ آپ مجھے اس کے پاس جانے اور اسکی خدمت کرنے کی اجازت دیں!"

ڈاکٹر۔ "کیا مسٹر دبیر آپ کے خاوند ہیں؟"

ثریا۔ "(شرماکر) جی ہاں!"

ڈاکٹر۔ "ان کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اور دماغ کو صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے پاس جانے کی اجازت ہم نے انکے کسی دوست یا رشتہ دار کو نہیں دی ہے۔ کیونکہ ذرا سا شور وغل یا ذراسی بے احتیاطی ان کے لئے مہلک ہوسکتی ہے۔ آپ بھی ان سے اسی وقت ملیئے گا جب وہ اچھی طرح ہوش میں آجائیں۔"

ثریا۔ "میں تو ان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر۔ "مگر آپ میں اتنی ہمت اور طاقت کہاں!"

ثریا۔ "میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھ میں اس کام کے لئے بہت طاقت ہے۔ اور اگر اس کام میں میں مر بھی جاؤں۔ تو اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے؟"

ڈاکٹر نے عزّت وتعظیم کے ساتھ ثریا پر نگاہ ڈالی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں ان کی حالت دیکھکر جواب دونگا۔

مسلسل سات روز بے ہوش رہنے اور بخار میں جلنے کے بعد آٹھویں دن خدا خدا کرکے دبیر کے دماغ پر صدمے کا اثر کسی قدر کم ہونا شروع ہوا۔ اور شام کے قریب اس کی پلکوں اور لبوں کو خفیف سی جنبش ہوئی۔ اسکے سرہانے جو نرس بیٹھی ہوئی تھی، اس نے زندگی کی یہ علامات دیکھ کر فوراً ڈاکٹر کو مطلع کیا۔ ڈاکٹر آیا۔ مریض کی حالت دیکھی اور نرس کو ضروری ہدایات دے کر چلا گیا۔ رات کو ۹ بجے کے قریب دبیر نے آنکھیں کھولیں اور تھوڑی دیر تک دیوانوں کی طرح چھت کو دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ اسے پولو میں اپنا گرنا یاد آیا اور یہ سمجھکر کہ میں ابھی گرا تھا اس نے اٹھنا چاہا، نرس نے اٹھکر آہستگی سے اسے اٹھنے سے روکا اور کہا کہ آپ کو بہت سخت چوٹ لگی تھی اب آپ اسپتال میں ہیں۔ اور حالت روبصحت ہے۔ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ آپ بالکل حرکت نہ کریں۔

دبیر۔ "تو میں کے گھنٹے بیہوش رہا؟"

نرس۔ "آپ آج آٹھویں دن ہوش میں آئے ہیں۔ اب آپ یہ عرق پی کر سو جایئے۔ صبح کو آپ کی طبیعت بہت اچھی ہوگی۔ اس وقت سب کچھ پوچھ لیجئے گا۔"

دبیر۔ "آپ کون ہیں؟"

نرس۔ " میں اس ہسپتال کی نرس ہوں!"

دبیر نے عرق پیا اور خاموش ہو کر پڑ گیا!

دوسرے دن صبح جب دبیر کی آنکھ کھلی تو پھر اس نے اسی نرس کو اپنے سرہانے بیٹھا پایا۔ اور اپنے مرض کے متعلق سوالوں کی بھرمار کر دی۔ بار بار وہ نرس کی صورت غور سے دیکھتا تھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے حافظہ پر زور دیتا تھا کہ گویا کچھ یاد کر رہا ہے۔ ابھی دس ہیں ہی سوالوں تک نوبت پہنچی تھی کہ ڈاکٹر مظہر کو اپنے ساتھ لیئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ اور کہا:۔

ڈاکٹر۔ " کہئے مسٹر دبیر کیسا مزاج ہے؟"

دبیر۔ " مجھے تو ابھی یہی نہیں معلوم کہ میں کیا بیمار تہا اور کب سے بیمار تھا!"

ڈاکٹر۔ " نرس نے آپ کو بتا تو دیا ہو گا"

دبیر۔ " یہ تو کہتی ہے کہ میں آٹھ دن بیہوش رہا"

ڈاکٹر۔ " بالکل ٹھیک کہتی ہے آپ کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے تو بالکل امید نہ تھی کہ آپ بچ جائیں گے!"

دبیر۔ " آپ نے میرے لیئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

ڈاکٹر۔ " میری بجائے آپ کو اپنی اس مہربان نرس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ جس نے آپ کے لئے رات کو رات اور دن کو دن نہ سمجھا۔ اور برابر آٹھ راتیں جاگ کر آپ کی تیمارداری کی"

دبیر نے نرس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے سرہانے کی جانب نگاہ پھیری اور اسی کے ساتھ اور سب نے بھی اس طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ نرس وہاں سے غائب تھی۔

دبیر۔ " ثریا خدا کے لیئے میرا قصور معاف کر دو۔ میں نے تمہاری کچھ قدر نہ کی۔ مجھے ڈاکٹر صاحب سے تمام حالات معلوم ہو گئے ہیں مجھے یہ یقین دلا دیا گیا تہا کہ تم میری دشمن ہو۔ اسی لئے مجھے تم سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں کیا جانتا تہا کہ تم مجھ سے اسقدر محبت کرتی ہو۔ کہ خود اس قدر شدید مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود تم نے آٹھ راتیں میرے سرہانے بیٹھ کر کاٹیں۔ افسوس میں کس قدر بے وقوف تہا۔ خدا کے لئے ثریا تم مجھے معاف کر دو۔

ثریا۔ " ایسی باتیں کرکے تم کیوں مجھے گنہگار کرتے ہو تم میرے مالک ہو اور اگر کسی غلطی کی وجہ سے تم نے اتنے دنوں تک مجھ سے بے پروائی برتی۔ تو اس میں خطا اور قصور کی کونسی بات ہے اصل میں خطا تو میری ہے کہ میں نے کیوں تمہیں اصل حالات سے بیخبر رکھا مجھے اگر تکلیف پہنچی ہے تو اسمیں سرا سر میرا اپنا قصور ہے تمہارا اسکا کوئی الزام نہیں

دبیر۔ " (حیرت آمیز نگاہیں ڈال کر) تم واقعی حد سے زیادہ نیک اور شریف ہو"

آثارِ عرب

عہدِ اسلامی کی مشہور عمارتیں اور شہر

باختلاف سرزمین ہم عہد اسلامی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مشرق، مغرب

عربوں کی مشرقی عمارتیں اور شہر

ابتدائے اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سی عمارتیں، مساجد، دارالامارۃ بیت المال، قید خانے، اور مہمان خانے تعمیر کرائے گئے۔ یہ تعمیریں اس وجہ سے مشہور رہیں۔ کہ عہد اسلامی کی یہ سب سے پہلے پہل کی تعمیریں تھیں۔ عہدِ فاروقی میں مساجد کی تعداد بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام عمال کو حکم دیا تھا کہ ہر ایک شہر اور گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ یہ مساجد آج "جوامع عمری" کے نام سے مشہور ہیں۔ گو وہ اپنی اپنی اصلی حالت میں نہیں رہیں۔

جامع اقصیٰ

عہد فاروقی کی یہ مشہور مسجد بیت المقدس میں عین اس جگہ واقع ہے۔ جسے "ہیکل سلیمانی" کہتے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی متبرک ہے۔ حضرت عمر نے اس جگہ خود اپنے دستِ مبارک سے مٹی ہٹائی تھی، اور مسجد کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا، اس کی محرابیں نہایت ہی خوبصورت ہیں۔ اس مسجد میں ایک نہایت ہی خوبصورت لکڑی کا منبر ہے۔ جس میں ہاتھی دانت کا کام نہایت ہی عمدہ کیا گیا ہے چونکہ یہ مسجد بہت ہی مشہور ہے اسلئے کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔

"بصرہ"

عہد اسلامی کا یہ سب سے پہلا شہر ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آباد کرایا تھا۔ پہلے اسجگہ

بالکل میدان تھا۔ اس کی آبادی کا سبب یہ ہوا کہ اہل فارس اور اہل ہند کے درمیان سلسلہ مواصلت منقطع کر دیا جائے۔ کیونکہ بندرگاہ "ابلہ" کے قریب خلیج فارس میں اہل ہند اور فارس کے جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے۔ سیاسی حیثیت سے اس جگہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ۱۴ھ میں عتبہ بن عروہ اس کام کے لئے مقرر کئے گئے۔ شہر نہایت ہی قاعدہ کے ساتھ آباد کیا گیا۔ مربد بصرہ مشہور جگہ تھی۔ جہاں بڑے بڑے شعراء اور ادباء جمع ہوا کرتے تھے۔ اور شعر وسخن پر طبع آزمائی کیا کرتے بڑے بڑے آئمہ فن اس سرزمین میں پیدا ہوئے۔ اور اسی زمین میں محو خواب ہیں۔ اس شہر کی عظمت اگرچہ بڑھی لیکن دارالخلافہ بننے کا شرف اسے حاصل نہ ہوا۔ تعجب تو یہ ہے کہ خلفاء نے ہمیشہ یہاں بہت ہی سخت عمال (گورنر) بھیجے۔ جیسے حجاج بن یوسف، زید بن ابیہ (امیہ)

کوفہ

اس شہر کو بھی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض فوجی مصالح کی بناء پر آباد کیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ شہر کو نہ اس جگہ آباد کیا گیا جس کی آب و ہوا عربوں کی مزاج کے موافق حضرت سلمان اور حضرت حذیفہ نے جو کہ گویا محکمہ تعمیرات کے افسر تھے۔ اس کو حضرت عمر کے حکم سے آباد کرنا شروع کیا۔ نعمان بن منذر شاہ عرب کی اکثر عمارتیں اسی شہر کے گرد و نواح میں واقع تھیں یہاں کی زمین نہایت ہی سرسبز و شاداب اور سرخ رنگ کی ہے۔ دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ عربوں نے اس شہر کو اس قدر پسند کیا کہ وہ اسے خد العذرا (رخسار دوشیزہ) کہنے لگے۔ اس شہر نے بصرہ سے زیادہ ترقی کی۔ ابتداء یہاں کی فوجی آبادی تھی۔ لیکن بعد میں ترقی ہوئی اور یہاں بڑے بڑے ائمہ عصر گذرے۔ عہد فاروقی میں صحابہ و تابعین کا ایک گروہ تعلیم و تعلم میں مصروف تھا۔

اس کی آبادی ۱۷ھ میں شروع ہوئی۔ حضرت عمر شہروں اور عمارتوں کا نقشہ خود کھینچا کرتے تھے۔ چنانچہ حکم دیا کہ چالیس ہزار آدمیوں کے لئے مکان تعمیر کئے جائیں۔ ہر قبیلے کے مکانات جدا جدا ہوں۔ شارع عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہو۔ چھوٹی چھوٹی سڑکیں تیس تیس ہاتھ بیس بیس ہاتھ گلیوں کی چوڑائی سات ہاتھ۔ جامع مسجد ایک مربع چبوترہ پر تعمیر کی جائے۔ جس میں بیک وقت چالیس ہزار آدمی با جماعت نماز ادا کر سکیں۔ مسجد کے چاروں طرف ایک وسیع زمین چھوڑ دی جائے۔

جامع مسجد کے سامنے ذرا فاصلہ پر دو سو ہاتھ لمبا سائبان بنوایا گیا۔ جس کے ستون سنگ رخام کے تھے، یہ ستون نوشیروان کی عمارتوں میں سے نکال کر لائے گئے تھے۔ مسجد کے سامنے ذرا فاصلہ پر ایوان حکومت تعمیر کیا گیا تھا۔

فسطاط

فتح اسکندریہ کے بعد جتنے بھی یونانی وہاں آباد تھے۔ تمام نے ترک وطن کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے فاروق اعظم کو لکھا۔ کہ یونانی مکانات چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ دریائے نیل راستے میں حائل تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے اسکندریہ کو صدر مقام بنانا پسند نہ فرمایا۔ حضرت عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں پھر واپس آئے۔ یہاں ان کا خیمہ اپنی اسی حالت میں موجود تھا۔ حضرت عمرو بن العاص وہیں ٹھہر گئے اور ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنائی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے قبلہ کی تعیین ۸۰ صحابہ نے کی، یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی۔ اس شہر نے بہت جلد ترقی کرلی۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں چالیس ہزار اہل عرب کے نام درج رجسٹر تھے۔ مورخ قضاعی لکھتا ہے۔ کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶۰۰۰ مسجدیں، ۸۰۰۰ ہزار سڑکیں، ۱۱۷۰ حمام تھے، علامہ بشاری تو اسے بغداد سے بھی بڑھا دیتے ہیں

موصل

پہلے یہ مقام ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں ایک قلعہ اور چند عیسائیوں کے معبد تھے۔ اور لیکن عہد فاروقی میں اس نے ایک عظیم الشان شہر کی صورت اختیار کرلی۔ ہرثمہ بن عرفجہ نے سنگ بنیاد رکھا۔ سب سے پہلے ایک شاندار مسجد تعمیر کی گئی اور پھر باقاعدہ اس کے چاروں طرف قبائل عرب آباد کئے گئے۔ یہ شہر سیاسی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ یہی مشرق و مغرب کا دروازہ اور جائے اتصال ہے اور غالباً اسی مناسبت سے اس کا نام "موصل" رکھا گیا۔ یاقوت حموی صاحب معجم البلدان لکھتے ہیں کہ دنیا میں سیاسی حیثیت سے اہم ترین شہر تین ہیں۔ "نیشاپور" جو کہ مشرق کا دروازہ ہے۔ "دمشق" جو کہ مغرب کا دروازہ ہے۔ اور تیسرا موصل جو کہ مشرق و مغرب دونوں کا دروازہ ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص مشرق کی جانب یا مغرب کی جانب کہیں بھی جانا چاہے۔ اس کو یہاں سے ضرور گذرنا پڑے گا۔

جیزہ

یہ چھوٹا سا شہر دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص فسیح

اسکندریہ کے بعد جب فسطاط واپس آئے تو تھوڑی سی فوج حفاظت کے لئے یہاں رہنے دی تھی۔ جب فسطاط آباد ہوا۔ تو حضرت عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلانا چاہا۔ لیکن ان لوگوں کو وہاں کا منظر اس قدر بھایا کہ اس مقام کا چھوڑنا پسند نہ کیا۔ آخر حضرت عمر کو اطلاع کی گئی۔ آپ نے مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت دیدی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ وہاں ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ ۲۲ھ میں قلعہ تعمیر ہوگیا۔ لیکن قبیلہ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتے۔ ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ لوگ قلعہ کے باہر ہی آباد ہو گئے۔ اور اس طرح یہ معمولی سی جگہ تھوڑے دنوں میں ایک بڑا مقام ہوگیا۔

"عہد اموی"

اس عہد میں دمشق نے خاص ترقی حاصل کی تھی۔ اور در حقیقت خالص عربی تمدن اسی شہر میں پایا جاتا تھا۔ اور اپنے انتہائی ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے اسی شہر میں دفن بھی ہوگیا۔ بغداد اور اندلس کے اسلامی تمدن کچھ کچھ تو ضرور خارجی اثر سے متأثر تھے۔

جامع اموی

حضرت امیر معاویہ نے جب شام کو مرکز قرار دیا، اس حصۂ ملک نے بہت ترقی کی، یہاں کی تلواریں مشہور تھیں۔ آبنوس پر ہاتھی کے دانت کا کام نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ سونے کے پانی کا کام ایسا عمدہ ہوتا تھا کہ دنیا میں کہیں بھی ایسا عمدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب تیمور لنگ نے دہاوا مارا تو یہاں سے صنعت گروں کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔

ولید بن عبد الملک جب تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے ایک بے نظیر جامع مسجد کی بنیاد رکھی، جو کہ جامع اموی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد ۵۰۰ فٹ لمبی اور ۱۵۰ فٹ چوڑی ہے۔ اس میں بہت ہی بڑے بڑے مختلف رنگ کے پتھروں کے ستون لگائے گئے ہیں۔ اس کی چھت میں قیمتی ۶۰۰ قندیلیں سونے اور چاندی کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ ماہ رمضان میں اس کی زینت دوبالا ہو جاتی، اس ماہ مبارک میں بارہ ہزار قندیلیں جلتی تھیں۔

مسجد میں ائمہ اربعہ کے اعتبار سے چار محرابیں تیار کی گئیں۔ ۷۵ موذن بیک وقت اس کے تین بلند میناروں پر اذان دیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر پر ۳۰ لاکھ دینار صرف ہوئے تھے۔ مسجد ۸۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اور آج تک اسی شان و شوکت سے قائم ہے۔

"رملہ"

سلیمان بن عبد الملک نے تعمیر کرایا تھا۔ القدس سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے۔

"رصافہ ہشام"

ہشام بن عبد الملک نے بنوایا تھا۔

ہاشمیہ

عبد اللہ سفاح العباسی نے دولت بنی امیہ کے زوال کے وقت انبار کے قریب بنوایا تھا۔ جرہ کے بعد یہی مقام عبد اللہ سفاح کا دار السلطنت قرار پایا۔ (باقی۔ باقی)

(محمد عنایت اللہ۔ بی اے۔ جامعہ)

شہزادگان دکن کا عزم یورپ

جریدہ غیر معمولی کی پانچ مارچ کی اشاعت میں اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کا ایک فرمان شائع ہوا ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ شاہزادہ معظم جاہ ولی عہد سلطنت اور انکے برادر اصغر شاہزادہ معظم جاہ جنہوں نے گذشتہ سال ہندوستان کا دورہ کیا تھا سیاحت یورپ کا عزم رکھتے ہیں شہزادگان عالی وقار ۱۶ مارچ کو حیدر آباد سے بمبئی اور وہاں سے ۲۱ مارچ کو بذریعہ جہاز عازم انگلستان ہونگے مسٹر بینی مسٹر برنٹ، نواب عثمان یار الدولہ (اعلیٰحضرت کے ملٹری سیکرٹری) اور نواب نصیر نواز الدولہ اتالیق کی حیثیت سے شہزادگان کے ہمراہ ہونگے شہزادگان بلند اقبال نظم ونسق مملکت کا مطالعہ کرنیکی غرض سے ۶ ماہ تک وہاں قیام فرمائینگے اور حضور ملک معظم سے ملاقات کرینگے۔

بسفر رفتنت مبارک باد ۔!۔ بسلامت روی وباز آئی

بقیہ صفحہ ۲۸ مولنا شوکت علی پچھتا رہے ہیں اور انہی کے الفاظ کو دوہرانے پر مجبور ہونگے کہ:

"مہاتما گاندھی کی حرکت نے ہم کو ہوشیار اور متنبہ کر دیا کہ اُن (ہندو اکثریت) کی نیت اتحاد کی نہیں ہے بلکہ اسکے نام سے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانا مدنظر ہے ان میں پنڈت مالوی اور ڈاکٹر مونجے میں کچھ فرق نہیں ہے صرف اتنا کہ آخر الذکر کھلے خزانوں مسلمانوں کیخلاف زہر اگلتے ہیں اور مہاتما میٹھی میٹھی باتوں سے مسلمانوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہیں"

دراصل مولنا محمد یعقوب نے کوئی نئی بات نہیں اور سچ پوچھو تو اب ہر مسلمان کی وہی رائے ہے جو مولنا شوکت علی کی ہے کاش! مسلمان دوبارہ مہاتما گاندھی کی باتوں میں نہ آئیں! اور "آزمودہ را آزمودن جہل است" کی مصداق نہ بنیں ۔

یادِ ایّام

(از جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔)

(۱)

اے مسلم اے جانِ وفا — اے صاحبِ صدق و صفا
اے عاشقِ خیر الوریٰ — اے قبلۂ اہلِ ہدیٰ
رہتا ہے کیوں اتنا حزیں
دل گیریاں اچھی نہیں
فطرت کا تو مقصود ہے — یہ بے دلی بے سود ہے
تیرا خدا موجود ہے — لاتقنطوا پر رکھ یقیں
اے وارثِ دنیا و دیں

(۲)

یہ ذوقِ خواری تا بکے — غفلت شعاری تا بکے
یہ اشکباری تا بکے — یہ لالہ کاری تا بکے
یہ حسرتوں کا پھوٹنا
بن بن کے صورت ٹوٹنا
اے قاصدِ امید آ — بن کر ہلالِ عید آ
اے سال نو جیسے آ — کیا یاد ہے بھولا نہیں
وہ تیری صبحِ عنبریں

(۳)

اسلام کا ہونا عیاں — تھا صبحِ صادق کا سماں
وہ نور کا تختِ رواں — کرنوں کا رنگین کارواں
اک کیف برساتا ہوا
سینوں کو گرماتا ہوا
عرفان کا نور اس میں عیاں — وجدان کا نور اس میں عیاں
ایمان کا نور اس میں عیاں — عالم ہوا روشن جبیں
جاگ اٹھے سب اہلِ زمیں

(۴)

نورِ سحر کی ضو تھی یہ — موجِ صفا کی رو تھی یہ
شمعِ ہدیٰ کی لو تھی یہ — تمہیدِ دورِ نو تھی یہ
عالم کو سر اس نے کیا
سینوں میں گھر اس نے کیا
جادو ہے یہ چلتا ہوا — یا نور تھا ڈھلتا ہوا
لوگوں کے دل پھلتا ہوا — ہستی سے تا بہ جبیں
سارا جہاں زیرِ نگیں

(۵)

عرفان کی وہ چھوٹی کرن باطل پہ لوٹی کرن!
دامن کو آگے بھر گئی پل میں سنہرا کر گئی!
لعل و گوہر برسا گئی
ذروں کو بھی چمکا گئی

وُہ حق کی باطل سوزیاں کرنوں کی وہ زردوزیاں
حکمت کی جان افروزیاں تھا قلب مسلم بالیقیں
رشکِ جمالِ حورِ عیں

(۶)

کعبہ سے اک آئی گھٹا چاروں طرف چھائی گھٹا
رحمت برستی آگئی آنکھوں میں مستی آگئی
ذرّوں میں ہستی آگئی حکمت پرستی آگئی
سینوں کی سیرابی ہوئی دینوں کی شادابی ہوئی
کینوں کی نایابی ہوئی باطل ہوا غرقِ زمیں
روشن ہوا دینِ مبیں

(۷)

وُہ ابرِ عرفاں آگیا گلشن بداماں آگیا
تختِ سلیماں آگیا جینے کا ساماں آگیا
غنچے چٹک کر کھل گئے
پھولوں کو موتی مل گئے

باطل کو بربادی ملی نغموں کو آزادی ملی
جنگل کو آبادی ملی! کلیاں شیاں ہونے لگیں
ہر گل سے ٹپکا انگبیں

(۸)

دیں سب کو بھاتا آگیا جی کو لبھاتا آگیا
جلوے دکھاتا آگیا دل میں سماتا آگیا
کوثر پلاتا آگیا ہمت دلاتا آگیا
پرچم اڑاتا آگیا دھومیں مچاتا آگیا
باطل کو ڈھاتا آگیا رخشِ شہامت زیرِ زیں
حیراں ہوئے اہلِ زمیں

(۹)

ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا بندے کو آقا کر دیا
ذرّے کو صحرا کر دیا قطرے کو دریا کر دیا
کانپ اٹھے کسریٰ کے محل
سطوت میں جب آیا خلل
رومی و زنگی کانپ اٹھے مردانِ جنگی کانپ اٹھے
سارے فرنگی کانپ اٹھے ٹکڑے ہوئے حصن حصیں
اور شاہ خاکسترنشیں

(۱۰)

کچھ خاک ساروں کو لیا پھر تاجداروں کو کیا

ہسپانیہ زیرِ نگیں، رومانیہ زیرِ نگیں،
ہندوستان زیرِ نگیں، سارا جہان زیرِ نگیں
کشورکشائی ہاتھ میں، ساری خدائی ہاتھ میں
لاانتہائی ہاتھ میں، بن باسی اور صحراگزیں
ہونے لگے مسند نشیں

(۱۱)

وہ صبح صادق اب کہاں ہے اور ہی اب تو سماں
اگلے زمانے ہو چکے قصے پرانے ہو چکے
شیریں ترانے ہو چکے رنگیں فسانے ہو چکے
اب ہیں کہاں گلپوشیاں عشرت کی نوشاں نوشیاں
سوتی ہیں اب خاموشیاں اس باغ میں کچھ بھی نہیں
یورپ تھا جسکا خوشہ چیں

(۱۲)

وہ مرد غازی اب کہاں جوشِ حجازی اب کہاں
اگلے نمازی اب کہاں سینا درازی اب کہاں
جو عشق تجھہ میں عام تھا
اسلام جس کا نام تھا
اب تیرے سینے میں نہیں مکے مدینے میں نہیں
کچھ لطف جینے میں نہیں اے فاتحِ روما وچیں
جھکتی ہے کیوں تیری جبیں

(۱۳)

جوشِ اخوت کیا ہُوا کیفِ محبت کیا ہُوا
زورِ حمیت کیا ہُوا ذوقِ مودت کیا ہُوا
نجدی کہیں صوفی کہیں
رومی کہیں کوفی کہیں
آپس کی کھینچا تانیاں گمراہیاں نادانیاں
تکفیر کی طغیانیاں ٹوٹا تراحبل المتین
بکھرے سبھی در ثمیں

(۱۴)

وُہ شوق روحانی ترے وُہ ذوقِ پنہانی ترے
وُہ شغل نورانی ترے جلسے شبستانی ترے
وہ رنگ پہلے کیا ہُوئے
او رنگ پہلے کیا ہُوئے
ایراں میں ہے ماتم بپا افغاں ہے آنکھیں لال ہا
موصل میں ہے شورِ وغا ہے شام کی خونیں جبیں
سوتے ہیں ہندی نازنیں

(۱۵)

سونے سے آخر فائدہ رونے سے آخر فائدہ
ہونا تھا جو کچھہ ہو گیا کھونا تھا جو کچھہ کھو گیا
وہ رات کالی ہو چکی
بزمِ خیالی ہو چکی

اٹھ کر خدا کا نام لے ہمت سے مسلم کام لے
گرتے ہوؤں کو تھام لے فطرت ہے تیری آتشیں
بن جا نہ دردِ تہ نشیں

(۱۶)

تبدیل کر یہ زندگی! یہ زندگی شرمندگی
مقصد میں ہو تابندگی! اور عزم میں پابندگی
دل میں کلیمی شوق ہو
جی میں خلیلی ذوق ہو!
بازو میں زورِ حیدری باتوں میں لطف دلبری
ہر حال میں جاں پروری بن رحمۃ للعالمین
اے قوم ختم المرسلیں

(۱۷)

یہ دین کے شیدائی سبھی آپس میں ہیں بھائی سبھی
دولت کے متانے ہیں یہ رحمت کے پروانے ہیں یہ
کیوں تجھ سے بیگانے ہیں یہ تسبیح کے دانے ہیں یہ
لے تارِ جاں ان کو پرو دل سے لگا جو ہو سو ہو
رشتہ محبت کا نہ کھو درد ان کا اور جان حزیں
نام ان کا اور دل کا نگیں

(۱۸)

اٹھ مانگ اب حق سے دعا اے خالق ارض و سما
لے خاکساروں کی خبر آفت کے ماروں کی خبر
ان بے قراروں کی خبر ان سوگواروں کی خبر
رحمت کو ارزانی ملے ہمت کو آسانی ملے
قلب مسلمانی ملے دے ذوق ایمان و یقیں
اے روح بخش ماء و طیں

(۱۹)

ان کو عطا وہ سینہ ہو جو نور کا آئینہ ہو
وہ روح جو جان تاب ہو وہ ہوش جو بے خواب ہو
وہ جوش جو سیماب ہو وہ عشق جو بے تاب ہو
وہ کیف جو مدہوش ہو وہ خندہ جو گل پوش ہو
وہ گریہ جو خاموش ہو وہ جان کہ ہو تیری رہیں
وہ دل ہو تو جس میں مکیں

(۲۰)

سینوں میں ہوں تابانیاں ہوں شوق میں طغیانیاں
دے عزم کو جولانیاں تابندہ کر پیشانیاں
تو ایک ہے یہ ایک ہوں
یہ تیرے بندے نیک ہوں
پھر نور سینوں کو ملے برکت پسینوں کو ملے
رونق جبینوں کو ملے ایاک و بک نستعین
اے مالک جان آفریں

قدرت کی انتقامی گرفت

چاہ کن را چاہ درپیش

اعظم گڈھ کی خبر ہے کہ ایک عورت جس کے ساتھ دو بچے اور زیورات و نقدی کا صندوق تھا ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لئے تانگہ پر سوار ہوئی۔ اثناء راہ میں کسی جنگل میں گاڑی بان کی نیت بگڑ گئی اور وہ گھنے درختوں میں تانگہ ٹھہرا کر عورت اور بچوں کو اتار کر ایک درخت کے نیچے لیگیا اور عورت کی عصمت دری کے درپے ہوا۔ عورت نے ہر چند منت و سماجت کی۔ لیکن بدبخت کے سر پر بے حیائی کا بھوت سوار تھا اس نے ایک نہ مانی عورت کو مارا پیٹا اور اس قدر تنگ کیا کہ بیچاری نیم جان ہوگئی۔ آخر اسے ایک بوریا میں بند کیا اور اس نیت سے کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر زیورات کے صندوق پر قبضہ کرے۔ ایک بڑے بھاری پتھر کی تلاش میں پھرنے لگا۔ یہ قدرت کے سوا عورت کا کون تھا کہ بیچاری کی اس مصیبت میں آڑے آتا۔ بے کسی و بے بسی میں امداد غیبی کا انتظار کر رہی تھی اور بوریا میں لیٹی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی بچے بلبلا رہے تھے اور ظالم کے ہاتھوں بچنے کیلئے ایک درخت کے نیچے کراہ رہے تھے۔ ظالم بے حیا نے پھرتے پھراتے ایک پتھر پایا اسے اٹھانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے نیچے سے ایک سیاہ فام سانپ نمودار ہوا اور فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھوں پر آہنی زنجیر کی طرح لپٹ گیا اور وہ مبہوت سا رہ گیا بے بس و بیچارہ ہوگیا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کہ اتفاقاً کوئی افسر اثنائے دورہ میں ادھر سے گذرتا ہوا بچوں کے کراہنے کی آواز پاکر موقعہ پر آپہنچا۔ دریافت حال پر بوریا کو کھولا اور مظلومہ کا بیان قلمبند کیا ظالم چاہتا تھا کہ فرار ہو جائے لیکن اس کا خون منجمد ہو چکا تھا اور جنبش کرنے کی سکت باقی نہ تھی راہ گزر وہاں پہنچا اور دیکھا کہ ایک پُر ہیبت سیاہ فام سانپ اس کے ہاتھوں سے لپٹا ہے اس نے پکار کر کہا کہ اے سانپ میں اب مظلومہ کی امداد کو پہنچ گیا ہوں۔ تجھے اگر ظالم کی گرفت کے لئے خدا نے مقرر کیا ہے تو اب اسے چھوڑ دے یہ بھاگ نہیں سکتا۔ سانپ نے یہ آواز سنتے ہی اپنے بل ڈھیلے کئے اسکے ہاتھوں کو چھوڑا اور زمین پر چھلانگ کر وہیں غائب ہوگیا۔ افسر مذکور ظالم و مظلوم اور بچوں کو موٹر پر سوار کر کے صدر میں لے آیا۔ عورت ہسپتال میں داخل کی گئی۔ جہاں وہ تیسرے روز مر گئی۔ مجرم اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے دیدہ بینا کیلئے یہ واقعہ عبرت انگیز ہے تعلق خدا کو تنگ کرنا اور طرح طرح کے مظالم سے تو لوگوں کا امن برباد کرنا و زندگی کا بہترین مقصد قرار دیئے ہوئے ہیں

ندوۃ القریش

• یکم مارچ ۱۹۳۱ء کو حاضری ممبران اگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ سابقہ کارروائی پڑھی گئی اور کنفرم ہوئی سرکلر نمبر ۳ (انگریزی) سے متعلق تحصیلدار صاحبان کے جوابی مراسلات پڑھے گئے۔ اور تجویز ہوا کہ کمشنر صاحبان اور فنانشل کمشنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ندوۃ القریش کا ڈیپوٹیشن جو کم از کم گیارہ ممبران پر مشتمل ہو اس مسئلہ کو بااحسن وجوہ طے کرانے کے لئے حاضر ہو تو آمدنت اضلاع پنجاب کے سربرآوردہ قریشی حضرات جن میں زمیندار اور رئیس اور قانونی احباب بھی شریک ہوں۔ ترتیب دیا جائے۔ سیکرٹری صاحب ندوہ کو ہدایت کی گئی۔ کہ وہ بہت جلد اس کے لئے خط وکتابت شروع کر دیں اور زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ تک رپورٹ پیش کریں۔

"حافظ نسب رسول" قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی گوجرانوالہ کو ان کی شخصیت وحیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۲۴ فروری ۱۹۳۱ء کو گورنر بہادر پنجاب کی طرف سے "ڈسٹرکٹ درباری" کی سند عطا ہوئی ہے اور ان کا یہ اعزاز ہمارے لئے قابل فخر ہے اس لئے صدر مجلس کی تحریک پر ایک کے منشاء بالفاظ ذیل مبارکباد کا ریزولیوشن باتفاق رائے منظور ہوا:۔

"قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی [illegible] مستوفی [illegible] و تمام علمی تبحر کے لحاظ سے ایک قابل قدر شخصیت رکھتے ہیں۔ ان کی قابلیت وہر دلعزیزی کا اقتضا تھا کہ انہیں سرکاری اعزاز عطا ہو۔ ہم خوش ہیں کہ رائے صاحب [illegible] ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ نے مردم شناسی کی بنا پر ان کے لئے "ڈسٹرکٹ درباری" کی سفارش کی اور اس بنا پر حضور گورنر پنجاب نے انہیں اعزازی سند عطا فرمائی۔ لہذا ندوۃ القریش کا یہ اجلاس قاضی صاحب کی خدمت میں اس اعزاز پر تبریک پیش کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی جناب موصوف کی قدر دانی و مردم شناسی کا شکریہ ادا کرتا ہے"

تجویز ہوا کہ ریزولیوشن کی نقل قاضی صاحب اور ترجمہ بالفاظ انگریزی رائے صاحب کی خدمت میں ارسال کیا جاوے۔

اس کے بعد فارم ہائے ممبری پیش ہوئے جن میں سے گیارہ منظور کئے گئے اور دو زیر تجویز رکھے گئے۔ اسسٹنٹ سیکرٹری صاحب کو ہدایت ہوئی کہ وہ منظور شدہ درخواستوں کا رجسٹر میں اندراج کریں۔ اور جن حضرات کے چندے ہنوز وصول [illegible] اور آئندہ اجلاس [illegible]

گوشوارہ مرتب کرکے پیش کریں۔ جس سے معلوم ہو کہ کتنے ممبران کے ذمہ کس قدر رقم واجب الوصول ہے۔

مراسلات آمدہ از بیرونجات پڑھے گئے۔ مولوی سلطان علی صاحب انسپکٹر اور قریشی حیدر نواز صاحب رئیس کی پیش کردہ تجاویز زیر غور رکھی گئیں۔ تجویز ہوا کہ باقی خطوط کا مناسب جواب دیا جائے۔ اور یہ دونوں سلسلۂ امور آئندہ اجلاس میں پیش ہوں۔

خزانچی صاحب ندوہ کو ہدایت ہوئی کہ آمد و خرچ کا مفصل گوشوارہ آئندہ اجلاس میں پیش کریں۔ اور سیکرٹری صاحب امین صاحبان سے ۳ لغایت ۹ رسیدبکوں کا مطالبہ کریں۔ تاکہ آمد و بقایا کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد دفتر کے انتظامی کاروبار پر کچھ دیر گفت و گو ہوتی رہی۔ اور جلسہ چار بجے شام بخیر و خوبی برخاست ہوا۔

محمد طفیل حلیم فاروقی
جوائنٹ سیکرٹری "ندوۃ القریش"

بقیہ صفحہ ۳۱ "میں جیتا ہوں اور میری حرص و آز کی کوئی انتہا نہیں میری ہمیشہ سے دلی آرزو اور خواہش رہی ہے کہ میں ۲۱ کروڑ کی طرف سے نہیں بلکہ تیس کروڑ ہندوستانیوں کی طرف سے گفتگو کروں"

یہ سچ ہے کہ وہ ۳۰ کروڑ ہندوستانیوں کی نمائندگی کے دعویدار ہیں اور ان کی کوشش رہی ہے کہ ان کو تمام ہند کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے۔ اسکے لئے انہوں نے کوششیں بھی کی ہیں لیکن یہ کوششیں چونکہ خود غرضانہ مقاصد پر مبنی تھیں اسلئے ان میں کبھی حقیقی کامیابی نہیں ہوئی اور وہ مسلمان بھی جو جا دیو تا کی طرح پوجا کیا کرتے تھے ان کے اصلی مقاصد سے آگاہ ہونے کے بعد یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ مہاتما ایک کٹر ہندو ہیں اور ہندوؤں ہی کے راہنما ہو سکتے ہیں چنانچہ مولانا شوکت علی جو ان مسلمانوں میں سے ہیں۔ جن کی امداد سے مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس میں ایک بڑی حد تک گو عارضی طور پر ہی سہی۔ کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ لکھنے پر مجبور ہوئے تھے:۔

"ہم صاف کہنا چاہتے ہیں کہ مہاتما گاندھی ضرور ہندوؤں کے رہنما ہو سکتے ہیں ہم کو اس سے کچھ اختلاف نہیں مگر ہرگز ہرگز مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو ان پر اعتبار نہیں۔ بلکہ سخت بیزاری اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دوست بن کر مسلمانوں کو دھوکا دیا اور اب بالجبر مسلمانوں کو اپنے ساتھ گھسیٹنا چاہتے ہیں اور بھائیوں بھائیوں میں اختلاف کا باعث ہو رہے ہیں۔" (خلافت بمبئی ۱۳ جون سنہ ۳۰ء)

لیکن اگر مسلمان مہاتما گاندھی کی میٹھی میٹھی مگر خالی از معنی باتوں میں آ گئے تو وہ اسی طرح پچھتائیں گے جس طرح

بزمِ قریش

(۱) قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی تحریر فرماتے ہیں :۔

"۴۲ عید مبارک

برادر محترم ۔ السلام علیکم ! ابھی ابھی القریش ملا ، جس میں نصیب اعدا آپ کی علالت کا حال مندرج تھا ، قوم قریش کی کشتی کی ناخدائی کا جو بار عظیم آپ کے کندھوں پر ہے اور اس وقت تک تحفظ اور نسب اور قوم قریش کے زراعت پیشہ قرار دیئے جانے کے متعلق آپ نے بذریعہ ندوہ جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ۔ اور جو بہترین توقع آپ کے ذات کے ساتھ قوم قریش کو ہوسکتی ہیں ۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۔ آپ کے عمر طبعی تک صحت و سلامتی کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے خدا تعالیٰ آپ کو جلد تر صحت کلی عطا فرمائے ۔ تاکہ آپ بیش از بیش خدمتِ قوم سرانجام دے سکیں ۔ آمین ! مردم شماری کے موقعہ پر تحفظ قرشیت اور چند بقیہ اضلاع پنجاب میں قریش کے زراعت پیشہ قرار دیئے جانے کے متعلق آپ نے جس قدر عظیم الشان کام کیا ہے ۔ اس کے بعد اگر ندوہ اور کوئی کام نہ بھی کرے تو بھی یہ بنیادی اور تعمیری کام اس قابل ہے کہ قریش کے موجودہ اور آئندہ نسلیں آپ کو شکر گذاری کے ساتھ یاد کرتی رہینگی ۔ مژدہ صحت سے جلد اطلاع دیجئے ۔ تاکہ تسلی ہو والسلام ۔

قاضی نظیر حسین فاروقی ۔

ریٹائرڈ مستوفی ۔ 18/2/41

آپ کی ہمدردی کا بدل مشکور ہوں ۔ اب حالت رو بصحت ہے خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ جلد کام کاج کے قابل ہوسکوں گا ۔ نیازمند رونق

---

(۲) جناب شاکر اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" بھائی رونق عفا اللہ عنکم

خدا کی قسم ، حقیقی معنوں میں عدیم الفرصت ہوں ۔ ہفتے گذر جاتے ہیں کہ حرف تک لکھنے کی نوبت نہیں آتی ۔ بہرحال وعدہ کرتا ہوں کہ اگر توفیق ایزدی شاملِ حال رہی تو کبھی نہ کبھی القریش کیلئے

وقت نکال لیا کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک بات جس کی وجہ سے میں خاموش ہوں وہ یہ ہے۔ کہ اب بفضل خدا القریش کی قلمی اعانت کیلئے آپ کو مجھ سے کئی گنا بہتر ناظم ونا ثر مل رہے ہیں میرے خیال میں ان کے مضامین کی اشاعت میرے فرسودہ خیالات سے ازبس ضروری ہے۔ والسلام"

وعدہ فرمائی اور حوصلہ افزائی کا بدل مشکور رہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل قلم احباب میری اعانت فرما رہے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہوئے چاہئیں کہ آپ ایسے شاہکار اس قومی آرگن کی قلمی امداد فرمانے میں خاموشی اختیار کرلیں ؛ مدیر

---

(۳) برادران قریش یہ سن کر مسرور ہوں گے کہ برادر محترم مولانا قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی کی شخصیت و قابلیت کی قدر کرتے ہوئے حکومت پنجاب نے آپ کو ڈسٹرکٹ درباری کی سند عطا کی ہے۔ اس اعزاز پر ہم قاضی صاحب کی خدمت میں کارپردازان وقارئین کرام "القریش" کی طرف سے مبارکباد عرض کرتے ہیں۔

---

(۴) جو احباب غلط فہمی سے جلد بندی کے لئے اکتوبر ۳۰ء کے رسالہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان سے التماس ہے کہ اکتوبر کا القریش بعض وجوہات کے باعث شائع نہیں ہو سکا تھا۔ جس کا ذکر نومبر کی اشاعت میں کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اکتوبر کے رسالہ کے ہم سے طلب نا ممکن ہے [illegible] ؛

---

(۵) حکیم محمد اسحٰق صاحب علوی بیگ بہالی۔ آپ کا خط سیکرٹری صاحب ندوۃ القریش کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ امید ہے کہ فارم ممبری اور مقاصد آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اپنی قریشی برادری کو اس قومی انجمن میں شریک ہونے کی ترغیب دلا کر اپنے فرض سے عہدہ برا ہونے کے ساتھ کارکنان ندوہ کو شکریہ کا موقعہ دیں۔

---

(۶) قریشی عبدالغنی صاحب نجیب دہلی۔ آپ کے مرسلہ منی آرڈر سے آپ کا پتہ صحیح نہیں پڑھا گیا تھا۔ اب آپ کا خط ملنے پر الحمدللہ درستی اندراج صحیح کر لیا گیا ہے ؛

خوشی کا مقام ہے کہ "القریش" کے معاون [illegible] صاحب [illegible] کو بااتفاق [illegible] مقامی میونسپلٹی کے اپنی قابلیت اور ہردلعزیزی کی وجہ سے سیکرٹری منتخب ہوئے ہیں ؛

شذرات

ملکی آبادی کے صحیح اعداد و شمار معلوم کرنے کے لئے ہر دس سال بعد مردم شماری کی جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے اس بات کا مکمل انتظام کیا جاتا ہے کہ ہر مذہب قوم اور ہر فرقہ کی صحیح صحیح تعداد معلوم ہو جائے۔ تاکہ ان کے حقوق میں مساوات کا بوجہ احسن لحاظ کیا جا سکے اور ہر گروہ کو حق حاصل ہو۔ کہ وہ شمار و اعداد کے لحاظ سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر سکے۔

ہندوستان کی نیم خواب آنکھیں جب سے سوراج کا بے تعبیر خواب دیکھنے لگی ہیں۔ ملکی مفاد کو دیکھنے سے عاری ہو گئی ہیں۔ ہر جگہ نفسی نفسی کا شور ہے اور ہر شخص دوسرے کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دینے کے لئے جائز و ناجائز وسائل اختیار کرنے پر ادہار کھائے بیٹھا ہے۔

مردم شماری ۱۹۲۱ء کے رد سے یاران وطن کے کان جب ۵۶ فی صدی کے ناخوشگوار طبل نے بہرے کر دیئے اور ان کی زبان اس کے جواب سے عاجز آگئی۔ تو جدید مردم شماری جو ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی شب کو عمل میں آئی ہے کا بے تابانہ انتظار ہونے لگا۔ اور بہت عرصہ قبل اپنی تعداد بڑھانے کی کوششیں جاری کر دیں، چنانچہ وثوق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر مذہب ہر فرقہ اور ہر گروہ نے تناسب بڑھانے کی غرض سے اس قدر غلط بیانی اور دروغ بافی سے کام لیا ہے کہ مردم شماری کا اصل مقصد ہی فوت ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ شہر امرتسر کی آبادی جو ۱۹۲۱ء میں تھی۔ اس سے اِس قدر بڑھ گئی ہے کہ جدید مردم شماری کے متعلق میونسپلٹی کو عدم اعتماد کا ریزولیوشن پاس کرنا پڑا۔ بہت ممکن ہے کہ دیگر مقامات کی بھی یہی کیفیت ہو۔ دیکھیں مردم شماری کے ذمہ دار افسران کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

ہندوستانی سوراج اور آزادی کے لئے اگر ایک طرف مشغول بہ جہاد ہیں اور حصولِ مقصد کیلئے متفقہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ تو دوسری طرف ہنگامہ خیزی اور باہمی جنگ وجدل خونریزی اور سر پھٹول کا بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتے۔ بنارس کا محشر خیز ہنگامہ ان جذبات کا کھلا ہوا ثبوت پیش کر رہا ہے جو برادران وطن اپنے دِل میں رکھتے ہیں۔ وہاں انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھی گئی۔ بیدریغ چیرہ دستیوں سے کام لیا گیا۔ زیردست زبردستوں کے ہاتھوں خاک و خون میں غلطاں ہو گئے۔ بچوں، بوڑھوں اور غریب و بیکس عورتوں کی لاشیں سر راہ رسوا کی گئیں۔ مساجد و معابد جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیئے گئے۔ اگر یہی سوراج ہے اور اسی کا نام

کانگریسی حیلہ سازوں نے آزادی قرار دے رکھا ہے تو کوئی امن پسند ہستی اس آزادی کا خواہاں نہ ہوگا۔ مہاتما گاندھی اور وائسرائے میں صلح ہوگئی ہے۔ گاندھی کی چند شرائط تسلیم کرلی گئی ہیں۔ اور آئندہ گول میز کانفرنس میں اس کامل آزادی کی تمنا ہے جس سے ہندوستان کو صحیح معنوں میں ہندوستان بنانے کے ذرائع عمل میں لائے جائیں۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ تو لاریب اس آزادی کو مسلمان ہرگز ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اور ملک کو امن و امان اور چین و آرام کبھی نصیب نہ ہوگا +

مہاتما گاندھی اور لارڈ ارون میں آخر صلح ہوگئی، مہاتما کی چند شرطیں تسلیم کرلی گئی ہیں اور آئندہ گول میز کانفرنس کے انعقاد تک مہاتما اور گورنمنٹ امور ذیل کے پابند رہیں گے :۔

(۱) تحریک سول نافرمانی تمام صورتوں میں بند کردی گئی۔ (۲) کسی بھی قانون کی اجتماعی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ (۳) ٹیکس ادا نہ کرنے کی تحریک ملتوی کردی گئی۔ (۴) سول نافرمانی کی حمایت میں پمفلٹ اور پوسٹر شائع نہیں کئے جائیں گے (۵) فوجی اور سول ملازموں کو استعفیٰ دینے کی ترغیب نہیں دی جاوے گی (۶) شراب اور بدیشی کپڑے پر پرامن پکٹنگ جاری رہے گی۔ جہاں لوگوں نے تشدد و دہشت زدگی۔ یا مخالفانہ مظاہروں سے کام لیا وہاں پکٹنگ بند کردی جائے گی۔ (۷) گول میز کانفرنس میں شریک ہوگی۔ جو سکیم وہ چاہے گی پیش کرسکے گی۔

(۱) تمام آرڈیننس جو سول نافرمانی کے سلسلے میں جاری کئے گئے۔ واپس لے لئے گئے دہشت زدگی کی تحریک کے متعلق جو آرڈیننس (پرہما آرڈیننس) بنایا گیا ہے وہ جاری رہیگا۔ (۲) ٹریل لا امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت مختلف پولیٹیکل انجمنوں کو خلاف قانون قرار دینے کے لئے جو احکام جاری کئے گئے تھے وہ واپس لے لئے گئے۔ (۳) تمام پولیٹیکل مقدمات جو اس وقت عدالتوں میں ہیں واپس لے لئے گئے۔ (۴) تمام پولیٹیکل قیدی رہا کردیئے گئے ہیں۔ وہ جنکا تعلق تشدد سے نہیں۔ (۵) وہ جرمانے جو ابھی تک وصول نہیں ہوئے۔ منسوخ کردیئے جائیں۔ (۶) مقدمہ سازش میرٹھ واپس نہیں لیا جائیگا۔ نہ دیگر مقدمات سازش۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے جلسہ دہلی میں مولنٰا محمد یعقوب نے مہاتما گاندھی کو مدعو کرکے ان کے روبرو اس صداقت کا اظہار کیا۔ کہ مہاتما صرف اکیس کروڑ ہندوستانیوں کے نمائندہ ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"گاندھی جی کی تشریف آوری اکیس کروڑ ہندوستانیوں کی تشریف آوری کے مترادف ہے"

مولنٰا محمد یعقوب نے ایک بالکل سچی بات صاف دلی سے کہدی۔ لیکن گاندھی جی کو بظاہر اس کی توقع نہ تھی وہ کہنے لگے :۔

(باقی بر صفحہ ۲۸)

"القریش" کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یو۔پی، اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹۔ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر ہوا۔

اور "القریش" کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی [illegible] خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قریشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت، اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمت میں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

"القریش"

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں ✦

(وزیر ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

۷۸۶

قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔

ساداتِ قریش کا قومی آرگن

القریش

اُمرتسر

جو

بفرمانِ عالی شان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیٰحضرت تاجدارِ دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ: تین روپے

ایڈیٹر: محمد علی رونق صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

مناجات

بسوزد آتشِ غم استخوانم سخت حیرانم — بمن افتادہ مشکل المدد اے داورِ عالم
سکون صبر گم شد از دلم حالت دگرگوں شد — قرارِ ہستیٔ من برقرار ست و پریشانم
دعائے صبحگاہی ہم مرا سودے نمیدارد — بدل ضبطِ فغاں کردم مگر تن را بیازارم
توانم از حدیث غم اگر تو قصہ ام شنوی — زہائے من شدہ بیزار جملہ گوش خویشانم

طفیلِ سرورِ کونین اے داور پناہے دہ
نگونسارم بخاک افتادہ فرقم را کلاہے دہ

ترا اے حضرت باری معین بیکساں دانم — توئی ماوائے دل شدگاں چنینم ہست ایمانم
فقیراں را مدد سازی غریباں را اماں بدہی — مدد کن خالق گیتی مکن محتاج دگرانم
تمامی اہل عالم بر من حال تبہ خندند — یگانہ دار آیم بر درت از دہر بیگانم
نمی خواہی مزاج عاشقاں را تلخ فرمائی — خلاصی دہ مرا مولا ز قیدِ نفسِ شیطانم

بہ ارواح صحابۂ مقدس قبلہ گاہے دہ
شہنشاہِ شہنشاہا گدارا نیز شاہے دہ

نزیبد مرا ہرگز اگر من شکوہ ات سازم — بمیدان عمل بازیچہ اطفال میبازم
توی مسجود جملہ اہل عالم مبدعِ رحمت — زجود و فیض خود در دہر کن اے مولا ممتازم
نمیدانم من آں ساعت کہ تو بر من کرم سازی — نمیدانم من آں وقتے کہ مے در ساغر اندازم

بفیضِ سید الشہدا کرم را راستاہی دہ
مرا از رحمتت مولا بعقبےٰ عز و جاہے دہ

(نذر محمد انور)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱	بابت ماہ اپریل ۱۹۳۱ء	نمبر ۴

حقیقت کی راہ

(از جناب صاحبزادہ حضرت ظفر ہاشمی صاحب جائنٹ ایڈیٹر عالمگیر لاہور)

دنیا کا ہر متنفس اور ہر ایک چیز قدرتاً اور فطرتاً بالا استثنا "تنازع للبقا" اور "جہد للحیات" کے لئے مصروف پیکار ہے اور یہہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری و ساری ہے اور اسی رفتار سے جاری رہیگا اس زمین کے بسنے والے خواہ کسی نوع اور جنس سے ہوں، تقاضائے فطرت کے تحت وہ اپنے تحفظ و بقا کے لئے مسلسل جد و جہد میں مصروف عمل ہیں۔ ہاتھی سے لیکر چیونٹی تک ہر ذی روح اپنی اپنی قدرت و طاقت کے مطابق حفاظت خود اختیاری میں منہمک ہے۔ اسی انہماک میں "سر حیات اور رموز زندگی" پنہاں ہے ــــ!

آغاز کائنات سے لیکر لاکھوں اور کروڑوں قومیں بنی اور مٹ گئیں۔ لاکھوں قبیلے گروہ اور خاندان بنے اور مٹ گئے کبھی قومیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور عدم آباد کو سدھاریں۔ یہہ سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ یہ عروج و زوال جس طرح چلا آتا ہے چلا جائیگا ؎

آہ یہ دنیا یہ ماتم خانۂ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر

اگر ہم مختلف اقوام کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ انکی "فنا و بقا" کا اصلی راز محض اسی احساس میں مضمر ہے جسے "ایثار و جذبات" کہا جاتا ہے ــــ جہاں ایثار اور جذبۂ خدمت نہیں وہاں خود غرضی باقی رہ جاتی ہے کہ ایثاری قوتوں کے کم ہو جانیکا نام ہی "خود غرضی" ہے ــــ اور خود غرضی ہی قومی ادبار و تنزل کا باعث ہوا کرتی ہے۔ ایثار کیا ہے۔ خود غرضی اور

اور خود مطلبی کو مٹا کر بلا کسی خیالِ عوض و معاوضہ کے دوسروں کے کام آنا۔ حاجتمندوں کی حمایت و مدد کرنا۔ غریبوں اور بیکسوں کے کام آنا جس قوم میں ایثار نہیں وہاں ترقی نہیں، گویا ہر ایک قوم کی ترقی کی بنا محض "ایثار" ہے ــــــ

وہ مسئلہ جس کا حل ہم کو درپیش ہے اسی کے طرزِ عمل کی اصلاح کے لئے دو پہلو ہیں جنکو شاید "اصطلاحی" اور "معنوی" پہلو کہنا بیجا نہ ہوگا، قوم کی ترقی کے اصطلاحی پہلو کا تعلق تو اس امر سے ہے کہ دیکھا جائے بمقابلہ دیگر اقوام کے ہماری کیا حالت ہے؟ اور ہم میں کس قدر ایثار باقی ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہہ ضروری ہے کہ ہم "ابتدائی" "وسطی" اور "انتہائی" مدارج میں اپنی کمی کی وجوہات کا مطالعہ کریں۔ اور موجودہ کمی کو پورا کرنے کی تجاویز سوچیں تاکہ ہم دیگر سربرآوردہ اقوام سے پیچھے نہ رہیں ــــ ہماری ترقی کے معنوی پہلو کا تعلق بالکل دیگر قسم کے حالات سے ہے، جنکا ظہور "شائستگی" اور "روشنخیالی" کے اس طاقت بخش کرۂ ہوا میں ہوا کرتا ہے جس کا موجود ہونا انسانی تمدن کی ثمر دنیکیوں کی نشو و نما کے نہایت ضروری ہے اور ان حالات کو انفرادی اور قومی زندگی کے اعلیٰ اور لطیف مظاہر سے قریبی موافقت ہے۔

اگر یہہ کہا جائے کہ ہماری قوم کی موجودہ کوتاہیوں کی وجہ کیا ہے؟ تو میں جواب دونگا کہ محض "ایثار" اور جذبۂ ہمدردی کی کمی کیوجہ سے ہے اس کے علاوہ ہم میں "تربیتِ نفس" کا فقدان باعثِ فلاکت ہے ـــــ! میں جانتا ہوں کہ "انسانی تحریکات" ایسی وسیع رنگارنگ صورتیں اختیار کرتی ہیں کہ انکی نسبت کوئی تعمیم کرنا جو کسی ایک اور زندگی کے بیشمار مظاہر پر حاوی ہو نہ صرف گمراہ کن ہوگی، بلکہ واقعیت کے خلاف بھی! لیکن میرے خیال میں اس قدر ممکن ہے کہ کسی قوم کی اخلاقی اور مادی ترقی کے کسی مرحلہ میں اس قوم کی ان نمایاں خصوصیات کو معلوم کیا جاسکے۔ جو کہ اس کے افکار و افعال میں تواتر کے ساتھ ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور جو اس کو اسوقت دیگر اقوام سے ممیز کرتی ہیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو خاص طور پر "ایثار" اور "تربیتِ نفس" کا مرض لاحق ہے۔ اور چونکہ ہماری قوم کے خصائل میں یہ بڑا نقص ہے اسلئے ہماری خوبیاں بھی بعض اوقات عیوب بنکر ظاہر ہوتی ہیں۔ اسکی مثالیں باسانی ہماری قوم کی "دینی" اور "دنیوی" زندگی میں ملسکتی ہیں۔ مراسم مذہبی کی پابندی میں انتہائی سرگرمی مسلمانوں کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت خاندانِ قریش کے لئے ایک طرۂ امتیاز چلا آتا ہے ـــــ احکام مذہبی کے صریح منشاء کے خلاف انکا ارتقا بسا اوقات بے معنی صورتیں اختیار کرلیتا ہے وہ فراموش کر دیتے ہیں کہ اسلام کے تمام احکام میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ دینی اور دنیاوی فرائض کو ایک معقول مناسبت سے مربوط کیا جائے اور وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ اسلام رہبانیت اور معاملاتِ اُخروی میں بیجا انہماک کے خلاف ہے بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلقات میں خیر الامور اوسطہا کے پابند رہیں ـــــ!

کیا میرے سادات و قریشی بھائی اسپر عمل کرتے ہیں؟

غزل

خدا جانے کوئی نقشِ جبیں ہیں — مٹانے سے بھی ہم مٹتے نہیں ہیں
یہی ہے سرگذشتِ منزلِ دل — جہاں سے ہم چلے تھے بس وہیں ہیں
شبِ غم، درد، بے تابی، تمنا — یہی دو چار اپنے ہمنشیں ہیں
خوشی میں ہم پلٹ دیتے زمانہ — مبارکباد ہم اندوہگیں ہیں!!!
کبھی انکی بھی رفعت عرش تک تھی — ظفر جو آج پیوندِ زمیں ہیں!!

(ظفر ہاشمی)

دیوانی

(از سید ظہور احمد صاحب شاہ جہان پوری)

سرآمد خواجگان چشت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو مجھے نیند نہیں آتی تھی، دل ایسا بےچین تھا کہ کسی پہلو کسی صورت تسکین پذیر نہیں ہوتا تھا اس اضطراب وقلق کا نتیجہ یہ ہوا کہ نماز تہجد سے بھی محروم رہا فجر کی نماز پڑھکر گھر سے نکلا اور باغ و صحرا میں گشت کرنے لگا تاکہ دل کو سکون ہو اور طبیعت کا انقباض دور ہو لیکن کسی جگہ آرام وانبساط میسر نہ ہوا۔ آخرکار شفاخانہ میں پہونچا تاکہ بیماروں کے معائنہ سے دل بیمار کو کچھہ تسلی ہو۔ چنانچہ اس خیال میں کامیابی ہوئی اور میں نے دل میں شگفتگی اور سینہ میں کشادگی محسوس کی میں بیماروں کو دیکھ رہا تھا کہ میری نگاہ ایک حسینہ پر پڑی سبحان اللہ کیا صورت تھی

روئے او عکسے از چراغ حرم　قد او گلبن ز باغ ارم　زلف او دام راہ رہ طلباں　لعل او کام جان خشک لباں

چشم او چشمۂ خیز فتنۂ ناز　خال او تخم شوق اہل نیاز

لباس فاخرہ اور زیورات بیش بہا نے حسن وجمال میں اور بھی چارچاند لگادئے تھے لیکن ان تمام قدرتی عطیوں کے باوجود پھول سے رخسارے زرد اور نرگسی آنکھیں پُرآب تھیں گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں زنجیریں ظاہر کررہی تھیں کہ یہ حسن بمثال جنون محبت میں گرفتار ہے۔ یہ حالت دیکھکر حضرت سقطی حیران رہ گئے اور آپ نے بیمارستان کے داروغہ سے اس حسینہ کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ یہ ایک کنیز ہے چند روز سے دیوانہ ہوگئی ہے اس کے مالک نے شفاخانہ میں مقید کیا ہے تاکہ علاج وغیرہ سے اس کی حالت میں تغیر پیدا ہو" حضرت سقطی رح اور داروغہ کی یہ گفتگو سنکر مجنونہ بے اختیار رو پڑی اور جب گریۂ گلوگیر سے مہلت پائی تو غمگین سُروں میں یہ اشعار گانے لگی۔

معشر الناس ما جننت ولکن
انا سکرانہ وقلبی صاحی

(لوگو! میں دیوانی نہیں ہوں میں تو اس امر کی سرشار ہوں اور میرا دل فریاد کناں ہے)

اغللتم یدی ولم آت ذنبا
غیر جہدی فی حبہ وافتضاحی

(تم نے مجھے ہتھکڑی پہنا رکھی ہے۔ حالانکہ اس کے سوا میں نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ اسکی محبت میں سرگرم وسرگشتہ ہوں)

فصلاحی الذی زعمتم فسادی　وفسادی الذی زعمتم صلاحی

دتم جس بات میں میری بھلائی سمجھ رہے ہو وہ میرے حق میں برائی ہے۔ اور جس بات میں تم برائی سمجھ رہے ہو وہ میرے حق میں بھلائی ہے۔

حضرت سقطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دردناک اشعار سنکر میرا دل بیتاب ہوگیا۔ اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس حسینہ نے جب میری آنکھوں کو پُرآب دیکھا تو کہا

حسینہ۔ اے سقطیؒ یہ رونا اس کی صفت پر ہے کہ اگر کہیں اسکی ذات کو تم پہچانتے تو کیا ہوتا؟

حسینہ اتنا کہکر بیہوش ہوگئی جب کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئی تو حضرت سقطی نے کہا

حضرت سقطی "لڑکی"!

حسینہ "ارشاد"؟

حضرت سقطی تم مجھے کیونکر جانتی ہو"؟

حسینہ۔ میں اس سے واقف ہوئی تو پھر کسی سے ناواقف نہیں رہی"

حضرت سقطی میں نے سنا ہے کہ تم محبت کا نام لیتی ہو آخر کس سے محبت کرتی ہو؟

حسینہ میں اس سے محبت کرتی ہوں جس نے مجھے اپنی نعمتوں سے آگاہ کیا اور اپنی نوازشوں سے شکرگذار بنایا جو دلوں سے قریب ہے اور جو سوال کرنے والوں کو جواب دیتا ہے"

حضرت سقطی تمہیں یہاں کس نے قید کیا؟

حسینہ۔ سقطیؒ حاسد باہم مل گئے

یہ کہکر اس نے ایسا نعرہ مارا کہ دیکھنے والے اسکی زندگی سے مایوس ہو گئے دیر کے بعد ہوش میں آئی اور اپنے حسب حال اشعار پڑھنے لگی۔

حضرت سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شفاخانہ کے داروغہ سے کہا کہ اسے رہا کردو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب طوق و زنجیر کو دُور کردیا گیا تو حضرت نے فرمایا:۔

حضرت سقطی لو اب تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جاؤ

حسینہ اے سقطیؒ میں کہاں جاؤں۔ میرا کہیں ٹھکانا نہیں۔ جو شخص میرا محبوب ہے اس نے مجھے اپنے ایک غلام کا ایک مملوک بنا رکھا ہے۔ اگر میرا مالک رضامند ہو تو جاسکتی ہوں۔ ورنہ صبر کے سوا چارہ کار نہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک کنیز کا مالک شفاخانہ میں آگیا اور اس نے داروغہ سے پوچھا۔ کہ تحفہ (اس حسینہ کا نام) کہاں ہے۔ داروغہ نے کہا کہ شفاخانہ میں موجود ہے اور حضرت سری سقطی کے روبرو حاضر ہے۔

مالک یہ سنکر خوش ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کمال تعظیم و احترام کا اظہار کیا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا کہ تم نے

میری تعظیم میں اس قدر مبالغہ کیا۔ حالانکہ یہ کنیز مجھ سے بہتر ہے۔ مجھ سے زیادہ تعظیم وتکریم کی مستحق ہے تم نے اسے کیوں مقید کر رکھا ہے۔

مالک جناب عالی یہ دیوانی ہوگئی ہے۔ عجیب عجیب باتیں کہتی ہے جو عقل میں نہیں آتیں۔ نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے نہ سوتی ہے ہر وقت روتی ہے۔ اور ہم لوگوں کو مصیبت میں ڈالدیا ہے۔ افسوس یہی میرا تمام سرمایہ ہے میرے پاس جو کچھ تھا سب اسکی قیمت میں صرف ہوگیا حضرت میں نے بیس ہزار درم میں خرید کیا تھا اور امید تھی کہ اس کے اوصاف کی بنا پر کافی منفعت کے ساتھ اسے فروخت کروں گا لیکن اب نظر آرہا ہے کہ منافع تو درکنار اصل رقم سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔

حضرت سقطی اس میں اوصاف کیا ہیں؟

مالک جناب عالی یہ اعلیٰ درجہ کی گانے والی ہے۔

حضرت سقطی اس کی یہ حالت کب سے ہے؟

مالک ایک سال سے

حضرت سقطی اس حالت کی ابتدا کیونکر ہوئی؟

مالک حضرت ایک دن عود اس کے ہاتھ میں تھا اور اپنے مستانہ انداز میں اشعار گارہی تھی جب اس شعر پر پہنچی

فیا من لیس لی مولا سواہ ۔ اراک ترکتنی فی الناس عبداً

(اے وہ شخص جس کے سوا میرا کوئی آقا نہیں میں دیکھتا ہوں کہ تو نے مجھے لوگوں میں غلام بناکر چھوڑدیا ہے)

اس شعر کا ختم کرنا تھا کہ اس کا حال متغیر ہوگیا۔ عود توڑکر پھینکدیا اور زار زار رونے لگی۔ چند روز تک ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید کسی نوجوان پر فریفتہ ہے لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی۔

حضرت سقطی اچھا اس کی قیمت میرے ذمہ ہے اور منافع بھی میں دونگا۔

مالک (متحیرانہ) آپ درویش ہیں۔ آپ کے پاس روپیہ کہاں سے آیا کہ اسکی قیمت ادا کریں۔

حضرت سقطی تم گھبراؤ نہیں۔ اس جگہ موجود رہو میں اس کی قیمت لے کر آتا ہوں۔

(یہ کہکر حضرت سری سقطی شفاخانہ سے واپس چلے آئے۔ حضرت کے پاس ایک بھی درم نہ تھا۔ تمام رات گریہ وزاری اور مناجات ودعا میں بسر کی۔ ابھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا کہ کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی۔ حضرت نے دروازہ کھولدیا اور آنے والے سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا نام احمد بن مثنیٰ ہے۔ میں نے غیب سے آواز سنی پانچ بدرے سری سقطی کے پاس پہنچاؤ چنانچہ میں رقم مذکور لیکر حاضر ہوا ہوں (حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا۔ اور روپیہ لیکر شفاخانہ پہنچا۔ داروغہ نے مجھے مرحبا کہا اور کہا کہ میں نے صدائے غیب سنی جس سے تحفہ کی مقبولیت اور عظمت کا حال مجھے معلوم ہوا اسی اثنا میں کنیز کا مالک آپہنچا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں دیکھکر سقطی نے فرمایا کہ تم غمگین نہ ہو

میں کنیز کی قیمت ہمراہ لایا ہوں اور ہزار درم قیمت کے علاوہ بطور منافع بھی ہے لیکن اس شخص نے انکار کیا حضرت نے فرمایا کہ دس ہزار درم منافع لو لیکن بدستور انکاری رہا آخر حضرت نے کہا کہ اچھا قیمت کے برابر منافع لے لو۔ یہ سنکر مالک کنیز نے کہا کہ اگر ساری دنیا مجھے اس کے معاوضہ میں دیجائے تو میں نہ لونگا میں ہاتف غیب سے اسکا حال سُن چکا ہوں میں اسے خالصًا لوجہ اللہ آزاد کرتا ہوں اور خدائے رازق پر بھروسہ کرتا ہوں" یہ حالت دیکھکر احمد بن مثنیؒ نے بھی اپنا تمام مال راہ خدا میں دے ڈالا اور فقیر ہو گئے الغرض جلوۂ یزدانی کی ایک دیوانی نے کئی بندگان خدا کو واصل بحق کر دیا۔ تحفہ نے ان واقعات کے بعد لباس فاخرہ اتار دیا اور ٹاٹ کے کپڑے پہن کر شفاخانہ سے باہر چلی گئی۔ اس کے بعد عرصہ تک اسکا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ ایکدفعہ حضرت سقطیؒ احمد مثنیؒ اور مالک کنیز کے ہمراہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے تو اسے حرم میں مشغول بحق پایا اور اسی دن وہ راہئے ملک بقا ہوئی۔ عبرت! عبرت!!

ایں صفتہا وحالہائے شریعت ÷ کہ درانہا کتب شدہ تصنیف ÷ ہمہ از بہر عشق بازی تست ÷ کہ شوی در طریق عشق درست

نعت مبارک

تراوصف ہے بکمالہٖ ۔۔۔ تری شان ہے بجمالہٖ
تو بنا تو سارا جہاں بنا ۔۔۔ ترا مرتبہ بے مثالہٖ
ہے ہر ایک دل سے فدا ترا ۔۔۔ تری ذات حسن خصالہٖ
ترا وصف کیا میں بیاں کروں ۔۔۔ بلغ العلےٰ بکمالہٖ
ترے حسن کا ہو جو تذکرہ ۔۔۔ کشف الدجےٰ بجمالہٖ
تری ذات مجمع فضل ہے ۔۔۔ حسنت جمیع خصالہٖ
تجھے دیکھتے ہی پڑھیگا دل ۔۔۔ صلو علیہ و آلہٖ
تو غضب میں لطف کا کام لے ۔۔۔ تری شان جل جلالہٖ
ترے ہجر میں ہوں میں غمزدہ ۔۔۔ بہ طلب مرا بوصالہٖ
ترے در پہ میں بھی ہوں بینوا ۔۔۔ بخدا زعمہ نوالہٖ

ترا ایک نامیؔ خستہ ہے
کہ ہو اک نظر بکمالہٖ

(از نامی کوہ سوار)

نکات

(حضرت ظفر ہاشمی کے قلم دُر رقم سے)

اپنی ہستی کو فنا کر چاہتا ہے گر ثبات!
"موت" ہی گویا حقیقت میں ہے پیغامِ حیات!

تھا یہاں تسلیم خاموشی سکوتِ گل کا راز،
آہ بلبل نے کیا برہم سکونِ کائنات!

ہر نفس میں میرے پوشیدہ ہے "رازِ ہست و بود"
دل کے ہر گوشہ میں ہے اک اک جہانِ بے ثبات!

دل ہی پہلو میں نہ ہو تو کیا کریں اظہارِ درد،
کیا مؤثر ہو کسی دل پر کسی بے دل کی بات!

چار دن کی ہیں بہاریں چار دن کا ہے ثبات!
چار دن کے واسطے انساں ہے مہمانِ حیات!

تیری خاکستر میں پوشیدہ ہے سامانِ وجود!
مر کے کھلتے ہیں جہاں میں زندگانی کے نکات!

ایشیا والے ہیں اس نقطے سے اب تک بے خبر
ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات! (اقبال)

ہے حقیقت میں ظفرؔ وہ صبحِ فردا کی نوید
چشمِ ظاہر بیں جس کو دیکھ کر کہتی ہے "رات"

سیاسی مُجرم

شاہجہاں، بادشاہ اپنی خلوت گاہ میں متفکر و مغموم بیٹھا ہے اور خدام سر جھکائے حکم کے منتظر کھڑے ہیں ..... بادشاہ کے چہرہ سے تفکرات کے آثار نمایاں ہیں۔ کچھ دیر تک کسی غیر معمولی ادھیڑبن میں مبتلا رہا پھر ایک خادم کو حکم ہوا کہ داراشکوہ کو ہماری جناب میں حاضر کرو۔ خادم حکم پاتے ہی رفوچکر ہوگیا اور شاہزادہ کو اسکی اطلاع دی۔ شاہزادہ کا اچانک یہ حکم سنتے ہی رنگ فق ہوگیا اور گھبرا گیا اور دل میں کہنے لگا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے بادشاہ نے بیوقت مجھے طلب کیا ہے شاہزادہ خلوت گاہ میں داخل ہوا اور ادب سے ہاتھ باندھکر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ بادشاہ کے اشارہ سے سب خادم وہاں سے چلے گئے اور خلوت گاہ میں بادشاہ اور شاہزادہ داراشکوہ حاکم ملتان و پنجاب رہ گئے۔ بادشاہ نے اپنے چاہتے بیٹے کو گلے سے لپٹا لیا پھر کچھ دیر تک سکوت رہا۔ شہزادہ نے مُہرِ سکوت توڑی اور باادب سے کہا! اباجان! میں حاضر ہوں اور آپکے حکم کا منتظر۔ بادشاہ نے ایکبار پھر شاہزادہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا تم جانتے ہو کہ اس پُرآشوب زمانہ میں میری سلطنت کے قوتِ بازو ہمیشہ کے لئے مجھے داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ ان عمائد سلطنت کی جانشینی کے لائق میری نظر میں کوئی نہیں جچتا۔ اسی صدمۂ جانکاہ اور فرطِ غم سے مجھے امید نہیں کہ میں زیادہ عرصہ تک زندہ رہوں شاید یہی خفیف سا بخار ہی موت کا سبب ہو؟ اتنا کہکر بادشاہ خاموش ہوگیا شہزادہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ بادشاہ کچھ دیر بعد یوں گویا ہُوا میری یہ دلی خواہش ہے کہ میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو تمہارے سوا میں کسی کو بادشاہی کے لائق نہیں پاتا اب تم میری بیماری تک بھی تم میری بجائے کام کرو گے اب تمہیں چاہئے کہ نہایت استقلال و فراست سے سلطنت کا کام انجام دو۔ خوب یاد رکھو کہ بادشاہی کا زمانہ نہایت کڑی منزل ہے اسے مستقل مزاجی سے طے کرنا ہوگا۔

شاہزادہ! اباجان خدا آپ کے سایۂ عاطفت کو ہم پر قایم رکھے۔ میں آپکی ہدایت و حکم کے بموجب سلطنت کا نظم و نسق کرونگا۔ اطمینان رکھئے یہ کڑی منزل نہایت خوبی سے طے ہوگی۔ شاہزادہ باپ کا اشارہ پاتے ہی وہاں سے رخصت ہوگیا۔ بادشاہ خلوت گاہ سے خوابگاہ میں گیا۔ اور پھر انہیں خیالات میں مستغرق ہوگیا۔ دو تین دن میں بادشاہ کی بیماری میں بہت اضافہ ہوگیا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ بادشاہ اس بیماری سے جانبر نہو سکیگا۔ داراشکوہ نے سلطنت کے کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لئے بھائیوں کے نام سخت احکام جاری کئے ان کے سفیروں کو قید کردیا بھائیوں کو باپ کی بیماری سے بے خبر رکھنے کے لئے ناکہ بندی کرادی۔ دربار کی خبریں کو مخفی رکھنے کے لئے قاصدوں اور سوداگروں کو دارالسلطنت میں روک لیا گیا۔ ان سب قیود کا یہ اثر ہُوا کہ عوام کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ انتقال کر گئے ہیں اور بعض نے تو یہ کہنا شروع کیا کہ داراشکوہ نے بادشاہ کو زہر دلوا کر مار ڈالا ہے۔ شاہزادہ شجاع حاکم

بنگالہ یہ خبر سنتے ہی مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا اور بنارس کے قریب منہ کی کھائی اسی عرصہ میں بادشاہ کی بیماری میں افاقہ ہوگیا۔ دیکھا تو سلطنت کا نظم ونسق تہ وبالا تھا اپنے بیٹوں کے اپنے دستخط سے احکام بھیجے کہ اپنے اپنے صوبہ کو ہٹ جائیں۔ بعضوں نے باپ کے احکام کو جعلی سمجھا شجاع شکست کھاکر اپنے صوبہ کو واپس چلا آیا۔ اورنگ زیب ابھی تک دکن تک خاموش بیٹھا تھا کہ شاہزادہ مراد حاکم گجرات کا ایک خط اسے ملا جس کا مضمون یہ تھا کہ داراشکوہ ہماری بیخکنی کے سامان کر رہا ہے۔ شجاع کو بھی وہ شکست دے چکا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم دونوں متحد ہوکر اسکا مقابلہ کریں اور اپنی اپنی قسمت آزمائی کریں۔ اورنگ زیب نے اس کے جواب میں مراد کو لکھکر بھیجا کہ حقیقت میں داراشکوہ سلطنت کے قابل نہیں ہے۔ وہ عیش وتنعم میں پلا ہے۔ نازوں پلے شہزادہ سے سلطنت کا نظم ونسق کیا ہوسکیگا اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں نے سب سے پہلے اختتام ماہ رجب ۱۰۶۸ھ سنہ پر چین کے قریب داراشکوہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا فتح ونصرت نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔ اس شکست کی اطلاع جب بادشاہ کو ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوئے داراکو اپنے حضور میں بلا بھیجا اور کہا اب مناسب یہی ہے کہ مصالحت کرلی جائے مبادا کوئی حادثہ پیش آئے۔ شہزادہ بھلا چنگا تھا۔ بادشاہ کے ان الفاظ سے متاثر ہوکر کہا۔ جہاں پناہ اگر برا نہ مانیں تو میں ضرور عرض کرونگا کہ مصالحت ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ اب مصالحت کرنا گویا اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرنا ہے یہ مجھ سے بھی نہ ہوسکیگا۔ میں ان دونوں سے خاطر خواہ بدلہ لونگا۔ اور ان کو دنیا میں ذلیل کرکے چھوڑونگا شاہجہاں نے شاہزادہ کو بہت سمجھایا کہ وہ مصالحت کرے مگر نازپرورد شاہزادہ بادشاہ کی باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا فوج کی ازسرنو تنظیم ہوئی اور دو ماہ کے عرصہ میں شاہزادہ داراشکوہ نے ایک لاکھ کی زبردست فوج مہیا کرلی۔ ماہ رمضان کے ابتدائی عشرہ میں فریقین کا آگرہ کے قریب میدان لوگڑھ میں مقابلہ ہوا۔ شاہزادہ میدان جنگ کا مشاق نہ تھا تاہم ہاتھی کے اوپر بیٹھکر اپنی فوج نہایت جانبازی سے لڑا رہا تھا شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ شاہزادہ کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ وہ ہاتھی سے اترکر گھوڑے پر سوار اور میدان جنگ سے رفوچکر ہوگیا۔ اسکی فوج نے بھی اپنے سپہ سالار کو نہ پاکر میدان خالی کردیا۔ داراشکوہ مضطرب اپنے محل میں پہنچا شکست کی خبر پہلے سے حرم شاہی اور شاہجہاں کو پہنچ چکی تھی شاہزادہ کے داخل ہوتے ہی حرم شاہی میں شور وغل برپا ہوگیا آہ وزاری کی صدائیں بلند ہوئیں۔ داراشکوہ کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شاہجہاں نے اپنے چاہتے بیٹے کو بلا بھیجا مگر شاہزادہ نے جواب دیا کہ اب میں جہاں کی حضور میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ میں نے آپکی رائے پر عمل نہ کیا جس کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی آپ سے مل لونگا۔ اب میں پنجاب جاتا ہوں۔ فوج مہیا کرتا ہوں اگر قسمت نے یاوری کی تو پھر تخت جیت لونگا، یہ لکھکر قاصد کو دیا اپنی بیوی کے زیورات لیکر اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور آگرہ سے فرار ہوگیا۔ پنجاب پہنچا وہاں کی فوج نے اس کی حمایت کا دم بھرا۔ اس کو ایک گونہ اطمینان ہوا اورنگ زیب بھی اس سے غافل نہ تھا فوراً ایک لشکر کے ساتھ لاہور کی طرف کوچ کیا۔ جب اس کی اطلاع داراکو ہوئی تو وہ گھبراکر ملتان پہونچا لیکن جب وہاں بھی اورنگ زیب کی فوجیں پیچھا کرتی ہوئی چلی گئیں تو وہ سندھ کی طرف ہٹ گیا۔ راجہ جسونت سنگھ کو لکھا کہ میں لاچار اور مجبور ہوں ایسے آڑے وقت تمہاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔ تم پہلے بھی میری رفاقت کا دم بھر چکے ہو اور مجھے امید ہے کہ اب بھی میرے

ہو کر مجھے دہلی کا تخت دلاؤ گے۔ جسونت سنگھ شکست خوردہ شاہزادہ کی رفاقت پر آمادہ ہوگیا اور اس کو اپنے یہاں بلوا بھیجا مگر جب دارا شکوہ جودھ پور کے قریب پہنچا۔ راجہ نے بے وفائی کی اور مدد سے بالکل ہاتھ اٹھا لیا۔ شاہزادہ نے صوبہ دار احمد آباد کی مدد سے اجمیر کے مقام پر شاہی افواج کا مقابلہ کیا شکست کھائی اور چند جاں نثاروں کے ہمراہ احمد آباد کا رخ کیا۔ راستہ میں ڈاکٹر برنیر سے ملاقات کی جو شہزادہ کی موجودہ حالت دیکھکر خون کے آنسو رویا۔ احمد آباد میں بھی چین نہ ملا تو گجرات کے راستے سندھ پہنچا۔ ملک جیون نامی ایک رئیس نے ظاہرا اس کی خاطر کی مگر در پردہ کی تباہی کے پورے سامان کئے یہیں دارا کی بیوی بھی چل بسیں۔ اور دارا کو تنہا غمزدہ چھوڑ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ملک جیون نے دغا کی اور شاہزادہ کے بعد اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اور اسکی گرفتاری کی اطلاع اورنگ زیب کو دی۔ اورنگ زیب نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا مگر ملک جیون معہ شاہزادہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اورنگ زیب نے خلعت و خطاب سے سرفراز کیا۔ دوسرے دن دہلی کے بازاروں میں دارا شکوہ کی تشہیر کی گئی۔ شہر کے لوگ اس کو اس حالت میں دیکھکر زار زار روتے تھے۔ اور اسکی قسمت پر افسوس کرتے تھے۔ ملک جیون پر شہر میں لعن طعن کیگئی۔ اور اس پر اینٹ پتھر برسائے گئے۔ کہ اسکا باہر نکلنا بند ہوگیا۔ دارا شکوہ کو پرانے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

ایک دن اورنگ زیب اپنے دیوانخانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ خدام نے اطلاع دی کہ شہزادی روشن آراء حاضر ہیں۔ حکم ہوا کہ اندر آنے کی اجازت دی جائے شہزادی داخل ہوئی اورنگ زیب کھڑا ہوگیا۔ اور اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور شہزادی روشن آراء کے چہرے کو غور کی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ مسکراتے ہوئے کہا خدا کے فضل سے آج میں ہندوستان جیسے وسیع ملک کا واحد حکمراں ہوں۔ حقیقت حال پوچھو تو میں سب سے زیادہ آپکا رہین منت ہوں۔ آپ نے میری ہر زمانے میں ہر موقع پر امداد کی۔ ان احسانات کو میں اپنی عمر میں نہ بھول سکونگا اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ بدقسمت دارا بھی پرانے قلعہ میں قید ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس بدقسمت کو زندان گوالیار میں بھیجدونگا۔

شہزادی آخری جملہ سنکر چونک پڑی اور کہا کیا آپ سے قید میں رکھنا چاہتے ہیں۔

اورنگ زیب میرا تو یہی ارادہ ہے

شہزادی سیاسی نقطۂ نظر سے آپ غلطی پر ہیں آپ کو چاہئے کہ اپنے حریف کا قلع قمع کریں تاکہ آئندہ کے لئے کوئی خارشہ باقی نہ رہے۔

اورنگ زیب آپ بالکل بجا کہتی ہیں۔ کہ سیاسی نقطۂ نظر سے اس کا زندہ رہنا خطرہ سے خالی نہیں۔ لیکن میرا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے بھائی کی گردن پر تلوار چلاؤں۔ اگر قید میں اسکی سختی سے نگرانی کیجائے تو پھر ممکن نہیں کہ وہ فرار ہو سکے

روشن آراء۔ بھائی جان! یہ سچ ہے۔ یہی دارا اگر بادشاہ ہو جاتا اور آپ خدانخواستہ گرفتار ہو جاتے تو پھر میں آپ کو بتاتی رہا رشتہ کا معاملہ اس کی بھی سیاسیات میں کچھ حقیقت نہیں۔ کیا جہاں پناہ نے تخت نشین ہوتے ان سب کو قتل نہ کرا دیا تھا

جو تخت کے دعویدار ہو سکتے تھے۔ آپ غور کیجئے کہ دارا آپکا اصلی حریف ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت باقی ہے۔ اگر ذرہ بھی موقع ملا تو آپ کی خیر نہیں۔ آپ کو جلد اس طرف متوجہ ہونا چاہئے غافل مت ہو جائیے آپ

اورنگ زیب میری پیاری دانا بہن۔ آپ کی رائے معقول ہے لیکن یہ تو بتائے کیا اسپر کوئی اور الزام بھی عائد ہو سکتا ہے؟

روشن آراء۔ ہاں بیشک ہو سکتا ہے اس کے عقائد سنیوں ایسے نہیں ہیں گویا وہ لینے پردادا کا چیلہ ہے علمائے شریعت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا جائے اور ان کے ایماء سے جو تصوف کی کتابیں عربی فارسی سنسکرت میں شایع ہوئی ہیں۔ وہ بھی پیش کیجائیں اور ان سے قتل کا فتوے حاصل کیا جائے اس طرح آپ الزام سے بالکل بری ہو جائیں گے۔

اورنگ زیب۔ یہ بالکل مناسب ہے۔ میں کل ہی اس مسئلہ کو علما کے سامنے پیش کرونگا اور ان سے قتل کا فتوے حاصل کر لونگا۔"

دوسرے دن دربار میں یہ مسئلہ علمائے شریعت کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کیا گیا کہ جس شخص کے عقائد یہ ہوں اسکی کیا سزا ہونی چاہئے۔ علمائے کرام نے داراشکوہ کی تصنیف گرائی ہوئی تصوف کی کتابیں دیکھکر متحد ہوکر یہ فتوے دیا کہ وہ شخص جو اسلامی تصوف کو اس طرح بدنام کرے اس کا قتل واجب ہے۔ قتل کے بعد اسکی لاش کی تشہیر کی گئی اورنگ زیب نے خود بھی لاش کا ملاحظہ کیا تو آبدیدہ ہو گیا۔ ایک آہ سرد بھری اور کہا آہ بدقسمت!

(واحد بخش حیدرآباد)

آہ محمد سعید

یہ خبر نہایت رنج واندوہ اور کرب وملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ "القریش" کے مربی ومحسن اور قوم کے بہی خواہ حضرت مولانا کشفی شاہ صاحب نظامی کے عزیز محمد سعید چند روزہ علالت کے بعد داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

ہمیں آپکے اس صدمۂ جانکاہ سے دلی رنج ہوا دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور حضرت مولانا کو صبر جمیل عطا کرے۔ ناظرین دعائے مغفرت کریں۔ (ایڈیٹر)

(۱)

اے آسمان کے تارو قدرت کے ماہ پارو
تم نے شب سیاہ میں
ڈوبا ہوا گناہ میں
خون ضمیر کرتا، مجھکو فلک سے دیکھا!
ہو جاؤں میں مبادا چرخ بریں پہ رسوا،
شمس و قمر سے صلا کہنا نہ راز میرا
کہیں انسے مل کے آہیں
دم شام یا پگاہ میں
قدرت کے ماہ پارو اے آسماں کے تارو

(۲)

اے مسافران گردوں یہ خراج اشک گلگوں،
مرے پاپ کا فسانہ
ہے شکست جاودانہ
مرے دیدۂ ندامت رونا ہے جنکی جنت،
لائے ہیں ایسی دولت کہ نعیم کی ہے قیمت،
رکھنا ذرا امانت تم نے پئے قیامت
اس کا ہر ایک دانہ
انمول ہے خزانہ،
یہ خراج اشک گلگوں اے مسافران گردوں

(۳)

موتی زمیں میں بو کر میں سکوت شب میں رو کر
ہوں قمر کی جستجو میں
مرے باغ آرزو میں
تسکین کے پھول آئیں قدسی فلک سے لائیں
جنت کی ہوں ہوائیں غنچہ مرا کھلائیں
نغمہ بھری فضائیں مژدہ مجھے سنائیں
کہ جہان رنگ و بو میں
ہوں آب آبرو میں
میں سکوت شب میں رو کر موتی زمیں میں بو کر

(۴)

اے آسماں نشینو انوار کے خزینو،
ظلمت سے دور تم ہو
معمور نور تم ہو!
کبھی میں بھی تھا منور مرا دل بھی تھا صبح منظر
عصیاں کی شام آکر اسے کر گئی مکدر
روشن جو ہو مقدر چمکے مرا بھی اختر

نوری لبوں پہ تبسم ہو
ظلمت تمام گم ہو
انوار کے خزینو اے آسماں نشینو

(۵)

تم کا نپتے ہو تھر تھر انجام کا تصور،
اسکا سبب مگر ہے
کیا تابش نظر ہے
نہ ہے پرستشِ قیامت نہ ہے خطرۂ عقوبت،
پھر بھی تمہاری حالت ہے سربسر اطاعت
دونوں میں میری قسمت صد وائے پھر بھی رغبت
عصیاں سے اس قدر ہے
مجھے فکر بے ثمر ہے
انجام کا تصور تم کانپتے ہو تھر تھر،

(۶)

از خود چمکنے والو، بہر خدا بلالو،
مجھکو رہ کرم سے
اس عالم الم سے
گردوں کی بستیوں میں پر نور بستیوں میں،
دن رات مستیوں میں بے باک دستیوں میں،
عصیاں پرستیوں میں دنیا کی پستیوں میں
پامال ہوں میں غم سے
مجھکو رہ کرم سے
بہر خدا بلالو! از خود چمکنے والو،

(۷)

میری منتوں کی پرواہ تم کو نہیں دریغا
میں کب سے رو رہا ہوں
دامن بھگو رہا ہوں
اے زُھرہ و ثریا! دل درد آشنا کا!
جام جہاں نُما کا تمہیں کاش پاس ہوتا
چھپکر جہاں سے تنہا رکھے دل پہ ہاتھ دروا
میں چین کھو رہا ہوں
بیتاب ہو رہا ہوں
تمسکو نہیں ہے دریغا مری منتوں کی پرواہ

(۸)

تم نور میں ہوں ظُلمت عالم کا ہے تفاوت
تابش پہ تم ہو نازاں
میں عشق سے فروزاں
روشن تریں ہوں تنہے تم گرچہ ساز کُن کے
تمہیں جانِ ظلمتوں کے صورت نہیں دکھاتے
انوارِ زندگی سے یکسر مگر ہو کورے
مرا دل ہے گُلستے تاباں
عریاں ہو تم۔ وہ پنہاں
عالم کا ہے تفاوت تم نور۔ مَیں ہوں ظُلمت

(۹)

ہے عبث یہ راز داری اس کو خبر ہے ساری
تمہیں جس نے نور بخشا

نزدیک و دور بخشا!
ہر اک کا خود ہے نگراں — اسے روز و شب ہیں یکساں
اس سے نہیں ہے پنہاں — میری حدیث عصیاں
ظالم ہوا میں ناداں — اس سے رہا گریزاں
جس نے شعور بخشا
سو سو قصور بخشا
اس کو خبر ہے ساری — ہے عبث یہ رازداری

(۱۰)

میں کیوں نہ اسی کے در پر — ہمہ تن نیاز ہو کر
شب بھر بسجود صورت
رکھکر سر ندامت
اپنے کئے پہ رو لوں — لعل و گہر پرولوں،
عصیاں کے داغ دھولوں — نیکی کا بیج بولوں،
ہر ناسوا ڈبولوں، — بندہ خدا کا ہو لوں،

جاؤں اسیر رحمت
بہر نوال رحمت
ہمہ تن نیاز ہو کر — میں نہ کیوں کے در پر

(۱۱)

مجھے اس کا آسرا ہے — میں ہوں بندہ وہ خدا ہے
بس عصیاں شرمساری
ہے قبول لطف باری
رہ نا سوا سے نفرت — ہے وہ سجادۂ عبادت
ملے جس پہ خود شفاعت — آسائش قیامت
انعام دست قدرت — گلہائے باغ جنت
مجھے فضل کردگاری
ہے نوید رستگاری
میں ہوں بندہ وہ خدا ہے — مجھے اس کا آسرا ہے
(شاکر صدیقی)

اطلاع

جن برادران قریش کا سال خریداری ختم ہو چکا ہے ان سے برادرانہ درخواست ہے کہ وہ سال آئندہ کیلئے اپنا اپنا زر چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر مشکور فرمائیں اور جو احباب کسی وجہ سے آئندہ اسے جاری نہ رکھنا چاہیں وہ خاموشی اور اس کے بعد وی پی واپس کرنے کی بجائے بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیں تاکہ دفتر کو اجرائے وی پی کی تکلیف اور کارپردازان رسالہ کو انکی واپسی پر مالی نقصان نہو۔ یہ ایک اخلاقی فرض ہے امید ہے احباب اس کا احساس کرینگے۔

"نیاز مند مینیجر"

عرب کی مہمان نوازی

ہیثم بن عدی بحتری ثعلی جو دوسری صدی ہجری کا بہت بڑا عالم اور ماہر تاریخ وہیئت مانا جاچکا ہے۔ آپ بیتی کے سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کرتا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

"خلیفہ مہدی کے دربار میں عرب کی تواضع وسخاوت اور ساتھ ہی انکی کج خلقی اور بخل کے متعلق چند متضاد حکایتیں بیان کیجارہی تھیں کہ ہیثم بولا حضور! میں ایک چشم واقعہ عرض کرتا ہوں جسمیں عرب کی مہمان نوازی کے علاوہ قدرت کے ایک عجیب خود پر بھی روشنی پڑتی ہے امید ہے کہ آپ بھی میری طرح یہ واقعہ سنکر تعجب فرمائیں گے۔

اس کے بعد ہیثم نے بیان شروع کیا کہ ایک دفعہ میں ایک دوست کی ملاقات کے لئے چلا ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑگئی میں نے ادہر ادہر نظر ڈالی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا خیمہ میں ایک عورت تھی اس نے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا مہمان! بولا مہمان کا یہاں کیا کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی آٹا گوندہا۔ روٹی پکائی خود ہی کھاکر بیٹھ رہی اور میری بات تک پوچھی

تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا ہوا برتن لئے ہوئے اسکا شوہر آپہنچا۔ پہلے سلام کیا پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو میں نے کہا مہمان۔ کہا مرحبا خوب تشریف لائے پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو کھانا کھلایا یا نہیں؟ بولی نہیں۔ سنکر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جاکر عورت کے ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھالی اور مہمان کو بھوکا رکھا آپس میں خوب تکرار ہوئی مرد نے عورت کو پیٹا پھر اندر سے چھرا لے کر باہر نکلا اور میری سواری کے ناقہ کو ذبح کر ڈالا میں نے نرمی سے کہا۔ بھائی صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ کہا بخدا یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے گھر میں آکر مہمان بھوکا رہے۔ غرض گوشت صاف کیا لکڑیاں جمع کرلیا۔ بھونتا جاتا تھا اور ادہر ادہر کی مزیدار باتیں سناتا جاتا تھا گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے تو تھوڑے سے کباب عورت کے پاس لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو چپکے سے اٹھکر چلدیا میں نہایت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لیکر وہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمائیے پھر مجھے سوار کرادیا اور کچھ گوشت زادراہ کے لئے میرے ساتھ کردیا۔

چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہی ہوگئی۔ مجھے ایک خیمہ نظر آگیا جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا پوچھا کون؟ میں نے کہا مہمان۔ بولی مرحبا، تشریف لائیے پھر اٹھکر آٹا گوندہا۔ ستھرا گھی ڈال کر اسے خمیر بنایا روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لاکر رکھا اور عذر بھی کیا اتنے میں ایک بدو اعرابی آیا۔ سلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا مہمان کہا ہمارے ہاں مہمان کا کیا کام ہے؟

پھر عورت کے پاس گیا اس سے روٹی مانگی بولی میں نے مہمان کو کھلادی ہے۔ مرد سنکر نہایت خفا ہوا اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے رہے اور میں باہر ہنستے ہنستے بیخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا مجھ سے ہنسنے کا سبب پوچھا میں نے کہا کچھ نہیں کہا نہیں تمہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ میں نے اسے کہا کہ کل میں ایک بادیہ نشین کے خیمہ میں مہمان ہوا وہاں مرد متواضع ملا تھا یہاں عورت مہمان نواز ہے اور میاں بیوی میں دونو جگہ لڑائی ہوئی ہے کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے اور اسکی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔"

رخصت سرما

ہیں نکلتی سردیوں کے وہ نظر فریب منظر کہ پلٹتا مہر تاباں بھی سوئے شمال آیا کہیں پھولتی ہے سرسوں کہیں کھیت ہیں سبز نئی کونپلیں نکلتی ہیں کہیں کسی شجر سے
کھبی جاتی ہے نظر میں کہ ہے تازگی نیچر یہ بدلتا ہی موسم کہ پلٹ رہی ہے کایا کہ کب آئیگا چمن میں مجھے بھی ہے تمنا کہیں کر رہی ہے بلبل یہ سوال برگ تر سے

نظر آگیا کہ سرما کا شباب ڈھل چکا ہے نظر آئی دشت پر برف سر کوہ کیوں پگھلتی گل و غنچہ سے بھریگا وہ چمن کے ڈالیاں ہے انہیں تیاریوں میں ابھی باغبان قدرت
جو تھما ہوا تھا پانی وہ سسک کے بہہ چلا ہے جو ندی جمی ہوئی تھی وہ ذرا ذرا ہے چلتی پس پردہ ہو رہے ہیں جو بہار کے سامان دل دہر کو لوٹ لیگا وہ دکھا کے شان قدرت

نہ صبا میں ہے وہ خنکی نہ نسیم میں ہے ٹھنڈک کہ دل و جگر کو لگتی ہے یہ خوشگوار ایسی نکل آئے فصل گل کے وہ طیور گھونسلوں سے کوئی دن میں گونج اٹھینگے بہار کے ترانے
رہا کڑکڑاتا جاڑا نہ وہ سردیاں ہیں مشکل یہ بسنت کی ہوا ہے یا یہ ہے رت بہار ایسی چلی آئینگی مسرت کی صدائیں جنگلوں سے کوئی شادیوں میں گاتا ہو خوشی کے جیسے گانے

نہ چمن کے بسنے والوں کی وہ زردیاں ہیں کہ اتر رہا ہے تن سے جو لباس تھا خزانی مگر آہ جس چمن کا میں ہوں عندلیب نالاں ہوئیں مدتیں اسیں نہ کبھی بہار آئی
نہ بدن کی لاغری ہے نہ وہ رخ کی زردیاں ہیں کہ ہر اک شجر کا جوڑا نظر آرہا ہے دھانی جو گری فلک سے شبنم رہی تا سحر وہ گریاں جو صبا کہیں سے آئی تو لئے غبار آئی

(محروم)

حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی تعلیمی حالت

(عالیجناب میر علی اکبر صاحب ایم اے (کنٹب)، صدر مہتمم تعلیمات کے قلم سے)

حیدرآباد ہندوستان کی بڑی دیسی ریاست ہے جس کا رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل اور آبادی (۱۲۴۷۱۷۷۰) ہے۔ موجودہ فرمانروا ہز اگزالٹڈ ہائینس نواب میر عثمان علیخاں بہادر کے روشنخیال مسالک اور تعلیم میں جس گہری دلچسپی کا اظہار فرماتے ہیں اسکا مشکور رہونا چاہیے جس کی بدولت ان چند سالوں میں حیدرآباد نے تعلیم میں تیزی کے ساتھ ترقی کی۔ گزشتہ بیس سال کے دوران میں پبلک تعلیمی ادارات کی تعداد بڑھکر (۹۳۰) سے ۴۲۲۴ طالبعلموں کی تعداد (۶۱۶۲۲) سے (۲۶۱۶۶۸) اور راست اخراجات (۴۴۰۴۳۲) سے (۵۳۲۰۷۴۷) ہو گئے۔ اس کے علاوہ یہاں (۴۰۰) سے زائد خانگی مدارس ہیں جن کے طلباء کی تعداد تقریباً (۸۰۰۰) ہے۔ مدرسہ جانے کے قابل آبادی سے زیر تعلیم لڑکوں کا تناسب دیکھا جائے تو وہ $17\frac{1}{2}$ فیصدی ہے

انگریزی تعلیم کی ابتدائی تاریخ

حیدرآباد میں سنہ ۱۸۷۲ء پہلا انگریزی مدرسہ کھولا جو مدرسہ کہلاتا تھا۔ اس نے جامعہ مدارس کی میٹرک جماعت کے امتحان کے لئے طالب علم تیار کئے اور سنہ ۱۸۷۶ء میں ایک امیدوار کامیاب ہوا یہ ( ) مدرسہ انگریزی ہائی سکول چادر گھاٹ ہو گیا جس کے پرنسپل سنہ ۱۸۷۷ء میں ڈاکٹر اگوری ناتھ چٹوپادیا تھے۔ اس کے بعد ازاں دوم درجہ کے کالج کے مرتبہ پر پہنچا دیا گیا اور جامعہ مدراس سے اسے متعلق کیا گیا۔ سنہ ۱۸۷۹ء میں فنون کے امتحانات میں ایک طالب علم بدرجہ اول کامیاب ہوا اور کالج درجہ اول کر دیا گیا۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں ڈاکٹر اگوری ناتھ چٹوپادیا نے حیدرآباد چھوڑ دیا اور کالج کی جماعتوں کو مدرسہ عالیہ سے متعلق کیا گیا جس کے بعد یہ کالج نظام کالج کے نام سے مشہور ہوا ان پچیس سال میں جب تک کہ یہ جامعہ مدراس سے متعلق تھا اعلیٰ تعلیم کی ترقی تشفی بخش نہ تھی اس دوران میں کالج کی جملہ تعداد اوسط (۵۰) لڑکوں سے کبھی نہیں بڑھی دوسرے کلیوں کی حالت بھی جو جامعہ مدراس سے متعلق تھے بعینہٖ یہی تھی اس معمولی ترقی کا اصلی سبب میٹرک کے امتحان کی سختی تھی۔ سال سنہ ۱۹۰۵ء میں یہ امتحان اٹھا دیا گیا۔ اس کے بجائے امتحان ہائی سکول لیونگ سرٹیفکیٹ مقرر کیا گیا جو ایک بورڈ کے تحت ہے جس کا صدر ناظم تعلیمات حیدرآباد ہے۔ اس ردوبدل نے طالب علموں کی ایک کثیر تعداد کو نظام کالج میں شریک ہونے اور آسانی کے ساتھ جامعہ کا امتحان لینے کی ہمت دلائی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں نظام کالج کی تعداد (۱۰۰) تک بڑھ گئی اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تقریباً (۲۰۰) تک اور سنہ ۱۹۳۱ء میں (۱۲۰۰) بڑھ گئی۔ یہ کالج تاریخ میں بی اے آنرز (اعداد تاریخ معاشیات، حساب اور سائنیات میں صرف بی اے تک اور صرف بی ایس سی تک

حساب طبیعات اور کیمیا میں جامعہ مدارس سے متعلق کیا گیا۔ اس میں ایک بہت ہی بہتر معمل ایک اچھا کتب خانہ اور وسیع کھیل کود کے میدان ہیں

جامعہ عثمانیہ

۱۹۱۹ء سے پیشتر بعض اوقات حیدرآباد کی روشنخیال پبلک کی رائے جامعہ مدارس کے ذریعہ جو اس قسم کی اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی اس کی نسبت اطمینان بخش نہ تھی کیونکہ ۱۹۱۴ء تک یہ بالکل امتحان لینے والا ادارہ بنگیا تھا جس کے زیر انتظام ایک وسیع رقبہ تھا۔ انگریزی معیار کا بے ضرورت اونچا تھا اور نصاب تعلیم میں ہندوستانی اور مشرقی مضامین پر کافی زور نہ دیا تھا ۱۹۱۷ء کے اوائل میں نواب سر حیدر جنگ بہادر نے جو اسوقت مملکت آصفیہ کی حکومت کے محکمہ تعلیمات کے معتمد تھے ہز اگزالٹڈ ہائی نس نے اس رائے سے اتفاق فرمایا اور اپریل ۱۹۱۷ء میں ایک جامعہ عثمانیہ کے قایم کرنے کے لئے صاد فرمایا جس میں اردو ذریعہ تعلیم اور انگریزی لازمی دوم زبان قرار دی گئی اس جامعہ کے مقاصد جو فرمان میں صاف طور پر واضح ہیں وہ یہ ہیں۔

جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جس میں دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلباء کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو۔ اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام بھی جاری ہے اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دیا جائے۔ مگر انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔ اگرچہ اردو ممالک محروسہ کی ایک کثیر آبادی کی مادری زبان نہیں لیکن یہ ریاست کی سرکاری زبان ہے۔ اور بہت وسیع طور پر سمجھی جانے والی زبان ہے۔

۱۹۱۹ء کلیہ جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا۔ اور فنون سائنس اور دینیات کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ اسوقت دو اول درجہ کے ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے اور تین انٹرمیڈیٹ کالج موجود ہیں جو جامعہ سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ ایک کلیہ قانون۔ ایک کلیہ طب اور ایک کلیہ انجنیرنگ بھی جامعہ سے متعلق موجود ہے۔ کلیہ زراعت کے جاری کرنے کی کارروائی جاری ہے اور افتتاح کے وقت جامعہ کی اسکیم پر مخالفت کیگئی کہ اردو میں اچھی کتابوں کا فقدان ہے لیکن ایک دارالترجمہ قایم کرنے سے جامعہ نے اردو میں ضروری درسی کتابوں کے فراہم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس دفتر کا کام جامعاتی تعلیم کے تمام مضامین تاریخ، سیاسیات، معاشیات۔ فلسفہ قانون۔ ادب۔ طب۔ سائنس، حساب اور انجنیرنگ پر مشتمل ہے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں (۴۰۰) کتابوں کا ترجمہ ہوا۔

تمام کلیوں میں جو جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہیں (۹۰۰) سے زائد طالبعلم ہیں۔ جامعاتی تعلیم کے جملہ اخراجات تقریباً ۰۰۰۰۰۰ ہیں باقی طالب علم اوسط (۴۵۲) روپیہ کا خرچ ہے۔ حیدرآباد میں ایک بہترین رسدگاہ ہے جو ۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ کے انتظامات کے تحت کر دی گئی۔

جامعہ عثمانیہ کے افتتاح سے حیدرآباد کی تعلیم کی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا۔ اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے سے خیالات کی روانی اور اظہار میں بڑی سہولت ہوئی کیونکہ جامعہ عثمانیہ نے دیگر جامعات ہند کی طرح واقعتاً انگریزی کے اعلیٰ معیار کو جاری رکھا اس حقیقت کی کسی طرح تردید نہیں کیجا سکتی۔ کہ اس جامعہ کے طالب علموں کو بہ نسبت ہندوستان کے دیگر جامعات کے طالبعلموں کو بہ نسبت ہندوستان کے دیگر جامعات کے طالبعلموں سے تحصیل علم میں اور مختلف مضامین کے اچھی طرح سمجھنے میں زیادہ سہولت حاصل ہے۔

خوابِ یوسفؑ

ایک دن یوسف یہ اپنے باپ سے کہنے لگے
مجھ کو حیرانی بہت ہے رات کے اک خواب سے

سجدہ کرتے تھے مجھے گیارہ ستارے باربار
حضرت یعقوب یہ سنکر گہر افشاں ہوئے

تم نہ اپنے بھائیوں سے خواب یہ اپنا کہو
شائد ان میں سے دغا بازی کوئی تم سے کرے

بھائیوں نے کچھ دنوں کے بعد ٹھیرائی صلاح
لیگئے یوسفؑ کو بھی بکری چرانے کے لئے

حضرتِ یوسف کو اک اندھے کنوئیں میں ڈال کر
خاک اڑائے اور روتے پیٹتے واپس ہوئے

باپ نے پوچھا مرے نورِ نظر کو کیا کیا؟
خوں بھرے کپڑے دکھا کر سب کے سب کہنے لگے

ہم چرا کر بکریاں ساماں کے پاس آئے جب
ہائے اسکو پھاڑ کر لیجا چکے تھے بھیڑئیے

گوشِ دل سے اب ادہر کا حال سنئے اک ذرا
جا رہے تھے مصر کو سوداگروں کے قافلے

رحمتِ حق جوش زن تھی حالتِ معصوم پر
اک پیاسا قافلہ گذرا کنوئیں کے پاس سے

ڈول پانی کا غلامِ شیخ نے لٹکا دیا
یوسف اس میں بیٹھ کر چپکے سے باہر آگئے

شیخ نے لیجا کر اس کو بیچ ڈالا مصر میں
رفتہ رفتہ خود عزیزِ مصر یوسف ہوگئے

ایک مدت تختِ شاہی پر رہے جلوہ فروز
خشک سالی جب ہوئی کنعان سے آئے قافلے

باپ نے دربار میں بیٹے کی خود تعظیم کی
گیارہ بھائی آتے ہی سجدے میں سر تا سر ہوئے

مسکرا کر تب کہا یوسف نے اپنے باپ سے
آج معنی خواب کے میری سمجھ میں آگئے

(طالب الہ آبادی)

بصائر و عبر

متاعِ غرور

دولت و ثروت، عزت و حشمت، جاہ و جلال، عروج و اقبال، صحت و سلامتی۔ آل و اولاد اور تمام کی تمام وہ چیزیں جو بلندی و برتری اور آرام و آسائش سے متعلق ہوں اپنے قبضۂ قدرت میں لینے کے لئے انسان اس قدر بیقرار رہتا ہے۔ کہ اسے قانون الٰہی کی پروا تک نہیں رہتی۔ خدائی طاقت کو وہ اپنی اس بے بضاعتی کے باوصف بھی کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق اس کے سامنے جھکے، سر نیاز خم کرے اور اسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسے مجال نہ ہو

ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، غریب ہو یا تونگر، فقیر ہو یا دنیادار، غلام ہو یا آزاد، رذیل ہو یا شریف، فرمان فرما ہو یا فرمانبردار اپنی تمناؤں کا شکار اور بزعم خود ذاتی بڑائی کے نشہ میں چور ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو شہنشاہوں میں لڑائی، تاجداروں میں چھیڑ چھاڑ، صوفیوں میں جنگ اور دنیا داروں میں کشمکش کا سبب ہوتی ہے۔ یہی ایک ولولہ ہے جو تا دم زیست انسان کو سکون و اطمینان اور چین و آرام نصیب نہیں ہونے دیتا۔

انسان اس قسم کی ناکام تمناؤں کے حصار میں محصور اور خام خیالیوں میں گھرا ہوا ہے مگر کس قدر ذلیل و رذیل ہے وہ شخص جو دوسروں پر اثر ڈالنے، رعب جمانے اور انہیں مرعوب اور زیردست کرنے کے لئے اپنی قوتیں صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ قدم قدم پر ٹھوکر، منزل منزل پر پچھاڑ کھانے کے باوجود بھی خدائی وعید اس کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ اور اپنی ضد اپنی ہٹ اور اپنی کد پر قایم رہ کر اپنے ہمجنسوں کو نقصان پہونچانے کے منصوبوں سے باز نہیں آتا۔ ذرا ذرا سی بات پر برہم ہونا اور بگڑ جانا وہ انسانی زندگی کا بہترین مقصد سمجھتا ہے۔ کوئی بات طبع عالی کے خلاف پائی اور ولولوں کے سمندر میں تلاطم بپا ہوا۔ سر پر غرور میں ایک ہیجان اور کھوپری میں ایک جوش پیدا ہوا۔ آنکھوں میں تیرگی اور کانوں میں سناٹا چھا گیا۔ اب حیوانیت سر پر سوار ہے اور انتقامی ولولوں میں خدائی ٹھیکیدار بنکر مارا مارا پھرتا ہے۔ مغضوب الغضب اپنا زہر اگلنے کے لئے جائز و ناجائز ہر پہلو اختیار کرتا ہے دوڑتا ہے، بھاگتا ہے، ہانپتا ہے، کانپتا ہے۔ مگر واہ ری قدرت کاملہ تو اس دیوانے کی ایک نہیں چلنے دیتی۔ اس کی تمام دوڑ دھوپ رائیگاں، اور سعی و کوشش اکارت، وہ کسی کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ کڑھنے، جلنے اور کوسنے دینے کے سوا اب اسکی تسلی کا کوئی سامان نہیں اور اس امید پر زندہ ہے۔ کہ اچھا آج نہیں کل ہی اپنی ہستی منوا کے چھوڑونگا۔ یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک کلا بل تکذبون بالدین و ان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون ۔ ترجمہ:- اے انسان تجھکو اپنے پروردگار کرم گستر کے باب میں کس چیز نے دھوکہ دیا۔ وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور تیرے اعضا کو ٹھیک کیا اور تیرے قامت کو معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا مگر ہیہات تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو

حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہے۔ عالی قدر، ساری باتوں کے لکھنے والے جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں)

(۲)

اچھا بھلا تھا اسے کیا ہوگیا، تلملاہٹ ہے اور بیزاری۔ ڈاکٹر بلایا گیا، دوائی پلائی گئی مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا، درد ہے، اور شدت کا بخار، تکلیف سے کسی پہلو چین نہیں غشی ہو جاتی ہے۔ آنکھیں کھلی رہجاتی ہیں تین دن رات سے جان توڑ رہا ہے۔ مرض بڑھ رہا ہے اور مایوسی و ناامیدی کا عالم۔ ڈاکٹر صاحب لاعلاج قرار دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کیا کرینگے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے اپنا فضل کرے شفا دے مایوس نہیں ہونا چاہئے لیکن عنوان اچھے نہیں، کوئی دم کا مہمان ہے، رات بڑی مصیبت سے کٹی۔ مریض بے حس و حرکت پڑا رہا، اب وہ کسی کو شناخت نہیں کر سکتا۔ پانی منہ میں ڈالو، ڈاکٹر کو بلاؤ، یہ کیا ہوگیا۔ بدن سرد ہے اور نبض ساکت اس نے دیکھا اس نے پوچھا۔ موت کا گمان، کرب و بلا کا عالم، گھر ماتمکدہ ہے۔ یہ آوہ آ۔ ایک مجمع ہوگیا۔ وہ سرکش ہستی، اور سر پر غرور جو کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور دنیا کی ہر شئے پائے حقارت سے ٹھکرا رہا تھا تختہ زمین پلٹ دینا بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتا اور مخلوق کی روزی چھین لینے پر بزعم خود قادر تھا وہ جو اپنے تئیں خدائی فوجدار سمجھتا تھا بے بس اور مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔

دم واپسیں رک رک کر آتے ہیں۔ اور جان توڑ رہا ہے۔ اب نہ وہ شیخی ہے اور نہ وہ غرور، وہ جوش ہے نہ ولولے، نہ کوئی یار و انجلیس ہے نہ مشیر و ہمنوا احباب و اقارب اسکی اس تکلیف کو اس کے کردار و اطوار، عادات و خصائل اور اعمال و افعال کی وجہ قرار دیتے ہوئے عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہیں

کئی روز ہوگئے۔ حالت میں فرق نہیں آیا، کوڑی کوڑی خرچ ہوگئی۔ علاج جاری ہے، دنیا بامید قایم عجب نہیں کہ جان بخشی ہو جائے۔

(۳)

شان ایزدی اب راضی ہے، صحت عود کر رہی ہے۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی، ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ۴۲

(خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں)

مگر کشمکش موت و حیات نے خیالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے، وہ اپنی گذشتہ کارگذاریوں پر نادم و خجل ہے اور اپنی زبان سے جسے کمزوری کی وجہ سے ابھی قوت گویائی حاصل نہیں خدا کی ضمانت و تیمار داروں سے کہتا ہے۔ توبہ توبہ بڑی زحمت اور مصیبت تھی۔ شکر ہے کہ جان بچی۔ انسان اپنے کئے کی سزا پاتا اور ضرور پاتا ہے میں نے دنیا کو دنیا نہ سمجھا۔ انسان میری آنکھوں میں چیونٹی سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، جھوٹ، جعل سازی، دغا و فریب اور دل آزاری میرا قماش اور یہی وجہ معاش بنا رکھی تھی۔ خدا کی خدائی کو بھولا ہوا شیطانی وسوسوں کا شکار رہ کر وقت فتن و فساد میں گذرتی، بیماری و موت کا خیال تک نہ تھا، مگر چھ ماہ کے اس عرصہ

میں میرا تمام عُجب وغرور اور کبر ونخوت خاک میں مل گیا ہے۔ اب خدا کی عبادت کرونگا۔ افعال قبیحہ سے اجتناب اور اعمال شنیعہ سے
سے محترز رہکر زندگی بسر کرنا میرا فرض ہوگا۔

قادر وتوانا عز اسمہ سرکش ومتکبر ہستیوں کو ڈھیل دیدیتا ہے۔ واملی لھم ان کیدی متین ۲۹/۴ (اور میں انکو مہلت دئے جاتا ہوں میری تدبیر قوی ہے)، تاکہ وہ اپنے مکروہ حالات کی اصلاح کریں۔ اس کے عذاب سے ڈریں اور حیات انسانی کے مقصد وحید کو پاکر سلامتی کی راہ اختیار کریں۔ لیکن جن کی تربیت صحیح اور صحبت کامل نہ ہو اور جنکی جبلت وفطرت اس رعائت سے مستفیض ہونے کی اہلیت نہ رکھتی ہو، صراط مستقیم پر نہیں آسکتے۔ مریض اس وقت تک جب تک کہ امراض مہلکہ کے اثرات باقی رہے شرافت ونجابت سے زندگی بسر کرنے کا اقرار کرتا رہا لیکن جونہی کہ ذرا ہاتھ پاؤں سیدھے ہوئے، چلنے پھرنے کی طاقت ہوئی، ہم جلیس دوستوں کا مُنہہ دیکھا۔ ان تمام باتوں کو بھُول گیا، اب پھر وہی شیطنت وفسق وفجور اور وہی جور وتظلم، وہی شر وفتن اور وہی حرکات بدلوحی مردم آزاری اسکی توبہ اور توبہ شکنی اسکی عبادت، رسی دراز ہے اور ہمچو ما دیگرے نیست کا مصداق نہ خوف خدا نہ شرم پیمبر، فاعتبروا یا اولی الابصار،

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ؛ گر کافر وگبر وبت پرستی باز آ،
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ؛ صد بار اگر توبہ شکنی باز آ،

فسادات کانپور کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر واقعہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"فسادات کے آغاز میں گوالٹولی کے بزدل [illegible] نے ایک ایسی عورت کے مکان پر حملہ کیا جو تنہا تھی۔ خاتون موصوفہ ایک افسر کی اہلیہ ہیں جو دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ جب حملہ آور تمام محلے کے مکانوں کو آگ لگا چکے تو ان کے مکان کو بھی نام نہاد ہندو سورماؤں نے آگ لگادی۔ جب اس بہادر خاتون نے دیکھا کہ اب اس کی جان پر آبنی ہے تو اس نے فوراً اپنے شوہر کی بندوق اٹھائی اور ایک ہوائی فائر کردیا مگر حملہ آوروں نے اس کی پروا نہ کی اور دروازے توڑ کر اندر گھسنا چاہا اس پر موصوفہ نے فائر کرکے سات آٹھ بزدلوں کو زخمی کیا پھر کیا تھا بزدلوں کے ہجوم میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اور انہوں نے دُنیا دم بھاگنا شروع کردیا اس گئے گذرے زمانہ میں اس مسلم خاتون نے قرون اُولٰے کی مسلم خواتین کی داستان شجاعت کو زندہ کردیا

(انقلاب)

میری سرگذشت

نمبر ۹

موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے نومبر ۱۸۹۴ء کے وسط میں ہم کوئٹہ سے واپس زیری جانے کے لئے براہ درہ بولان روانہ ہوئے جس کا موسم ان دنوں کچھ خوشگوار سا ہے اس درہ کی تاریخی اہمیت اور تفصیلی کیفیت نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کیونکہ یہ ہندوستان اور وسط ایشیا کے ملنے کا دروازہ ہے اور ازمنہ ماضیہ میں متعدد شاہان زمانہ مع اپنے لاؤ لشکر کے اس درہ ہی کی راہ سے گذرے ہندوستان اور افغانستان کی تجارت کے لئے یہ نہایت مفید اور ضروری راستہ ہے۔ ایام ماسبق میں قندھار، ہرات اور شہمد وغیرہ کے سوداگر اس درہ ہی سے آمدورفت رکھتے تھے کیونکہ انکا لین دین عموماً شکارپور اور سکھر (علاقہ سندھ) کے ساہوکاروں کیساتھ تھا اور شکارپور کے اکثر سوداگر بھی قندھار اور بخارا میں تجارت کا کام کیا کرتے تھے۔

کوئٹہ سے لیکر ڈھاڈر تک اس درہ کا تمام تر فاصلہ ۹۰ میل ہے۔ جس کے حصص حسب ذیل ہیں۔ کوئٹہ سے سری بولان تک قریباً چالیس میل یہ علاقہ سردار کورد اور سردار سہتک زئی وغیرہ سے متعلق ہے۔ سری بولان سے ڈھاڈر کی حدود تک قریباً پچاس میل۔ یہ حصہ اقوام مری کے متعلق ہے جو درۂ بولان میں موقعہ پانے پر قافلوں کو عموماً لوٹا کرتی تھیں چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مردم مری کی غارتگری کی وجہ سے اس درہ کی آمدورفت چند سالوں کے لئے مسدود ہوگئی تھی اور قافلہ درۂ بولان کی بجائے جھالاوان کے علاقہ سے گذر کر براہ درۂ مولہ آیا جایا کرتے تھے۔ جس میں سوداگروں کو بعد مسافت کی تکلیف کے علاوہ زیر بار اخراجات بھی ہونا پڑتا تھا۔

۱۸۷۳ء سے پیشتر بعہد میر خداداد خاں والئے بلوچستان کوئٹہ سے ڈھاڈر کو آنیوالے اور ڈھاڈر سے کوئٹہ کو جانے والے قافلوں پر محصول بالترتیب کوئٹہ اور ڈھاڈر ہی میں وصول کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ ہر دو مقام اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے درۂ بولان کے دونو سروں پر واقع ہیں۔

کوئٹہ اور ڈھاڈر میں انتظام حفاظت قافلہ جات اور وصولی محصول کے لئے نائبان خان قلات معہ دستہ ہائے فوج تعینات رہتے تھے۔ اور پانچروپے فی بار شتر سنگ یعنی محصول اور ڈیڑھ روپیہ فی بار بدرقہ وصول کیا جاتا تھا۔ رقم محصول خالصہ حق خان قلات تھی اور رقم بدرقہ میں سے دو ثلث سردار کورد اور ایک ثلث سردار سہتک زئی لیتا تھا۔

بولان ہی وہ درہ ہے جسے تجارت کی غرض سے کھلا رکھنے کی بنا پر ۱۸۷۶ء سے بلوچستان کے تصرف انگریزی میں آنے کا آغاز ہوا اور بعہدنامہ مستونگ کے رو سے مستقل طور پر اس ملک میں انگریزوں کے قدم جم گئے۔

اس درہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں بباعث جنگ افغانستان جب افواج انگلشیہ سامان رسد اور تجارت کی آمدورفت اس درہ سے ہوئی تو مبلغ تیس ہزار روپیہ سالانہ عوضانہ سنگ، محصول، بحق خانصاحب والئے قلات اور نو ہزار روپیہ عوضانہ بدرقہ بقرار بالا سردار کورد اور سردار سہتک زئی کے لئے منجانب گورنمنٹ انگلشیہ مقرر کیا گیا۔ اور پھر درۂ مذکور کلیۃً انتظام انگلشیہ کے

زیر انتظام او رزیر تحت ہوگیا۔ جس کے بعد وصولی سنگ اور بدرقی کا رواج یکسر موقوف کردیا گیا۔ جس سے قافلہ جات اور عوام کی آزادانہ آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بعد ازاں کئی لاکھ روپیہ کے مصارف سے گورنمنٹ انگریزی نے آمد ورفت کی سہولت کے لئے ایک پختہ سڑک جسے "جرنیلی" کہتے ہیں کوئٹہ سے رندعلی متصل ڈھاڈر تک طیار کرائی اور اب اس میں کئی کروڑ روپیہ کے خرچ سے ریلوے لائن ہوائی جارہی ہے۔ جسے بنتے ہوئے میں نے بچشم خود دیکھا۔

سنہ ۱۸۸۳ء سے پیشتر یہ کیفیت تھی کہ مردم بروہی سردی میں خراسان سے علاقہ کچھی اور گرمی میں کچھے سے خراسان کو آتے جاتے وقت جب تک چار پانچ سو نفری کی تعداد میں اور مسلح صورت میں جمع نہیں ہوجاتے تھے۔ اس وقت اس درہ سے بآسانی نہیں گذر سکتے تھے۔ کیونکہ مردم مری کی طرف سے تاخت وتاراج اور غارتگری ڈاکہ زنی کا ہر وقت اندیشہ رہتا تھا۔ اور اب گویا مثل بازار کے ہے جسمیں صدہا غیر مسلح ہندوستانی بھی مستورات بآسانی آتے اور جاتے ہیں۔

ہماری داستان سفر کا سلسلہ بقرار ذیل ہے کہ کوئٹہ سے چل کر ہم "دشت" میں پہونچے جسے اس لحاظ سے کہ یہ ایک وسیع بے آب وگیاہ چٹیل میدان ہے "دشت بیدولت" بھی کہتے ہیں۔ یہ کوئٹہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس کے دو حصے ہیں (۱) دشت کلاں جس کا طول قریبًا چالیس میل اور عرض قریبًا چالیس میل (۲) دشت خورد۔ طول قریبًا ۲۰ میل اور عرض قریبًا تین میل۔ موسم سرما میں یہاں تند ہوائیں چلتی ہیں۔ اور شدت کی برفباری ہوتی ہے۔ اور سردی پڑتی ہے۔ اسی مقام کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ سابق ایام کے موسم سرما میں یہاں ایک قافلہ شب باش ہوا جس کا باردانہ مجیٹھ پر مشتمل تھا۔ رات کو اچانک برفباری شروع ہوگئی۔ قافلہ کے بعض افراد نے اپنی جانوں کا بچاؤ مقدم جانا اور مجیٹھ سے ایندھن کا کام لیا۔ وہ تو بچ گئے اور جنھوں نے اپنی جانوں کے مقابلہ میں مجیٹھ کا بچاؤ مقدم سمجھا وہ سردی سے اکڑ کر مرگئے۔

سارے درہ بولان میں بلحاظ سردی یہی ایک خطرناک مقام ہے اور باقی حصہ درہ میں سردی مثل علاقہ کچھی کے ہے۔ قوم کرد کے سرکردہ افراد دشت خورد میں رہتے ہیں جنکا قومی سردار ناندنوں یار محمد ہے۔ ہم نے یہاں بہت زیادہ قیام نہ کیا۔ اور چند گھنٹے آرام کرنے کے بعد غروب آفتاب پر بمقام "مچھ" ( ) پہونچے جو دشت سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر برلب سڑک دامن کوہ کے نیچے واقع اور مجسٹریٹ بولان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اور سطح سمندر سے ۳۲۵۱ فٹ بلند۔ یہاں کی سردی معتدل ہے۔ اور یہ مقام علاقہ کچھی اور علاقہ خراسان کی حد فاصل ہے۔

مچھ سے موضع رندعلی تک کرایہ کے تانگے مل گئے۔ اس لئے سواری کے گھوڑے راتوں رات رندعلی بھجوا دیئے گئے اور صبح مچھ سے رندعلی تک قریبًا ۴۲ میل کا سفر بذریعہ تانگہ طے کیا گیا۔

ڈھاڈر سے کوئٹہ کو جاتے ہوئے درہ بولان وادی رندعلی کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ اور دورویہ پہاڑوں سے گھرا ہوا چون میل تک پانچہزار فٹ کی بلندی تک پہونچتا ہے۔ جس میں جابجا آب رواں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں اور چشمے ہیں۔ پانی میٹھا اور خوشگوار ہے۔ لکڑی اور چارہ بھی مل سکتا ہے۔

رندعلی سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر شہر ڈھاڈر ہے اور خان قلات کے نائب کا ہیڈکوارٹر۔ درۂ بولان کے دہانہ پر واقعہ ہونے کی وجہ سے اصل نام "دہان ور" ہے جو بگڑتے بگڑتے ڈھاڈر ہو گیا۔ میں نے لبے دور سے ایک نگاہ دیکھا اسوقت یہ بات کارپردازان قدرت ہی کے علم میں تھی۔ کہ اس سے سواچودہ سال بعد بحیثیت مستوفی نیابت ڈھاڈر کا اعلیٰ افسر مقامی کیا جاؤنگا ——" رندعلی سے روانہ ہو کر ہم قریہ سنی میں پہونچے جو معتبرین قوم جتوی کا مسکن ہے۔ ۲۹ درجہ ۹ دقیقہ شمالاً ۷۰ درجہ ۴۳ دقیقہ شرقاً شہر بھاگ کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ یہ گندہک کی کانوں کیلئے مشہور ہے جو اس سے بارہ میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب کی طرف واقعہ ہیں۔ قریہ کے مرکز میں گنبد والی مسجد ہے یہاں کا پانی بلحاظ عمارگی علاقہ کچھی میں مشہور ہے۔ گاؤں کے قریب ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں ایک لاکھ کے قریب قبریں بیان کیجاتی ہیں موضع سنی جتوئیوں کی جاگیر ہے اور اس کے گردونواح میں تاریخی دلچسپی کا خاصہ مواد موجود ہے۔ چنانچہ شہر خانپور کے پرانے کھنڈرات سنی کے شمال مغرب کی جانب چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اور خانپور کی بڑی بڑی پرانی گلیوں کے نشانات اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔ چونے کی بنی ہوئی ایک پرانی مسجد کے کچھ کھنڈرات بھی شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ خانپور اس علاقہ میں ایک مشہور شہر تھا جسے سندھ کے خاندان کلہوڑہ کے عہد حکومت میں ہڈکری، دمیال، بابی اور جات وغیرہ اقوام نے آباد کیا تھا اب اسے خانپور کہنہ کہا جاتا ہے جس کے شمال مغرب کی جانب دو میل پر "جاندر ہیر" کا مشہور تاریخی میدان جنگ واقعہ ہے جہاں ۳۱-۱۷۳۰ء میں سندھ کے مردم کلہوڑہ اور بلوچستان کے مردم بروہی کے درمیان جنگ عظیم واقعہ ہوئی۔ اور اس لڑائی میں میر عبداللہ خاں دخان قلات مارا گیا۔ اور پھر اس کے خونبہا میں بحکم نادر شاہ پادشاہ افغانستان علاقہ کچھی صوبۂ سندھ سے جدا ہو کر خان قلات کو دیا گیا نادر کا پولیٹیکل مقصد اس سے سندھ کے فرمانروا خاندان کلہوڑہ کی ملکی اور جنگی طاقت کو اس طریق پر کمزور کرنے اور خان قلات کو اپنی حمایت میں لینے کا تھا۔ چنانچہ وہ مقصد بالآخر پورا ہوا

اس مقام پر ایک مسجد کا نشان نظر آتا ہے۔ جو ایک باغ سے محدود ہے۔ جسے میر باغ کہتے ہیں میر نصیر خان اعظم دخان قلات) نے اپنے مرحوم باپ میر عبداللہ خان کی یادگار میں یہ مسجد بنوائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ میر عبداللہ خاں کی لاش میدان جنگ سے نہیں مل سکی تھی اب مسجد کھنڈرات کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اور باغ کسمپرسی کی حالت میں ہے۔

سنی سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک اور مقام موسومہ "چاکر ماڑی" آثار قدیمہ کے لحاظ سے دلچسپی کے قابل ہے یہاں ان مکانات کے کھنڈرات ہیں جنہیں میر چاکر بیدا اقوام رند بلوچ رہا کرتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی میں جب قوم رند کیچ مکران سے اور قوم لاشاری بھنبور سے اس ملک میں داخل ہوئی۔ تو رند سردار شہک تھا۔ اور لاشاری کا سردار گہرام۔ شہک کے بعد اس کا بیٹا میر چاکر سردار قوم رند ہوا جو بلوچوں میں بہت مشہور اور نامور سردار ہو گذرا ہے سیوی میں جسے اب سبی کہا جاتا ہے اب تک ایک پرانا قلعہ موجود ہے جسے میر چاکر ہی نے بنوایا تھا۔

۱۵۴۰ء میں جب ہمایوں نے ہندوستان پر براہ درۂ بولان فوج کشی کی تو اس نے میر چاکر کو بھی مدد کیلئے طلب کیا تھا میر چاکر

اور اس کی حسن خدمات کے صلہ میں علاقہ سستگڑہ (دست گھرہ) واقع منٹگمری اسے بطور جاگیر عطا کیا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کر لی۔ اور وہیں فوت ہوا۔ چنانچہ مقبرہ میر چاکر بطور نشان وہاں موجود ہے

بلوچستان کے مختلف حصص کے پرانے زمانہ کے تاریخی نشانات اب مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ کاش کہ بروہی اور بلوچ اپنے ناموس آبا و اجداد کی یادگار زمانہ یادگاروں کے برقرار رکھنے کے لئے کوئی سنجیدہ توجہ دے سکتے۔ اور وہ حوادث روزگار دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ سکتیں۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی۔ مستوفی (ریٹائرڈ)

"نعت"

رتبہ ہے کس کا اب ترے رتبہ کے سامنے
جب عرش پست ہے ترے روضے کے سامنے

روضہ ہے اب تو رشک صد لامکاں ترا
کعبہ ہے ایک اور یہ کعبے کے سامنے

جنگ بدر میں زلزلہ کفار میں پڑا!!!
ٹھیرا نہ ایک بھی ترے جذبے کے سامنے

بخشش خدائے پاک شفاعت تری قبول
کس کی چلیگی تیرے وسیلے کے سامنے

بہر خدا ادہر بھی ہو الطاف کی نظر
در پہ کھڑا ہوں کب سے میں پردے کے سامنے

محشر میں عاصیوں کا بجز تیرے کون ہے
ہے فخر ہم کو اپنے نصیبے کے سامنے

کیا نالہ و فغاں میرے بیکار جائیں گے
ہوں اشکبار کب سے دریچے کے سامنے

وہ مرجع عوام یہ مجموع خاص و عام
مکے کی شان کیا ہو مدینے کے سامنے

نامی قصیدہ خوانوں میں ہلچل سی ہو گئی
کس کی چلیگی تیرے قصیدے کے سامنے

(نامی کوہ سوار نظامی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حالات ریاست مذکور پالن پور کا ریاستی خاندان بکسریہ پٹھان نامور اور بہادر نسل سے ہے۔ پانسو سال قبل مقام بکسر واقع بنگال سے یہاں وہ ابتدائے عہد اسلامی سے متمکن تھے۔ راجپوتانہ میں وہاں کے انقلابات سے موقع پاکر مقام جالور واقع جنوبی مارواڑ میں قابض ہو کر رئیسان مارواڑ سے معرکہ آراء رہے۔ اور اپنی مقبوضہ جگہ معہ علاقہ کو ہاتھ سے نہ دیا اور حمایت و خدمات سلاطین مغلیہ سے شرفیاب ہوتے رہے۔ عالمگیر بادشاہ کے وسط عہد میں جبکہ وہ ریاست جودھپور کو ضبط کر کے فسادات دکن کے دفعیہ کو اس طرف مع افواج کثیرہ عازم ہوا۔ تو میدان خالی پاکر راجہ اجیت سنگھ پسر راجہ جسونت سنگھ سابق والئی جودھپور نے جو ملک مقبوضہ کی بازگیری کو حملات کرتا پھرتا تھا قلعہ جالور پٹھانوں سے رزم آرائی میں چھین لیا۔ ان لوگوں نے شاہی امداد طلب کی جو عالمگیر کے دکن میں مصروف جدال و قتال ہونے سے نہ مل سکی لیکن عالمگیر نے نواب مجاہد خاں جالوری کو براحم خسروانہ پرگنہ پالن پور واقع شمال گجرات عطا فرمایا۔ اسوقت سے تاحال یہ خاندان اس علاقہ پر قابض و حکمران ہے۔ سرکار انگریزی سے کل اختیارات حکمرانی حاصل اور گیارہ توپ سلامی مقرر ہے۔ ریاست کی خالص سالانہ آمدنی بارہ لاکھ روپیہ ہے۔ یہاں کا حکمران خاندان دیگر جملہ مسلمان رئیسان ہندوستان سے قدیم تر ہے اور پانسو سال سے اول جالور پھر پالن پور پر ریاست کر رہا ہے۔

واپسی از پالن پور و داخلہ جاورہ نواب صاحب بہادر پالن پور اپنے یہاں مؤرخ صاحب کے زائد قیام کے خواہاں تھے۔ لیکن آپ بوجہ بعض ضروریات کے چوتھے روز وہاں سے راہی ہوئے قبل روانگی نواب صاحب نے گراں بہا رخصتی خلعت عطا فرمایا۔ جب آپکی بگی ریاستی محلات کے قریب سے گذری تو نواب صاحب بہادر نے محل کی سقف سے رخصتی سلام علیک فرمایا۔ آپ نے سواری سے ایستادہ ہو کر جواب میں آداب عرض کیا اور روانہ ہوئے۔ گلاب میاں نے اسٹیشن تک مشایعت کی۔ نواب صاحب بہادر مرحوم والئی پالن پور کی مثال خلق مجسم و منکسر مزاج رئیس کم دیکھے گئے۔

ملاقات نواب صاحب جاورہ پالن پور سے واپس آکر ایک روز بسواری بگی جو سرکار جاورہ کیطرف سے بھیجی گئی تھی آپ نواب صاحب افتخار علی خاں کی ملاقات کو مردانہ محل پر تشریف لیگئے۔ نواب صاحب کرسی نشین تھے۔ آپکو بھی بعد ادائے آداب وجواب کے دوسری کرسی نشست کو عطا ہوئی۔ علاؤ

سفر و عزم روانگی کا تذکرہ ہو کر آپ رخصت ہوئے۔ چلتے وقت آپ کو نواب صاحب نے انعام عطا کیا۔ نواب صاحب جاؤرہ بھی ملاقات و مکالمت میں بہت خلیق و سادہ مزاج ہیں لیکن بعد وفات خان بہادر یار محمد خاں دیوان کے جو مورخ صاحب کے بھی عنایت فرما تھے کوئی قابل شخص ریاست میں نظر نہ آیا۔

واپسی وطن و ولادت فرزند عامر عباس } اگست ۱۹۱۵ء میں جاؤرہ سے مورخ صاحب امروہہ تشریف لائے اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۵ء بروز یکشنبہ بعد از غروب آفتاب فرزند راقم عامر عباس پیدا ہوا، بمزید احتیاط کچھ عرصہ بعد مجھکو مع میری والدہ ماجدہ کے جاورہ میں میری ننھیال میں پہونچا یا گیا۔ اور مورخ صاحب ملازمت پر روانہ ہوئے۔

تبدیلی جسرانہ ضلع مین پوری } ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو آپ کی تبدیلی نامرغوب مقام لانور سے مقام جسرانہ ضلع مینپوری کو ہوئی۔ یہاں کی آبادی مختصر لیکن دل پسند تھی۔ تحصیلدار عبید الحق آپکے قدیم دوست منشی امین الدین سابق تحصیلدار کے فرزند۔ آپ کے ساتھ نہایت خلوص و اتحاد برتاؤ کرتے رہے اور ضلع جج یونن صاحب بھی بڑے قدر فرماتے تھے۔ لیکن [illegible] صاحب د[illegible] ۔ انسپکٹر جنرل رجسٹری نے بقاعدہ پچپن سالگی آپ کی پنشن کی رپورٹ گورنمنٹ کو کردی۔ آپنے اس کے خلاف اپنے قابل کار ہونے کے باعث ہوم صاحب لفٹنٹ گورنر کو اپیل کی۔ جس کا جواب انہوں نے عدم مداخلت رائے انسپکٹر جنرل کی بنا پر دیا۔ بہرحال یکم اپریل ۱۹۱۷ء کو سب رجسٹراری کا چارج تحصیلدار صاحب مقام کو بحکم انسپکٹر جنرل دیکر آپ وطن تشریف لے آئے۔ آپکا جانشین کچھ عرصہ بعد وہاں گیا۔ مقام جسرانہ ریلوے اسٹیشن شکوہ آباد سے بارہ میل فاصلہ پر واقع ہے۔

گشت دہلی و مراسم خاندان لوہارو } چونکہ آپکی زوجۂ ثانیہ کا رشتہ مادری ارکان خاندان لوہارو سے ہے بایں تعلق ۱۹۱۱ء میں آپ مع زوجہ و فرزند راقم دہلی جاکر دولتکدہ ہمشیرہ صاحبہ مرزا سعید الدین خاں صاحب پر جو نواب صاحب لوہارو امیر الدین احمد خاں صاحب کے چچا ہوتے ہیں۔ قیام ہوا اسوقت نواب صاحب لوہارو بھی وہاں رونق افروز تھے۔ ان سے آپکو شرف حصول نیاز کا موقع ملا۔ نواب صاحب موصوف بڑے خوش خلق و خوش کلام رئیس ہیں۔ اُن کے برادر خورد میرزا نصیر الدین احمد خانصاحب کے یہاں بھی جو آپکی زوجہ اور میری والدہ کے خالو ہوتے ہیں بتواضع تمام مہانداری عمل میں آئی۔ اس کے علاوہ نواب صاحب کے ہمجدی برادر مرزا شجاع الدین خانصاحب کے دیوانخانہ پر جو خوش طبع اور بامذاق بزرگ تھے۔ بارہا بے تکلفانہ قیام رہا۔ ان کے برادر خورد مرزا سراج الدین احمد خانصاحب تخلص سائل سے بھی متعدد بار ملاقات کا موقع ملا۔ وہ نہایت فصیح البیان شاعر ہیں، اور مشہور شاعر مرزا خاں داغ کی دختر انکی زوجیت میں داخل ہے۔

خانہ نشینی در وطن و املاک } مورخ صاحب نے کار سب رجسٹراری چار مقامات گنور، نگینہ، سدھور، جسرانہ میں

پندرہ سال آٹھ ماہ انجام دیکر سرکاری پنشن پائی۔ بوجہ عدم مصروفیت کار وسط ۱۹۱۸ء میں ایک باغ انبہ قلمی وامرود وغیرہ جنوبی سواد شہر امروہہ میں سوت ندی کے نواحی میں نصب کیا۔ جو تا ایندم سرسبز اور بارآور ہے۔ علاوہ آٹھ بسوہ معافی موضع یعقوب پور بلوچ کے جو زوجہ سابقہ مطلقہ کے ثلثانی نان ونفقہ میں فیصلہ ثالثی سے دیا گیا ہے۔ ایک ثلث موضع شیخوپورہ ایہ کی زمینداری جسکا بعد کو محال سفید قایم ہوگیا ہے۔ جسکو راقم کے نام مورخ صاحب نے خرید کیا۔

تعلق ٹھکانہ سونکھیڑہ ایک ٹھکانہ یعنی جاگیر ساڑھ ہزار سالانہ کی ماتحت ریاست گوالیار کے ریاست جاورہ سے پندرہ میل فاصلہ پر بنام سونکھیڑہ واقع ہے وہاں کے ٹھاکر صاحب نے مورخ صاحب کے نام دو تین تار روانہ فرمائے جنمیں عہدہ سکرٹری دینے کا بیان تھا۔ آپ نے اس وجہ سے کہ فرستندہ تار سے مطلق آشنا نہ تھے۔ وہاں جانے میں پس وپیش کیا۔ آپکے بڑے قدرشناس دوست رائے بہادر منشی شیو نرائن کایستھ ماتھر نے جو عہد اکبر شاہی سے دیرینہ رئیس ہیں اور جو اول درجہ کے مجسٹریٹ سرکار انگریزی کے حکم سے تھے۔ اور بعد وفات مذکور الصدر کے انکے فرزند سعادتمند بابو کاشی نرائن آجکل اسسٹنٹ کلکٹر اعزازی کام کرتے ہیں فرمایا کہ آپکی شہرت بیرونی مقامات خصوصًا ریاسات خودمختار میں زائد ہے۔ آپکو ضرور جانا چاہئے بمطابق رائے رائے بہادر کے آپ جاورہ تک پہونچے تو ریلوے اسٹیشن پر منشی عثمان خاں اندوری جو آپ کے زمانہ کامداری ریاست سیتامئو میں وکیل ایجنسی تھے۔ آپ کے لینے کو نظر آئے۔ اور یہہ جملہ کاروائی انہیں کی تحریک سے تھی۔

واپسی از سونکھیڑہ بوطن جو ملاقات ٹھاکر صاحب سونکھیڑہ نے کار عدالت مال وفوجداری مورخ صاحب کو سپرد کیا جسکی بابت اول درجہ کے اختیار ریاست گوالیار سے حاصل تھے۔ کام بموجودگی اہلکاران ماتحت کے مورخ صاحب انجام دیا کرتے تھے اور کاغذات پر حاکمانہ دستخط ٹھاکر صاحب کے ہوتے تھے چونکہ سونکھیڑہ میں لحمی غذا میسر نہ تھی اور علی الدوام دال ترکاری زیادہ کھانا آپ کو مرغوب نہ تھا نیز وطن میں مقدمات جاری دائر تھے جنکا سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے ٹھاکر صاحب سے بہ تحت تمام رخصت حاصل کی۔ انہوں نے یکصد وپنجاہ روپیہ ماہانہ کے طور پر آپکو عطا فرمایا۔ ماہ نومبر ۱۹۲۴ء کو آپ وطن واپس آگئے۔

ضعف بصارت وقدح چشم بوجہ تصانیف کثیر چونکہ ابتدائے عمر سے مورخ صاحب کو دشت خواندگی مصروفیت زائد رہی مسودہ نویسی ومضامین نگاری کا مشغلہ بہم درپیش رہا۔ اودھ اخبار لکھنؤ۔ اخبار خیرخواہ عالم دہلی۔ راجپوتانہ گزٹ اجمیر۔ سجن کیرتی اودیپور۔ البشیر اٹاوہ۔ مسلم پونہ اور صحیفہ القریش امرتسر کے صفحات سنین ماضیہ اس امر کے شاہد حال ہیں۔ تاریخ تحفہ راجستان۔ تاریخ مغربی مالوہ۔ تاریخ بہنائے۔ تاریخ ہندوستان وسوانح عمری رسول مقبول ودیگر مندرجہ رسول نمبر اور صدیقی نمبر ومطول تقریظ تاریخ پالن پور ودیوانہائے مکمل اردو وفارسی آپکے نادر تاریخی واقعات سے پر ہیں۔ بوجہ ملازمت گورنمنٹ

خشابات کے بسنت سالہ استعمال کیوجہ سے آنکھوں سے سیلان رطوبت متواتر ہوتا رہا۔ ستر سال کی عمر تک بلا عینک کار نوشت وخواند انجام دیتے رہے جب بصارت از حد ملدر ونا قابل کار ہوگئی تو دہلی جاکر ۳۰ راکتوبر ۱۹۲۹ء کو سول ہسپتال کے ماہر چشم ڈاکٹر محمد بشیر امرتسری سے عمل قدح چشم کرایا۔ ایک گھنٹہ تک خاص ادویہ ڈالکر آنکھ بے حس کیگئی پھر آلہ قادح سے ایک منٹ میں غدود چشم نکالکر پٹی باندھ دیگئی۔ عمل قدح میں مطلق تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ گویا سلائی سے سرمہ لگا دیا گیا۔ دو ہفتہ ہسپتال رہنے کے بعد رخصت روانگی ملگئی۔ ڈاکٹر صاحب نہایت اخلاق مجسم اور سادہ مزاج شخص ہیں۔ دوران معالجہ میں منشی سید محمود رضا امروہوی نے جو آپکی جاگیر کی واصلات کا بھی کام کرتے ہیں جو کچھ مؤرخ صاحب کی تیمار دارانہ خدمات خلوص دل سے کیں وہ ہرگز قابل فراموشی نہیں۔ آپ چشمۂ خاص کے ذریعہ سے کسی قدر لکھ لیتے ہیں پڑھنا دشوار طلب ہے دوسرے چشمہ سے بازار و باغ تک ضرورتاً جاتے رہتے ہیں۔

خدمات کا عملی اعتراف نہ ہو تو حوصلہ افزائی نہیں ہوسکتی معترف کی قدردانی اس وقت تک بے سود و بے معنی ہے جبتک کہ وہ اپنے اعتراف کا کوئی عملی ثبوت پیش نہ کرے ۔

موقت الشیوع جرائد و اخبارات اور بالخصوص وہ رسائل جو کسی قوم یا فرقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجوزہ لکیر پیٹنے پر مجبور ہیں طباعت و اشاعت کے اخراجات کی پریشانیوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے جب تک کہ متعلقین اسکی امداد و یاریگری نہ کریں ۔

"القریش" کی خدمات کا زبانی و کلامی اور لفظی اعتراف تو بہت ہو رہا ہے لیکن اس کا اسوقت تک کچھہ فائدہ نہیں جب تک معترف حضرات اس کی توسیع اشاعت کی جانب خاص توجہ نہ دیں ۔

ہم افسوس سے ہی نہیں بلکہ رنج و ملال سے اس حقیقت کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے بعض مہربان اور کرم فرما ہماری خدمات کے اعتراف میں لفظی حدود سے نکلنا گوارا نہیں کرتے توسیع اشاعت کی جانب توجّہ تو وہ کیا دیں گے اپنا زرچندہ بھی نہیں بھیج سکتے ۔ اور اگر دفتر اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر اجرائے وی پی کی غلطی کا مرتکب ہو جائے تو اسے بے دریغ واپس کر دیتے ہیں انہیں اپنے قومی خادم کے مالی نقصان کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا جس قوم کے دردمندوں اور بہی خواہوں کی قومی حِس کا یہ عالم ہے اس کی موت و حیات کا اندازہ کرنا کچھہ مشکل نہیں ۔

بعض احباب نے وسط دسمبر میں اطلاع دی کہ وی پی نہ کیا جاوے چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیا جائے گا ۔ تعمیل کیگئی اور انتظار ہونے لگا ۔ ۱۵ مارچ تک ۳ ماہ کے عرصہ میں بھی جب وعدے ایفا نہ ہوئے تو وی پی کیئے گئے جو انکی قومی حمیت کا نوحہ کرتے ہوئے بخیر و خوبی واپس آ گئے ۔ تین روپے سالانہ چار آنے ماہوار یا ڈیڑھ پائی یومیہ کے مقابلہ میں نہ اپنے عہد کا پاس اور نہ ہماری خدمات کا لحاظ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

ہم ان برادران حمیت کے اسم گرامی پر بطیب خاطر خط نسخ کھینچتے ہیں اور کارساز مطلق پر بھروسہ کرتے ہوئے ان حضرات کی دردمندیوں سے ہاتھ اٹھاتے ہیں ۔ رفع حجت کے لیئے باقیماندہ حضرات کے نام وی پی کیئے جا رہے ہیں ۔ اگر انکی طرف سے بھی خیر اندیشی کا یہی ثبوت پایا تو اس پر بھی بادل ناخواستہ یہی عمل کیا جائے گا

ناظرین جرائد و رسائل کو اپ ٹو ڈیٹ دیکھنے کے متمنی ہیں ۔ کاتب کی بیماری ، ایڈیٹر کی علالت یا کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے اگر پرچہ بروقت نہیں ہوتا تو طعن و تشنیع کے پہاڑ سر پر گرنے شروع ہو جاتے ہیں ۔ اس قسم کی جلی کٹی سنائی جاتی ہیں کہ زندگی تلخ ہو جاتی ہے ۔ لیکن اپنی کمزوریوں اور خامیوں پر کوئی توجہ نہیں دیجاتی وی پی کسر شان سمجھا جاتا ہے منی آرڈر کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا ۔ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیا جائیگا لکھہ کر خاموش ہو جانا فیشن قرار دے رکھا ہے مگر اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ سینکڑوں روپے ماہوار کا خرچ آخر کہاں سے پورا ہوگا کارپردازان جرائد قاروں کا خزانہ تو رکھتے نہیں ۔ پھر اگر ہم زرچندہ دینے کی توفیق نہیں رکھتے تو بے نقط بھی کیوں سنائیں ۔

بہرحال مخصوص احباب کے اس رویہ سے ہم تنگ آ گئے ہیں اور

اعلان کرنے پر مجبور ہیں کہ جو احباب بروقت او راپ ٹوڈیٹ چندہ ادا نہیں کر سکتے وہ قبل اس کے وی پی کی واپسی سے ہمیں مزید نقصان پہونچا کر ہماری دل آزاری کا موجب ہوں اطلاع دیدیں تاکہ ہم ان کا نام رجسٹر سے کاٹ دیں۔ اور فضول توقعات کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور ہم دلجمعی سے کسی نتیجہ پر پہونچ سکیں۔

خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے القریش کے معاونین میں ایسے زندہ دل اور حساس بزرگ بھی موجود ہیں جو القریش کی خدمات کا عملی اعتراف کرتے ہیں اور قومی ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے اسکی امداد و اعانت میں زر نقد قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور سچ پوچھئے تو حضور نظام عالی مقام کے تلطفات خسروانہ کے بعد انہی حضرات کی توجہ اور کرمفرمائی پر اس پرآشوب زمانہ میں القریش جاری ہے۔

مولانا مسعود الرحمن صاحب ہاشمی رئیس ایک علم دوست اور مخیر بزرگ ہیں آپ نے ماہ جنوری میں بلا طلب و تحریک از خود ایک سوکی گرانقدر رقم ارسال فرمائی تھی اور اب برادر محترم مولانا کشفی شاہ صاحب نظامی نے پچاس اور قریشی انوار الحق صاحب عباسی نے پچاس روپے کی رقم ارسال فرماکر اپنی حمیت قومی علم دوستی کا عملی ثبوت پیش کیا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزا

یہ ہے احساس و اعتراف، اور یہ ہے حمیت و حمایت مگر

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جناب کشفی خدا انہیں اپنے حفظ امن میں رکھے، نیک دل، نیک سرشت، اور نیک طینت واقع ہوئے ہیں۔ اسلامی درد دل میں کوٹ کوٹ بھرا ہے، آپ نے خدمت اسلام۔ خدمت خلق اللہ اپنی زندگی کا بہترین مقصد قرار دے رکھا ہے۔ یوم اجراء سے ہی آپ القریش کے مربی و محسن ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ سے اسکے خیر اندیش و بہی خواہ رہے ہیں جس کے لئے ہم بیحد مشکور و ممنون ہیں

اللہ کرے ہو حسن عمل اور زیادہ

شذرات

بنارس میں ہندو مسلم فساد اور سخت فساد ہوا انسانی خون کی ندیاں بہہ گئیں، کانپور کا محشر خیز ہنگامہ قیامت صغریٰ کا نمونہ ہے اخبارات نے عینی مشاہدہ کی بناء پر جو واقعات سپرد قرطاس کئے ہیں وہ نہایت دردناک ہیں . . . . حیرت ہے کہ انسان کیونکر درندے بن گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان خونخواروں نے معصوم بچوں کے سینے چاک کر دئے انہیں چیر دیا گیا۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ دیں [illegible] کے اکلوتوں کی گردنیں اڑا دیں اور وہ کیا کچھ نہ کیا جو ان کے امکان میں تھا۔ ایک اخباری بیان مظہر ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ انسان خاک و خون میں غلطاں و پیچاں ہو گئے۔ آگرہ میں فتن و فساد کا سیلاب اٹھا اور خرمن امن بہا لے گیا۔ مرزا پور میں قتل عام اور [illegible] میں طوفان بے تمیزی برپا ہوا امرتسر کے ایک گاؤں کوٹ دہر محمد میں خون خرابہ ہوا۔ یہ اسوقت کے حالات اور کوائف اور

اور پیش آمدہ واقعات ہیں جبکہ "خود سوراج" کا پرتو نہیں پڑا آزادی سے ہمکنار نہیں ہوئے اور جب یہ سب کچھ ہو گیا خدا نہ کرے حکومت اختیاری کی محبوبۂ طناز ہاتھ آگئی۔ تو پھر کیا ہوگا ہر ذی ہوش ماہر ذی شعور، نکتہ سنج اور دقیقہ رس انسان اسکا اندازہ بلا تکلف کرسکتا ہے۔ یہ ان ہاتھوں کی شمشیر زنی ہے۔ یہ ان ٹانگوں کی دوڑ دھوپ ہے جو بقول شخصے ہنوز قانون انگریزی کی آہنی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان دماغوں کی اختراع ہے جو ملکی حکومت نے مختل کر رکھے ہیں اور جذبات رقابت کے اظہار کی تدابیر پر غور کرنے کے قابل ہیں۔ یہ ان لوگوں کی سفاکیاں ہیں جو ہنوز غلام ہیں اور آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ایک پا بہ زنجیر، مختل دماغ۔ غلام اگر اس طرح بے خوف و خطر اور بیباکانہ خون کی ندیاں بہا سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ آزاد ہو کر کیا کچھ نہ کریگا۔

ایک طرف یہ فتنہ آرائی ہے تو دوسری طرف مطالبات کا ہنگامہ، ہر شخص بجائے خود دامن پھیلائے اور منہ کھولے کھڑا ہے اور وطن کے مفاد و مضار کا کسی کو کبھی خیال نہیں

ہندو مہاسبھا کی خواہش ہے کہ:۔

فہرست رائے دہندگی واحد، انتخاب مشترک نشستیں مخصوص طریق رائے دہندگی یکساں اور مذہبی و معاشرتی تحفظات لیگ اقوام کے منظور کردہ قوانین کے مطابق ہوں۔ اکثریتوں کے تحفظ کا سوال کسی صورت میں بھی سامنے نہ آئے مگر سکھ پنجاب میں فرقہ وارانہ اکثریت اور مخصوص نشستوں کے مخالف ہیں وہ اپنی قومی قربانیوں کی بنا پر ۳۰ فیصدی مطالب ہیں۔ مسلمان ان دونوں سے جداگانہ نقاط رکھتے ہیں اور معرکہ خیزی ہو رہی ہے۔ سلیم العقل صحیح الدماغ لوگ حیران ہیں کہ یہ جھگڑے کیوں اور کس لئے ہو رہے ہیں خونابہ فشانی کی وبا بنارس سے اٹھ کر آگرہ، کان پور، مرزاپور اور راناؤ وغیرہ سے ہوتی ہوئی عالمگیر ہو گئی تو میدان صاف ہے نہ کوئی رہیگا اور نہ جھگڑے ہوں گے اور اگر تقسیم سوراج کے لئے اس قدر بے تابی ہے کہ اس وقت کا انتظار نہیں ہو سکتا تو سرغنۂ حوادث جناب گاندھی اس مذہبی رقابت کے آخری اور حتمی فیصلہ کے لئے ایک دن مقرر کر دیں اور خود تماشہ دیکھنے کے لئے لب بام بیٹھ جائیں۔ اگر دس بیس یا سو پچاس نفوس بچ جائیں گے تو انہیں پاؤ یا پھر تقسیم کر دیں۔ ملکی ہمدردی مقصود ہے تو اس سے آسان اور بہتر نسخہ تلاش کرنے کی کوشش میں وقت ضائع نہ ہونا چاہئے۔

پنجاب مسلم تعلیمی کانفرنس بہترین خدمات انجام دے رہی ہے اس کا امسالہ اجلاس وقار الملک خان بہادر نبی بخش وزیر اعظم دوست عباسیہ (بہاولپور) کی صدارت میں نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہو کر ہزاروں کامیابیوں کے ساتھ ختم ہوا محترم صدر کے ملی جذبات تحسین و ستائش کے درجہ سے بلند و بالا ہیں آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں جن دردمندانہ خیالات کا اظہار کیا وہ آپکی خلوص قلبی اور اسلامی ہمدردی کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کاش مسلمانان پنجاب عموماً اور اراکین تعلیمی کانفرنس خصوصاً آپ کے پُر حکمت مشوروں کو لائحہ عمل قرار دیتے ہوئے غفلت و سہل انگاری کے پردوں کو چاک چاک کر دیں۔ فرماتے ہیں

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلمانان ہند نے بحیثیت قوم مغربی سائنس تعلیم سے استفادہ کرنے میں بہت کوتاہی کی ہے۔ اس کے مختلف اسباب ہیں جن میں ہماری غفلت شعاری اور افلاس کے علاوہ سب سے زیادہ امتیاز عدم تنظیم اور باہمی نفاق کو حاصل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ افلاس مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی راہ میں سنگ گران بنا ہوا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اگر مسلمان اپنے باہمی اختلافات نزاعات کو پس پشت ڈال دیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ جلد خاطر خواہ ترقی حاصل نہ کرلیں۔

اس کے بعد آپ نے موجودہ تعلیم کے خاص نقائص بیان فرمائے ہیں اور بتلایا ہے کہ موجودہ تعلیم بہت زیادہ پُرمصارف ہونے کے علاوہ ناقص ہے۔ چنانچہ ملک میں بکثرت ایسے تعلیم یافتہ اشخاص موجود ہیں جو بیکار ہیں آپ نے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عورتوں کی تعلیمی ترقی کے لئے انکی مخصوص ضروریات کو مدنظر رکھکر مناسب کوشش کیجائے۔ اور شہری و دیہاتی علاقوں میں ابتدائی تعلیم کو رواج دیکر جہالت کا خاتمہ کیا جائے ؟

نابینا

(راز چاندپوری)

للہ آنکھ والو مجھکو بھی یہ بتاؤ
کیا کام ہے نظر کا کس کام کی نظر ہے

میں بے بصر ہوں مجھکو آتا نہیں نظر کچھ
کیا چیز روشنی ہے کیسی ہے وہ کدھر ہے

سنتا ہوں ذکر تم سے اکثر ادھر ادھر کا
کہتے ہو تم کہ سورج روشن ہے بے حجابا

محسوس اس کی گرمی کرتا ہوں دن کو میں بھی
لیکن وہ کسطرح پر خالق ہے روز و شب کا

تقسیم میں ہیں میرے گو دن اور رات میرے
جب جاگتا ہوں دن ہے سوتا ہوں جب تو شب ہے

ممکن اگر یہ ہوتا میں جاگتا ہی رہتا
پھر دن ہی دن جو ہوتا دنیا میں کیا عجب ہے

محرومیوں کے میرے ماتم گسار ہو تم
ناکامیوں کا میری افسانہ بن گیا ہے

لیکن ملال مجھکو اس چیز کا نہیں کچھ
واقف نہیں ہیں جس سے جو فطرتاً جدا ہے

میں با بے بصر ہوں تو بھی اللہ کی ہے رحمت
حاصل سکون دل ہے پُرلطف زندگی ہے

پھر چھیڑکر فسانہ محرومیوں کا میری
تکلیف مجھکو دینا کیا حق دوستی ہے

(ہمایوں)

اے انسان تو اپنے گریبان میں منہ ڈال تجھے دوسروں کے افعال سے کیا غرض۔

دوسروں کے افعال پر رائے زنی کرنے میں انسان اکثر غلطی کرتا ہے۔ ہمیں دوسروں کے افعال کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے بہتر ہے کہ انسان افعال پر رائے زنی کرے۔

جیسا ہمارے دل میں ہوتا ہے ویسے ہی ہم دوسروں کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں

ہر ایک آدمی اپنے اپنے خیال کے مطابق کام کرتا ہے اور جو کام اچھا سمجھتا ہے کرتا ہے ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ جان بوجھ کر برا کام کر رہا ہے

غلط فہمی اور اختلاف رائے سے دنیا میں تمام جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اس لئے دوسرے کے خیالات کو پہلے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اے انسان تو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ جان بس پھر دنیا میں کوئی جھگڑا نہ ہوگا

اے انسان تجھ میں چند عیوب ہیں جن کو تو رفع نہیں کرتا۔ لوگ تیرے عیبوں کو دیکھتے ہیں اور برداشت کرتے ہیں تو بھی جب دوسروں کے عیب دیکھے تو برداشت کر۔

اگر تو اپنے آپ کو درست نہیں کر سکتا دوسروں کی اصلاح کیسے کر سکتا ہے۔ ہم دوسروں اصلاح چاہتے ہیں اور خود اصلاح پذیر نہیں ہوتے۔

اگر تو کسی گمراہ کو ایک یا دوبار راہ راست پر لانے کے لئے پند و نصائح کرے لیکن وہ نہ مانے پھر تو اس کے ساتھ جھگڑا نہ کر۔ خدا کے حضور میں اس کی اصلاح کے لئے دعا مانگ۔

ہم سب نقائص سے پر ہیں ایک دوسرے کے نقائص کو دیکھ کر غصہ میں آجانا مناسب نہیں۔ بردباری اور حلم سے کام لینا چاہیئے اگر کسی شخص کے وجود سے بغیر ہمارے اپنے کسی قصور کے تکلیف پہونچے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم خدا کی خاطر تکلیف اٹھا رہے ہیں اور یہ کہ تکلیف خدا کی طرف سے ہی نازل ہوئی ہے۔

ندوۃ القریش

مورخہ ۱۳ اپریل کو بحاضری ممبران ،اگزکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ بعد رپورٹ کنفرم ہونیکے بعد رپورٹ خزانچی پیش ہوئی آمد خرچ کا جائزہ لیا گیا اور تجویز ہوا کہ روپیہ زائد از پچاس روپیہ بنک میں جمع کر دیا جائے اور رجسٹر بالکل صاف اور اپ ٹو ڈیٹ رکھے جائیں

(۲) مراسلات موسومہ پڑھے گئے جن احباب کے چندے موصول ہوئے ہیں اور جنہوں نے رقوم بطور عطیہ ارسال کی ہیں ان کی خدمت میں شکریہ کے خطوط لکھے جائیں۔

(۳) احباب ذیل کے فارم ہائے ممبری تصدیق ہوئے اور اسمائے گرامی ممبران میں درج کئے گئے۔ قریشی سلطان علی صاحب. منظور علی شاہ صاحب سب پوسٹماسٹر۔ شیخ خدا بخش صاحب۔ بابو غلام رسول صاحب اور بابو محمد طفیل صاحب۔ چندہ ہائے وصول ہو چکے ہیں۔ رسیدات حسب ضابطہ بھیجی جائیں۔

(۴) حقوق زراعت سے متعلقہ سرکلروں کے جواب میں فیروزپور۔ گورداسپور، رہتک، حصار کے افسران کے آمدہ مراسلات پڑھے گئے ۔ ان اضلاع سے حسب توقع سفارشیں ہو چکی ہیں۔ لہذا صاحبان ڈپٹی کمشنر بہادر امرتسر اور لدھیانہ کی خدمت میں یاد دہانی ارسال کی جائے کہ وہ بھی بذریعہ سفارش سے اپنے اپنے ضلع کے قریشیان کی حق رسی فرمائیں۔ تجویز ہوا کہ صاحب فنانشل کمشنر بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مجوزہ وفد کی ترتیب کی کارروائی فوراً شروع کر دی جائے۔

(۵) حکیم شہاب الدین صاحب کی تجویز درباره سفیر بحث و مباحثہ کے بعد نامنظور ہوئی۔

(۶) تجویز ہوا کہ منظور شدہ بجٹ خاتمہ سال کیوجہ سے منسوخ تصور ہو اور آئندہ سال کے لئے آئندہ کمیٹی میں نیا بجٹ پیش کیا جائے جلسہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ۲ بجے شام برخاست ہوا

جوائنٹ سکرٹری

مقاصد } تبلیغ و اشاعت اسلام ، انسداد رسومات قبیحہ۔ تعلیمی معاشری ، اقتصادی و زراعتی ترقی کے مسائل پر عمل۔ اتحاد و یگانگت۔ اخوت و مروت ، صلہ رحمی و ایثار۔ استقلال و ثبات ، حسن اخلاق احسان و ہمدردی۔ رواداری کی خو پیدا کرنا۔ اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہم مستحکم و استوار کرنا۔ قومی تنظیم۔ غیر مستطیع و مستحقین کی مناسب امداد و اعانت۔

نقد و نظر

سالگرہ نمبر } نظام گزٹ حیدرآباد دکن سے سید وقار احمد صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل بی اور محمد حبیب اللہ صاحب رشدی ایم اے مدیران کی ادارت میں ہفتہ وار شائع ہوتا ہے جس کی تازہ اشاعت "سالگرہ نمبر" کے نام سے شائع کی گئی ہے جو دس سادہ رنگین عکسی تصاویر سے مزین ہے۔ مضامین منظوم و منثور کا معیار بلند ہے۔ تاریخی واقعات و کوائف نہایت محنت و کوفت اور عرق ریزی و دماغ سوزی سے جمع کئے گئے ہیں۔ جنمیں بعض خصوصاً سوانح حیات مبارک جہاں پناہی کی اہم اصلاحیں سلطان العلوم ظل اللہ تعالےٰ نے دست مبارک سے کی ہیں۔ نمبر خاص اہتمام و التزام سے شائع کیا گیا ہے۔ مدیرین کی محنت قابل تعریف ہے۔ حجم ۹۰ صفحات علاوہ سرورق۔ تقطیع کلاں۔ قیمت سرورق پر درج نہیں۔ مینجر صاحب "نظام گزٹ" حیدرآباد دکن سے منگائیے۔

الہلال } اسلامی شان کا یہ ہفتہ وار اخبار علی احمد خانصاحب بی اے اور خلیل احمد صاحب فاضل دینیات کی ایڈیٹری میں حال ہی میں رنگون سے جاری ہوا ہے۔ پہلی جلد کا تیسرا نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ محنت و کوشش سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ سرورق پر تاریخی مقام کا رنگین فوٹو دیا جاتا ہے۔ مضامین دلچسپ و قابل قدر ہیں۔ دعا ہے کہ علم و ادب کا یہ گلدستہ فاضل ایڈیٹر ہا کے ہاتھوں میں پھلے پھولے اور خدمت اسلام بیش از بیش انجام دینے کی توفیق ہو۔ قیمت سالانہ تین روپے۔
مینجر صاحب "الہلال" رنگون سے طلب کیجئے۔

پیام اسلام } انجمن اشاعت اسلام جالندھر کا علمی و تبلیغی ماہوار رسالہ ہے اور بڑی محنت سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ منظوم و منثور مضامین قابل قدر ہوتے ہیں۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ قیمت سالانہ تین روپے۔ نمونہ کا پرچہ مینجر صاحب "پیام تعلیم" بیاں جالندھر سے منگائیے۔

مے خانہ } اس نام سے چھوٹی تقطیع کا ایک خوشنما ماہوار رسالہ مسٹر اسد انصاری کی ایڈیٹری میں حال ہی میں لکھنؤ سے جاری ہوا ہے۔ مضامین اچھے اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ ہر اشاعت میں ایک عکسی فوٹو دیا جاتا ہے۔ کاغذ و طباعت و کتابت عمدہ۔ حجم علاوہ سرورق ۲۴ صفحات۔ چندہ سالانہ عہ طلباء سے عہ۔ فی پرچہ ۲ر
مینجر صاحب "پیمانہ" پارچہ والی گلی لکھنؤ سے منگائیے۔

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا
حوالہ ضرور دیں۔

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یوپی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت بوجہ احسن انجام دی ہیں خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمت میں قوم کی طرف سے

کم از کم ایک سو ایک روپیہ

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے۔ کہ وہ

القریش

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں "

(مفید ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر "القریش" شریف گنج امرتسر سے شائع ہوا)

۷۸۶

قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

"تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے"

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش امرتسر

جو

بفرمان عالی شان سلطان العلوم ہز اگزالٹڈ ہائینس اعلیٰحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ:

تین روپے

ایڈیٹر

محمد علی رونق صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت شریف

حق سے جو کچھ بھی لیا رحمت داور تو نے
اہل عالم پہ کیا سب وہ نچھاور تو نے

جلوہ توحید کا خود اُس میں فلک نے دیکھا
بخشے آئینۂ ہستی کو وہ جوہر تو نے

تیرے اعجاز کے قرباں کہ بیک نکہ کرم
کر دیا مور سلیماں کے برابر تو نے

صبغۃ اللہ کا ملا اُن سے جہاں کو پیغام
کیا ہی یکرنگ کیا اسود و احمر تو نے

ہو کے محبوب خدا آپ نوائے حق سے
خفتہ بختوں کے جگائے ہیں مقدر تو نے

مہر وحدت کی ضیا سے سر فاراں آ کر
کر دیا دم میں جہاں بھر کو منور تو نے

سارے نبیوں کو ملے حق سے جو فرداً فرداً
پائے سب کانِ رسالت کے وہ گوہر تو نے

حق کو تنویر سے اس عالم ظلمت زا میں
مثل آئینہ، کئے قلبِ مکدر تو نے

ڈبکیاں کھاتے تھے جو قلزمِ عصیاں میں غریق
بحرِ عرفاں کا کیا ان کو شناور تو نے

اللہ اللہ یہ نظر مہر کی تیری ۔ پل میں
غیرتِ لعل بدخشاں کئے پتھر تو نے

مایۂ ناز ہے تو شاکرؔ عاصی کے لئے
گنجِ ایماں سے اُسے بخشے ہیں گوہر تو نے

(شاکر صدیقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | بابت ماہ مئی و جون ۱۹۳۱ء | نمبر ۵ و ۶

طوائف الملوکی کی بدعت

ایک نئی انجمن کا ظہور

قومیں بیدار ہوتی ہیں تو اصلاح و ترقی کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ منتشر اجزاء کو مجتمع کرنا وہ اولین فرض سمجھتی اور متحدہ سعی جو سے شاہراہ عمل پر بڑھ کر منزل مقصود پر پہنچنے اور شاہد مقصود حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کر دیتی ہیں لیکن قوم قریش کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ اول تو خواب غفلت اور نوم راحت سے بیدار ہونا ہی اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔ اور اگر زمانہ کی ٹھوکروں سے تنگ آ کر کبھی اٹھنے پر مجبور بھی ہو جائے تو ڈیڑھ چاول کی کھچڑی الگ پکانے پر کمر باندھ لیتی ہے۔ اور یہی وہ بیداری ہے جو غنودگی و بدمستی سے بھی بدتر ہے۔

مسلم راجپوت، کشمیری، ککے زئی، ارائیں، آوان اور راول وغیرہ تک جس قدر قومیں بیدار ہوئیں اور ہو رہی ہیں وہ اپنی قومی اصلاح و فلاح اور ترقی و ارتقاء کے لئے متحدہ مساعی سے کام لے رہی ہیں۔ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اعلیٰ مدارس و وظائف کے اجراء کے لئے بہترین انتظامات بہم پہنچانے کے علاوہ انہوں نے اپنے پراگندہ شیرازہ کو اس قدر مجتمع کر لیا ہے کہ ہر فرد واحد کی صدا قوم کی آواز سمجھی جاتی ہے اور ہر ادنیٰ سے اعلیٰ اور بچے اور بوڑھے تک تمام اسی پر لبیک کہنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہی ایک سبب ہے کہ وہ جبال متراکم ذلت کو عبور کرتی ہوئیں خواب راحت کے مزے لینے والوں کو پچھاڑ پچھاڑ کر

اوج عروج پر پہونچ رہی ہیں۔ لیکن قریش کی بیداری بالکل نرالی اور بالکل انوکھی ہے۔ کبھی اُٹھنے کا خیال کرینگے بھی، تو ضعف ذلت میں گرنے کے لئے اور اپنے ضرب المثل افتراق و تشتت کے لئے ہر کنبہ، ہر قبیلہ، ہر شہر اور ہر فرد یہاں اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا ڈھول کا مصداق ہے۔ کسی ادارہ کسی انجمن اور کسی سوسائٹی کی ان کے دل میں قدر ہے اور نہ اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس اور یہی وہ مصیبت ہے جو ایک کو ایک سے جدا کئے ہوئے ہے۔ اور اعتماد و اعتبار اور اتفاق و محبت کے فقدان کا موجب ہو رہا ہے اور قریش کو اتحاد و یگانگت و اخوت و مودت کی سٹیج پر آنے نہیں دیتی۔ ہم یہ جانتے ہوئے کہ حصار مشکلہ متفقہ سعی و جہد ہی کی قوت سے سر ہو سکتے ہیں اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اقوام عالم اسی کی بدولت بام رفعت پر کامیابی کا پرچم لہرا رہی ہیں۔ جداگانہ سروں میں اپنا اپنا راگ الاپ رہے ہیں

قریش میں بیداری کی صلاحیت ہوتی تو اس کی اصلاح و تنظیم کے لئے ہندوستان بھر کے لئے ایک ہی مرکز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک ہی انجمن نہایت معقولیت اور عمدگی کے ساتھ حق نمائندگی ادا کر سکتی تھی۔ لیکن یہاں حالات الگ اور خیالات جداگانہ تھے اس لئے ایک مرکز کو کافی نہ سمجھا گیا اور جالندھر، ہوشیارپور، لاہور، گجرانوالہ، ملتان، مری اور مرادآباد وغیرہم مقامات پر مختلف انجمنیں قایم کی گئیں جو نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کا مصداق ہو کر بدنظمی کی نذر ہو گئیں۔ اور کوئی بہترین نتیجہ اخذ نہ ہو سکا اب ضلع امرتسر کے ایک دورافتادہ مقام پر "انجمن اصلاح القریش" کا وجود معرض شہود میں آیا ہے۔ جس کی مطبوعہ روئداد ہمارے سامنے ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "انجمن اصلاح الرسوم" اور "حصول حقوق زراعت" دو اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے کتم عدم سے عالم وجود میں لائی گئی ہے۔ انجمن کی مجلس مقننہ کا وضع کردہ قانون اور لائحہ عمل بھی اسی روئداد میں شائع کر دیا گیا ہے جو انجمن کی ضرورت و اہمیت کا مظہر ہے۔ حمد باری تعالےٰ کے بعد سکرٹری انجمن نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے جو الفاظ سپرد قلم کئے اور زیور قرطاس بنے وہ دردمندان قوم خصوصاً اہل ذوق اور علم دوست حضرات کی توجہ کے محتاج ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جملہ برادران قریش!"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عرض پرداز ہوں کہ میری قوم منسوب بہ نسبت قریش ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس قوم کو برگزیدہ کیا ہے۔ چونکہ یہ قوم ہر ایک قوم کی راہبر ہے اور اسی قوم نے پرچم اسلام بیادری خدائے وحدہٗ لاشریک ہر ملک و دیار میں چمکایا اور یہی قوم قدم بہ قدم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چلنے والی تھی مگر اس وقت اس قوم نے خواہش نفسانی کے تابع ہو کر ہر ایک رکن اسلام سے پہلوتہی کی ہے اور خصوصاً بر مرنج شادی اسراف کو ترقی دے رہی ہے اس لئے بحکم انّ المبذرین کے عذاب میں گرفتار ہو رہی ہے۔ اس لئے بندہ نے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہم چند صاحبان قریش کو تکلیف دے کر اپنے غریب خانہ میں مدعو کیا اور ایک انجمن قایم کی اور اتفاق رائے سے یہ انجمن قایم

کرکے جس کا نام انجمن اصلاح القریش ہے ایک قانون مرتب کیا گیا تاکہ میری قوم ہمہ اسراف سے بچکر ثواب دارین حاصل کریں۔

اے میری قوم! میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان قواعد و ضوابط کے پابند ہوکر ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور انجمن اصلاح القریش کو عزت بخشیں گے" فقط والسلام۔

کارروائی کی ترتیب میں سکرٹری صاحب نے جو محنت شاقہ برداشت کی ہے اور جس دماغ سوزی و عرقریزی سے کام لیا ہے اس کا اندازہ ان کے اصل الفاظ کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ قارئین کرام اس سے لطف اندوز نہ ہوں اور ان علمی جواہر ریزوں کی درخشانی و تابانی سے اُن کی آنکھیں محروم رہیں۔ فلہٰذا ذیل میں اسے بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے:۔

"پروگرام کے مطابق سب سے پہلے تلاوت قرآن شریف مولوی .... صاحب سکنہ .... نے بڑی خوش الحانی اور دلآویز طرز پر کی:

اس کے بعد مولوی .... صاحب سکنہ .... نے نعت شریف پڑھی۔ زاں بعد مولوی صاحب .... نے تقریری انجمن ہذا پر ایک موثر اور دلکھری تقریر سے مجلس کو محظوظ کیا۔ یہ ایک قریش برادری سے مقرر رکن ہیں جو اپنے دل میں قومیت کا احساس رکھتے ہیں۔ آنجناب کی پورا ایک گھنٹہ تقریر کے بعد مسٹر .... صاحب سکنہ .... نے تائید فرمائی اور موثر تقریر فرمائی۔ پھر ان صاحبان کے بعد مولوی .... صاحب نے ایک تقریر بر مضمون کہ انجمن کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے فرمائی۔ اور حاضرین جلسہ کو موثر تقریر سے محظوظ فرمایا۔ پھر مولوی .... نے اسی سابقہ مضمون پر ایک زبردست تقریر بطرز وعظ فرمائی اور مولوی سراج الحق صاحب سکنہ .... نے انکی تائید فرمائی۔ نیز مولوی .... نے ایک تقریر کہ سابقہ اور مجوزہ انجمنوں کے آپس میں تعلقات کیا ہونے چاہئے فرمائی۔ اور بعد ازاں مولوی .... صاحب .... نے انجمن کی کامیابی پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے حاضرین کو پند و نصیحت سے آگاہ فرمایا۔ اور پھر جناب مولوی .... صاحب سکنہ .... نے انجمن کی ذمہ داریاں بتلائیں اور مولوی صاحب نے نمائندوں کی ضرورت اور ان کے فرائض پر گوہر افشانی کی۔ پھر اصراف اور فضولیات و رسومات بد کی تردید کرتے ہوئے تقریر کو ختم کیا۔ بعد ازاں کارکنان انجمن کا انتخاب بذریعہ ووٹس کیا گیا۔ جس میں حکیم .... صاحب سکنہ .... پریذیڈنٹ اور مولانا .... صاحب سکنہ .... وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔

اس کے بعد ایک نظم برائے بیداری قوم مولوی .... صاحب .... نے پڑھی اور جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ نیز رسومات کے تدارک کے لئے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ جو کہ ضمیمہ میں درج کیا جائیگا

اجلاس دویم

تلاوت قرآن شریف مولوی .... نے فرمائی - ایک تقریر منشی .... صاحب نے اپنی معذوری کو پیش کرتے ہوئے کہ میں پہلے جلسہ میں بوجہ چند وجوہات کے حاضر نہیں ہو سکا - فرمائی - بعد ازاں مولوی ...... صاحب نے انجمن کے اخراجات کی سبیل تسہیل اور تحصیل پر تقریر فرمائی جس سے تمام حاضرین جلسہ پر اثر ہوا کہ فوراً چندہ جمع ہونا شروع ہو گیا - بعد ازاں منشی ...... صاحب نے زیورات کی خرابیاں اور فضول خرچی پر فرمائی - پھر مولانا .... صاحب نے سحراف و بازگشت انجمن پر تقریر فرمائی - پھر اس کے بعد پریذیڈنٹ صاحب نے مختصر سی تقریر فراہمی چندہ کے متعلق کی - اور چندہ فراہم ہونا شروع ہو گیا - جو کہ حسب ذیل ہے - بعد ازاں التماس ...... صاحب ساکن تموال نے مستورات کے باریک لباس پر نکتہ چینی کی اور ماسٹر .... صاحب کی تقریر بعنوان نمائندوں کی تقرری پر ہوئی - اور حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوئے"

مجلس مقننہ نے اصلاح رسوم کے ضمن میں پیدائش ، عقیقہ ، ختنہ ، منگنی (مکلاوہ) درنہ ، نیوتہ ، شادی ، وری اور متعلقہ لوازمات شادی و غمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون وضع کیا ہے اور جواز و عدم جواز پر اپنا حق حکم صادر فرمایا ہے -

رسومات قبیحہ کا انسداد اور اسراف بیجا کا سد باب سبحان اللہ اس سے زیادہ کار خیر اور نیک کام کیا ہو سکتا ہے - ہاں عمل شرط ہے خدا ہمیں توفیق عطا کرے -

قانون اور تعزیر ، لازم ملزوم چیزیں ہیں لیکن تعزیر اسی حالت میں جبکہ قانون کامل ہو اور دیدہ و دانستہ اس پر عمل کرنے سے احتیاط کی جائے اور جہاں قانون ہی قانون نہ ہو اور مجلس مقننہ کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہاں قانون کیا اور تعزیر کیسی تفصیلی تذکرہ کی تو اس وقت گنجائش نہیں کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا جائیگا - ہاں اس وقت دو تین دفعات پیش کی جاتی ہیں جس کے مطالب و معانی اور مفہوم کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں -

روئداد متذکرہ کے صفحہ ۹ پر ارشاد ہوتا ہے کہ "رسم قطعی بند" اور صفحہ ۱۰ پر فرمایا گیا ہے کہ "ڈولی پر رسم تھوڑی سی کیجاوے" معلوم نہیں کہ اس "تھوڑی سی" سے کیا مراد ہے - اور جواز ہے یا عدم جواز - صفحہ ۱۱ پر حکم ہوتا ہے "نقالوں کو قطعاً بند کیا جاوے اگر اتفاقیہ آجاویں تو مضائقہ نہیں" "قطعاً بند" اور "مضائقہ نہیں" دو متضاد حکم - ایک پابند قانون کس پر عمل کریگا - اور مضائقہ نہیں سے کیا مراد ہے - جہاں تک ہمیں یاد ہے قوم قریش میں نقالوں کو گھر بھیج کر دعوت دینے کا رواج ہے ہی نہیں "پھر اتفاقیہ آجائیں" تو مباح کیونکر قرار دیا جائیگا - تاوان خلاف ورزی کے تحت رقوم تاوان مقرر کر دی گئی ہیں جو ان ممبران کو ادا کرنی ہونگی جو شادی و غمی کی تقاریب پر قانون مجوزہ کی تکریم میں سرتابی کرینگے - یعنی رسم بند بھی ہے اور مباح بھی - تاہم "تھوڑی سی" سے تجاوز کرنے پر دس روپے نیشن پر دس روپے - اور دختر فروشی پر پچاس روپے - علیٰ ہذا ہر ضمن کی خلاف ورزی پر کچھ نہ کچھ رقم بطور جرمانہ یا تاوان مجرم کو ادا کرنا ہوگی

قوم کی اہم ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس انجمن نے ایک ریزولیوشن بھی پاس کیا ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔
"کہ جملہ ممبران اور قوم قریش کو زراعت پیشہ قرار دینے کے لئے ایک درخواست بخدمت صاحب فنانشل کمشنر بہادر معرفت انجمن ندوۃ القریش روانہ کیجائے اور گذارش کیجاوے۔ کہ ماسوائے چند ایک اضلاع کے قوم قریش تمام پنجاب میں زراعت پیشہ تصور کیجاتی ہے۔ براہ مہربانی اس کو ضلع امرتسر و گورداسپور میں زراعت پیشہ قرار دیا جاوے"

یہ مجوزہ الفاظ ہیں۔ اس ریزولیوشن کو جو متعلق زراعت کے لئے صاحب فنانشل کمشنر کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔ معلوم نہیں اس ریزولیوشن کی کیا ضرورت سمجھی گئی تھی جبکہ سکرٹری صاحب اور دیگر کارکنان انجمن خوب جانتے تھے کہ "ندوۃ القریش" کی تحریک و خواہش پر حکومت کی طرف سے اسپر باقاعدہ کارروائی ہو رہی ہے کاغذات ڈپٹی کمشنران اضلاع متعلقہ کے دفاتر سے نکلکر کمشنری میں بھی پہونچ چکے ہیں۔ ایک ریزولیوشن اور بھی پاس کیا گیا ہے جو نہایت عجیب و غریب ہے اور اس قابل ہے کہ ناظرین القریش اس کی گوناگوں دلچسپیوں سے محظوظ ہوں۔ ریزولیوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ کسی اعلےٰ دماغ کی اختراع ہے اور قابل داد ہے کہ "جملہ ممبران کی طرف سے ایک مبارکباد کی نامہ بخدمت گورنر صاحب بہادر پنجاب ارسال کیا جاوے کہ خداوند تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں ہمارے سر پر قایم رکھے"

فہرست ممبران کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بڑے بڑے دانا، دبر، دانشمند اور عقیل و فہیم بزرگ موجود ہیں۔ پر سمجھ نہیں آتی کہ انہیں ایک مسلمہ قومی مرکز کی موجودگی میں اس انجمن کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور طوائف الملوکی کی بدعت کی ترویج میں کیا فائدہ دیکھا۔ مناسب و موزوں ترین صورت یہ تھی۔ کہ وہ اپنے مسلمہ قومی مرکز کیساتھ ملکر متفقہ و متحدہ طور پر اصلاحی قدم اٹھاتے اور اپنی قوت کو منتشر و کمزور کرنے کی بجائے اور تقویت دیتے۔ قومی آواز میں گونج پیدا ہوتی۔ اور منزل مقصود قریب تر ہو جاتی بشرطیکہ ہم ذاتیات اور نفسیات سے بالاتر رہ کر کوئی بے لوث خدمت انجام دے سکیں۔

جذباتِ عالیہ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا — سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
گذر گیا ہے وہ دور ساقی کہ چھپکے پیتے تھے پینے والے — بنیگا سارا جہاں میخانہ کہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے — برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہوگا
سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خاموشی نے آخر — جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا وہ استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جسنے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا — سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

ندوة القریش

یکم مئی ۱۹۳۱ء ۴ بجے شام بحاضری ممبران اگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ سابقہ کارروائی کنفرم ہونیکے بعد مسل دربارہ زراعت پیش ہوئی۔ سکرٹری صاحب نے کہا کہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ضلع گورداسپور کے کاغذات اسوقت تک معلق ہیں اور کوئی کارروائی نہیں ہوئی اسپر تجویز ہوا کہ ندوہ کی طرف سے حکیم شہاب الدین اور قریشی محمد علی صاحب رونق خود گورداسپور جانیکی تکلیف گوارا کریں اور اگر فی الواقعی کوئی کارروائی نہ ہوئی ہو تو شیخ چراغ الدین قریشی قریشی شیخ محمد اور قاضی عبد العزیز صاحبان کو تاکید اکید کریں کہ وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں جاکر یا زبانی عرض کریں اور کاغذات محکمہ بالا میں بھجوانے کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔

تجویز ہوا کہ چونکہ کاغذات عنقریب کمشنر صاحب کی خدمت میں پیش ہونیوالے ہیں اسلئے شیخ محمد عظیم صاحب بمعہ ایک اور رکن ندوہ کمشنر کے پاس جاکر ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں۔ گورداسپور اور لاہور کے آمد و رفت کے اخراجات ندوہ ادا کرے جسکی منظوری اسی وقت دیدی گئی تا کہ بل پیش ہونے پر ادا کر دیا جائے۔ اسکے بعد حسب ذیل درخواستہائے ممبری جو قاضی مظفر الدین صاحب متین کے توسل سے بمعہ زرچندہ موصول ہوئیں منظور کی گئیں۔

(۱) قریشی غلام رسول صاحب صدیقی پٹواری حلقہ دھونکل تگہ

(۲) قاضی مظفر الدین صاحب متین نائب تحصیلدار

(۳) قریشی محمد طفیل صاحب پٹواری تحصیل بہادلپور

(۴) قریشی محمد فضل احمد صاحب محرر نائب تحصیلدار

(۵) بابو محمد ظہور شاہ صاحب سب پوسٹ ماسٹر بٹالہ

تجویز ہوا کہ خواجہ غلام صادق صاحب رئیس امرتسر اپنی ہردلعزیزی کی وجہ سے باوجود سخت مقابلہ امسال بہر صدر بلدیہ منتخب ہوگئے ہیں لہذا آپکو اس کامیابی پر مبارکباد دیجائے۔ اسکے بعد مسئلہ جو شوارہ کی پڑتال کیلئے گئی اور صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب کیخدمت میں حاضر ہونیوالے وفد کی ترتیب پر غور ہوتا رہا اور جلسہ برخاست ہوا۔

(۲)

۱۰ مئی ۱۹۳۱ء ۵ بجے بموجودگی ممبران اگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا سابقہ کارروائی کنفرم ہوئی حکیم شہاب الدین صاحب نے فرمایا کہ ۱۵ اپریل کو بہ معہ رونق صاحب میں صبح کی ٹرین میں گورداسپور پہنچا۔ قاضی عبد العزیز صاحب کا شکریہ ہے کہ انہوں نے ہمارے پاس خاطر یا تواضع ضرورت کے خیال سے اپنا بہت سا قیمتی ... ... وقت صرف کیا چنانچہ کچہری کے مختلف دفاتر سے کاغذات کا پتہ چلانے پر معلوم ہوا کہ کاغذات ایس۔ ڈی۔ سی۔ کی تحویل میں ہیں اور اسکے متعلق ہنوز کمشنری میں کوئی رپورٹ ارسال نہیں کی گئی۔ شیخ چراغ الدین صاحب وکیل کی تلاش میں بہت زیادہ وقت صرف ہوا آپ اسی قدر مصروف تھے کہ ہم سے بھی بات نہ کر سکے۔ قریشی شیخ محمد صاحب پبلک پراسیکوٹر ہیں آپکی تلاش میں بھی بہت سا وقت صرف ہوا لیکن آپ نہ مل سکے بغیر قاضی صاحب کی تکلیف فرمائی سے ہمنے اہتمام کرلیا امید ہے کہ نتیجہ حسب دلخواہ ہوگا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور ملاقات کا بھی ذکر کر دیا جائے تاکہ ممبران ندوہ اور ناظرین القریش مختلف النوع خیالات کے مطالعہ سے اپنی معلومات میں وسعت پیدا کر سکیں۔ وہو ہذا

یہاں ایک ایجنٹ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا آپ قریشی خاندان سے

حیاتِ نادری کا ایک ورق

معتبر تاریخوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخوں نے نادر کی ابتدائی حالت مفصل بیان کرنے میں خاموشی سے کام لیا ہے۔ درحقیقت تو یوں ہے کہ اگر وہ کوئی خاندانی رئیس سلطان ابن سلطان یا امیر ابن امیر ہوتا تو اس کے ابتدائی سوانح عمری بیان بھی کئے جاتے مگر جبکہ محض اس نے اپنی جرأت و بہادری ہی سے ایشیا کو تھرا دیا تو اس کی فتوحات کے کارنامے جو اب تک زمانہ کے صفحات پر جگ جگ کر رہے ہیں بیان کرنے مناسب معلوم ہوئے ہیں

ابتدائی حالت اگرچہ مورخین نے بیان بھی کی ہے تو وہ صرف اتنی ہے کہ نادر قبیلہ افشار سے اور امام قلی کا لڑکا تھا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اس کا باپ اپنی قوم میں نہ تو صاحب اعتبار ہی تھا اور نہ کوئی منصب جلیل رکھتا تھا خود نادر نے بھی کبھی بزرگیٔ نسب کا دعوے نہیں کیا۔ اس طرح اس کا حسب و نسب تاریکی میں ہے اور بقول اس کے نادر شاہ پسر شمشیر شمشیر پسر زادہ شمشیر ہمچنیں تا ہفتاد با بشمار ٹھیک ہے بہادر کے ماں باپ نادر ہی ہوتے ہیں لیکن اس کو خوشامدی مؤرخ میرزا مہدی جس نے نادر کے واقعات عمری اور محاربات کے حالات قلمبند کئے ہیں لکھتا ہے کہ نادر شاہ کا باپ اپنی قوم میں ایک معزز شخص تھا اور اس طرح سے حقیقت کو مٹاتا ہے گوہر شاہوار و قدر و قیمت اس کے رنگ و خوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ معدن کے سبب سے سر جان مالکم اپنی مبسوط تاریخ ایران میں لکھتے ہیں کہ نادر شاہ اوائل حال میں پوستین دوز تھا اور اسی پیشہ سے اوقات بسری کرتا تھا چونکہ رذیل الکسب تھا۔ اس لئے اس کی صحبت بھی اپنے ہم پیشہ لوگوں سے تھی جب محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کی لڑکی سے نادر نے اپنے بڑے بیٹے کا نکاح کرنا چاہا تو بیٹی والوں نے کہلا بھیجا کہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ داماد اپنی سات پشت شمار کیا کرتا ہے۔ نادر نے قاصد سے کہا کہہ دو کہ ہمارا داماد نادر شاہ کا بیٹا ہے اور نادر شاہ تلوار کا بیٹا ہے اسی طرح ہفتاد پشت شمار کر لو۔ ایک معتبر ایرانی مورخ اس طرح سے لکھتا ہے کہ نادر شاہ سنہ ۱۱۰۰ھ میں خراسان کے دیہات میں پیدا ہوا سترہ سال عمر میں ازبکوں کے ہاتھ مع اپنی ماں کے گرفتار ہو کر چار سال تک مقید رہا اس کی ماں تو قید کی تکالیف برداشت نہ کر کے محبس ہی میں چل بسی۔ نادر خدا معلوم کن ترکیبوں سے رہائی حاصل کر کے نکل بھاگا۔ بعد ازاں خراسان کے ایک امیر بابا علی بیگ کے یہاں نوکر ہوا۔ امیر کو قتل کر کے اس کی لڑکی کو بھگا لے گیا اور نکاح کر لیا۔ رضا قلی میرزا اسی بیگم کے بطن سے تھا۔ اس وقت میں نادر کی عمر ۲۳ برس کی تھی۔ تھوڑے عرصہ بعد اس نے آوارہ اور بدمعاش لوگوں کی ایک جماعت اکٹھی کر لی اور ان کا سردار بنکر اطراف خراسان میں غارتگری شروع کی۔ اور طرح طرح سے لوگوں کو ستایا اور دق کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی بے جگری کے کارنامے صوبہ دار خراسان کے کانوں تک بھی

پہونچے۔ صوبہ دار نے نادر اور اس کے ڈاکو ساتھیوں کو فوج میں مصلحت بھرتی کر لیا۔ اسوقت ازبکوں سے لڑائی پیش آئی۔ نادر کو تو اس لڑاکا قوم سے قدیمی بغض تھا۔ خواب ہی جان توڑ کر لڑا اور ایسی شکست دی کہ جب تک نادر زندہ رہا وہ بارادۂ غارتگری ایران کی طرف نہیں آئے۔ صوبہ دار نے خوش ہوکر امارت اور مالداری پر ترقی کر دی لیکن تھوڑے عرصہ بعد صوبیدار نادر کی حرکات سے رنجیدہ ہوگیا اور بہت کچھ برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ نادر پیچ و تاب کھاتا ہوا مشہد چلا گیا۔ اسوقت میں نادر کا چچا قلات میں افشار کے چھوٹے سے گروہ کا سردار تھا۔ نادر مشہد سے سیدھا اس کے پاس گیا۔ اور تھوڑے دنوں تک اس کے پاس قیام کیا۔ لیکن چچا صاحب بھی اس سے تنگ آگئے۔ اور بہت ہی خشمناک ہوکر قلعہ سے نکلجانے پر مجبور کیا غرض جہاں گیا اپنی تلون مزاجی کی وجہ سے جم کر نہ رہ سکا۔

کسی بھی کیا تمہاری تلون مزاجیاں

قایم نہ تم رہو نہ تمہاری زباں رہے

پھر وہی سابقہ پیشہ اختیار کر لیا۔ پہلے کے دوست و احباب کو جمع کر کے قزاقی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اور بیشتر کی نسبت گروہ کثیر اکٹھا کر لیا۔ ایران اس وقت افغانوں کی غارت گری اور آئے دن کی لڑائیوں سے نیم جان ہو رہا تھا۔ ادہر نادر لوٹ مار سے اور ملک میں وہم کر رہا تھا۔ سلطنت صفویہ کے لئے واقعی یہ وقت بڑی مشکل کا تھا لیکن ابھی افغانوں کے ایران میں پورے طور سے قدم نہیں جمنے پائے تھے البتہ ان کی دست درازیوں سے ملک میں نت نئے ہرج پیدا ہوتے رہتے تھے۔ غرض کہ اس زمانہ میں ہر طرف شور و غوغا برپا ہو رہا تھا۔ اب نادر کی سنئے اس کی شجاعت و چالاکی کے سبب سے بہتیرے زبردست ڈاکو اسکے جھنڈے تلے جمع ہوگئے اور رفتہ رفتہ یہ گروہ ایسا مضبوط ہوگیا کہ سلطنت صفویہ کے واسطے افغانوں سے بھی زیادہ مہیب ثابت ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں نادری گروہ نے اہالیان خراسان کو آگھیرا۔ اور ان سے ایک کثیر رقم لے کر چھوڑی۔ جب نادر کے چچا نے دیکھا کہ نادر کا اقتدار روز بروز بڑھتا جاتا ہے خوفزدہ ہوا اور ایک خط نادر کو لکھا۔ کہ اگر اس خانہ بدوشی کی زندگی اور لوٹ مار سے باز آکر شاہ طہماسپ کی مدد کرو اور اس کو جنگ افاغنہ میں مدد دو تو ایک منصب دلا کر ہے تمہاری بہادری کی دھوم مچ جائے گی۔ اور شاہ مشکور ہوگا۔ وہ الگ۔ نادر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے لیکن حضرت شاہ میرے قصور کا سب کو معاف کریں گے۔ اگر عفو کا وعدہ ہو جائے تو بسر و چشم حاضر ہوں۔

یہ تصفیہ باہمی طے ہو گیا۔ نادر شاداں و فرحاں قلات کی جانب روانہ ہوا۔ اپنے چچا کو ہمیشہ چونکہ سد راہ سمجھتا رہا تھا اور ایک یہ ناکینہ بھی تھا کہ اس نے قلات کے قیام میں نکال دیا تھا لہذا وقت کو غنیمت جانکر قتل کر ڈالا۔ اور اس طرح جہاں اور بے گناہ خون کئے تھے وہاں نامۂ اعمال میں یہ بھی درج کر لیا۔ تمام امور سے فراغت حاصل کر کے افغانوں کی طرف متوجہ ہوا تائید ایزدی شامل حال تھی اور نادر کے ہاتھوں افاغنہ سے ایران کی خلاصی مقدر ہو چکی تھی اس طرح شکست دیکر نکالا شاہ ایران نے بہت نوازش فرمائی اور سلطنت فارس نے خدا خدا کر کے نادر کی بدولت آفت سے نجات پائی لیکن اسی تخت کے

شاہ طہماسپ صفوی کو نادر کے ساتھ اس کی دانائی اور شجاعت کی وجہ سے ایک گونہ حسد سا ہو گیا۔

نادر افغانوں کے فتنہ کو فرو کر کے ایک دوسری مہم میں مشغول تھا کہ شاہ نے ایک فرمان واپس آنے کے واسطے بھیجا۔ نادر نے لڑائی چھوڑ کر آنے سے انکار کیا۔ بادشاہ بے مایہ نے ارکین دربار کے روبرو نادر کو باغی و نمکحرام کے الفاظوں سے یاد کیا۔ یہ خبر اڑتے اڑتے نادر کو بھی جا پہنچی۔ پھر نادر فوج لے کر اصفہان پر چڑھ دوڑا اور بادشاہ کو مجبور کیا کہ جو شرائط میں تجویز کروں ان کو منظور کیجئے اسی میں خیر ہے بندھا خوب مار کھاتا ہے شاہ نے ناچار جیسا نادر نے کہا منظور کیا۔ اس وقت سے طہماسپ کا اگر کچھ اختیار بھی تھا وہ بھی جاتا رہا۔ مگر نادر اس کے ساتھ اس وقت تک کہ سلطنت غصب کرنے کا وقت آ جائے احترام سے سلوک کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جوڑ توڑ سے غافل نہ رہا اور خراسان کی فتح کے بعد تو کھلم کھلا حرکات و سکنات سے ارکین دربار اور رعایا پر ظاہر کر دیا کہ میرے آگے بادشاہی حکم کوئی وقعت نہیں رکھتا ابتدا از دشیر بابکان کے نادر بھی رات کو جو خواب دیکھا کرتا صبح کو نجومیوں سے اس کی تعبیر پوچھتا۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک چار شاخ کی مچھلی ہے لوگ ہر چند اس کو پکڑنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہاتھ نہیں آتی نادر نے بسہولت اسے پکڑ لیا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر سلطنت کی مبارکباد دی۔ لیکن میرزا مہدی لکھتا ہے کہ چار شاخ کی مچھلی سے مراد ان چار ممالک سے ہے جو بعد ازاں نادر نے قبضہ میں لئے ایران۔ خوارزم۔ ہندوستان۔ توران۔

جب طہماسپ نے دیکھا کہ شامت اعمال سے بادشاہت برائے نام ہی رہ گئی۔ تقدیر پر راضی ہو کر ایک تاج شاہی مرصع بجواہر اور چار بڑے بڑے شہروں خراسان۔ مازندران۔ سیستان۔ کرمان کی حکومت کا پروانہ نادر کے پاس ایک امیر کے ہاتھ بھیج دیا۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپ بادشاہ کا لقب بھی اپنے نام کے ساتھ اضافہ کیجئے۔ نادر نے اور تمام بادشاہی عنایات کو قبول کر لیا لیکن لقب شاہ کی نسبت خیال کیا کہ اس کے اختیار کرنے میں سوائے اس کے کہ دوسروں کو حسد ہو کیا فائدہ ہے۔ دوسرے ابھی موقع بھی نہ تھا لہذا اس عزت سے شکریہ کے ساتھ انکار کیا۔

پروفیسر مرزا حیرت صاحب ترجمہ تاریخ ایران مصنفہ سر جان مالکم میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسی اثناء میں نادر کے بڑے بیٹے رضا قلی مرزا کی سلطان حسین مرزا مرحوم کی لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی۔ نادر نے اگرچہ سلطان کا لقب اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن ایک امر معظم مخصوصہ سلاطین کو اختیار کر لیا۔ حکم دیا کہ جو روپیہ فوج کی تنخواہ میں دیا جائے اس پر ہمارا نام سکوک ہوا کرے۔

دولت عثمانیہ کا قبضہ اس وقت میں اطراف عراق و تمام آذربائیجان پر تھا ابھی نادر کی سپاہ افغانوں کے تعاقب کی زحمت سے بھی آسودہ نہ ہوئے تھے کہ نادر ترکوں کو ایران کے حدود سے نکالنے چلدیا۔ تبریز کے پاس ان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ترکوں نے شکست کھائی اور بے حد نقصان کے ساتھ ہمدان سے ہٹا دیئے گئے یہاں سے فراغت پا کر اور آذربائیجان کی طرف متوجہ ہوا۔ تبریز و اردبیل غرض اس طرف کے کل بڑے بڑے شہروں کو فتح کر لیا۔

ترکوں کی شکست کی خبر قسطنطنیہ میں پہنچی ینگچری[1] فوج نے اول وزیر جنگ کو قتل کیا اور بعد ازاں سلطان احمد ثالث کو تخت سے اتار کر اس کے بھتیجے محمود خامس کو بادشاہ بنا دیا۔ نادر نے رضا قلی خاں ایک معزز سردار کو سلطان محمود کے پاس پیغام دیکر بھیجا کہ آپ ترکوں کو آذربائیجان خالی کر دینے کی ہدایت فرما دیجئے ورنہ مفت میں بندگان خدا کا خون ہوگا۔ نادر تو یہ کارروائی کر رہا تھا اور ادھر طہماسپ جو امرائے دربار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن رہا تھا۔ نئے سلطان محمود کو تخت نشینی کی مبارکباد لکھی۔ اور ابھی رضا قلی خاں کا نتیجۂ سفارت اور تہنیت نامہ کا جواب بھی نہ معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ بے وقوف مارے گھمنڈ کے سے ایران پایہ تخت ارمینیہ کے طرف جو ترکوں کے قبضہ میں تھا محاصرہ کرنے چل دیا لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا ترکوں سے شکست کھائی اور نادر کی حذاقت و شجاعت سے دو چار شہر ترکوں کے ایرانیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے وہ بھی نکل گئے۔ اب بادشاہ سلامت کو صلح کی سوجھی۔ آخر جس قدر مقبوضات ترکوں کے ایرانیوں کے پاس تھے وہ سب دیکر جان چھڑائی۔ اور پانچ قصبے مضافات کرمان شاہ سے احمد پاشا حاکم بغداد کو نذر کرنا پڑے جنکی سعی و کوشش سے صلح ہوئی تھی۔ اس ذلیل مصلحت سے ایران کی خوب ہی فضیحت ہوئی۔ اور دیگر سلطنتوں نے نظر حقارت سے دیکھا۔ نادر کو جب ان واقعات کی اطلاع پہنچی سوچا کہ اب موقع غصب سلطنت کا آ گیا۔ ایک فرمان تمام امرائے ایران کے نام بھیجا کہ ایسی نامردی کیسے تم صلح کر لینے سے تو مر جانا بہتر تھا میں فوج قاہرہ لیکر آتا ہوں اور جس قدر ملک طہماسپ کی نادانی سے غیر ہاتھوں میں چلا گیا ہے اس کو واپس لے لیتا ہوں میری فوج ظفر موج جس طرف کو جائے گی فتح اس کے ساتھ ہوگی۔

دشمن آتش پرست باد ہمایا نگو

خاک بسرکن کہ آب رفتہ بازآید بجو

اور ساتھ ہی یہ پیغام سلطان محمود خامس کو بھی بھیجا کہ یا تو جس قدر ملک ایران کا لیا ہے واپس کر دیجئے ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے۔ احمد پاشا حاکم بغداد کو بھی یہی لکھ بھیجا۔ ان سب امور سے فراغت پاکر اصفہان آیا۔ شاہ طہماسپ کو خوب ہی لعنت ملامت کی اور بعد ازاں دعوت کے بہانے سے بلاکر قید کر لیا۔ اور مع اسکی خواتین کے خراسان روانہ کر دیا۔ میرزا مہدی لکھتا ہے کہ اسوقت امرائے لشکر و اعیان کشور نے نادر کو تخت و تاج پیش کیا مگر نادر نے دیکھا کہ ابھی تخت پر بیٹھنے کا موقع نہیں۔ شاہ طہماسپ کے ہشت ماہہ لڑکے کو عباس ثالث کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا۔ خود امور سلطنت انجام دینے شروع کئے یہ واقعہ سنہ ۱۱۴۵ھ میں ہوا۔ اور مراسم جلوس وغیرہ سے فراغت پاکر عظیم الشان لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

ـــــــ ـــــــ محمد شفیع الدین خاں

---

[1] عیسائیوں سے لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہو کر آتے تھے ترک ان کو قواعد سکھلا کر فوج میں بھرتی کر لیتے تھے یہی ینگچری کہلاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ فوج ایسی زبردست ہو گئی کہ شاہی خاندان میں سے جو شہزادوں کو کثرت سے انعام دینے کا وعدہ کرتا اسی کو بادشاہ بنا دیتے سلطان محمود نے بالکل ان کو تباہ کر دیا ہے۔

تعارفات

تذکرہ خاندان عباسیہ

۱۲۵۸ء میں جب کہ عباسیان امروہہ کے اجداد وغیرہ بعد قتل و ہلاکت آخری خلیفہ بغداد کے جہاں سوا پانسو سال تک خلافت عباسیہ قایم رہی تھی مختلف مقامات کو منتشر ہوئے تھے۔ ایک شہزادہ محمد احمد مصر کو چلا گیا تھا۔ جہاں کے فرمانروایان ملوک سلطان صلاح الدین۔ فاتح بیت المقدس نے عباسی شاہزادہ کو اپنا سرپرست بنا کر مسند نشین کر لیا تھا۔ دو سو ساٹھ سال تک یہ نام نہاد خلافت بذریعہ سلاطین مصر قایم رہی۔ بعد کو اس وقت سے سوا چار سو سال قبل ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیمہ اول ترکی نے اپنے اخوان مفرور کو پناہ دہی کے حیلہ سے ملک مصر وغیرہ ضبط کر لیا اور دولتہائے محمدی کو عباسی آخری خلیفہ محمد دوازدہم سے لیکر کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ بعد کو خلفائے مصر کے اعقاب کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اگرچہ نواب صاحبان بہاولپور اپنا نسب نامہ خلفائے مصر سے ملاتے ہیں لیکن ان کے نسب نامہ نویسوں نے فاش اغلاط کی ہیں چنانچہ دہ والیان بہاولپور کا نسب محمد احمد خلیفہ اول مصریہ سے ملاتے ہیں جو از روئے تواریخ معتبرہ مغول چنگیز خاں سے جنگ آوری میں قتل ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہ چھوڑی تھی۔ بلکہ دوسرا خلیفہ مصر دیگر نسل بغداد سے مصر جانے پر خلیفہ بنایا گیا تھا۔

نسل عباسیان امروہہ و قضیہ ہاشمیت قبل ازیں کہ ہم مختصر حقیقت خاندان معرض بیان میں لائیں۔ ہم اس قضیہ کو یکسر کرنا چاہتے ہیں جو درمیان علویان و عباسیان کے جو دراصل فرقہ ہاشمیہ کے کے فروع ہیں۔ صدیوں سے چلا آتا ہے فرقہ ممتاز عربیہ قریش ہیں سے حضرت رسول اللہ کی نسل ان کے پردادا ہاشم کے نام سے ہاشمی کہلاتی ہے جن پر مال صدقہ آپ نے ممنوع و حرام قرار دیا تھا۔ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جس کی تصغیر قریش بنا کر نضر بن کنانہ کا لقب قریش رکھا گیا۔ اور ہاشم کے معنی کا سر یعنے توڑنے والے کے ہیں۔ کیونکہ زائران کعبہ کی مہمانداری کا انصرام ان حضرت کے ذمہ تھا جس میں مہمان لوگ روٹیاں توڑ کر شوربا سے لحمی میں مخلوط کر کے کھاتے تھے۔ پس منتظم مہمانداری کا نام ہاشم قرار پایا۔ ہاشمی نسل میں خود رسول اللہ۔ آل جعفر۔ آل عباس۔ آل علی و آل عقیل وغیرہ داخل ہیں جو حضرت کے بنی اعمام ہیں۔

خصوصیت حضرت عباس حضرت رسول اللہ نے اپنے عم بزرگوار حضرت عباس خاتم المہاجرین کو بمنزلہ والد کے ذکر کیا ہے وہ اس درجہ شرف کے مستحق تھے۔ کیونکہ وہ خاندان نبویہ کے ایسے محرم تھے

رسول خدا کی بہن اگر ہوتیں اور بیٹیاں بمنزلہ اولاد ہونے کے ان پر حرام تھیں اور قدرتاً ان سے از روئے شرع پردہ بھی لازم نہ تھا۔ یہ اقربیت کسی دیگر عقارب حضرت عقیل۔ حضرت جعفر و حضرت علی کو حاصل نہ تھی۔ جو حضرت عباسؓ کی خصوصیات میں سے ہے۔

اطلاق لفظ سید و امیر رسول خدا نے امام حسن و حسین کو سید الشباب واہل جنۃ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرات ابوبکر و عمر کو سید اکہول اہل الجنۃ یعنے سرداران معمران اہل بہشت ارشاد کیا ہے نیز اپنے چچا ابوسفیان ہاشمی کو سید فتیان اہل جنت یعنے سردار جوانان جنت خطاب دیا ہے۔ اور حضرت عباس کو سید العرب فرمایا۔ پھر اس صورت میں لفظ سید کی تخصص آل علی تک محدود نہ رہی۔

نسب پدری ہوتا ہے نہ کہ مادری دیگر تفضیں و فوقیت کی توجہ آل خاص حضرت علی۔ اپنی جدہ محترمہ بی بی فاطمہ سے پیش کرتے ہیں۔ باوجودیکہ مادری نسب کو علاوہ رواج دنیا کے کلام اللہ نے قطعی ممنوع قرار دیا ہے۔ ابناءکم من اصلابکم سے واضح ہے کہ تمہارے فرزندان تمہاری صلب سے یعنی نطفہ سے ہوتے ہیں۔ کہیں من بطون امہاتکم نہیں فرمایا گیا دوسری جگہ ایسا صاف حکم ہے کہ جس سے مادری نسب کا صریح امتناع ثابت ہے۔ ادعوا ھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ آدمیوں کو ان کے آباء کی طرف سے خطاب کیو یہ بات خدا کے نزدیک زیادہ انصاف ہے۔ بلکہ پدری نسب معلوم نہ ہونے پر بھی مادری نسب کو روا نہیں رکھا۔ جیسا کہ بعد کو علم ہے۔ وان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم یعنی اگر لوگوں کے آبا سے تم واقف نہ ہو تو بھی ان کو اپنا اسلامی برادر اور دوست کہو۔ اس صورت میں بھی ادعواھم لامھاتھم نہیں فرمایا۔

مادر نسب کا نتیجہ عقلاً مادری نسب ہر پشت میں بدل جاتا ہے جیسا کہ حضرت حسنین بنی فاطمہ کہے جاتے ہیں تو امام موسیٰ کاظم اپنی مادر حمیدہ بربریہ کے باعث بنی بربری کہلائیں گے۔ اور امام علی رضا اپنی والدہ نجمہ پرستار کے طفیل پرستار زادہ کہے جائیں گے۔ فلیقس ہذا

ایک جگہ مادری شرف سے نسب قایم کرنا اور دوسرے مقامات پر اس سے قطعی اعراض و گریز کرنا کونسی دانشمندی میں داخل ہے۔ بالخصوص ہمارے امروہہ کے داعیان سیادت جو تمام مخلوقات انسانی سے خود کو فائق و برتر سمجھے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سے روغنگر۔ نشاج۔ حلاق اور طوائف اور غلط زن ماؤں کے بطن سے جلوہ افروز اور مخلوط ہیں۔ نہ برادری میں کس شمار و قطار میں گنے جائیں گے نسب مادری کی تقبیح و تفضیح جو اس سے بھی فروتر ہے وہ کیا بیان کی جائے پس شرف مادری حضرات سیادت پناہوں کا بمقابلہ آل عباس کے جن میں اقسام مکروہ مذکور کا میں عدیوں سے نہیں ہے۔ کچھ فوقیت و مساوات نہیں رکھتا دیگر ہاشمی برادران کے سید کہلانے میں اظہار غضب کیوں کیا جاتا ہے بلکہ لفظ امیر المومنین ابتداءً صحابہ راشدین نے حضرت عمر کے واسطے تجویز کیا تھا۔ جمیع کتب واحادیث و تاریخ معتبرہ

اس کی شاہد ہیں۔ بعدہٗ یہ لفظ کل خلفاء کا خطاب ہو گیا۔ حضرت علی کے لئے یہ لفظ ہرگز کالوحی من السماء نازل نہیں ہوا۔ عباسیوں کے اسلاف پانسو سال بغداد میں اور اڑھائی سو برس مصر میں امیر المومنین کہلائے۔ پس علویوں نے بھی اس لفظ کو اپنا مایۂ ناز بنا لیا۔ اور آل فاروق یا آل عباس کو اس قدیمی لفظ امتیاز سے حرمان نصیب کر دیا۔ یہ خود ساختہ تعلی نہیں تو اور کیا ہے۔ سنی ضعیف الاعتقاد نسل پرستوں نے بھی اس ادعائے بیجا کو مان لیا۔

مظالم بنی امیہ

بعد استعفائے امام حسن کے امیر معاویہ کل ممالک اسلامی کے تنہا خلیفہ بن گئے۔ ان کے آغاز عہد میں ان کا عامل بسر بن ارطاۃ صوبہ یمن پر گیا۔ تو وہاں کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ گریز کر گئے۔ جو حضرت علی کی جانب سے منسوب تھے۔ لیکن ان کے دو بیٹے محسن و حسین قتل کر دئے گئے۔ یزید کے خلیفہ ہونے پر امام حسین نے اسکی بیعت سے انحراف کیا۔ اور اہل کوفہ کی دعوت پر جو اور کو منحرف ہو گئے۔ میدان کربلا میں جا کر شہید ہو گئے۔ عہد ہشام میں زید بن امام باقر نے کوفہ میں علم خلافت بلند کیا۔ اور فوج مخالف کے مقابلہ میں ۱۲۲ھ میں مارے گئے۔ مروان اموی کے وقت میں امام ابراہیم عباسی امام کہلاتے پکڑے ہوئے اور دودھ میں زہر دے کر ہلاک کئے گئے۔ ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید شہید خراسان پھرتے ہوئے کاؤ ناکام ولید ثانی کی فوج سے بمقام جرجان قتل ہوئے۔ ان کی لاش برابر اصلیت پر آویزاں رہی جس کو ابو مسلم خراسانی نے اپنی فتح کے بعد اتار کر دفن کیا۔ اس طرح اکثر بنی ہاشم بنی امیہ سے مغلوب و منکوب رہے۔

اسباب خلافت عباسیہ

جب ایک صدی تک بنی ہاشم علویہ و عباسیہ خلفائے بنو امیہ کے خدنگ ظلم کا ہدف بنتے رہے اور علویہ جو اپنی پیش قدمی و خروج سے عروج پا کر فوری کامیابی پر قدم جادۂ اعتدال سے بڑھا کر وضیع و شریف کے ننگ و ناموس و مال و متاع پر دست تغلب دراز کرتے اس وقت عام رعایا ان سے بیزار ہو کر ساتھ چھوڑ دیتی۔ اور یہ مدعی زوال میں پڑ جاتے۔ پس عباسیہ نے ان سے علیحدہ ہو کر [illegible] طریق پر تدبیر کامیابی اختیار کی۔ ان کے نقیب ابو مسلم خراسانی نے خراسان سے لشکر عظیم لیکر ممالک [illegible] کی چالیس ہزار فوج سے خراسان اور ایران فتح کرتا ہوا عراق پہونچا۔ جہاں سے ابو العباس عبد اللہ سفاح جدید خلیفہ عباسیہ نے اپنے چچا عبد اللہ بن علی [illegible] کو مع بیس ہزار لشکر کے مروان بن محمد آخری خلیفہ بنی امیہ کے مقابل مقام زاب کو روانہ کیا وہاں مروان مع ایک لاکھ بیس ہزار عساکر کے آمادۂ جنگ ہوا۔ جنگ عظیم کے بعد مروان بن محمد قتل ہوا۔ اور خلافت عباسیہ ۱۳۲ھ میں قائم ہو گئی۔ بعدہٗ ایک شاعر کے اشتعال دلانے پر چالیس ہزار بنو امیہ مار ڈالے گئے۔ اور معرکۂ کربلا کا انتقام عباسیہ نے بنی امیہ سے لیا۔

افتراق عباسیہ و علویہ

اگرچہ خلافت اسلامیہ بنی عباس نے آل علی سے ہرگز نہ لی تھی۔ جس کو وہ نوے سال سے کھو چکے تھے نہ علویہ کی کوئی امداد و کمک اس میں شامل تھی بلکہ عباسیہ نے نقش اپنی اور اپنے ہوا خواہوں کی

قوت بازو سے اپنے اور نیز علویہ کے اعدائے جان و مال سے حاصل کی تھی مگر دنیا بری بلا ہے۔ سلطنت تو بڑی چیز ہے تھوڑے سے املاک و اثاثہ پر بھائی سے بھائی باہم کر خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ عبد اللہ سفاح اول خلیفۂ عباسیہ نے بنو ہم علویہ کو لاکھا اکرام و انعام سے مالا مال و گرویدۂ احسان بنا لیا۔ لیکن عبد اللہ حسنی بد گمانی سے حجاز کی طرف خلیفہ کے پاس سے فرار ہو گئے اور ان کے فرزندان محمد مہدی اور ابراہیم نے خلیفۂ ثانی حضرت ابو جعفر منصور کی طلبی پر حاضری سے انکار کرکے بغاوت پر کمر باندھی اور دونو جنگ و جدل میں مارے گئے۔ اس واقعہ سے عباسیہ اور علویہ میں دروازۂ منازعت کھل گیا علویہ مختلف اقطاع میں غدر و غارت گری کرتے رہے اور عباسیہ قید و قتل پر مجبوراً عمل پیرا ہو گئے۔ اس حسد و فساد کا یہ نتیجہ ہوا کہ عظمت خلافت ہمیشہ کے واسطے بنی قریش و ہو ہاشم کے دست اقتدار سے نکل کر عجمی الاصل چنگیز خانی مغول و اہل تاتار کے ہاتھ جا پڑی۔ زائد از پانصد سالہ عباسیہ خلافت ایک غالی شیعی علقمی وزیر کی سازش سے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں خلیفہ مستعصم کے مظلومانہ قتل پر بدست ہلاکو خان نبیرۂ چنگیز خان کافر الاصل تباہ و برباد ہو گئی۔ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

"زندگی"

چوں شب عاشورہ سحر غم مرا تسخیر کرد
قلب من دریند او صد نالۂ شبگیر کرد

با نگاہِ من شعاع انجم گردوں نواز
باہمہ انوار کار خنجر و شمشیر کرد

راحت و تسکین شد نایاب یا در سینہ ام
مضطرب از غم مرا ایں گونہ چرخ پیر کرد

شکوہ وافر ز بخت نامساعد داشتم
باد ما غم چارہ فرمائی گل تقدیر کرد

فکر من از بسترم در عالم رویا چہ برد
در نگاہم قسمت من جنتے تعمیر کرد

آنکہ دشت کربلا از خون او سیراب شد
مشت خاکم را بخواب از نگہ خود اکسیر کرد

با عقیدت چشم من در راہ آں گردوں وقار
فرش گشت و در گریباں عالم تنویر کرد

عرض چوں در خدمتش کردم ز رمز زندگی
آں حیات آگاہ چنیں یک حرف او تفسیر کرد

زندگی خواہی چو ما از خوف غیر آزاد شو
در حریم حریت با عشق حق آباد شو

(شاکر صدیقی)

بلائے قرض

(از محمد قمر الحسن صاحب قمر بدایونی)

بظاہر رحم کے قابل مسلمانوں کی حالت ہے
ہنر ہے ہاتھ میں ان کے نہ انکے پاس دولت ہے
کرو جس شئے کا ذکر انسے انہیں اسکی ضرورت ہے
تہیدستی شریک حال ہے مونس نحوست ہے

اسی داد و ستد سے ناؤ اپنی آپ کھیتے ہیں
ہمیشہ سود دیتے ہیں ہمیشہ قرض لیتے ہیں

یہ کس کے کام آئیں جب اخوت ہی نہیں باقی
جو ان کا ساتھ دیتی اب وہ ہمت ہی نہیں باقی
کریں کیا قدر خودداری حمیت ہی نہیں باقی
حیا سے کیا علاقہ ان میں غیرت ہی نہیں باقی

کریں کیوں فکر اس کی کام جو قرضے سے چلتا ہے
یہ ہے نام آوری بدنامیوں سے نام چلتا ہے

نہیں ہے پاس کوڑی شان اسپر بھی بناتے ہیں
کہ لے کر قرض شادی بیاہ میں رقمیں اڑاتے ہیں
تمسک لکھ کے دنیا کو اولوالعزمی دکھاتے ہیں
ریاست بیچ کر کھاتے ہیں قرضہ چھوڑ جاتے ہیں

یہی نام آوری ہے بس اسی میں نام ہوتا ہے
کبھی نالش کبھی ڈگری کبھی نیلام ہوتا ہے

یہ وہ آفت ہے جس کو دیکھکر دل کانپ جاتا ہے
یہ وہ تکلیف ہے جس سے کلیجہ منہ کو آتا ہے
یہ وہ غم ہے جو رہ رہ کر ہمیشہ دل دکھاتا ہے
یہ وہ صدمہ ہے جو اب رات دن ہمکو ستاتا ہے

یہ درد دل وہ ہے جو ہم سناتے ہیں زمانے کو
یہ وہ زخم جگر ہے جو دکھاتے ہیں زمانے کو

آخری تیر

(از جناب محمد عبد الشکور صاحب ایم۔ اے علیگ)

فیروزہ کے حسن و جمال کا دور دور شہرہ تھا۔ عاشقان جانباز اس کی شمع حسن پر پروانہ وار فدا ہوتے تھے اور طالبان صادق کی تعداد روز افزوں ترقی پر تھی۔ اسکی سازبخت آنکھوں نے اس کی لانبی لانبی محشر بدوش زلفوں نے اس کی قیامت خیز رفتار نے شائقین کو ہمیشہ مضطرب و بے چین رکھا اور اس کی پرستش پر مجبور کیا۔ اختر بھی اس کا ایک سچا شیدائی تھا جس نے کئی سال سے اس کی بارگاہ ناز میں جبہ سائی کی تھی اور رفتہ رفتہ اپنی بیوی بچوں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہوکر اسی کا ہو رہا تھا۔ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ اختر کو چاہتی تھی اور اس سے محبت کرتی تھی کیونکہ اس بازار میں جہاں زر و سیم کی پرستش ہوتی ہے جنس محبت کمیاب ہوتی ہے مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ اختر کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اور اس کی آمد و رفت اور گرویدگی کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتی تھی۔

اس وقت اختر اور فیروزہ دونوں ایک ہی کمرہ میں بیٹھے شراب پی پی کر پیار و محبت کی باتوں میں محو تھے۔ اور خدا کی وسیع دنیا کی کوئی فکر ایسی نہ تھی جو ان کے عیش و عشرت میں مخل ہوتی۔ اختر شاعرانہ انداز سے کبھی فیروزہ کی رعنائی جمال کی تعریف و توصیف میں تر زبان ہوتا اور کبھی اپنی پائدار محبت کے استحکام اور اپنی وفاشعاری کے پے در پے ثبوت دیتا تھا اور بار بار اس فقرے کو ایک خاص گرمجوشی کے ساتھ دہراتا تھا۔

"پیاری فیروزہ! آفتاب عالمتاب تیرہ و تار ہو سکتا ہے زمین اپنے محور پر مستقلاً قایم ہو سکتی ہے دریا اپنی روانی اور چاند اپنی ضیا پاشی بھول جائے مگر اختر فیروزہ کی پرستش سے دست بردار ہو ممکن ہی نہیں۔"

فیروزہ اپنے عاشق کی سرگرمی دیکھتی اور مسکراتی۔ اسی پرکیف گفتگو کے دوران میں دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ اختر چونک اٹھا وہ اسوقت سلیپر اور قمیص پہنے ہوئے بالکل بے تکلف بیٹھا ہوا تھا اس نے فیروزہ پر یک استفسارانہ نگاہ ڈالی اور پوچھنے لگا۔

"کوئی چھوکرا ہوگا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یا ممکن ہے ڈاکیہ ہو"

"بہت ممکن ہے۔۔۔۔۔۔ مگر شاید کوئی اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایکبار اور دستک دیگئی"

اختر کو ڈاکیہ کی یا کسی چھوکرے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی وہ دن میں بیشتر اوقات اور شب میں فیروزہ ہی کے آغوش محبت میں رہتا تھا۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے کہاں تک پوشیدہ رہتا مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی اور ہی ہو اس نے اپنی شرمانی

کھونٹی پر سے اتاری اور قبل اس کے فیروزہ دروازہ کھولے ایک ایسے قریبی کمرہ میں پناہ گزیں ہوا جہاں وہ آنے والے شخص کی باتیں بخوبی سن سکتا تھا۔

فیروزہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا مگر آنے والے کو دیکھ کر پریشان و ششدر ہوئی چھوکرے اور ڈاکیہ کا تو کیا ذکر اور کوئی شناسا بھی نہ تھا۔ بلکہ ایک قبول صورت پری پیکر خاتون اس کے دروازے کے سامنے موجود تھی۔ سراسر اجنبی شاید ایسی پاکیزہ صورت اور ایسی معصوم اور مظلوم نگاہیں فیروزہ نے اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھی تھیں تمام جسم ایک سفید چادر میں ملفوف تھا مگر اس کے عضو عضو سے سادگی اور شرم و حیا ٹپکتی تھی۔ فیروزہ اس محیر العقول منظر کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئی۔ شاید وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکتی تھی۔ اس کے زرد زرد پتلے پتلے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور وہ چاروں طرف متوحش نگاہیں ڈالکر بولی۔

کیا میرے شوہر یہاں ہیں؟"

فیروزہ نے اس پر ناقدانہ نظر ڈالی اس آنکھوں کے حلقوں پر اور اس کے بسنتی رخساروں پر آنسوؤں کے آثار موجود تھے۔ شاید وہ راستہ میں روتی ہوئی آئی تھی اور اب بھی اس کے جذبات کا تلاطم سرکشی پر آمادہ تھا۔ فیروزہ پر اسکی ہیئت کذائی اور مجموعی حالات کا اثر نہایت گہرا ہوا اور شوہر کا لفظ سنکر اس کے ہوش و حواس پریشان ہو گئے!

"شوہر؟" وہ بولی "کس کا شوہر، کونسا شوہر"

"میرا شوہر .... اختر .... !؟"

"نہ .... نہیں ....

جناب، میں کسی کے شوہر کو نہیں جانتی"

دو منٹ بالکل عالم سکوت میں گذرے اجنبی عورت، خاتون نے کئی دفعہ اپنے زرد زرد لبوں پر رومال پھیرا اپنی سانس پر قابو پانے کی کوشش کی اپنی ہمت اور اپنے عزم کو استوار اور مستحکم کیا خاموش اور ساکت فیروزہ حیرت زدہ کھڑی رہی تھی۔ لحظہ بہ لحظہ مرعوب ہوتی جاتی تھی۔

اجنبی خاتون نے کڑک کر کہا "تم تو یہ کہتی ہو کہ وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"معلوم نہیں آپ کیسے دریافت فرماتی ہیں؟"

اجنبی خاتون نے فیروزہ پر جسس کی نظر کی اور نہایت تحقیرانہ لہجہ میں کہنے لگی۔

"تم کمینی، مکروہ اور نہایت ہی بدذات ذلیل ہو۔ میں مجبور ہو کر یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں تمہیں خدا سمجھے گا"

یہ الفاظ سنکر فیروزہ لرز گئی اور اسے یقین سا ہو گیا کہ میری صورت بھی اس اجنبی کو مکروہ معلوم ہو رہی ہے وہ اپنے نازک لبوں، درخشندہ رخساروں اور سیاہ بالوں کا خیالی جائزہ لے کر پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ حالانکہ اس کے حسن عالم سوز

کے بھی رسیلے اجزاء تھے جن کی بدولت اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے۔ یا اب یہ کیفیت تھی کہ یہی باتیں اس کے دل میں کھٹک رہی تھیں اس نے جلد محسوس کیا کہ میرے چہرہ کا پوڈر میرے گالوں کی مصنوعی سرخی اور میری بارونق پوشاک میری اصلی حالت زار کی غمازی کر رہی ہیں۔ کاش میری حالت ایسی تباہ نہ ہوتی کہ اس اجنبی خاتون، اس پیکر روحانی اس مجسمہ نورانی اس ہیکل صدق و صفا سے دوبدو ہوکر ہمکلام ہوسکتی۔ روپیہ پیسے مال و دولت میں اس سے مقابلہ کرسکتی ہوں۔ شہر کے تمام عمائدین اور مقتدر اصحاب میری نگاہ لطف کے امیدوار ہیں مگر وہ کونسی کمی ہے وہ کس صفت کا فقدان ہے جس کی وجہ سے بھولی بھالی مسکین صفت خاتون کی سخت و سست باتیں سن رہی ہوں۔

فیروزہ ان ہی خیالات میں مست و غرق تھی۔ کہ اجنبی خاتون پھر بولی:

بتاؤ میرا شوہر کہاں ہے؟ .... خیر مجھے اس کے متعلق پتہ نہیں کہ وہ یہاں ہیں یا نہیں مگر میں تمکو یہ بتانا چاہتی ہوں بندہ کار روپیہ غایب ہے۔ اغلباً غبن ہوا اس لئے لوگ اس کی جستجو میں ہیں اور اسکو گرفتار کرنا چاہتے ہیں .... یہ سب تمہارے کرتوت ہیں .... تمہارے نابکار کرتوت!!"

یہ کہکر اجنبی خاتون کھڑی ہوگئی اور کمرے میں بے تابانہ انداز سے ٹہلنے لگی۔

فیروزہ کا خوف برابر ترقی پر تھا مگر وہ اس کا سبب معلوم کرنے سے قاصر رہی،

مجھے معلوم ہے کہ وہ پکڑ کر گرفتار کر لئے جائیں گے۔

یہ کہکر ماہ وش خاتون نے ایک چیخ ماری اور بے دم ہوکر کرسی پر لیٹ گئی۔

مجھے معلوم ہے کہ آخر کو اس ذلیل حالت میں کس نے کس نے پھنسایا ہے مجھے اس کی خبر بھی ہے کہ میں بالکل بے دست و پا ہوں بالکل بے کس۔ تو مجھ سے کہیں زیادہ اچھی حالت میں ہے۔ مگر ہاں صرف خدا کی ایسی ایک ذات ہے کہ مجھکو فاقہ کشی کی تکلیفوں اور عریانی کی شرم کو بچاسکتا ہے۔ خدا سب کو دیکھتا ہے سب کچھ سنتا ہے۔ تیری ناپاک حرکتیں بھی اور میری آہ و فریادیں بھی۔ وہ مہربان ہے منصف ہے۔ اے ذلیل عورت۔ وہ میرے ہر آنسو کے لئے تجھے سزا دیگا میری نیند سے خالی راتیں تجھ پر بلا بن کے ٹوٹیگی۔

اس کے بعد پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ خاتون ٹہل ٹہل کر کف افسوس ملتی تھی۔ اور اپنی آنے والی مصیبت کا اندازہ دل ہی دل میں کر رہی تھی۔ فیروزہ نے اسپر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی۔ اور کہنے لگی۔

محترم خاتون۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔" فیروزہ کہنے کو تو کہہ گئی مگر اس کا دل ایک کیلے کے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

تم جھوٹ بول رہی ہو میں تم کو مدت سے جانتی ہوں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس ماہ میں اس نے ساری راتیں تمہارے پہلو میں بسر کیں۔"

پھر کیا ہُوا ؟

فیروزہ نے دل قوی کرکے کہا " میرے بہت سے ملاقاتی ہیں۔ مگر کسی کو یہاں آنے پر مجبور نہیں کرتی۔ تمہارے شوہر کو بھی کامل آزادی ہے۔ وہ چاہے کرے جہاں چاہے جائے۔ میں کچھ نہیں کہتی "

میں نے تم کو بتا دیا۔ اس وقت جذبات کا سوال نہیں ہے۔ بنک کا روپیہ غائب کردیا۔ وہ ایک سنگین جرم میں ماخوذ ہیں تجھ جیسی ناپاک ہستی کی خاطر (غصہ سے بے چین ہوکر) اے ساحرہ! سن!! تیری زندگی ہے اور مقصد حیات!! اگر یقیناً تو اتنی بھی پست نہیں ہے کہ تیرا دل معمولی انسانی جذبات سے بھی خالی سمجھا جائے۔ اس بدنصیب اختر کی ایک ناتوان بیوی بھی ہے اور بچے بھی اور اگر وہ خدانخواستہ جیل خانہ میں دھکیل دیا گیا تو ہم ایک معینہ مدت تک فاقوں کی مصیبت میں پھنس جائیں گے اب تم سمجھیں! اب بھی اس تباہی اور بربادی سے بچنے کی امید ہے۔ صرف نوسو روپوں کی ضرورت ہے صرف نوسو روپوں کی۔

فیروزہ (چیں بجبیں ہوکر) " کیسے نوسو روپے۔ میرے پاس کسی کے نوسو روپے نہیں۔ میں ...... "

میں تمہارے روپوں کی طالب نہیں ہوں۔ نہ مجھے تمہارے کسی شئے کی ضرورت ہے۔ مگر تم جیسی عورتوں کو اکثر بڑے قیمتی تحائف دئے جاتے ہیں۔ صرف مجھکو وہ چیزیں واپس کردو۔ جو میرے شوہر نے تمکو دی ہیں "

" محترم خاتون! تمہارے شوہر نے کوئی تحفہ نہیں دیا "

تو پھر اس قدر روپیہ کہاں گیا۔ اس نے میرا ذاتی، اپنا اور پھر دفتر کا سب روپیہ کہاں برباد کیا؟ دیکھو میں تم سے منت کرتی ہوں میں نے غصہ کی حالت میں تمہیں بہت کچھ برا کہا۔ اس کی میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔ تم مجھ سے نفرت نہ کرو یہ دیکھو میری کیا حالت ہے اور مجھ پر کیا گذر رہی ہے "

فیروزہ نے کہا مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے مگر خدا گواہ ہے کہ اس نے مجھے صرف دو چھوٹے چھوٹے تحفے دئے ہیں جو نہایت خوشی سے آپ کو دیتی ہوں "

یہ کہکر اس نے بکس کھولا اور ایک طلائی گلوبند اور انگشتری ناتون کے سامنے پیش کردی جنکو دیکھ کر معصوم صنف خاتون کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور برا فروختہ ہوکر بولی "

میں تم سے خیرات نہیں مانگتی۔ میں تم سے بھیک چاہتی ہوں۔ میں تم سے وہ چیزیں طلب کرتی ہوں جو دراصل تمہاری نہیں ہیں۔ بلکہ جو تم نے میرے شوہر کی آنکھوں کو خیرہ کرکے اور اس کے ہوش و حواس کو سلب کرکے حاصل کیں۔ تم نے میرا آرام میرا چین۔ میری خوشی۔ میرے گھر کی رونق۔ یہی نہیں بلکہ میری سب سے عزیز شئے میرے سیہ خانۂ دل کی شعاع تنہا۔ یعنی میرا شوہر مجھ سے چھینا کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک باعصمت عورت کی نظروں میں اس کے شوہر کی کیا وقعت اور حیثیت ہوتی ہے .... یہی نہیں بلکہ .... اب .... اب تم جھوٹ بول رہی ہو۔ گذشتہ جمعرات کو جب تم اختر کے ساتھ ساتھ سکندر باغ میں چہل قدمی کررہی تہیں اسوقت میں نے سنا ہے کہ تمہاری

ناپاک دبرافروختہ ہوکر، گردن اور تمہارا بے حیا سینہ قیمتی زیورات سے مرصع تھا۔ مجھ سے چالیں نہ چلو۔ مجھ سے باتیں نہ بناؤ۔ میں تم سے آخری مرتبہ دریافت کرتی ہوں کہ تم مجھے وہ زیورات دو گی یا نہیں۔ مجھے صرف ۹سو روپے درکار ہیں"

محترم خاتون!" فیروزہ کچھ دیر خاموش اور حیرت زدہ رہ کر بولی" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہتی ہیں میں پھر آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھے اختر نے صرف یہ دو زیور دئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی قیمتی چیز مجھے نہیں دیگئی"

"سبحان اللہ" یہ کہکر عصمت مآب خاتون کرسی پر بیٹھ گئی اور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا کر بولی۔

افسوس! اگر نوسو روپیہ نہ ملے تو اختر گرفتار ہو جائیگا۔ اور ہم سب لوگ برباد اور خستہ ہو جائیں گے یا اللہ کیا میں اس ذلیل عورت کو مار ڈالوں . . . . یا پھر ایک دوسری صورت ہے۔ میں اس کے قدموں پر اپنا سر رکھدوں"

یہ کہہ کر خاتون نے چہرہ پر رومال رکھا اور زار و قطار رو کر ان الفاظ میں یاد کرنے لگی۔

یا اللہ! ان بچوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ جوان پر یہ ظلم کیا جا رہا ہے"

فیروزہ جس کی حیات خفتہ اس محترم خاتون کو دیکھتے ہوئے بیدار ہو چلی تھیں۔ اس دلدوز تقریر سننے کے بعد بغیر متاثر ہوئے نہ رہی۔ اس کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔ رگوں میں اس کا خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ اور اس کے جسم کا رنگ رنگ مشتعل ہو گیا۔ یہ فرشتۂ رحمت، یہ جنت کی حور، یہ عصمت کی دلربا دیوی۔ یہ ایثار عظیم کی پیاری تصویر میرے غلیظ قدموں پر۔ یہ عصمت مآب پری تمثال خاتون جس کے ہوئے عنبریں ارواح قدسیہ کی مشام نوازی کرتے ہیں۔

غریب فیروزہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اور فضا کے تخیل میں اسے چند ایسے بچے نظر آرہے تھے جن کو بھوک و پیاس کی شدت نے بیقرار کر دیا تھا۔ اور جو فقیرانہ لباس کی وجہ سے موسم کی گستاخ دستیوں کا شکار ہو رہے تھے۔

کیسا دردناک اور دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ ایک پاکباز، مہذب، شریف النفس، عالی خاندان، نیک طینت شریف زادی اپنے ایسے بے دین ظالم اور بے رحم شوہر کی امداد کے لئے دیوانہ وار پھر رہی ہے۔ اور جس کے جور و ستم نے اس کو نان شبینہ کا بھی محتاج کر دیا ہے۔ نہ صرف دیوانہ وار پھر رہی ہے بلکہ ایسی گندی بازاری عورت کے ناپاک قدموں پر سر رکھنے کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہے جو زر و جواہر کی عارضی روشنی سے چکاچوند ہو کر ہر شب متاع عصمت فروخت کرتی ہے

آدھ گھنٹہ پیشتر وہ کچھ اور تھی۔ حرص و آز کی مجسم تصویر۔ بداخلاقی اور کذب و فریب کی پتلی۔ انسانی لباس میں ایک زہریلی ناگن ناممکن تھا کہ کوئی شخص اس کے دام فریب میں پھنسا۔ اور تباہ و برباد ہو کر نہ جاتا۔ ایک اختر بیچارہ کیا اسنے خدا جانے کتنے بانکے رئیس زادوں کو در بدر پھرا دیا۔ اب بھی مشہور تھا کہ فیروزہ کے گھر سے صحیح و سالم واپس آنا ممکن نہیں آفتاب حسن کی جہاں شعاعیں پڑتیں آنکھوں کو اندھا اور دماغ کو معطل، اور عقل و خرد کو نیست و نابود کر دیتیں۔ یا اب یہ عالم تھا کہ ایک ناتوان بیکس لاچار مفلوک الحال کمزور عورت نے اسے برباد کر دیا۔ یکلخت پر ہیبت ہو گئی اسکو دنیا تیرہ و تاریک نظر آنے لگی جسمیں اسکی گذشتہ زندگی کا چشمہ سیاہ پانی سے لبریز ابلتا ہوا بہ رہا تھا وہ اسکے کنارہ پر کھڑی تھی اور اسمیں ہاتی تھی ایک چشمہ

ہی کیا بلکہ چشم تخیل سے، اسنے جدہر دیکھا خوفناک اور تباہ کن مناظر ہی نظر آئے وہ چلا اٹھی۔

بیوی صاحبہ! لیجئے یہ سب حاضر ہے۔ میں اپنی ساری دولت آپکے سپرد کرتی ہوں یہی نہیں بلکہ میں خود آپ کے قدموں پر گرتی ہوں: پاکیزہ مزاج خاتون نے، اپنے ترکش کے اس آخری تیر سے دو کامیاب نشانے مارے۔ نہ صرف فیروز ہی کی کایا پلٹ ہوگئی بلکہ اختر نے بھی اپنی زندگی کا ایک نیا باب کھولا۔ جو ذمہ داری، راست بازی اور پاکیزگی سے لبریز تھا:

نوحۂ اسلام

(مولوی شمس الحق صاحب نظامی بچھرایونی)

ماتم ہے شہید کربلا کا — ہنگام ہے نالہ و بکا کا
دنیا اوڑھے سیاہ چادر — بادل میں چھپا ہے ماہ پیکر
ہر آنکھ سے اشک خوں ہو جاری — ہر دل پہ ہو غم کا ابر طاری
ہر سینہ ہو آہ سے شرربار — ہر آنکھ ہو اسکے غم میں بیمار
اسلام کا باغ خشک سا تھا — شبیرؑ نے اپنے خوں سے سینچا
جاں دیکے بچایا اپنے دیں کو — سکھلایا سبق یہ اہل کیں کو
وہ خون جو مایۂ جہاں تھا — جو تحفۂ روضۂ جناں تھا
شبیرؑ نے اس طرح بہایا — ہر ذرہ کو مشک میں نہلایا
وہ لودہ نیش وہ ریگ صحرا — بھُن جائے فلک کا بھی کلیجا
اس ریت پہ لاش شاہ تڑپی — اک برق سی ہے دل پہ چمکی

اے مسلم خستہ زار و بیکس — کیوں ہنستا ہے تجھ پہ آج ہر کس
تو بھول گیا سبق وہ اپنا — شبیرؑ نے خون سے جو لکھا
ذرے ترے منتشر ہوئے ہیں — پتے ترے دھوپ میں پڑے ہیں
شیرازہ ترا بکھر گیا ہے — توحید کا رنگ اتر گیا ہے
بھولا نہ تھا غم حسینؑ کا تو — سوکھے نہ ابھی تھے تیرے آنسو
یہ دوسری چوٹ دل پہ کھائی — یہ چیخ اٹھا کہ حسین کی دہائی
کر حق سے دعا تجھے بچائے — اس غم کے ہجوم سے چھڑائے
ناموس نبیؐ کو رکھے محفوظ — ہو اسکا ادب ہر اک کو ملحوظ
اسلام سے تفرقہ مٹادے — بچھڑے ہوؤں کو گلے ملادے
ہو ہاتھ میں اپنے حق کی رسی — منت نہ اٹھائیں ہم کسی کی

یارب ہمیں دین حق سکھادے
بھولا ہوا پھر سبق پڑھادے

(فسانہ)

چچا میاںؔ

ہمارے مکان کے سامنے ہی ایک مکان عرصہ سے کرایہ کے واسطے خالی تھا اور کوئی کرایہ دار اس لئے اس مکان میں نہ آتا تھا کہ اول تو وہ بہت بڑا تھا۔ دوسرے اس کا کرایہ بھی وسعت کے اعتبار سے معمولی نہ تھا۔ پانی کا نل بجلی کی روشنی چھوٹا سا چمن ٹینس لان۔ غرضکہ ضرورت کی سب چیزیں اس میں موجود تھیں۔ کچھ دن ہوئے تین ماہ کے لئے مظفر نگر کے رئیس بغرض علاج اس مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے مگر ان کے بعد سے اب تک کوئی نیا کرایہ دار نہیں آیا تھا۔ رئیس صاحب تین مہینہ میں اس قدر تعلقات ہم لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے کہ آجتک خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اسی طرح ہمارا دل چاہتا تھا کہ اس مکان میں کوئی معقول آدمی مستقل طور پر ٹھیرے تاکہ اس سے تعلقات پیدا کر کے تھوڑا بہت وقت دلچسپی میں گذار لیا کریں۔ اس لئے کہ ہمارے محلہ میں اول مکان بہت دور دور بنے ہوئے ہیں دوسرے کوئی شخص بھی نہیں رہتا جس سے تعلقات پیدا کر کے ہمسائگی کا لطف اٹھایا جائے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دفتر کے اوقات کے علاوہ یا تو گھر میں پڑے رہتے تھے یا ٹہلنے کے لئے تھوڑی دور چلے جاتے تھے مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ لطف جو ایک ہمخیال اور معقول پڑوسی کے حاصل ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ہم تقریباً بالکل محروم تھے۔

تین سال تک وہ مکان بالکل خالی رہا اس کے معنے یہ ہوئے کہ تین سال تک ہم اپنی فرصت کے اوقات اُدھر اُدھر منتشر کرتے پھرتے۔ آخرکار ایک معمر پنجابی اس مکان میں آکر ٹھیرا۔ اس شخص کے ساتھ چار عورتیں دو چھوٹے چھوٹے بچے اور دو ملازم تھے۔ حالانکہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی ہماری دلچسپی کے لئے کوئی موزوں نہ تھا عورتوں سے ہمیں کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا۔ بچے ہمارے لئے بیکار تھے۔ اس لئے کہ ہم کو بچوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ملازم ہمارے کس کام کے رہے۔ صاحب خانہ وہ اس قدر معمر رسیدہ تھے کہ ہمارا انکا کوئی جوڑ ہی نہ تھا۔ مگر پھر بھی ویرانے سے آباد ہی کا ہو جانا ہم نے غنیمت سمجھا اور اپنے آس پاس انسان کی صورت دیکھ کر ہماری وحشت بھی کم ہوئی۔ ہم خود اپنے نئے ہمسایہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے گئے اور ادھر ادھر کی ایک آدھ رسمی بات کر کے چلے آئے دوسرے دن پھر گئے اور تھوڑی دیر تک گفتگو کر کے چلے آئے۔ تیسرے دن ہمارے نئے پڑوسی ہمارے مکان پر خود آئے اور ہم نے ان کو عزت سے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ حقہ پان اور چائے سے تواضع کی اور بہت ادب کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہے ہم کو اپنے پڑوسی کے متعلق یہ اندازہ ہوا کہ یہ حضرت ہیں تو بڑے میاں مگر بہت دلچسپ ہیں۔ ان کی باتوں سے بہت دل لگتا ہے اور ہم کو یہ بھی احساس ہوا کہ بڑے میاں ہمارے ساتھ بالکل اسی طرح پیش آتے ہیں۔ جس طرح کوئی بزرگ اپنے چھوٹے سے بچہ

ساتھ پیش آئے۔ وہی سمجھا سمجھا کر ناصحانہ لب ولہجہ۔ اپنے تجربہ کو ہماری ناتجربہ کاری پر غالب رکھنے کا انداز وہی باتیں جو ہمارے
جو ہمارے بزرگ ہم سے کہا کرتے تھے۔ ان حضرت نے بھی شروع کیں اور ان کی ان باتوں سے ہمارے دل میں بھی
ان کے لئے ایک احترام آمیز جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کی طرف سے بزرگانہ شفقت اور ہماری طرف سے احترام۔ آپس کے
تعلقات کو روز بروز بڑھانے لگے۔ اور اب یہ ہمارا معمول ہو گیا کہ دفتر سے واپس آکر روزانہ چائے ہم اپنے پڑوسی کے
یہاں پیتے تھے اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے معمر پڑوسی جن کو ہم نے چچا میاں کہنا شروع کر دیا تھا۔ ہماری دفتر کی واپسی کا بالکل
اسی طرح انتظار کرتے تھے جس طرح ہم دفتر سے چھوڑ کر اپنے پڑوسی کے یہاں پہنچنے کے لئے ایک ایک منٹ گنا کرتے تھے
یہ سب باتیں ایسی تھیں جنہوں نے تھوڑے ہی دن میں ہمارے اور ان کے تعلقات کو عزیزانہ تعلقات بنا دیا تھا۔ ہمارے
پڑوسی کا کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جو ہم سے پوشیدہ ہو اور کوئی بات ایسی نہ کی جاتی تھی جس میں ہمارا مشورہ شریک نہ ہو۔

ایک دن ہمارے دفتر میں تعطیل تھی مگر معلوم نہیں کیوں۔ میں نے زیادہ وقت اپنے مکان پر ہی گذارا۔ آخر کار ہمارے
پڑوسی نے آدمی بھیجکر ہم کو بلوایا۔ جس وقت ہم ان کے پاس پہونچے وہ آرام کرسی پر اس انداز سے بیٹھے تھے گویا صرف
ہمارا انتظار کر رہے ہیں مجھ کو دیکھ کر اپنے مخصوص انداز سے بولے:

"آئیے میاں سلیم۔ آج تو آپ نے تعطیل کا دن سو کر گذار دیا"

میں نے جواب دیا۔ جی نہیں چچا میاں میں سو نہیں رہا تھا۔ بلکہ آج کا پروگرام اس قدر طویل ہو گیا کہ حاضر نہ ہو سکا
عام ہفتہ کی ضروریات آج ہی کے لئے ملتوی ہوتی رہیں لہذا آج رخصت کا دن سب سے زیادہ مشغول دن بن گیا۔

چچا میاں۔ یہ بات ہے۔ میاں سلیم کہ تم اپنے نام کی مناسبت سے اس قدر سلیم الطبع اور سعید واقع ہوئے ہو کہ
میرا دل تمہاری باتوں سے اور تم سے ملکر بہت خوش ہوتا ہے خدا تمہاری عمر میں برکت دے خوش نصیب ہیں وہ والدین
جن کی اولاد تمہارے جیسی ہو"

میں سر جھکائے سنتا رہا اور میرا دل اس تعریف سے باغ باغ ہو رہا تھا۔ جب چچا میاں نے اپنا جملہ ختم کر لیا تو میں نے
بات ٹالنے کے لئے کہا:

چچا میاں۔ آج میں چائے اسی وقت پیونگا اس لئے کہ بغیر دو مرتبہ چائے پیئے ہوئے تعطیل نہیں معلوم ہوتی۔

چچا میاں:۔ ضرور ضرور ابھی چائے منگاتا ہوں۔ آج تو تمہاری چچی نے تمہارے لئے اپنے وطن کا حلوہ خاص طور پر
بنایا ہے۔ وہ بھی تعطیل کے جشن میں چائے کے ساتھ اڑے گا۔

چچا میاں نے چائے کا حکم دیدیا۔ اور ادہر ادہر کی باتیں ہوتی رہیں معلوم نہیں چچا میاں کو بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی
کہ میرے تمام خاندانی حالات پوچھنا شروع کئے۔ میں بھی بتاتا رہا اور وہ غور سے سنتے رہے۔ جب میں اپنی گفتگو ختم کر چکا تو کہنے لگے
میاں سلیم۔ آج میں تم کو اپنی زندگی کے کچھ واقعات سناؤں گا۔ جن کو آج سے پہلے میں نے کسی کو نہیں سنایا

اور میں جانتا ہوں کہ ان واقعات سے تم خاص دلچسپی لوگے اس لئے کہ وہ میرے شباب کی داستانیں ہیں۔
میں ہمہ تن گوش ہوکر چچا میاں کی طرف متوجہ ہوگیا چائے بھی آچکی تھی۔ اس لئے چائے نوشی اور داستان گوئی ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔

(۲)

میاں سلیم! میں تم کو اپنی زندگی کے وہ واقعات سنانے والا تھا۔ جنہوں نے میری زندگی کو ایک طوفان خیز سمندر بنائے رکھا۔ اور ان واقعات کے سنانے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جو تجربے حاصل کئے ہیں۔ ان سے تم کو بھی بے خبر نہ رکھوں۔ میاں سلیم! یاد رکھو کہ انسان کی دور روزہ زندگی میں کم و بیش واقعات پیش آتے ہیں جو مجھکو پیش آئے ہیں۔ مگر کوئی ان واقعات سے اتنا سبق نہ لیتا ہوگا جتنا کہ میں نے لیا۔ میں ایک امیر کبیر باپ کا بیٹا تھا مجھ کو ناز و نعم میں پالا گیا تھا۔ میں گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھا اور لاڈ پیار میں مجھ کو بے حد خراب کر دیا گیا تھا نتیجہ ہوا کہ جب مجھے پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ تو میرا دل کسی طرح پڑھنے میں نہ لگتا تھا۔ آج درد سر کا بہانہ ہے تو کل درد شکم کا۔ غرضکہ اسی طرح میں پڑھنے سے بچتا رہا۔ اور اچھی خاصی عمر تک پڑھنے سے بچتا رہا اور کچھ نہ پڑھا۔ والد نے تو اس کی کچھ پرواہ نہ کی مگر چچا نے میرے ساتھ سختی برتنی شروع کر دی وہ یہی چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے میں تعلیم حاصل کر لوں اور انکو میرا تعلیم سے جی چرانا بہت برا معلوم ہوتا تھا۔ چچا کی اس سختی پر والد کا تو میں اندازہ نہ کر سکا۔ لیکن والدہ کو میں نے دیکھا کہ بہت ناگواری سے فائدہ اٹھا کر اور بھی سر چڑھتا چلا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چچا نے بھی والدہ کی ناگواری کو محسوس کر لیا۔ اور مجھ سے پڑھنے کے متعلق کچھ کہنا چھوڑ دیا۔ میں اب بچہ بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا جاتا۔ مختصر یہ کہ میں نے پڑھنا بالکل چھوڑ دیا اور اپنے ہمعمر لڑکوں کی صحبت میں دن بھر ادھر ادھر پھرا کرتا تھا۔ سگرٹ پینا۔ تمباکو کھانا۔ حقہ پینا یہ سب باتیں تو خیر گھر میں سیکھ چکے تھے۔ اب آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ تاش وغیرہ میں مہارت حاصل کرنا شروع کر دی اور تمام دن انہیں مشاغل میں محروم کو تربیت اور تعلیم کا قیمتی زمانہ گذارتے رہے۔

میاں سلیم! تم سمجھ سکتے ہو کہ جس لڑکے کا بچپن اس طرح تباہ ہو چکا ہو اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے۔ ہمارا بچپن تو اس طرح گذرا۔ اب جوانی آئی اور ہم میں وہ صفات پیدا ہو گئیں جو از روئے قاعدہ ہونی چاہیئے تھیں تھیٹر اور بائیسکوپ میں رات گذرنے لگی اور تمام دن چوسر شطرنج اور تاش وغیرہ میں ختم ہو جاتا تھا۔ شام ہوئی اور ہم نے کنگھی سرمہ سے سنگار کرنا شروع کر دیا۔ اور بن ٹھن کر کسی دوست کے ساتھ چوک میں ٹہلنے کے لئے پہنچ گئے۔ اب ہماری پہنچ عالم بالا میں بھی ہونے لگی تھی اور باپ دادا کی جمع کی ہوئی کمائی اڑانے کے ذرائع ہمارے ہاتھ لگ گئے تھے۔ اب تک تو خیر ہمارے والد بالکل خاموش تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو ہماری شادی کرنے کی فکر شروع کر دی۔ ہم کو بھی اسکی خبر ہو گئی۔ کہ اب بہت جلد شریک حیات کے پھندے میں ہم کو پھنسنا پڑے گا۔ مگر ہم نے

اپنی حرکات اور معمول میں کوئی تبدیلی نہیں کی وہی دن بھر احباب کی گرم محفل میں چوسر کی بازی۔ وہی شام کو چوک کا طواف اور وہی رات کو تھیئٹر ہال کی حاضری بدستور جاری رہی۔ انہی دنوں کلکتہ کی ایک کمپنی آئی ہوئی تھی ہم نے بھی طے کر لیا کہ چاہے جو کچھ ہو جب تک یہ کمپنی ہے ہمارا رات کا سونا قطعی حرام ہے۔ چنانچہ ہم جہاں نو بجے تھیئٹر ہال میں دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے سر پر ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے اچھا برا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آنکھ بند کر کے جو کچھ جی میں آتا تھا کرتے تھے۔ یہ روزانہ کا تھیئٹر دیکھنا آخر کار رنگ لایا۔ ایک ایکٹرس سے محبت شروع ہو گئی۔ میاں سلیم! اسکو غور سے سنو کہ مجھ کو اس ایکٹرس کے حسن میں اپنی موت و زندگی پہلو بہ پہلو نظر آتی تھی۔ اور میں نے طے کر لیا کہ میں اپنی تمام دولت اور راحت کی قربانی کر کے جس طرح بھی ہوگا۔ اس کو حاصل کرونگا۔ روپیہ کی میں نے اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہ سمجھی عزت بھی اسپر قربان کر دی اور اس کو حد سمجھ کہ میں نے تھیئٹر میں ایکٹر کی حیثیت سے صرف اس لئے نوکری کر لی کہ میں ہر وقت اس سے قریب تر رہوں۔ میرے والد کو ان واقعات کی اطلاع ہو گئی۔ اور انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو ایک باپ اپنے گمراہ بیٹے کو راہ راست پر لانے کے لئے کر سکتا تھا۔ مگر میں دل سے مجبور تھا۔ اور میں بجائے اس کے کہ اس کو چھوڑ دوں۔ اس کے لئے تیار ہو گیا کہ میرا باپ اور میرا خاندان مجھ کو چھوڑ دے۔

میں تھیئٹر کمپنی کے ساتھ الہ آباد سے لکھنؤ آیا اور اس عرصہ میں میں نے اس ایکٹرس کو اپنے سے بہت کچھ مانوس کر لیا

(۳)

چچا میاں اپنا قصہ کہتے کہتے کچھ رک گئے اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔ حقہ کا ایک آدھ کش لیا اور پھر اٹھ بیٹھے۔ حقہ میری طرف بڑھایا اور کہنے لگے۔ ہاں تو میاں سلیم جب ہماری کمپنی لکھنؤ پہونچی تو میں اس قابل ہو چکا تھا کہ اسٹیج پر کام کر سکوں۔ چنانچہ ایک ڈرامہ میں مجھ کو خدمتگار کا پارٹ دیا گیا جس کو میں نے اس حسن و خوبی سے سرانجام دیا کہ مجھ کو خاص خاص پارٹ ملنے لگے۔ یہاں تک کہ جس دن اس کمپنی کا مشہور کھیل "در شہوار" جاری ہے۔ پبلک صرف یہ سنکر کہ ہیرو کا پارٹ میں کروں گا اس کثرت سے آئی کہ مجبوراً ٹکٹ بند کر دینا پڑا۔ اس تماشہ میں ہیرو کا پارٹ میں کر رہا تھا اور ہیروئن وہ ایکٹرس تھی۔ اتفاق سے دن ایکٹ کرتے ہوئے دو تین مرتبہ میں اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکا اور وہ حرکتیں بیساختگی میں مجھ سے سرزد ہو گئیں جن سے تماشائی تو چاہتے تھے۔ کچھ نہ سمجھے ہوں لیکن کمپنی والے سمجھ گئے کہ میرے کو اس ایکٹرس سے لگاؤ ہے۔ اور یہ بات کو ہماری کمپنی میں کسی طرح جائز نہ سمجھا جاتا ہے۔ خیر یہ آفت تو آ ہی چکی تھی۔ ایک نئی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اسی دن ایک تعلقہ دار صاحب تماشا دیکھنے آئے تھے جو میری محبوبہ پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ اس کی خبر مجھ کو اس وقت ہوئی جب کوئی بات میرے قابو میں نہ تھی۔ ایکٹنگ میں جو حرکتیں مجھ سے سرزد ہو گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو اور اس ایکٹرس کو کمپنی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور علیحدگی کے بعد ہی وہ ایکٹرس اپنے تعلقہ دار صاحب کے ساتھ ان کے مکان پر چلی گئی۔ اس کے مکان چلے جانے کے بعد میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا۔ یہ ایک

ایک پیسہ کو محتاج تھا بے یار و مددگار تھا۔ جس کے لئے میں نے دنیا بھر کو ٹھوکر لگائی تھی۔ وہ مجھہ کو اس طرح چھوڑ چکی تھی اور میرا تمام نشہ ہرن ہو چکا تہا۔ میں نے چاہا کہ مکان پر واپس جاؤں مگر ہمت نہ ہوئی۔ پردیس میں فاقہ کشی کی مصیبت کرنا گوارا تھی۔ مگر یہ منہ لے کر مکان جانا گوارا نہ ہوا۔ دو تین دن فاقہ کی مصیبت برداشت کی آخر کار مجبور ہو کر ایک دکان پر معمولی تنخواہ اور کھانے پر ایک مزدور کی حیثیت سے نوکری کرلی۔ میاں سلیم! یہ پہلی ٹھوکر تھی۔ جو میں نے کھائی اب میں تم کو کسی دن دوسرے واقعات سناؤں گا۔ اسوقت تو تم بھی پریشان ہو گئے ہوں گے اور میں بھی تھک گیا ہوں۔

ہلال محرم کا پیغام

(از منشی خدا بخش صاحب اظہر امرتسری)

یہ کہتی ہے محرم کے ہلال نو کی تابانی ‖ مری صورت کے پردے میں چھپا ہے یدِ قربانی

یہ ہے وہ شام جس کی صبح کے عہد غم افزا میں ‖ ہوئی تھی حملہ آور آدمیت پر ستم رانی

یہ وہ شب ہے کہ جسکی تیرہ خاموشی کے دامن میں ‖ تڑپتی ہے زمینِ کربلا کی حشر سامانی

نبی کی آل کے آئینۂ ایثار کو لے کر ‖ شہادت دیکھتی ہے اپنے عارض کی درخشانی

شہید کربلا کے چہرۂ مجروح کو دیکھو ‖ اگر منظور ہے نظارۂ باغ مسلمانی

اگر کرتا نہ سجدے قتل گہ کی خاک خونیں پر ‖ نہ یوں ہوتی درخشاں شاید ہستی کی پیشانی

نہیں کچھہ شے شہیدوں کی لہو کی بوند کے آگے ‖ جہانگیری، خدیوی، کجکلاہی اور سلطانی

اجل ہے بزدلوں کو خنجر قاتل کا نظارہ ‖ مجاہد کو حیات جاوداں ہے وقت قربانی

وہ گو خورشید صورت بھی ہو لیکن بجھہ ہی جائیگی

ہوائے نالۂ مظلوم سے شمع ستم رانی

سید الشہدا کی بارگاہ میں

(از حضرت روش صدیقی)

مسافرِ رہ صبر و رضا سلام علیک — مقیم منزل عرش خدا! سلام علیک

فروغ روشنیٔ شمع ملت بیضا! — وقار عظمت دین ہدا! سلام علیک

مسیح و خضر بہ خمخانۂ تو افتادند — قسیم جام شراب بقا! سلام علیک

شہید فرض! سعید ازل، قریب خدا — قبول بارگہ کبریا! سلام علیک

بذات پاک تو ارباب عشق مے نازند — پناہ دار دیارِ وفا! سلام علیک

رئیس قافلۂ رہروان راہ خدا! — امیر سلسلۂ اتقیا! سلام علیک

نہ ہیچ گفت برائے عدو بغیر دعا! — امین خلق رسول خدا! سلام علیک

روشن مدام بہ اوقات پنجگانہ بہ خواں

بنام بادشہ کربلا سلام علیک

حضرت امام حسینؓ کی یاد

پیکر حریت، استقلال و ایثار و توکل

آپ امام حسینؓ شہید کربلا کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے اس بات پر غور کی ہے کہ وہ واقعہ ہائلہ جس میں رسول پاک کے نواسے میدان کربلا میں یوں شقی القلب "مسلمانوں" کے ہاتھوں ذبح ہوئے کس قسم کی اہمیت کا حامل ہے؟

حضرت امام حسینؓ یزید کو خلافت کا اہل و مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ بے انصافی اور باطل کا اصرار تھا۔ کہ حضرت امام یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ راستی و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نہ صرف بیعت سے انکار کر دیں بلکہ اپنا حق جتانے کے غاصب خلافت سے جنگ بھی کریں۔

آپ آئندہ طریق عمل کے متعلق غور فرما رہے ہیں کہ دفعتہً عراق سے دعوتی خطوط آنے شروع ہو جاتے ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ ملک یزید کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کو تیار ہے بشرطیکہ حضرت امام انکی رہنمائی کے لئے وہاں پہنچ جائیں۔

تھوڑی مدت میں ان خطوط کا تانتا بندھ جاتا ہے اور حضرت امام اپنے اعزہ و اقربا و احبا کی التجاؤں اور درخواستوں کے باوجود رخت سفر باندھ لیتے ہیں اور اپنے سفر شہادت پر روانہ ہو جاتے ہیں۔

راستہ میں جو جو مشکلات آپ کو پیش آئیں۔ مخالفین کے جتھوں نے جن جن طریقوں سے آپکو فریب دیا اور یزید کے گماشتوں نے جس شقاوت قلبی کے ساتھ دام فریب میں کھینچا یہ ایک طولانی داستان ہے۔ لیکن جو واقعات اثنائے سفر میں اور اس کے بعد خاتمۂ سفر یعنی دوران جنگ میں پیش آئے صبر و توکل، تسلیم و رضا استقلال و استقامت اور سب سے بڑھ کر خودداری و عزت نفس و ایثار و قربانی و حریت صادقہ کا پیکر تھے۔

آپ کے رفقا ایک ایک کر کے آپ کے سامنے کٹ جاتے ہیں۔
آپ کے اعزہ بھی یکے بعد دیگرے آپ کے روبرو جام شہادت پیتے ہیں۔
آپ کا نوزاد بچہ آپ ہی کی گود میں حلقوم پر تیر کھا کر واصل بحق ہو جاتا ہے۔

آپ کی بی بی بہن اور خاندان کی دیگر عورتوں کی آہ و زاری برابر آپ کے کانوں میں آ رہی ہے لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی تزلزل واقع نہیں ہوتا اور آپ کی قوت ارادی میں سر مو فرق نہیں پیدا ہوتا۔

آپ برابر حریف کی طاقتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ اور حق و باطل کی اس جنگ میں جس کی تاریخ اوراق زمانہ پر

خون سے لکھی ہوئی ہے اپنے آپ کو اور اپنی ہر ایک عزیز شے کو قربان کر کے ثابت کر دیتے ہیں کہ اصول کے لئے یوں جیتے ہیں اور حق کے لئے یوں مرتے ہیں

یہ سبق ہے جو ہم کو جناب شہید کربلا کی زندگی اور موت سے ملتا ہے لیکن ہم نے کبھی ان باتوں کو شائستہ اعتنا نہیں جانا ہم نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ اپنے اندر تسلیم و رضا کی وہی خو پیدا کریں جو آپکے رگ و پے میں کئے ہوئے تھی۔ ہم نے کبھی اس صبر و توکل کی تلقین نہیں کی۔ جس کا مظاہرہ آپ نے ہر قدم پر کیا۔ ہم نے کبھی اس خودداری اور عزت نفس کا سبق نہیں پڑھا یا جو آپ کے ہر بن مو میں موجود تھی۔ اور ہم نے کبھی اپنے ہم مذہبوں کو اس ایثار و قربانی کی تعلیم نہیں دی جس کا ثبوت آپ نے اس شاندار طریقہ پر میدان کربلا میں دیا۔

یہی وہ بات ہے جنکی یاد ہم کو ایام عاشورہ میں ہر سال تازہ کرنی چاہئے۔ حضرت امام حسین ان سب کا مجسمہ اور مجموعہ تھے کیا یہ ہم یہ زیب دیتا ہے کہ دشت کربلا کے واقعات کے "ظاہر" کو تو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور ان کے "معنی" پر ایک سرسری نظر بھی نہ ڈالیں ؟ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ہم واقعات شہادت کی حقیقت و عظمت و اہمیت کو سال میں ایکمرتبہ بھی پہچاننے کی کوشش نہ کریں۔

غور کیجئے تو امام مظلوم کی زندگی فسق و فجور کفر و عصیان بے انصافی اور شرک کے خلاف ایک زبردست آواز تھی جو تورع و تقوے اور احسان و ایثار میں ڈوبی ہوئی تھی ۔اگر ہم حضرت امام سے محبت رکھتے ہیں ۔اگر ہمارے دل میں امام شہید کی حقیقی قدر و منزلت ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی زندگی اس قابل ہے کہ اسکی یاد کو ہر سال یاد کیا جائے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم وہی اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں جنکی بدولت آپ کو درجۂ امامت اور شہادت نصیب ہوا تہا۔ اور جو آج بھی ہماری ترقی و عروج کا سبب بن سکتے ہیں۔

انجم سے } "انجم" شاکر صدیقی صاحب کی ایک نظم عنوان مذکور سے اپریل ۱۹۳۱ء کے رسالہ میں شائع ہوئی تھی کاتب سے اس نظم میں غلطیاں رہ گئی ہیں تصحیح حسب ذیل ہے ناظرین کرام درست فرمالیں۔ (ایڈیٹر)

بند نمبر۲ کے پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں "سے" کی بجائے "لے" ہونا چاہئے۔
" نمبر۴ کے تیسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "بھی" زائد ہے۔
" نمبر۶ کے آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں "سے" ہے
" نمبر۸ کے چھٹے شعر کے پہلے مصرعہ میں "سے" کی بجائے "تھے" ہونا چاہئے۔
" نمبر۱۰ کے پہلے شعر میں" میں کیوں نہ اسی کے در پہ" کی بجائے "میں نہ کیوں اسی کے در پہ" ہونا چاہئے۔
" " اسی بند کے آخری شعر کے پہلے مصرعہ میں لفظ "اسی" رہ گیا ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی

(از جناب ایچ - اے انصاری رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی)

عثمانیہ یونیورسٹی ہندوستان میں سب سے پہلی درسگاہ ہے جسے ایک ذمہ وار شخصیت کی سرپرستی حاصل ہے - اور جس نے پہلی دفعہ ہندوستان کی تعلیم کو اپنے ملک کی بہترین زبان میں فروغ دینے کی انتہائی کوشش کی - اگرچہ ملک کے بہی خواہوں نے اس سے پیشتر بھی اس طرف توجہ کی لیکن حکومت کی عدم توجہی نے اسے بار در ہونے سے مانع رکھا - حیدرآباد نے اس میدان میں سب سے پہلے قدم رکھا - کیونکہ یہاں کی عجیب و غریب تاریخ اور اس کی مخصوص پوزیشن نے سیاست دانوں پر یہ امر واضح کر دیا کہ تعلیم حاصل کرنے کی موجودہ غیر ملکی زبان یقیناً ملک کے لئے نہ صرف غیر مفید بلکہ اس کی تہذیب اور اسکے رواج سے بالکل جدا ہے -

بدقسمتی سے تقریباً ڈیڑھ صدی تک ہندوستان کی تعلیم کی عنان ان لوگوں کے ہاتھوں میں دی - جو خیال خویش ہندوستانی کوئی وقعت نہ سمجھتے تھے - اور قدیم دستور العمل اور روش اسلاف کو طاق نسیاں پر رکھ کر تقلید یورپ ہی کو راہ نجات قرار دیتے اور اسی بازار میں متاع اولوں فروخت کرنا چاہتے تھے - حتیٰ کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے زبان انگریزی وسیلہ بنی نہ صرف اعلیٰ مراتب تعلیم کے حصول میں بلکہ سکول ایسے ابتدائی مرحلوں میں بھی جہاں بچارے طالب علموں کو وہ چیزیں زبانی یاد کرنی پڑتیں جو صرف ایک بار مادری زبان میں پڑھانے سے بلا اشک باری کے ہمیشہ یاد رکھ سکتے تھے - تاہم اس صداقت سے انکار نہیں ہو سکتا - کہ اس طریقہ تعلیم نے جسے خواہ کیسا ہی غلط اور ناقص سمجھا جائے علاوہ ان مفید تحریکات کے جو پیدا ہوئیں ایسے اشخاص پیدا کئے جو قوم کے لئے باعث صد فخر و ناز ہیں لیکن غیر ملکی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے میں کس قدر ناقابل تلافی نقصان ہوا - اعداد و شمار سے ظاہر ہے - کہ کتنے کم طلبا جو اینگلو ورنیکلر مدارس میں داخل ہونے در تعلیم کے انتہائی مدارج تک پہونچتے ہیں اور اس سے بھی کسی قدر قلیل تعداد یونیورسٹی کورس کو کامیابی کے ساتھ پورا کرتی ہے - اور یہ خوش قسمت قلیل ترین جماعت بھی اس الزام سے بری نہیں کہ وہ ذاتی جوہر سے بے بہرہ اور اس چیز سے محروم رہ جاتے ہیں - جسے حاصل کرنے کی ان سے توقع تھی - تو یہ بات دیکھنی محال نہیں کہ تعلیمی ترقی کی رفتار اب سے کہیں زیادہ ہوتی - اگر مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب اپنے ملک کی زبانوں میں مہیا کی جاتی - اور ملک کی مروجہ تعلیم میں اسکی پیوند لگا کر ان مفید اثرات سے عوام الناس کو بہرہ اندوز کیا جاتا -

ریاستہائے ہند اگرچہ حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی کے محور سے بالکل جدا نہیں - اگر وہ چاہتی تو اپنی مملکت میں وہ طریقہ تعلیم

جاری کر رکھیں جو ملک کی خانگی ضروریات خصوصی کے مناسب حال تھا۔ لیکن چونکہ وہ انتظام حکومت میں سرکار ہند کی ہر چھوٹی سی چھوٹی بات میں پیروی کر رہی تھیں۔ اس لئے انہوں نے بھی اپنے مدارس میں وہی طریقہ تعلیم اختیار کیا جو کہ حکومت انگلشیہ کا پسندیدہ تھا۔ حیدرآباد بھی اس عام اصول سے مستثنیٰ نہ رہا اور بجائے اس کے کہ ریاستی مدارس اور کالجوں میں نئی روح پھونکی جاتی ذمہ دار حکام نے یہاں بھی وہی تانا بانا دیا جو انگریزی اینگلو ورنیکلر مدارس کے نمونہ پر تیار کیا گیا تھا۔ اور یہ مدارس ریاست کے اخراجات پر اس کالج کے لئے جو ریاست کے دارالسلطنت میں تھا۔ اور مدراس یونیورسٹی سے ملحق تھا۔ خوراک تیار کرتے تھے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں آگے بڑھوں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حیدرآباد دیگر جنوبی ریاستہائے متحدہ برٹش انڈیا سے ایک خاص لحاظ سے مختلف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حیدرآباد کی عدالتی زبان بجائے انگریزی کے اردو ہے۔ اس لئے ملازمت سرکاری کے لئے انگریزی کوئی خاص کشش لئے ہوئے نہ تھی۔

موجودہ طریقہ تعلیم نے کئی سال تک کوئی خاص تسلی بخش نتیجہ پیدا نہ کیا جبکہ مملکت کی تعلیمی حالت اس قدر خراب تھی۔ یہ حکومت کی خوش نصیبی ہے سر اکبر حیدری کی خدمات بروقت مہیا ہو گئیں۔ اگرچہ ممدوح الصدر محکمہ تعلیم سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن تعلیم اور قوم کی بہبودی کے امکانات پر انہیں بے حد بھروسہ تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس کی ترقی میں کوشاں رہے۔ بحیثیت فنانس سکرٹری ہونے کے آپ نے توسیع تعلیم کے لئے فنڈ مہیا کئے۔ بعد میں جبکہ وہ حضور فرمانروائے ریاست کی حکومت سے سکرٹری مقرر ہوئے اور محکمہ ہائے جوڈیشل جنرل تعلیم ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ تو ایک طرح تعلیمی سوالوں سے براہ راست متعلق ہوئے۔ اس حیثیت سے انہوں نے مسٹر آرتھر میہیو سابق ایجوکیشنل کمشنر حکومت ہند کی خدمات سے ریاست کی تعلیمی حالت کا پورا پورا جائزہ لیا اور بالآخر محکمہ تعلیم کو نئے طریق پر دوبارہ منظم کیا جس سے اس کی حالت بہت حد تک ترقی یافتہ ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی توجہ ثانوی تعلیم جس کی حالت ناگفتہ بہ تھی ایک طرف مبذول فرمائی اور غور و خوض مدبرانہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ حیدرآباد کے سیاسی اور قومی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زبان انگریزی کو تعلیم حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اور آئندہ ایک غیر صوبجاتی یونیورسٹی کا ریاست کی ثانوی تعلیم سے کوئی واسطہ نہ رہے۔ پس انہوں نے اس کے مطابق ایک میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں ریاست کی اپنی یونیورسٹی کی سفارش کی گئی جس میں زبان اردو کو حصول تعلیم کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اگرچہ سنہ ۱۹۱۷ء میں یہ خیال انقلاب آموز معلوم دیتا تھا لیکن حضور نظام کی دور بین نگاہ نے اس کے حقیقی منافع کو فوراً بھانپ لیا۔ اور جلد ہی یونیورسٹی کے قیام اور اس میں زبان اردو کو ذریعہ تعلیم اور انگریزی کو دوسرا لازمی مضمون قرار دیتے ہوئے فرمان جاری فرمایا اور اجازت دی کہ حضور کے نام نامی پر یونیورسٹی کا نام عثمانیہ رکھا جاوے۔

اگرچہ ریاست میں دیگر زبانیں بھی کم و بیش بولی جاتی ہیں لیکن اردو علاوہ اس امر کے کہ صرف وہی ایک ایسی زبان ہے جو ملک اور دارالسلطنت کے لوگوں میں رائج ہے۔ تقریباً تمام پڑھے لکھے آدمی آسانی سے بول اور لکھ پڑھ سکتے

ہیں ہندو تعلیمی شوق رکھنے والے حضرات نے بھی اردو اور فارسی کا مطالعہ ضروری سمجھا اور ان میں سے کئی شعر کہنے والے شعرا بھی پیدا ہوئے ہیں - اسی تعلیمی روایت کو فی زمانہ قایم رکھنے والی ہستی آج مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بھی موجود ہیں۔

ریفارمر کا راہ ہمیشہ دشوار گذار گھاٹیوں سے پر ہوتا ہے - خاصکر اسوقت جبکہ اس کی روش بالکل نئی ہو - کیونکہ اس وقت جو لوگ اس کے مجوزہ انقلاب اصلاحات سے مستفید ہونے والے ہوتے ہیں وہی اس کے مخالف ہو جاتے ہیں لیکن سر اکبر حیدری کی مستقل مزاجی اور مستعدی ان رکاوٹوں کے سدباب میں کامیاب ہوئی - اس میں ان دو نامی مشہور و معروف اور مقتدر ہستیوں کی نواب مسعود جنگ بہادر مسلم یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر اور نواب صدر یار جنگ بہادر جو کہ گذشتہ بیس سال تک آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکرٹری رہے ہیں کی امداد و اعانت معاون ہوئی -

شعبہ تراجم کا کام

اردو ادب کے شائقین کے حلقہ میں مولوی عبد الحق صاحب اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں - یونیورسٹی نے انکے زیر اثر ترجمہ کا کام چھہ قابل ترجمین کی مدد سے شروع کیا - اس شعبہ کا مقصد اردو میں ان تمام ٹکسٹ کی کتابوں کو مہیا کرنے جو دیگر یونیورسٹیوں میں مختلف مضامین (ضروریہ) کے لئے رائج ہیں - انٹرمیڈیٹ کی ٹکسٹ کی کتابیں سب سے پہلے شروع کی گئیں اور ایک ہی سال میں اگست ۱۹۱۹ء میں یونیورسٹی آرٹس اور سائنس کی پہلی کلاسیں کھل گئیں - [illegible] روز افزوں ترقی ہو رہی ہے - اور تقریباً ۲۱۸ سٹینڈرڈ کتب ترجمہ ہو چکی ہیں - مندرجہ ذیل اعداد و شمار کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں -

تاریخ ہند	۴۴
تاریخ یورپ	۳۵
کہنہ تاریخ اسلام	۲۵
جغرافیہ	۵
پولیٹیکل سائنس / تاریخ آئین حکومت	۱۷
علم معاشیات	۱۳
فلسفہ	۴۱
نفسیات	

ریاضی	۲۵
فزکس	۲۱
کیمسٹری	۱۷
علم الحیوان	۷
علم الادویا	۲۱
انجینیرنگ	۳۴
علم اصطلاحات	۲
میزان	۳۱۸

لیکن پہلی مشکل جو اس میدان میں درپیش ہوئی وہ اصطلاحات کے تراجم کے متعلق تھی - جو مختلف علوم میں مستعمل ہوتی ہیں - پہلے تو خیال تھا کہ ترجمہ میں اصلی اصطلاحی ناموں کو قایم رکھا جائے لیکن غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ ہوا - کہ سائینس کی اصطلاح کے اردو نام وضع کرلئے جائیں مختلف مضامین کے لئے ٹرمز کمیٹی تیار کی گئی - جن میں ان مضامین کے ماہرین فن کو شامل کیا گیا - اور وہ لوگ جنہوں نے علوم قدیمہ کا عربی - فارسی اور ہندی کتب کا مطالعہ کیا تھا اس کام میں معاون بنائے گئے - کہ وہ انگریزی اصطلاحات کے مترادف الفاظ ان زبانوں سے اخذ کریں - جبکہ کام شروع ہوئے کچھ عرصہ ہوگیا تو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ وسیع کام محکمہ کے تنخواہ دار مترجمین کی وسعت سے کہیں زیادہ ہے - اس لئے بہت کچھ ترجمہ کا کام تھوڑا تھوڑا کرکے اجرت پر دیا جانے لگا - اور آج کل ڈہائی لاکھ روپیہ سالانہ اس شعبہ پر یونیورسٹی صرف کررہی ہے - اس شعبہ نے نہ صرف ایک نیا ذخیرہ علم الاصطلاحات میں قایم کیا بلکہ اردو علم ادب میں بھی ایک مفید اضافہ کا باعث ہوا -

اور جس نے اردو بولنے صوبجات پنجاب یو - پی - بہار - سنٹرل انڈیا حیدرآباد کے لئے علم کا ایک نیا باب آج پہلی دفعہ انہیں کتب تواریخ - سیاسیات - آئین و قانون جنکی اہمیت ملک کی موجودہ حالت میں جبکہ وہ ایک عظیم الشان آئینی انقلاب کے باب کو طے کرنے والا ہے کبھی مبالغہ سے ذکر نہیں کی جاسکتی ، پر باریابی حاصل ہوئی - عام حق رائے دہندگی کو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے اور دس فیصدی آبادی کو ہی یہ حق دیا جائے تو بھی رائے دہندگی ہندوستانیوں کی تعداد ڈہائی کروڑ تک پہونچتی ہے

چونکہ ہمارا فرض کہ ان انتخاب کرنے والوں کی صحیح طریق پر تربیت کرتا ہے - لہذا زبان اردو میں اس قسم کی کتب کی اشد ضرورت تھی - علاوہ ازیں ہماری کتب ان ایجوکیشنل حکام کے لئے بھی مفید ہونگی جو اپنے اصولوں میں اردو یا ہندی کو حصول تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں کیونکہ اردو کی کتابیں معمولی تبدیلی کے ساتھ ہندی میں لکھی جاسکتی ہیں - جیساکہ

ہم پہلے کسی جگہ لکھ چکے ہیں۔ یونیورسٹی نے اپنا عملی کام اگست ۱۹۱۹ء میں شروع کیا۔ پہلے پہل آرٹ، سائنس اور دینیات کی پہلی جماعت تقریباً ایک صد طلباء پر مشتمل تھی۔ سال بسال بالائی جماعتیں بھی شامل کی جانے لگیں اور ۱۹۲۳ء میں پہلی دفعہ بی کا امتحان اور ۱۹۲۵ء میں ایم اے - ایل - ایل - بی کا امتحان ہوا۔ موجودہ وقت میں حاضری کی تعداد ۹۰۰ طلباء پر مشتمل ہے۔ جو یونیورسٹی کے مختلف کالجوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ علاوہ یونیورسٹی کالج کے جو کہ آرٹ اور دینیات میں ایم اے تک کی اور فزکس اور کمسٹری میں ایم - ایس سی تک کی اور قانون ایل - ایل بی تک کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسری درسگاہیں بھی ہیں جو میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج کا کام دیتی ہیں۔ اور جہاں تمام اعلیٰ اردو زبان میں دیجاتی ہے تعلیم نسواں اعلیٰ انتظام کیا گیا ہے۔ زنانہ کالج میں جہاں صرف عورتیں ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایف اے اور بی اے تک کی جماعتیں موجود ہیں۔ ابھی ابھی ٹیکنی کالیجی فیکلٹی کا انعقاد ہوا ہے تاکہ ٹیکنی کالج کے انعقاد کے لئے تجاویز پیش کرے جس کا الحاق بڑی بڑی ورکشاپوں جو کہ سکہ ضربی اور بجلی کے محکمہ جات کی ورکشاپوں کے ساتھ کیا جائے۔ جہانکہ اب بھی لیبرٹری اور ٹیکنیکل تعلیم دینے کے تجربات کامیابی کے ساتھ کئے جا رہے ہیں زراعتی کالج کے افتتاح کی سکیم بھی زیر تجویز ہے۔ جو عنقریب ہی معرض عمل میں آنے والی ہے۔ گریجوایٹ اساتذہ کی ٹریننگ کالج کے لئے ایک کالج بھی موجود ہے تین انٹرمیڈایٹ کالج یونیورسٹی کالج اور پروفیشنل درسگاہوں کے لئے طلباء طیار کرتے ہیں یونیورسٹی کے ماتحت دو اور بھی قابل ذکر ادارے ہیں۔ ایک تو دائرہ المعارف ہے۔ جو قدیم عربی کتب کی طباعت کا کام کرتا ہے۔ اور جس کے لئے۔ تمام شائقین علم ممنون احسان ہیں اس لئے کہ اس دائرہ نے عربی غیر مطبوعہ کتب کو طبع کر کے ان لوگوں کے لئے ان کتب کی باریابی کا موقع پیدا کر دیا ہے۔

نظامیہ دار المطالعہ ( )

حیدر آباد میں آنے والے حضرات کے لئے یہ بھی ایک قابل قدر چیز ہے۔ علاوہ ازیں یونیورسٹی طلباء کی جسمانی اور روحانی بہبودی سے بے خبر نہیں رہی۔ دینیات اور علم الاخلاق کے مضامین انٹرمیڈیٹ کلاسز تک لازمی رکھے گئے ہیں۔ فزیکل کلچر اور اتھلیٹکس کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اور تمام جسمانی کھیلوں کے لئے باقاعدہ انتظام ہے امریکہ سے ایک خاص ماہر فن ڈائرکٹر فزیکل کلچر متعین کئے گئے ہیں۔ ( ) جو طلباء کو باکسنگ بھی سکھاتے ہیں۔

یونیورسٹی کی سفارش پر مسٹر شفیع کو ولایت ٹریننگ کے لئے بھیجا گیا۔ جہاں انہوں نے فن شناوری کا دنیا بھر کا ریکارڈ توڑتے ہوئے امتیازی نام حاصل کیا۔ تقریباً ۱۵۰ نفوس یونیورسٹی ٹریٹوریل یونیورسٹی ٹریننگ کورس میں تعلیم پا رہے ہیں

آخر میں صرف اس قدر ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ کہ اگرچہ اس یونیورسٹی میں تمام تعلیم زبان اردو میں دی جاتی ہے اور اگرچہ انگریزی کو درجہ ثانی پر رکھا گیا ہے۔ لیکن اسکی اسناد حکومت ہند میں مسلمہ ہیں اور انڈین سول سروس

اور دیگر مقابلہ کے امتحانات میں اور اکثر ہندوستانی اور برطانی یونیورسٹیوں میں یہ اسناد تسلیم کی جاتی ہیں یہاں کے فارغ التحصیل طلباء نے اکثر بیرونی یونیورسٹیوں میں نام پیدا کئے ہیں۔ جس کا جدید ترین ریکارڈ ایک بی۔ ایس سی آنرز (انجینئرنگ) لنڈن یونیورسٹی میں اول آنے والے گریجویٹ کا ہے۔

مترجمہ

بشیر احمد شبلی بی، اے

متفرقات

کتب فروشوں نے کلام پاک کی طباعت و فروخت کو محض تنور شکم کا ایندھن مہیا کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے وہ اس الہامی اور دینی کتاب کی قدر و قیمت و اہمیت کا کوئی احساس نہیں کرتے اور جوں توں کر کے طباعت وفروخت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلام الٰہی کی طباعت میں افسوسناک غلطیاں ہونے لگی ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دین قیم کی حفاظت کے لئے غیر ذمہ دار کتب فروشوں سے قرآن کریم کی خرید قطعاً ترک کر دیں سنا گیا ہے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے صحیح قرآن شریف کی طباعت کا التزام کیا ہے۔ اسی طرح اور اسلامی اداروں کو بھی متوجہ ہونا چاہئے۔ کہ فلاح دارین اسی میں ہے۔

پیرس کی ایک موٹر کمپنی نے موٹروں فروخت کرنے کا ایک نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ موٹروں کے کارخانے کے شوروم میں داخل ہوتے ہی موٹر خود گفتگو شروع کر دے گی اور بتا دیگی کہ اس کی رفتار فی گھنٹہ کتنے میل ہے۔ فی میل کتنا تیل خرچ ہوتا ہے۔ آپ اس کی گفتگو کو سنکر حیران رہ جائیں گے اور اگر آپ کو کوئی موٹر خریدنا ہوگی تو ضرور اسی کارخانے سے خرید لیں گے۔

اس میں بھید یہ ہے کہ موٹر میں ایک چھوٹی سی مشین لگائی گئی ہے جو اپنے متعلق تمام ضروری باتوں کا خلاصہ بلند آواز میں کہدیتی ہے۔ اشتہار کا یہ بالکل نیا طریقہ ہے۔

امریکہ میں ایک قسم کے سینڈل دیکھے گئے ہیں کہ جن کی آواز بھیڑ کی آواز سے ملتی ہے۔ یہ جس وقت چلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی بھیڑ کو پیٹ رہا ہے۔ اور وہ چلا رہی ہے۔

اُولُوالعزم قوموں کے کارنامے

مغرب کے ایک انسان نے ہوائی جہاز بنایا اور دعوے کیا کہ اب ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو گیا ہے مغرب نے اس صدا پر یقین کیا اور خوشی کا اظہار کیا مشرق کے عافیت پسندوں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ اور اس آواز کو جنون اور خودپسندی سے تعبیر کیا۔ مغرب والوں نے اس دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ہوائی سفر اختیار کیئے اور اپنی عزیز جانیں اولوالعزم کے دیوتا کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیں۔ حقیقت میں آر ۱۰۱ کی کامیاب پرواز سے انسانی فتوحات میں قابل اضافہ ہوتا مگر قدرت کو انسان کی اولوالعزمی کا کچھی اور امتحان لینا باقی تھا۔ چنانچہ آر ۱۰۱ بہت جلد نذر آتش ہو گیا۔ اور یورپ کے بہت سے معزز سپوت موت کی آغوش میں دائمی نیند سو گئے۔ مشرق نے یہ واقعہ سنا اور استہزائیانہ انداز میں تنقید کی اور اہل مغرب کو دیوانہ بتایا۔ مغرب نے یہ بھی واقعہ سنا اور ہمت و اولوالعزمی کے دربار سے یہ انعام حاصل کر کے حیرت زدہ ہوا۔ ظاہر میں انسان کی بےبسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے کہ محفوظ ترین ہوائی جہاز کی بمشکل تمام فرانس تک رسائی ہو سکی حالانکہ غیرمحفوظ ہوائی جہاز میں نئی دنیا تک پرواز کی جا چکی ہے۔ لیکن یورپ کا تحیر بہت جلد مستعدی اور سرگرمی سے بدل گیا۔ چنانچہ ہیں اخبار میں حضرات جانتے ہیں کہ ان شہیدان عزم کا جلوس بڑی دھوم دھام سے نکلا اور جلوس کی افتتاحیہ رسم ادا کرتے ہوئے ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ نے ان ہلاک شدگان کا ذکر خیر کرنے کے بعد یہ کہا کہ ہماری یہ ناکامی آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور اب ہم ہوا کو ضرور فتح کر کے رہیں گے۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ مغرب ایک تجربہ کے امتحان کے لئے اپنے فرزندوں کی عزیز جانیں پیش کرتا ہے اور یہ تجربہ ناکامی پر منتج ہوتا ہے۔ مغرب اس واقعہ سے متاثر ہوتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ ہماری ناکامی آئندہ کامیابی کا پیش خیمہ ہے اور اب ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا۔

آر ۱۰۱ کس موجد کے دماغ کا نتیجہ تہا اس میں کتنی نشستیں رکھی گئی تھیں اس کو آگ کیسے لگی وغیرہ یہ باتیں میرے کام کی نہیں۔ میرے لئے قابل غور معمہ "ہوا کو فتح کر کے رہیں گے" یا "ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا" ہے۔ میں اس قوم کی جرأت اور اولوالعزمی پر غور کرتا ہوں جس کے سپوت ایک تجربہ کے امتحان کے لئے اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کرتے اور جس کے افراد اپنے بہت سے مقتدر ترین ملکی بھائیوں کی جانیں گنوا کر بھی اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر مستعد نظر آتے ہیں۔

بلاشبہ ہوائی سفر خطرات سے محفوظ ہو کر رہیگا۔ چونکہ جو قوم ہوا کے سمندر میں پھر سکتی ہے وہ اپنی مفاظت کا انتظام بھی کر سکتی ہے۔ صدیوں اڑن کھٹولے کا طلسم ہمارے دماغ میں بسا رہا۔ حیرت ہے ان مغرب والوں پر جنہوں نے سچ مچ کا

اڑن کھٹولا بنا لیا۔ پھر کہا جا سکتا ہے کہ وہ قوم ہوائی سفر کی حفاظت کے لئے کیا کچھ نہ کر گذرے گی حقیقت میں یورپ کی ترقی کا راز اولوالعزمی ہے کیونکہ اپنے خیالات بلند رکھنا اور ان کے مطابق کارزار حیات میں سرگرم ہونا کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں بلند رتبے حاصل کئے جو شہرت کے آسمان پر ستارے بن کر چمکے عروس کامرانی سے ہمکنار رہے ان کے سوانح حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی ترقی اولوالعزمی کی رہین منت ہے۔ اگر نپولین اعظم شہنشاہ فرانس فوج کا معمولی عہدیدار ہونے پر قناعت کرتا اگر بنجمن فرانکلن (صدر جمہوریہ امریکہ) تہذیب و تمدن کے مراکز سے چالیس میل دور ایک کٹیا میں زندگی بسر کرنے پر مطمئن ہو جاتا اگر جیمز گارفیلڈ (صدر جمہوریہ امریکہ) بڑھئی بنجانا ہی غنیمت جانتا۔ اگر مسولینی کا مختار کل ڈکٹیٹر اپنے خیالات کے خلاف باپ کا پیشہ اختیار کر لیتا (مسولینی کا باپ لوہار تھا) اگر رضا خان شہنشاہ ایران سائیس بنجانے پر قانع رہتا تو یقیناً کامیابی آج انکی لونڈی نہ ہوتی۔ اور دولت و ثروت ان کے غلام نہ بنتے مگر دنیا جانتی ہے کہ ان لوگوں نے بلند خیالی اور اولوالعزمی کے طفیل دنیا کے بلند ترین مقام حاصل کئے۔ رہتی دنیا تک تاریخ میں ان کے نام محفوظ رہیں گے۔ اور انکی زندگیاں دوسرے کے لئے مشعل راہ بنیں گی۔

اولوالعزمی نے نئی دنیا سے ہمارا تعارف کرایا۔ قابل قدر ایجادوں سے روشناس کرایا۔ اور فطرت کے مخفی خزانے ہمارے قدموں میں ڈالدئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے اپنے خیالات کو بلند بنایا اور انہیں عملی جامہ پہنایا وہ ہمیشہ کامیاب رہے عرب کے بدو صرف اس لئے ساری دنیا پر چھا گئے کہ ان کے عزائم بلند تھے۔

انگلینڈ کے مٹھی بھر باشندے ایک تہائی دنیا پر اس لئے مسلط ہیں کہ انکی قوت ارادی زبردست ہے۔ دور کیوں جائے جاپان ننھے منے جاپان نے جنگ میں اولوالعزمی کی بنا پر روسی دیو کو چاروں شانے چت پچھاڑ دیا۔

مگر آہ! یہ کس قدر تلخ حقیقت ہے کہ روحانیت اور اخلاق میں برتری کا شرف رکھنے والا مشرق اپنے یہ خصائل ہی کھو بیٹھا ہے۔ وہ اولوالعزم نہیں ہے۔ پابند وقت نہیں ہے۔ بنی نوع کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کام نہیں کر رہا اور فطرت کے بے پایاں بھرپور خزانے سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کا گلہ کس قدر بجا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

روحانیت و اخلاق کوئی دیوتا نہیں جس کے سر پر سرخاب کے پر لگے ہوں نہ وہ ہما ہے جس نے تمہیں روحانیت کا شہنشاہ بنایا۔ بلکہ روحانیت و اخلاق تکمیل انسانیت کی راہیں ہیں۔ روحانیت صفات حمیدہ کا نتیجہ ہے۔ اولوالعزمی پابندیٔ وقت انسان کی بہتری کی تجویز سوچنا اور مفید ایجاد کرنا صفات حمیدہ ہیں۔ جن کا سرمایہ دار آج مغرب ہے پھر کیا تم نے اپنی یہ دولت بھی مغرب کو سونپ دی؟

ہمارے شہروں۔ قصبوں اور دیہات کی گلیوں میں گداگروں کی کثرت ہے۔ جو باوجود توانا و تندرست ہونے کے

"بابا ایک پیسہ" کی صدا لگا رہے ہیں۔ لندن کی یہ حالت ہے کہ وہاں کا بوٹ پالش کرنے والا لڑکا ایک نواب کو صرف اس لئے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے کہ وہ کیوں اس بغیر محنت کئے ایک شلنگ دینا چاہتا ہے۔

ہمارے ملک کے اکثر گریجوایٹ معمولی مشاہرہ کے کلرک ہیں مگر مغرب کے ایک بیرسٹر گریجوایٹ کی اولوالعزمی دیکھئے اس کے باپ نے اسے ہائیکورٹ کے دفتر میں معقول معاوضہ پر کلرکی کی ایک جگہ دلوادی۔

کچھ روز کام کرنے کے بعد اس نے استعفیٰ دیدیا اور باپ کے استفسار پر جواب دیا۔ جناب میں دوسروں کے جناب خیالات کا ٹائپ کرنے والا کلرک نہیں بننا چاہتا۔ میری آرزو ہے کہ میں خود وہ آدمی بنجاؤں جس کے خیالات دوسرے ٹائپ کریں۔ اور حقیقت میں وہ چند سال بعد اسی ہائی کورٹ کا جج بنا بیٹھا تھا۔

بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ مشرق اپنی خصوصیات کھو بیٹھا ہے۔ اور جب تک وہ اولوالعزم نہیں بنتا دنیا میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کامیابی مادی اشیاء سے متعلق ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ کوئی مادی شئے اس وقت تک وجود میں نہیں آتی جب تک کہ وہ کچھ مدت کے لئے خیالی شئے نہ رہی ہے۔ ایک مغربی فلاسفر کہتا ہے ہوائی قلعے بنیاد ہیں ارضی قلعوں کی۔

اس لئے اگر ہم اپنی قومی زندگی کی تعمیر چاہتے ہیں یا اگر ہمیں انفرادی ترقی مطلوب ہے تو ہمیں اولوالعزم بننا چاہئے اپنی شخصیت کو ادنےٰ خیالات سے پست نہیں کرنا چاہئے۔ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔

اگر ہمیں تجارت میں کامیابی حاصل کرنے کی آرزو ہو تو استقلال سے کام کرتے رہنا چاہئے۔ اور نفع کی قوی امید رکھنی چاہیئے۔ کامیابی ہمارے قدم چومیگی۔

مصیبت زدگان کانپور کے لئے اعلیٰحضرت حضور نظام
شہریار دکن خلد اللہ ملکہ نے سرملکم ہیلی
گورنر یو۔پی کی دردمندانہ اپیل پر
دس ہزار روپے کی گرانقدر
شاہانہ امداد فرمائی

ارشاداتِ فاروقیؓ

فرمایا۔ دنیا کی عزت مال سے ہے اور آخرت کی عزت نیک اعمال سے ہے۔

فرمایا۔ (۱) لوگوں سے ملنساری رکھنا آدھی عقل کا کام ہے (۲) نرمی سے بات پوچھنا آدھا علم ہے (۳) بھلی بات سوچنا آدھی روزی ہے۔

فرمایا دریا چار طرح کے ہیں (۱) ہوا و ہوس گناہوں کا دریا ہے (۲) نفس خواہشوں کا دریا ہے (۳) موت عمر یا عمل کا دریا ہے (۴) قبر شرمندگی کا دریا ہے۔

فرمایا۔ اگر غیب دانی کا دعوےٰ نہ سمجھا جاتا تو میں پانچ آدمیوں کی بابت یقیناً کہہ دیتا کہ وہ جنتی ہیں (۱) بال بچوں والا فقیر (۲) میاں کو خوش رکھنے والی عورت (۳) وہ جس سے ماں باپ خوش رہتے ہوں (۴) وہ جو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا ہو (۵) شوہر کو اپنا مہر معاف کر دینے والی عورت۔

فرمایا۔ (۱) میں نے تمام دوست دیکھے مگر زبان کو لغویت سے بچائے رکھنے سے زیادہ عزیز کسی کو نہ سمجھا (۲) میں نے تمام لباس دیکھے لیکن پرہیزگاری سے بہتر کوئی لباس نہ پایا (۳) میں نے تمام مال دیکھے لیکن قناعت سے بڑھ کر کوئی مال نہ پایا (۴) میں نے تمام نیکیوں کو دیکھا لیکن دوسروں کی خیر خواہی کرنے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہ پائی۔ (۵) میں نے تمام کھانے دیکھے لیکن صبر سے زیادہ مزیدار کوئی کھانا نہ پایا۔

فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے چھ چیزوں کو چھ چیزوں میں چھپایا ہے (۱) اپنی خوشی کو فرمانبرداری میں (۲) اپنے غصہ کو گناہوں میں (۳) اپنے اسم اعظم کو قرآن میں (۴) شب قدر کو ماہ رمضان میں (۵) عصر کی نماز کو نمازوں میں (۶) قیامت کے دن کو دنوں میں۔

فرمایا۔ جو آدمی زیادہ مذاق کرتا ہے اس کا رعب جاتا رہتا ہے جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے وہ خود حقیر ہو جاتا ہے جو زیادہ باتیں بناتا ہے اس کی بیہودگی بڑھ جاتی ہے جس کی بیہودگی بڑھ جاتی ہے اسکو شرم کم آتی ہے اور جس کی شرم کم ہو جاتی ہے اسکی پرہیزگاری میں فرق آ جاتا ہے اور جس کی پرہیزگاری گھٹ گئی اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

بزم قریش

محترم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی اپنے گرامی نامہ محررہ ۲۵ رمئی سنہ ۳۱ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-
القریش کے ناغہ کا تو احساس ہوتا ہے لیکن ناغہ کا باعث اگر خدانخواستہ آپکی علالت ہو تو یہ امر اور بھی زیادہ شاق گذرتا ہے۔ آپ اگر اپنی قدر و قیمت سے آگاہ نہ ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اٹھارہ لاکھ سادات و قریش کے مجموعہ پر مشتمل قوم جس کے جسم کا خون منجمد ہو چکا ہے اس کے وقار کے برقرار رکھنے کے لئے القریش کی کسقدر اشد ضرورت ہے۔ اگر آپ کسی زندہ جماعت کا فرد ہوتے تو آپ کی قلمی اور قومی کارگزاریوں کے لحاظ سے وہ جماعت آپکو اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھلاتی۔ دعا ہے کہ قریش جیسی درماندہ و پسماندہ قوم کی خبرگیری کے لئے خدا آپکو عمر طبعی عطا کرے۔ تاکہ آپ بیش از بیش قومی خدمت سرانجام دے سکیں۔"

(آپ کا حسن ظن ہے ورنہ من آنم کہ من دانم ایڈیٹر)

مولانا حکیم سید فرید احمد صاحب عباسی الہاشمی اپنے ۵ رجون کے گرامی نامہ میں دہلی سے تحریر فرماتے ہیں:-
"عرصہ سے آپ نے خیریت کا کوئی خط نہیں لکھا۔ میں سخت تفکرات میں مبتلا رہا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ بندہ زادہ سید علی احمد عباسی ایم۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہے۔ سادات قریش کے بچے اعلےٰ تعلیم کی ڈگریاں حاصل کریں اسوقت مجھے اطمینان ہوگا اور میں سمجھوں گا کہ ہمارے ندوے کے مقاصد پورے ہوئے"

اس کامیابی پر ہم اپنی اور ناظرین القریش کی طرف سے مبارکباد دیتے ہوئے داعی ہیں کہ خدائے برتر و اکبر ترقی کی منزلیں طے کرنے میں انہیں فائز المرام کرے اور وہ قوم کے لئے باعث فخر ہوں۔ آمین! ایڈیٹر

میرے محترم دوست جناب منشی رحیم بخش صاحب سنہ ۱۹۰۵ء میں سونی میانی علاقہ ریاست لسبیلہ میں نائب الحکومت تھے القریش کے ایک مضمون کی بنا پر حال میں انکا ایک گرامی نامہ بھکر سے میرے نام صادر ہوا ہے جس میں انکا مفصل پتہ مندرج نہیں۔ اس لئے القریش ہی کے ذریعہ سے ممدوح کا پتہ مطلوب ہے۔

قاضی نظیر حسین فاروقی ریٹائرڈ مستوفی الریاست قلات مقیم مقام گوجرانوالہ

یہ خبر نہایت رنج و الم اور حزن و ملال سے سنی جائے گی کہ قوم کے بہی خواہ ندوۃ القریش کے رکن رکین حکیم محمد شفیع صاحب مدیر "بلاغ" امرتسر دو ہفتہ تپ مہلک سے بیمار رہ کر ۱۳ اور ۱۴ رجون کی درمیانی رات کو ایک بجے ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون

مرحوم زندہ دل اور بامذاق شخص تھے۔ ذہن رسا پایا تھا اور فی الواقعی دور کی سوجھتی تھی۔ اصلاحی امور میں گہری دلچسپی اور گہرا شغف تھا۔ آپ نے اپنی عمر کے ۵۰ سال بدعات و قبیحات کے انسداد میں بسر کئے۔ چنانچہ اپنے ہاں کی شادی و غمی کی تقاریب کو نہایت اختصار و سادگی سے انجام دیا اور کبھی فخریہ کلمات زبان سے نہ نکالے۔ صلح کل اور ہر دلعزیز تھے۔

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے

قحط الرجال کے اس زمانہ میں ایک نیک دل اور ہمدرد بزرگ کا انتقال ناقابل تلافی صدمہ ہے "ندوۃ القریش" کے آپ دست راست تھے۔ سوسائٹی آپ کے قیمتی مشوروں سے محروم ہوگئی۔ افسوس!"

مکرمی جناب قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے ڈسٹرکٹ درباری کی سند عطا ہونے کی خوشی میں تین روپے "ندوۃ القریش" اور دو روپے "القریش" کے لئے ارسال فرمائے ہیں۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کئے گئے۔ اگر احباب اپنی تقاریب پر قومی اغراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے امداد و اعانت کا سلسلہ جاری رکھیں تو مالی مشکلات کا بہت بڑی حد تک سدباب ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ برادران قریش اس بات کا خاص خیال فرماویں گے۔

القریش جن برادران قریش کی خدمت میں نمونۃً بھیجا جا رہا ہے وہ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک منشاء خریداری یا عدم خریداری سے اطلاع دیں ورنہ جولائی کا القریش ان کی خدمت میں بصیغۂ وی۔ پی ارسال ہوگا جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

القریش کے ایک قدیم کرمفرما، جو اپنے نام کے اظہار کی بااصرار اجازت نہیں دیتے۔ القریش کی حقیر خدمات کے اعتراف میں "بزم قریش" مطبوعہ اپریل کے الفاظ سے متاثر ہو کر علاقہ بلوچستان سے لائیڈز بنک کا ایک چک قیمتی پچاس روپے ارسال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے "القریش" کا چندہ تصور کیا جائے۔ میں القریش کی خدمات کی قدر کرتا ہوں اور برادران قریش سے ظاہر کرتا ہوں کہ وہ اس کی بے لوث خدمات کا صلہ سرد مہری اور بے التفاتی کی صورت میں دینے سے احتراز کریں۔ (احساس اور اعانت کا مشکور ہوں۔ ایڈیٹر)

مولانا کشفی شاہ نظامی تحریر فرماتے ہیں "اپریل کے بزم قریش" کے مطالعہ سے صدمہ ہوا قوم کی بے پروائی! الاماں خدا ہم پر فضل کرے آپ کو شفا دے اور قریشیوں کو بیدار کرنے کے بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ اور ان بزرگوں کو جو بایں صورت بھی قدر ناشناس ہیں گوش شنوا اور دیدۂ بینا عطا کرے آمین!

خریدار صاحبان خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا

حوالہ ضرور دیں

دُنیا!

چار دن کی بہار ہے دنیا | کیا ہی ناپائیدار ہے دنیا
باتوں باتوں میں دل لبھاتی ہے | کس قدر ہوشیار ہے دنیا
کوئی سایہ ہے یا کہ خواب و خیال | کچھ تو پروردگار ہے دنیا
اس کے جتنے ہیں چاہنے والے | ان پہ صدقے نثار ہے دنیا
نام کاروں سے میل جول اسکا | کیوں نہ ہو پختہ کار ہے دنیا
فتنہ ہے سحر ہے قیامت ہے | یا کہ بادِ بہار ہے دنیا
پوچھتے کیا ہیں آپ دنیا کو | یہ ہی بیل و نہار ہے دنیا
ہاں اگر مفت ہاتھ لگ جائے | کس کو کب ناگوار ہے دنیا
شامِ غربت میں نیند کیوں آئے | جبکہ سر پر سوار ہے دنیا
اہلِ دنیا کا ہے یہ دارِ عمل | نہ کہ جائے قرار ہے دنیا
پھنس گیا آ کے گل بھی دنیا میں | یہ نہ سمجھا کہ خار ہے دنیا
کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے | کب یہ جائے قرار ہے دنیا
کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد | گرچہ سرگرمِ کار ہے دنیا
آ نہ جائیں کہیں فریب میں آپ | فتنۂ روزگار ہے دنیا
نقش پر آب اس کے سارے طلسم | پیکرِ زر نگار ہے دنیا
غم غلط عاشقوں کا کرتی ہے | اک فسانہ نگار ہے دنیا

کل کی بھی فکر ہے تمہیں شوقیؔ
جیتے ہی جی کی یار ہے دنیا

(محمد احسن شوقیؔ)

قریشی اور حقوق زراعت

پنجاب کے جن بیشتر و اکثر اضلاع میں قوم قریش بروئے سٹینڈنگ آرڈر نمبر ۱ و تصحیحات زراعت پیشہ تسلیم کیجا چکی ہے اور وہ اس سے استفادہ کر رہی ہے انہیں ان اضلاع کے بھائیوں کی تکالیف و حق تلفی کا کچھ علم نہیں جہاں ہنوز وہ اپنے اس جائز و واجب حق سے محروم ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ انسان اپنے آرام میں دوسروں کی تکالیف کا احساس نہیں کر سکتا چنانچہ یہی صورت یہاں بھی پیش آ رہی ہے۔ اضلاع امرتسر، گورداسپور، فیروزپور، لدھیانہ، رہتک اور حصار کے قریشی زراعتی حقوق حاصل نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم، ملازمت، استقلال ملازمت، ترقی اور معاشری شعبوں میں ناقابل برداشت نقصان برداشت کر رہے تھے۔ اس لئے "ندوۃ القریش" نے مرکزی انجمن ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلا قدم اس تکلیف کے ازالہ کے لئے اٹھایا۔ حکومت کی خدمت میں بذریعہ ریزولیوشن عرضداشت پیش کی۔ حکومت نے ازراہ رعایا نوازی ہمدردانہ غور و خوض کے بعد ایک نوٹیفکشن جاری کیا جس پر کارروائی ضابطہ ہوئی اور ہو رہی ہے۔ کاغذات ابتدائی مراحل طے کر چکے ہیں اور یقین واثق ہے کہ خدا نے برتر و اکبر "ندوۃ القریش" کو اس میں کامیاب کرے گا۔

اس سلسلہ میں حال ہی میں ایک چٹھی انگریزی نمبری ۴۸۰۴ مجریہ ۱۷ مئی ۱۹۳۱ء صاحب ڈپٹی کمشنر امرتسر کی طرف سے موصول ہوئی ہے جس میں یہ دریافت کیا گیا ہے کیا قریشی خرید زمین کے لئے زراعتی حقوق کے طالب ہیں ؟ یا کسی اور غرض کے لئے۔ اس کے جواب میں مرکار نمبر ۱۲ لکھا جا رہا ہے اور عنقریب صاحب موصوف اور متعلقہ افسران کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

ندوۃ القریش نے یہ معلوم کرنے کیلئے کہ کارروائی کس نتیجہ پر پہونچی ہے صاحب فنانشل کمشنر پنجاب کی خدمت میں لیٹر ریمائنڈ نمبری ۱۹۱ مجریہ ۱۵ مئی ۱۹۳۱ء ارسال کر کے خواہش کی کہ وہ اس کے متعلق ہمیں مطلع فرمائیں۔ چنانچہ اس کے جواب میں صاحب موصوف نے بذریعہ انگریزی چٹھی نمبری ۲۷۱ آر-ایس مجریہ ۹ جون ۱۹۳۱ء ہمیں اطلاع دی ہے کہ "ہنوز معاملہ زیر غور ہے"

امید ہے کہ ہم عنقریب قوم کو یہ مژدۂ جانفزا سنانے کے قابل ہو جائیں گے کہ بقیہ اضلاع میں بھی ہمیں اپنے جائز حقوق حاصل ہو گئے ہیں۔ خدا تعالے ہماری مدد کرے۔ آمین !

بشیر احمد شبلی بی اے

چیف سکرٹری "ندوۃ القریش"

مئی کا "القریش"

القریش ماہ اپریل کی اشاعت کے وقت معمولی نزلہ و زکام کی مجھے شکایت تھی۔ خیال تھا کہ وہ ایک روز میں صحت ہو جائے گی۔ مگر بخلاف اس کے صورت حال بدل گئی اور زکام نے انفلوئنزا کی شکل میں تبدیل ہو کر مجھے پریشان کر دیا اور کامل دو ہفتہ سخت تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ اس سے ذرا افاقہ ہوا تو میعادی بخار کا حملہ ہوا جو ساتویں روز بحران سے ٹوٹا۔ کمزوری اس قدر ہو چکی تھی کہ قضائے حاجت کے لئے دوسروں کا محتاج تھا۔ اٹھنے بیٹھنے کے لئے سہارے کی ضرورت تھی۔ بخار صبح ٹوٹ جاتا اور رات کو ہو جاتا۔ پورے پندرہ روز اسی طرح گذرے۔ زندگی باقی تھی صحت ہو گئی۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

افسوس ہے کہ تکلیف و پریشانی میں مئی کا "القریش" شائع نہ ہو سکا اور اس وجہ سے ناظرین کرام کو انتظار کی زحمت برداشت کرنی پڑی۔ امید ہے کہ ہماری اس مجبوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے احباب ہمیں معذور سمجھیں گے "القریش" کسی زندہ بامذاق اور قدرشناس قوم کا رکن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق ہوتی اور نہ ہمیں بار بار عذر خواہی کی درخواستیں پیش کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اشاعت اسی مقررہ دائرہ میں محدود ہے اور اس قدر وسعت نہیں کہ اشاعت اپ ٹو ڈیٹ رکھنے کے لئے معاون و مددگار رکھے جائیں۔ اس لئے اگر ہم پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے تو قوم بھی سرد مہری و بے پروائی اور غفلت کے الزام سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

احقر رونق

آپکا قومی فرض

القریش کی اشاعت بڑھانا اور اشتہارات کے ذریعہ اس قومی آرگن کو مدد دینا ہر ممکن کوشش سے آپ اس کی مدد کیجئے

(مینیجر)

اویس قرنی رض

(از جناب سید شریف حسین صاحب انور بی اے بی ٹی اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور)

تھے حضرت اویس جو باشندہ یمن ۔۔۔ آرام گاہ جن کی مدینے سے تھی بعید
آٹھوں پہر کا سامنے نقشہ حضور کا ۔۔۔ دل سے بہت قریب تھے آنکھوں سے گو بعید
اُس عاشق رسول نے جب یہ خبر سنی ۔۔۔ جنگ احد میں ہو گیا دانت آپ کا شہید
آنکھوں سے اُنکی دفعتہً آنسو ہوئے رواں ۔۔۔ مینا ئے دل کو اس سے لگی ٹھیس اک شدید
غم میں دہن سے آپ دئے دانت سب نکال ۔۔۔ اللہ رے جذب شوق میں تقلید او رمزید
سب دانت اُنکے نام پر اپنے کئے فدا ۔۔۔ ہے جن کے ہاتھ میں فردوس کی کلید

اسلام کو جہان میں ممتاز کر گئے،
سلمانؓ و ابن عوفؓ و اویسؓ و ابوسعیدؓ

القریش کی خدمات کا عملی اعتراف

زرِ نقد کی تھیلی

صوبہ دہلی، یو۔پی اور پنجاب کے قریشی نمائندگان کی حاضری میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو "ندوۃ القریش" کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرِ نقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مولنا محمد علی صاحب رونق مالک و مدیر "القریش" کی ۱۶ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسمت کے ادعائے قرشیت کی بطلان و تکذیب سے متعلقہ تاریخی مواد کی اشاعت بوجہ احسن انجام دی ہیں خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے کہ اظہار تشکر کے طور پر آپکی خدمت میں قوم

کم از کم ایک سو ایک روپیہ

اور زیادہ سے زیادہ

پانسو روپیہ کی تھیلی پیش کی جائے

و نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ

القریش

جیسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اس کی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش سے حصہ لیں ٭

(مفید ہند پریس امرتسر میں قریشی محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے اپنے اہتمام سے چھاپا اور دفتر "القریش" شریف گنج امرتسر سے شائع کیا)

قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

"تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے"

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش امرتسر

جو

بفرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائنس اعلیٰحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ: تین روپے

ایڈیٹر: محمد علی رونق صدیقی

تاریخ اشاعت

ہر انگریزی مہینے کی سترہ مقرر ہے

نعت

(عزیز لکھنوی)

یہ دونو عالم کہ جسکی تہ میں چمک رہا ہے جمال قدرت ‖ اسے سمجھ لو مجاز مرسل اسے لطیف ایک استعارا

زمانہ ہے ایک جسم خاکی جو دانساں ہے روح اسکی ‖ بتا تو اے روح تو نے اپنے لباسِ ہستی کو کیوں سنوارا

سمجھ میں اب تک نہ تیری آیا کہ زندگانی کی کیا ہے خواہش ‖ نہ دولتِ جم ہے اسکا مقصد نہ اسکا مقصد ہے ملک دارا

مگر حقیقت کی اک نظر کر ذرا سراپائے مصطفےٰ پر ‖ یہ قدِ آدم وہ آئینہ ہے کہ جسمیں قدرت ہے جلوہ آرا

عرب کے جاہل، عرب کے سرکش کہ جنکا جوہر درندگی تھا ‖ یہی ہے وہ فلسفی امّیؐ کہ جسنے اس قوم کو سنوارا

حضیض ہستی پہ جب تھا مائل تو ذرہ ذرہ بنا تھا سورج ‖ ہوا تھا میدان ارتقا جب تو عرش اعظم کا تھا ستارا

اُبل پڑا نور کبریائی چمک اٹھا جلوۂ خدائی ‖ دبے ہوئے تھے جو دل میں جذبے ضیائے رخ نے انھیں ابھارا

مجسمہ حسنِ معنوی کا نمونہ اک لطف سرمدی کا ‖ حرا کی خلوتکدہ میں جسکو خدائے برحق نے خود سنوارا

زمین شورِ عرب پہ آکر بنائے اخلاق اسنے ڈالی

وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القریش امرتسر

(جلد ۱) (نمبر ۲)

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۱ء

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں وہ تمام انقلابات دیکھے، جو ایک انسان دیکھ سکتا ہے آپ کی حیاتِ مقدس میں انسانی زندگی کے تمام شعبے اور تمام منزلیں اور تمام پہلو موجود ہیں۔ آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ چھ برس کی عمر میں والدہ بھی اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد آپکے دادا عبدالمطلب آپ کے سرپرست ہوئے مگر ان کا بھی تھوڑی مدت کے بعد انتقال ہو گیا۔ کوئی بھائی اور بہن بھی نہ تھی۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آئے۔ بچپن میں آپ نے اپنی دایہ حلیمہ کی بکریاں بھی چرائیں۔ اس بیکسی، غریبی اور بے سرو سامانی کو دیکھو۔ پھر دوسری طرف اس بات پر غور کرو کہ آپ تمام ملک عرب کے بادشاہ بھی تھے ایسے اوقات بھی آپ پر گذرے کہ کئی کئی وقت کھانا نہیں ملا اور ایسے حالات بھی آپ پر گذرے کہ سیم و دینار کے انبار مسجد میں پڑے ہیں فقرا اور محتاجوں اور ضرورتمندوں کو اپنے اختیار اور اپنے ہاتھ سے تقسیم کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک وہ وقت بھی آپ پر گذرا کہ کوئی متنفس یار و یاور اور غمگسار و مددگار نہ تھا۔ طائف میں ہر طرف سے آپ پر اینٹ پتھر کی بارش ہو رہی تھی۔ آپ کے جسم مبارک سے خون جاری تھا۔ پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ لڑکوں اور غنڈوں کی بھیڑ غُل مچاتی اور بُرا کہتی ہوئی معرض کلوخ اندازی تھی۔ غار ثور میں آپ ایک رفیق کے ساتھ پوشیدہ تھے۔ اور خون کے پیاسے دشمن آپکا کھوج لگاتے اور تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپ قیصر روم کے حملے کی خبر سنکر تیس ہزار فوج لیکر مقام تبوک (سرحدِ شام) کی طرف مدافعت اور مقابلہ کے لئے بڑھے اور قیصر روم آپ کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

مدینہ منورہ میں یہودی، عیسائی، بت پرست، ستارہ پرست وغیرہ مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے لوگ موجود تھے سب کی متفقہ انجمن یا کونسل کے صدر یا پریزیڈنٹ آپ ہی قرار پائے اور سب آپ کے فیصلہ اور حکم کو آخری فیصلہ اور آخری حکم قبول کرتے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ آپ مدینہ منورہ کے تنہا مطلق العنان فرمانروا تھے۔ یعنی انجمن اقوام کے صدر ہونے کی حالت میں آپ کے حکم اور فیصلہ کا دوسرا اثر تھا اور بادشاہ عرب ہونے کی حیثیت میں دوسرا۔ آپ نے ایک جج کی خدمات انجام دیں اور ایک خندق کھودنے والے مزدور کا کام بھی کیا۔ آپ امی تھے اور تمام علما و فضلا کے معلم بھی۔ آپ ایک مستعد سپاہی کی حالت میں بھی رہے اور ایک بہادر سپاہی کی حالت میں بھی دیکھے گئے۔ آپ نے بکھرے ہوئے اوراق کو مجتمع کرکے ایسی شیرازہ بندی کی اور ایک ایسی قوم بنائی جس کی نظیر دستیاب نہیں ہو سکتی آپ نے وحشیوں اور جاہلوں کو تہذیب و علم کا سب سے بڑا وارث بنا دیا۔ آپ مقنن تھے اور مجسٹریٹ بھی آپ تاجر بھی اور مزدور بھی۔ آپ مالدار بھی تھے اور مفلس بھی آپ محتاج بھی تھے اور غنی بھی آپ واعظ بھی اور محتسب بھی آپ دلسوز شفیق تھے اور بارعب حاکم بھی آپ بے تکلف دوست بھی اور باوقار استاد بھی۔ آپ دنیا کے بڑے بادشاہوں سے بھی خط وکتابت رکھتے تھے اور مفلس و نادار اصحاب صفہ میں بھی ملے جلے نظر آتے تھے بڑے بڑے شہنشاہ آپ سے مرعوب تھے۔ اور ایک معمولی بڑھیا آپ سے بلاجھجک گفتگو کرتی تھی۔ آپ دستکار بھی تھے اور شہسوار بھی تھے آپ اعلیٰ درجہ کے شہسوار بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار بھی۔ اور عابد شب زندہ دار بھی۔ آپ بچوں کے باپ اور بیبیوں کے شوہر بھی تھے۔ اور رعایا کے حاکم اور امت کے پیشوا اور رسول بھی۔ غرض کہ انسانی زندگی کے جس قدر شعبے اور جس قدر مدارج و مراتب تجویز کئے جا سکتے ہیں وہ سب کے سب ہم کو ایک آنحضرت محمد صلعم اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یکجا موجود نظر آ سکتے ہیں۔ اسی لئے ہر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے نمونہ ٹھہرا سکتا ہے اور آپ کی پیروی سے کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے بخلاف اسکے دوسرے تمام مذاہب اور پیغمبران عالم کی زندگیوں کے حالات اگر ہم کو معلوم بھی ہو سکے ہیں تو ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملتا۔ جس کی زندگی کو ہر شخص اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے مثلاً ایک بادشاہ کسی شہر کو فتح کرتا اور فاتحانہ اس میں داخل ہوتا ہے تو اس کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ایسی حالت میں میرے ہادی اور میرے پیشوا نے مفتوحین سے کیا سلوک کیا تھا۔ تاکہ میں بھی اس کے نقش قدم پر چل کر رضائے الہیٰ حاصل کر سکوں۔ اس حالت میں اسکو فتح مکہ کا واقعہ یاد آئیگا کہ آنحضرت صلعم نے کس سیرچشمی کے ساتھ مکہ والوں کو معاف کیا۔ اور لا تثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ فرمایا تھا اسی طرح اس کو مہاراجہ رامچندر کی زندگی میں بھی لنکا کی فتح کا واقعہ یاد آ سکتا ہے کہ انہوں نے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اور لنکا میں آگ لگا کر کس طرح مغلوب دشمن سے بدلہ لیا تھا لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں اسکو کوئی نمونہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ان کو کسی شہر کو فتح کرنے اور مفتوحین سے

کسی قسم کے سلوک کرنے کا موقعہ نہیں ملا تہا ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ برتاؤ اور معاشرت کے متعلق جب کسی ہدایت و رہبری کا خواہاں ہوتا ہے تو اسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ ارشادات یاد آجاتے ہیں جو والدین کے متعلق آپ نے فرمائے ۔ اور لوگوں کو تاکیدی طور پر فرمائے اور اپنے سامنے ان پر عملدرآمد کرایا ۔ اسی طرح اسکو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی وہ واقعہ یاد آجاتا ہے ۔ جہاں انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کو "او عورت" کہکر مخاطب فرمایا اور ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا تہا ۔ لیکن حضرت موسےٰ علیہ السلام کی زندگی میں والدین کی اطاعت کے متعلق بائبل کے ذریعے کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہوتا ۔ ایک عیالدار آدمی اپنے بچوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرے ۔ اس کے لئے آنحضرت صلعم کی زندگی میں اسکو قولی و فعلی ہر قسم کے نمونے مل سکتے ہیں ۔ اسی طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی اسکو نمونہ ملجاتا ہے کہ انہوں نے کس طرح بیوی بچوں کو پریشان و نامراد چھوڑکر ترک علائق کیا لیکن مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ایسے نمونے تلاش کرنا فضول ہے ۔ خلاصہ کلام یہ کہ دوسرے بانیان مذاہب کی زندگیاں خاص خاص پہلوؤں میں نمونہ بنائی جاسکتی تھیں اور بنی نوع انسان کے تمام افراد اور تمام زمانوں کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتیں ۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ایک جامع زندگی ہے اور اسی لئے وہ قیامت تک ایک نمونہ ہے اور اسی لئے اسکو محفوظ رہنا چاہئے تھا اور اسی لئے وہ تمام انبیائے علیہم السلام کی زندگیوں کے قابل اقتدار پہلوؤں کو اپنے اندر مجتمع رکھتی ہے ۔ موسےٰ علیہ السلام کی جوانمردی ہارون کی نرمی ۔ ایوب کا صبر ۔ داؤد کی سپہ گری ۔ سلیمان کی شان و شوکت ۔ یحییٰ کی سادگی ۔ مسیحا کی حلیمی و فروتنی سب کچھ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اعلےٰ و اتم طریقہ پر موجود نظر آتی ہے ۔

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

یہ کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی کہ آپ کو اپنی زندگی میں وہ تمام واقعات پیش آئے جو بہت سے آدمیوں کو مختلف حیثیتوں میں پیش آسکتے ہیں ۔ بلکہ آپکی زندگی میں ان تمام مختلف واقعات کا پیش آنا لازمی اور ضروری تھا کیونکہ آپ خاتم الانبیاء تھے ۔ خدائے تعالےٰ نے جبکہ آپ کو خاتم الانبیاء بنایا تو یتیمی سے لے بادشاہت تک کے تمام بیشمار مراتب طے کرادیئے تاکہ کامل نبی جس طرح کامل ہدایت نامہ کا حامل ہو ۔ اسی طرح اسکی زندگی بھی نوع انسان کے لئے کامل نمونہ بن سکے ۔

اطلاع } ناظرین "القریش" یہ سنکر خوش ہوں گے کہ حضرت صاحبزادہ آغا ظفر ہاشمی صاحب کا کلام جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کرچکا ہے عنقریب مجموعہ کی صورت میں "شعرستان ظفر" کے نام سے شائع ہو رہا ہے جنکو اصحاب شائع ہونے سے پہلے دفتر "القریش" میں آکر محفوظ کرالیں ۔ ۔ ۔ انکے نام بھیجدیا جائے

ایفائے عہد

(جناب حکیم محمد افتخار علی صاحب صدیقی وارثی)

کیا مبارک تھے طریقے احمدِؐ مختار کے
قول کے پورے تھے سچے آپ تھے اقرار کے

امرِ حق اظہار کرنے میں نہ ڈرتے تھے حضورؐ
جو زباں سے بات کہتے تھے وہ کرتے تھے حضورؐ

شام کو بیٹھے تھے اک دن در پہ فخرِ مرسلاں
پیشوائے ہر دو عالم بادشاہِ دو جہاں

ہادیِ برحق تھے راہِ نیک سی تھا جن کو کام
قیصر و فغفور جن کے در کے تھے ادنےٰ غلام

اتفاقاً اس گھڑی یہ واقعہ نادر ہوا
اِک یہودی مصطفیٰؐ کے سامنے حاضر ہوا

نرخ جو بازار کا تھا طے وہ ہو کر آپ سے
اس یہودی نے خریدے خُرمۂ تر آپ سے

ہو چکا سب کام حجت تھوڑی باقی رہ گئی۔
کچھ دیئے دام اور قیمت تھوڑی باقی رہ گئی

اس نے حضرت سے کہا اے سید پاک امیں
دام میرے پاس موجود اس جگہ پورے نہیں

مجھکو جانے دیجئے پھر کر ابھی میں آؤں گا
دام جو باقی ہیں گھر سے لا کے سب دے جاؤنگا

وہ یہودی ہو کے رخصت آپ سے آیا جو گھر
اپنے بچوں میں ہوا مصروف ہو کر بے خبر

اپنے وعدے پر رہے قایم حبیبِ کبریا،
رات بھر بیٹھے رہے در پر محمدؐ مصطفیٰ

آپ تھے بیدار اپنے گھر یہودی بے خبر
الغرض نورِ سحر چمکا جبینِ چرخ پر

آسماں کی بزم سے غائب ستارے ہو گئے
سونے والے رات کے بیدار سارے ہو گئے

وعدۂ دوشنبہ کا آیا یہودی کو خیال،
جی میں گھبرایا ہوئی دلکو پشیمانی کمال

دام لے کر خدمتِ شاہِ دو عالم میں گیا
عذرِ وعدہ بھول جانے کا یہودی نے کیا

ہنسکے حضرت نے کہا ہم بھولنے والے نہیں
راستہ دیکھا کئے سوئے نہیں بیٹھے رہے

ہم نے جو وعدہ کیا تھا اسکا تھا ہمکو خیال
تم اگر آ کر پلٹ جاتے ہمیں ہوتا ملال

واہ رے وعدے کے سچے شاہِ ذیشان جگر
تجھ پہ قرباں دل ہو صدقے تجھ پہ ہو جان جگر

صحافت وکتابت

کاتب کا احساس ذمہ داری

زمانۂ قدیم کے کتب وخطب اور بیاض ہائے قلمی اس لئے مرغوب ومطلوب ہیں کہ ان میں غلطی کا امکان نہیں، عہد ماضی کا کاتب اپنی ذمہ داری کا کماینبغی احساس رکھتے ہوئے اپنی تحریر کو نستعلیق، خوشخط، جاذب نظر ضوابط وقواعد کے عین ماتحت خوبصورت ودیدہ زیب بنانے کے علاوہ اس بات کی انتہائی کوشش کرنا اپنا فرض اور ایمان سمجھتا تھا۔ کہ اسکی تحریر ڈمنع اور خلاف قواعد نہ ہو بلکہ اس قدر درست وصحیح ہو کہ مصحح کی ضرورت باقی نہ رہے۔ یہی وجہ تھی کہ فن کتابت اکل حلال قرار دیاگیا اور صحابہ کرام اور سلاطین اقالیم نے اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور یہی وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے عہد حاضرہ کی سنہری وروپہلی مطبوعات پر ان سادہ تحریروں کو اب بھی فضیلت وبرتری حاصل ہے اور قدردان ہزاروں روپیہ کے بدل ایک ایک نسخہ خرید کررہے ہیں۔ بخلاف اس کے عہد جدید کی کتابت پرلے درجہ کی ذلیل اور بدرجہ اتم ناقص ہے اور کوئی خوبی اس میں موجود نہیں صحافت حاضرہ اس کی دست درازیوں سے اس قدر نالاں وگریاں ہے کہ الامان والحفیظ!

مضمون کے مطالب ومعانی اور مفہوم کو یکسر تبدیل کردینا رحمت کو زحمت سے بدل دینا اس کا ادنےٰ اعجاز ہے اخبار ورسائل اور کتب وقصص کا تو کیا ذکر الہامی اور مذہبی صحیفے بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ قرآن کریم تک کے نسخے غلط لکھے جاتے ہیں اور ادب واحترام کا ذرہ بھر لحاظ نہیں کیاجاتا جہاں پر احساس ذمہ داری کی یہ کیفیت ہو وہاں اخبارات ورسائل شکوہ سنج ہوں تو کیوں؟ لہذا "القریش" کے مضامین سرتاسر غلط اور ناقص لکھے جانے پر تعجب نہ ہونا چاہیئے؟ اور سینہ پر صبر کی سل رکھ کر اغلاط کی صحت کرلینی چاہیئے۔ کیونکہ اب سوائے اس کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ لہذا ناظرین القریش بھی مئی وجون کے رسالہ کی موٹی موٹی اغلاط بقرار ذیل درست کرلیں اور ہمیں معذور سمجھیں اور امید ہے کہ ہمارے کاتب صاحب آئندہ شب تاریں غلط نویسی کی زحمت سے بچنے کی کوشش کرینگے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۹	کہکر	کہ
۵	۲	برہر	برگھر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۳	کسی ادارہ	نہ کسی ادارہ
۵	۳	انجمن ا، کسی	انجمن اور کسی
۷	۱۰	حق حکم	ناطق حکم
۷	۱۴	احتیاط	احتراز
۹	کالم۲سطر۵	۱۵ ر جون	۱۵ ر مئی۔
〃	〃 ۱ 〃 ۱۱	قیمتی	قیمتی وقت
۱۰	〃 ۱ 〃 ۴	نسبت	نسبت فی الحقیقت
۱۰	〃 ۱ 〃 ۵	راسخ العقیدہ	ایک راسخ العقیدہ
۱۰	〃 ۱ 〃 ۶	آپ کی قرشیت سے ..	آپ کو قرشیت سے عناد ھے۔
۱۰	〃 ۱ 〃 ۷	آپ کے قطع و برید	آپ کی قطع و برید
۱۰	〃 ۱ 〃 ۸	بصرہ	تبصرہ
۱۰	〃 ۱ 〃 ۱۱	میں کمشنر	میں کل کمشنر
۱۰	〃 ۱ 〃 ۱۳	گزامینر نے سب	اگزامینر نے حسب
۱۰	〃 ۲ 〃 ۱	وسیع ...پر	وسیع پیمانہ پر
۱۰	〃 ۲ 〃 ۳	رک	کے لئے
۱۰	〃 ۲ 〃 ۱۱	.. ر جون	۷ ر جون۔
۴۹	سطر ۹	القریش کسی ندہ باذاق اور قدرشناس قوم کا رکن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق نہوتی	القریش کسی زندہ باذاق اور قدرشناس قوم کا آرگن ہوتا تو نہ اس کی اشاعت میں کبھی تعویق ہوتی

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر

کا حوالہ ضرور

دیا کریں

(مینجر)

تجلیاتِ ظفرؔ

(رشحاتِ قلم حضرت ظفرؔ ہاشمی)

رختِ ہستی کو شرارِ غم سے گرماتا ہوں میں
آپ اپنی آگ میں گویا جلا جاتا ہوں میں

اہلِ محفل ڈھونڈتے ہیں اور میں ملتا نہیں
سرمۂ اہلِ نظر بن کر سما جاتا ہوں میں

آفرینش میں سراپا مہر کا پرتو ہوں میں
دل میں پنہاں جلوۂ حسنِ ازل پاتا ہوں میں

پھر بپا ہنگامۂ رنگ و نسب ہونے لگا
امتیازِ ملت و آئیں سے گھبراتا ہوں میں

سازِ دل نے جب سے چھیڑا ہے ظفرؔ مضرابِ غم
اپنی ہر ہر لے کو سرمستِ نوا پاتا ہوں میں

دین و دنیا [illegible]

عربی فطرت و ذکاوت

صدر اسلام ہی میں عربوں کی توجہ علوم و فنون کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔ اس میدان میں بھی وہ دوسری قوموں سے پیچھے نہیں رہے۔ ان کی علمی فتوحات نے تاریخ میں وہ نام چھوڑا ہے جس کو زمانہ آسانی سے محو نہیں کرسکے گا جس زمانے میں کہ یورپ پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور یورپی اقوام تہذیب و تمدن کے نام سے آشنا تک نہ تھیں۔ عربی ممالک علم و حکمت کی تابناک روشنی سے کرہ ارضی میں ماہ منیر کی طرح لمعہ افگن تھے۔ اہل عرب جہاں گئے۔ علوم و فنون نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ انہوں نے اپنے مسیحائی انفاس سے جہاں مردہ علوم و فنون کو جو کتابوں میں بند پڑے تھے۔ نئی زندگی بخشی اُس کے ساتھ ہی اپنی خداداد ذہانت اور انتھک کوششوں سے اس علمی وراثت کو اور پروان چڑھایا۔ ان کی برکت سے دنیا کو قرون وسطیٰ کی تاریکی سے نجات ملی۔ اہل عرب نے علم دوست خلفاء کے ظل عاطفت میں کشت علم کو سینچا۔ اور اس میں وہ وہ جدتیں پیدا کیں۔ اور وہ گل بوٹے کھلائے۔ کہ ان کی عظمت و کمال کا انکار ممکن نہیں۔

تاریخ اسلام کا طالب علم عربوں کی حیرت انگیز قوت عمل اور سرعت کار دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ کہ کس طرح ایک قلیل مدت میں ایک نیم مہذب قوم لق و دق اور بے آب و گیاہ صحراؤں سے نکل کر دنیا کا مرقعہ پلٹ دیتی ہے۔ ان کی تلوار ایران و روم کی زبردست سلطنتوں کو سرنگوں کر ہی چکتی ہے۔ کہ اس کے دھنی دنیا کے سامنے ایک دوسرے لباس میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ یہ کسے معلوم تھا۔ کہ عرب کے بدو جو اپنے ماحول کے سوا دنیا و مافیہا سے قطعاً ناواقف تھے۔ قوموں کو علم و حکمت کا سبق دیں گے۔ اور اونٹوں کی مہار تھامنے والے اور بات بات پر خون کی ندیاں بہانے والے دنیا کو قعر جہالت سے نکال کر علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی دولت سے مالا مال کریں گے۔ عربوں کا زمانہ تاریخ عالم کا ایک زرین اور قابل فخر عہد ہے جس پر اہل عرب جس قدر ناز کریں۔ بجا ہے۔

فتوحات کے بعد خود ہی بلاد اسلامیہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک علمی لہر دوڑ گئی تھی جس نے عربوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا۔ اور قلیل عرصہ میں اس ذہنی انقلاب کے آثار نمودار ہوگئے جس سے آگے چل کر رفیع الشان نتائج مرتب ہوئے۔

ساتویں صدی میں اسلام کا آغاز ہوتا ہے۔ اور آٹھویں صدی کی ابتدا ہی ہے۔ کہ عربی سلطنت دنیا کے ایک بڑے حصہ پر پھیل جاتی ہے۔ ارض شام کی فتوحات کا سلسلہ سنہ ۶۳۲ء سے شروع ہو کر سنہ ۶۳۶ء میں ختم ہوتا ہے۔ ایران اور جیحوں کا درمیانی علاقہ سنہ ۶۴۰ء تک عربی سیادت میں آجاتا ہے۔ مصر سنہ ۶۳۸ء اور شمالی افریقہ سنہ ۶۴۸ء اور روڈس اور قبرص کے جزائر سنہ ۶۴۹ء میں عرب فاتحین کے لئے دروازے کھول دیتے ہیں۔ شمال میں آرمینیا اور کوہ قاف تک عربی علم لہراتا

آتا ہے۔ آٹھویں صدی کے اوائل یعنی سنہ ۷۱۲ء میں ماوراء النہر اور سنہ ۷۱۱ء سے سنہ ۷۱۳ء تک اسپین عربی مقبوضات میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تقریباً ایک سو سال بھی نہیں گذرتے۔ کہ ادھر بحر ہند سے لیکر بحر اوقیانوس تک اور ادھر کوہ قاف کی برفیلی چوٹیوں سے وسط افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں تک عربوں کا پرچم کوس لمن الملک الیوم بجاتا نظر آتا ہے:

اہل عرب وحشیوں کی طرح ملکوں کو فتح کرنے کے ساتھ ہی وہاں باقاعدہ نظم ونسق قائم کرنے میں مصروف ہو جاتے۔ اور پھر آگے بڑھتے۔ عرب صرف فاتح ہی نہ تھے۔ وہ بہترین حکمران اور اچھے مدبر بھی ثابت ہوئے جس ملک میں ان کے قدم پہنچے۔ اور جن شہروں کو وہ فتح کرتے۔ وہاں کا کونہ کونہ ان کی متجسسانہ نگاہوں سے نہ بچتا۔ مفتوحہ اقوام کے ساتھ ملنے میں عربوں نے کبھی بھی احتراز نہیں کیا۔ ان کے اس آزادانہ اختلاط نے ان کو بہت جلد محکوم قوموں کے مراسم و عادات۔ ان کی معاشرت اور ان کے علوم وفنون سے واقف کر دیا۔ اہل عرب نہایت مستعدی اور غیر معمولی شوق سے سابقہ علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنی فطرت ذکاوت اور غور و فکر اور مشاہدہ کی قوت اور سب سے زیادہ اپنی غیر معمولی قوت عمل سے ان پر پورا عبور حاصل کر لیا:

شروع شروع میں اہل شام کی وساطت سے عربوں کو یونانی علوم سے سابقہ پڑا۔ اہل شام ان نسطوری علماء کے شاگرد تھے۔ جو رومی قیصروں کے مذہبی تعصب اور ان کے ظلم وجور سے تنگ آ کر ایران میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ یہ لوگ فلسفہ و حکمت اور خاص طور پر طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑے وسیع پیمانہ پر اندسا میں طبی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ جو زینون نامی بادشاہ کے ہاتھوں تباہ ہوا اس کے بعد نیشاپور ان لوگوں کا مرکز قرار پایا۔ جہاں سنہ ۵۳۱ء میں خسرو نوشیرواں نے فلسفہ اور طب کی تعلیم کے لئے دار العلوم قائم کیا جس میں زیادہ تر نسطوری علماء معلم تھے۔ اس طرح یہ لوگ ایرانی بادشاہوں کی سرپرستی میں مشرق قریب میں یونانی علوم کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اہل شام کو اس میں سے ایک وافر حصہ نصیب ہوا:

اموی خلافت ہی میں فلاسفہ یونان کی کتابیں اہل عرب کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ انہوں نے اس علمی سرمایہ کو اپنی گمشدہ چیز سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور ان کے مطالعہ میں غیر معمولی شوق اور رغبت کا اظہار کیا۔ لیکن اس راہ میں سب سے پہلا عملی قدم خلافت عباسیہ میں اٹھایا گیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی نگرانی میں یونانی تصانیف کے ترجمے کرائے اور علوم وفنون اور فلسفہ حکمت کی ترویج و اشاعت کی داغ بیل ڈالی۔ منصور کے جانشینوں ہارون الرشید اور مامون الرشید کی سرپرستی میں ان کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔ موخر الذکر کے زیر سایہ پایہ خلافت مشرق و مغرب کے علوم اور علماء کا مرکز بن گیا تھا۔ مامون کی علم دوستی دور دراز ممالک سے علماء کو بغداد میں کھینچ لائی۔ خلفاء کی علم پروری اور علوم وفنون کی قدر وقیمت نے رعایا میں بھی تعلیم وتعلم کا بے انتہا شوق پیدا کر دیا تھا۔ یہ زمانہ علمی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے انتہائی عروج وکمال کا عہد گذرا ہے:

تذکرۃ المشاہیر

مولانا جامی کا ذوق سلیم

اسم گرامی عبدالرحمٰن جامی۔ آپ جام مضافات خراسان میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے "بالائے سرش ز ہوشمندی۔ می تافت ستارہ بلندی" کے مصداق تھے۔ تصوف میں معراج حاصل تھی۔ لذت دنیا سے متنفر ہو کر ریاضت اور مجاہدہ میں بسر کرتے تھے۔ اور تمام اسباب دنیوی سے قطع تعلق کر کے ہرات کی مسجد میں قیام کر لیا تھا۔ جو کوئی زیارت کا شائق جاتا سحر بیانی سے ایسا متاثر ہو جاتا کہ اس کا اثر اپنے آپ میں ہمیشہ پاتا۔ مولانا کا انتقال سنہ ۱۴۹۲ء میں ہوا۔ آپ کے انتقال کا صدمہ تمام ہرات کو ہوا۔ خود سلطان حسین فرمانروائے ہرات اور تمام اکابر سلطنت آپ کے جنازہ کے ساتھ گئے۔ اور ہر فرد بشر نے ماتمی رسوم ادا کیں۔ آپ کا ماتم عام طور سے دس یوم رہا۔ اور خواجہ علی شیر نے جو آپ کے دوست بے تکلف اور بادشاہ کے وزیر تھے جن کا ذکر یوسف و زلیخا میں بھی ہے۔ بموجودگی علماء و وزراء اس گوہر گرانمایہ کے روضہ کا پتھر بعد ختم ماتم رکھا۔ اب تک آپ کا مزار زیارت گاہ ہے۔ حالانکہ انتقال فرمائے ہوئے پانچسو برس ہو گئے۔ مگر آپ کی شہرت کا آفتاب آسمان کمال پر چمک رہا ہے۔ آپ کی تصانیف تعداد میں ۴۰ ہیں۔ جن میں سے اکثر زمانہ کی دست برد کمیاب ہو گئیں۔ لیکن یورپین عالموں نے کوشش کر کے ۲۲ جلدوں کا پتہ لگا لیا ہے۔ زیادہ تر آپ کی تصانیف عقائد اسلام پر ہیں۔ ایک نہایت عمدہ مجموعہ ہفت اورنگ نامی ہے جس میں یوسف و زلیخا بھی شامل ہے۔ سر ولیم جونس یوسف و زلیخا کی نسبت رقم فرماتے ہیں "فن نظم میں اعلیٰ درجہ رکھنے والی اور فصاحت میں یکتا یہی کتاب ہے"۔ اب میں کچھ غزلیں مولانا کے کلام غزل کے نمونہ کے طور پر درج کرتا ہوں۔

غزل

عارض است ایں یا قمر یا لالہ حمراست ایں
یا شعاع شمس یا آئینہ دلہاست ایں

قامت است ایں یا الف یا سرو یا نخل مراد
یا گل گلدستہ باغ جناں آراست ایں

زلف تو زنجیر یا عقرب یا مشک است یا [illegible]
سنبل تر یا سمن یا عنبر ساراست ایں

چشم تو جادوست یا آہوست یا صیاد خلق
یا دو بادام سیاہ یا نرگس شہلاست ایں

یا رب ایں طاق است یا محراب یا قوس قزح
یا ہلال عید یا ابروئے ماہ و ماست ایں

کوئے تو کعبہ است یا فردوس یا خلد برین
یا گلستان ارم یا جنت الماویٰ ست ایں

حقہ لعل است یا سر چشمۂ آبِ حیات | یا دہن یا میم یا طوطیٔ شکر خا است ایں
یا رب ایں خورشیدِ تاباں ست یا ماہِ تمام | یا فرشتہ یا پری یا شوخ بے پروا ست ایں

بلبلِ بے خانماں یا طوطیٔ شیریں زباں
قمریٔ باغِ جناں یا جامیٔ شیدا ست ایں

دیگر

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام | بر درت ایں بار با پشتِ دوتا آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا موئے سفیدِ من نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں سگے گم کہ بودم سالہا در راہِ تو | ہستم آں گم رہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
دیو رہزن در کمیں نفس و ہوا اعدائے دیں | زیں ہمہ با سایۂ لطفت پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخی مرا | کردہ گستاخی زبانِ عذر خواہ آوردہ ام

بستہ ام بر یکدگر خارے ز خلدستانِ طبع
سوئے فردوسِ بریں مشتِ گیاہ آوردہ ام

(خیابان عجم)

اعتذار و تشکر

خدائے قادر و توانا کے فضل و کرم سے اس قدر طویل اور تشویش ناک علالت کے بعد شفا تو ہو گئی۔ لیکن دماغ پر شدت گرمی کی وجہ سے ہنوز اثرات باقی ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ اس اشاعت کا حجم غیر معمولی طور پر کسی قدر کم ہے امید ہے۔ کہ احباب اس کے لئے ہمیں معذور سمجھیں گے ؎

میرے پریشان کن طویل علالت کی خبر پا کر جن برادران قریش نے ہمدردانہ خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ میں انکی توجہ فرمائی اور ہمدردانہ دعاؤں کا بصدق دل مشکور ہوں ؎

نیاز مند

رونق

قول مسلم

اغیار سے یہ کہدو ہے یہ مکاں ہمارا
یہ سرزمیں ہماری یہ آسماں ہمارا

یہ باغ و راغ سارے جتنے ہیں سب ہمارے
یہ آب جو ہماری یہ گلستاں ہمارا

ہوتے ہیں کون اس میں صیاد اور گلچیں
مدت سے اس چمن میں ہے آشیاں ہمارا

اپنے لہو سے ہم نے ہر نخل کو ہے سینچا
ہم باغباں ہیں اسکے یہ گلستاں ہمارا

گلگشت ہم کو بھائی کچھ ایسی اس چمن کی
جس سے نہ یاد آئی پھر بھول کر وطن کی

اے اجنبی مگر تو واقف نہیں عرب سے
جو پوچھتا ہے ہم سے نام و نشاں ہمارا

مسکن قدیم اپنا ہر سرزمین بطحا
پہلے ہوا جہاں سے چشمہ رواں ہمارا

جو چاہے دیکھ آئے بیت الحرام مکہ
قائم ہے اس زمیں پر اب تک نشاں ہمارا

مرجع ہمارا اب تک ہے خاک پاک یثرب
جس خاک میں ہے سوتا وہ گلہ باں ہمارا

ہم اہل بادیہ ہیں اسلام کے فدائی
اس دین کے فدائی اس نام کے فدائی

ضرب المثل ہماری مہماں نوازیاں ہیں
ہم کو عزیز جاں سے ہے میہماں ہمارا

حاتم سے نام روشن ہمت کا ہے ہماری
جود و سخا میں عالم ہے مدح خواں ہمارا

ہم نے کبھی کسی سے آنکھیں نہیں چرائیں
مانگا ہو ہم سے اس نے گو نقد جاں ہمارا

دب کر کسی کے آگے گردن نہیں جھکائی | اس واسطے لقب ہے شیر ژیاں ہمارا

ابنائے بادیہ ہم ڈرتے نہیں کسی سے
البتہ چھیڑ پہلے کرتے نہیں کسی سے

وہ ابنائے مغرب یعنی کہ جبل طارق | صدیوں اڑا کیا ہے اس پر نشاں ہمارا
یہ سرزمین مشرق کہتے ہیں ہند جس کو | قرنوں رہا ہے اس پر سکہ رواں ہمارا
تاج ہرقل اب بھی ہے زیب سر ہمارے | ہے پائے بوس اب تک تخت کیاں ہمارا
دشمن جو ہم سے آکر میدان میں لڑے ہیں | بھولے نہیں ابھی تک زخم سناں ہمارا
اس تیغ خونفشاں کی بیٹھی ہے دھاک سب پہ | اور مانتا ہے لوہا سارا جہاں ہمارا

ہم فخر جانتے ہیں جنگ و جہاد کرنا
حق بات کہہ کے اڑنا اور اس پہ لڑ کے مرنا

(محمد فاروق)

بیچدوں

مٹ جائے جس سے ملت و آئین کا امتیاز | مل جائے ایسا کفر تو ایمان بیچدوں
سرمایہ دار عیش دو عالم ہیں رنج و غم | اس مفلسی پہ زیست کا سامان بیچدوں

خریدلوں

یہ جنس مجھ کو ملتی ہے سستی خرید لوں | ہوش و خرد کو بیچدوں سستی خرید لوں
جو کر رہی ہے عرش کے پردوں کو بھی دراز | وہ تیرے سنگ در کی ہے پستی خرید لوں
چھا جائے دو جہاں کے پردوں میں اے ظفر | ایسی کسی نگاہ کی مستی خرید لوں

ظفر ہاشمی

ندوۃ القریش

سرکلر نمبر ۴

منجانب چیف سکرٹری "ندوۃ القریش" امرتسر۔ بمراد ملاحظہ فنانشل کمشنر صاحبان پنجاب، چیف سکرٹری گورنمنٹ، کمشنر صاحبان و جملہ ڈپٹی کمشنر صاحبان۔

بجواب چٹھی نمبری ۴۶۰۷ ۔ مجریہ ۲۶ مئی ۱۹۳۱ء ۔ منجانب صاحب ڈپٹی کمشنر امرتسر التماس ہے۔ کہ

(الف) ایکٹ انتقال اراضی یا سٹینڈنگ آرڈر نمبر ۱ کا اصل منشا حقوق زمیندارہ کی حفاظت ہے۔ لیکن جہاں تشخیص کی غلطی سے زراعت پیشہ اقوام نوٹیفائڈ نہیں ہو سکیں۔ وہاں قانون کا یہ منشا پورا نہیں ہو سکا۔

(ب) پنجاب کے صرف چھ اضلاع امرتسر، گورداسپور، فیروزپور، لدھیانہ، رہتک اور حصار کے قریشی قانون کے اس مفاد سے محروم ہیں۔ بحالیکہ من حیث القوم یہ ایک مسلمہ زراعت پیشہ قوم ہے۔ اور پنجاب کی تمام قومیں مغل، پٹھان اور راجپوت وغیرہم اس کی زمیندارہ حیثیت کو تسلیم کرتی ہیں۔

(ج) اضلاع متذکرہ کے قریشی خاندان اپنے واجبی اور جائز حق (زراعت) کی تلاش میں اقوام مشتہرہ میں مخلوط ہو رہی ہیں۔ اور اپنی قومیت گم کرنے پر مجبور ہیں۔ اور یہ ایک ناقابل تلافی قومی نقصان ہے۔

(د) محلانوالہ ضلع امرتسر کا قریشی خاندان جو ایک وسیع رقبہ زمین کا مالک اور کاشتکارانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جسکی قومیت سرکاری کاغذات مال میں ۱۸۶۵ء سے "قریشی صدیقی" درج ہے محض حق زراعت کے لئے سن ۱۹۳۰ء میں "راجپوت" بن گیا ہے۔

گلڑ، منج اور دیگر مقامات پر اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

(ی) اضلاع متذکرہ کے قریشی مالک، کاشتکار، اور زراعت پیشہ ہونے کے باوجود مشتہر نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم، ملازمت، ترقی، حقوق رائے دہندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں ناقابل برداشت نقصانات برداشت کر رہے ہیں۔ وہ نہ اپنی جاگیر و املاک کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور نہ اپنی زمیندارانہ حیثیت میں حسب دلخواہ ترقی کر کے معاشری، سوشیلی، اور اقتصادی مدارج طے کر سکتے ہیں۔

لھذا

"ندوۃ القریش" قوم کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے حکومت کے عدل و انصاف، رعایا نوازی و حق پروری سے اپیل کرتا

ہے۔ کہ امور متذکرہ کا لحاظ کرتے ہوئے قریش ایسی معزز۔ وفادار۔ زراعت پیشہ جنگجو اور تاریخی قوم کو اس کی جائداد و املاک جاگیر و وراثت اور دیگر حقوق کے تحفظ کے لئے پنجاب کے ہر ضلع میں حقوق زراعت عطا کئے جائیں۔

(ق) سرکلر میمو نمبر ۳ مجریہ "ندوۃ القریش"۔ اس لئے قابل ملاحظہ ہے۔ کہ اس میں ان تمام امور کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ جو حقوق زراعت عطا کرنے کے لئے حکام کی معلومات کے لئے ضروری ہیں۔

امرتسر
یکم جولائی ۱۹۳۱ء

بشیر احمد شبلی۔ بی۔ اے
چیف سیکرٹری۔ "ندوۃ القریش"

(۲) معاون نمبر ۶۴۳۔ علاقہ بلوچستان سے اپنے ۲۸ جون ۱۹۳۱ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کے کام سے از حد خوشی ہوئی۔ خداوند کریم دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ شکر ہے۔ کہ اس مُردہ قوم میں بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔ چند ایک فارم ممبری روانہ فرمائیں۔ تاکہ قریشی برادران سے پُر کرا کر بھجوائے جائیں۔ عنایت ہوگی۔ والسلام

(ا) قریشی محمد منیر صاحب ہیڈ کنسٹبل ضلع لائل پور لکھتے ہیں۔ کہ "ندوۃ القریش" کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ میرا نام فہرست ممبران میں درج فرما کر مفصل ہدایات سے مطلع فرمائیے۔ چندہ عنقریب بھیجدونگا۔ ۱۹ اگست

(ب) قریشی میر علی احمد صاحب فریدی چشتی ضلع فیروز پور رقمطراز ہیں۔ " زراعتی حقوق سے متعلق "ندوہ" جن مساعی سے کام لے رہا ہے۔ وہ آجتک کوئی دوسری انجمن نہیں کر سکی۔ قوم کے اتلاف حقوق پر جسقدر فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ اسیقدر تساہل ہوتا گیا۔ بحمد اللہ کہ "ندوہ" کو خدا نے اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کی توفیق دی۔ بے لوث خدمات نتیجہ خیز ہوا کرتی ہیں۔ خدا جزا دے! دو روپے ۸ زر چندہ ارسال کر رہا ہوں۔ وصول فرمائیں۔ اور میرا نام بزمرہ ممبران ندوہ درج کریں۔ ۲۰ جولائی

مولانا قاضی نظر حسین صاحب فاروقی کے ایک خط کے جواب میں چیف سکرٹری صاحب ندوۃ القریش لکھتے ہیں۔ کہ ندوہ کی کارگذاری برادران قریش کی واقفیت کے لئے القریش میں ساتھ کے ساتھ شائع کرادیجاتی رہی ہے۔ اس لیے اگزکٹو کمیٹی القریش میں اس تکرار کی ضرورت نہیں سمجھتی ہے۔ امید ہے کہ آپ ممبران کی اس رائے سے متفق ہونگے۔

چیف سکرٹری

حکیم شہاب الدین صاحب اسسٹنٹ سکرٹری ندوۃ القریش کی وفات پر جن برادران قریش نے تعزیت نامے ارسال فرماتے ہوئے اظہار ہمدردی کیا ہے۔ کارپردازان القریش سکارکنان ندوۃ القریش، اور حکیم صاحب کے بھائی ڈاکٹر طالب علی صاحب وٹرنری انسپکٹر کی طرف سے ان کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

شبلی۔ چیف سکرٹری "ندوۃ القریش"

آپ کا مضمون "قریشی اور زراعت"۔ مشورۃً اگزکٹو کمیٹی میں پیش کر دیا گیا۔ کمیٹی کی رائے ہیں اس صورت میں جبکہ سرکلر نمبر ۳ حکام کی خدمت میں پیش ہوچکا ہے۔ اس مضمون کی اشاعت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تکرار ہے جس کا اب وقت نہیں۔ بہرحال ممبران کمیٹی آپ کی توجہ فرمائی کے مشکور ہیں۔

لیلےٰ کیا تم ہو؟

ایک پر درد افسانہ،

بنغازی کے قریب ایک بوڑھا عرب رہتا تھا اس کے سات آٹھ بیٹے اور فاطمہ نامی ایک بیٹی تھی جس کی عمر کوئی ۱۵ سال کی ہوگی. پانچ بیٹے تو ترکوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو گئے ایک نوجوان بیٹا مصطفےٰ اور دو ایک کم سن بچے گھر پہ تھے مصطفےٰ ابھی سبزہ آغاز تھا اپنے ماموں کی لڑکی لیلےٰ سے اس کی شادی قرار پائی تھی۔ دونوں آپس میں اس قدر محبت کرتے تھے کہ ایک لمحہ کی جدائی بھی شاق تھی. مصطفےٰ کو اس خیال نے ابتک لڑائی میں شریک ہونے سے روک رکھا تھا۔ اگر میں چلا گیا اور دشمن یہاں آ گیا تو میرے خاندان کی حفاظت کون کرے گا۔ اور لیلےٰ کو کنیز ہونے کون بچائیگا۔ لیکن اس کے بوڑھے باپ کو وطن کی محبت اور مذہبی حمیت کے خیال سے نہایت رنج تھا کہ مصطفےٰ نے اپنے بھائیوں کا ساتھ کیوں نہیں دیا اور وطن پر جان نثاری کے لئے کیوں نہ تیار ہوا۔ اسی فکر میں وہ ایک روز چاندنی رات میں سبزہ کے فرش پر اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ بوڑھا عرب کبھی آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سر جھکا کر زمین کو تکتا تھا یکایک اس کی نظر مصطفےٰ پر پڑی تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا اور کہا مصطفےٰ یہ کیا بات ہے کہ تمہیں زندہ رہنے کی فکر ہے اور اپنے پانچ بھائیوں کے ساتھ جنہوں نے سلطان کی حمایت میں اپنا خون بہانا اور بدن پر گولیاں کھانا خوشی سے گوارا کیا ہے شریک ہونا پسند نہیں کرتے میں جانتا ہوں تم بہادر ہو عالی ہمت ہو تم نے شہسواری میں بارہا بازی جیتی ہے۔ تمہاری دلیری اور بہادری کی شہرت ہے میں اپنے قبیلہ میں تم پر فخر کرتا تھا تمہاری ذات پر مجھے پورا بھروسہ تھا لیکن افسوس ہے کہ میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم لڑائی سے جی چراتے ہو۔ نہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے نہ تم نے تلوار کمر سے باندھی تمہاری ماں کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔

مصطفےٰ! کیا میں نے تمہاری پرورش میں اسی دن کے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور سختیاں جھیلیں کہ تم عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی قوم کی رسوائی کا باعث ہو۔ تم نے عرب کا نام ڈبو دیا۔ ہماری عزت کو داغ لگا دیا۔ اور ہمیں اپنی قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔

مصطفےٰ سر جھکائے یہ باتیں سن رہا تھا اور شرم کے مارے زمین میں گڑا جاتا تھا جب باپ کی تقریر ختم ہوئی تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ابا جان! میں لڑائی سے اس لئے جان نہیں چراتا کہ میں بزدل ہوں اور نہ اسلئے کہ میرے دل میں دشمن کا کچھ خوف ہے۔ آپ خود جانتے ہیں کہ میرا دل فولاد کا بنا ہوا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا

اس کے بعد لیلیٰ نے مصطفےٰ کو گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے قبیلے میں لے آئی۔ یہاں بہت روز تک علاج ہوتا رہا۔ جب مصطفےٰ اچھا ہوگیا تو پھر لڑائی پر روانہ ہوگیا۔ اس کی لیلےٰ بھی اس کے ساتھ گئی اور دونوں لڑائی میں مصروف ہوگئے۔ (حرم)

مرقعِ یاس

(جناب خورشید حسن صاحب خورشید جرنلسٹ)

پھر دل سے مرقع مٹنے لگا اسلام کی سب تصویروں کا
اس صفحہ پہ نقشہ بگڑا ہے اسلام کی سب تحریروں کا

حریتِ کامل جس نے سکھائی آج وہ مذہب مٹنے لگا
مسلم کے گلے میں حلقہ ہے الحاد کی سو زنجیروں کا

اسلام کی بستی زد میں ہے طوفان حوادث بڑھنے لگا
سیلاب بنا دشمن ہے مذہب کی کہن تعمیروں کا

اصنام سمائے آنکھوں میں اے شاہدِ وحدت جلوہ دکھا
انجام کا ہوں بہبود طلب شکوہ نہیں کچھ تاخیروں کا

تقدیر کا قائل میں بھی ہوں لیکن ہے عمل بھی چیز کوئی
محتاج ہے انساں حسنِ طلب میں اول سے تدبیروں کا

اسلام کی رکھ لے عزت کو مذہب کی دکھا دے عظمت کو
اے مسلم اٹھ میدان میں آ پھر شور سنا تکبیروں کا

تنظیم سے ذرے مٹی کے تبدیل ہوئے جب پتھر میں
اے اہل وطن تم دیکھ چکے منہ پھیر دیا شمشیروں کا

چاروں ہی طرف سے گھیرا ہے راہرو کو گروہِ رہزن نے
اب راہِ حق میں چل نہ سکا اک قافلہ بھی رہگیروں کا

فریاد کی لے بھی بھولنے لگے نالوں کو بھی راہیں بند ہوئیں
فتراک میں جب صیاد نے باندھا کس کے گلا نخچیروں کا

جب قول پہ بازی لگنے لگی افعال کی حاجت ہی نہ رہی
لیڈر کے لئے ہی کام فقط اسٹیج پہ کچھ تقریروں کا

سنتے ہیں کہ مشرق جاگ اٹھا مغرب کے برے دن آ پہنچے
جادو سا بھرا ہے وقت سحر کچھ آہوں میں تاثیروں کا

بخشش نے سہارا دے ہی دیا تقدیر بگڑ کر بن ہی گئی
رحمت نے لیا ہے جائزہ پھر خورشید میری تقصیروں کا

تاریخ اسلام کا ایک ورق

خواتین اسلام کے زرّیں کارنامے

اسلامی غیرت وحمیّت کے غیر فانی آثار

قرونِ اولیٰ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو مردوں کے دوش بدوش عورتوں کے کارنامے بھی بکثرت دکھائی دینگے مشکل کے وقتوں میں سخت سے سخت کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہاں تک لڑائیوں میں شریک رہی ہیں اور ان کی جرأت و بہادری کا حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتراف فرمایا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب کا یہ دستور تھا کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونا پڑتا تھا وہ برابر معرکۂ کارزار میں اپنے بھائیوں بیٹوں اور شوہروں کے دست و بازو ہوتی تھیں۔ عام طور پر لڑائیوں کے موقعہ پر وہ صفِ جنگ کے عقب میں رہا کرتی تھیں۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح مردوں کی تیمارداری کریں۔ گھوڑوں کو چارہ اور پانی دیں اپنے بہادر اور جانباز شوہروں کو آرام پہونچائیں۔ اسلاف کے کارناموں سے ان میں جوش پیدا کریں گے!

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے مشکیزے بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کی پیاس بجھاتی تھیں۔ محدث ابونعیم نے روایت کی ہے کہ جنگ خیبر میں جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے ساتھ مدینہ منورہ سے چھ عورتیں بھی چلی تھیں۔ جنکی خبر رسول خدا صلعم کو نہ تھی۔ جب یہ حال معلوم ہوا تو حضور علیہ السلام نے خفا ہو کر فرمایا۔ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں۔ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کرینگی ان کے جسموں سے تیر نکالینگی کھانے پینے کا انتظام کرینگی۔ اسپر حضور نے ساتھ رہنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو حضور نے مالِ غنیمت کا حصہ تقسیم کیا۔

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ایک موقع پر مسلمانوں نے اپنے مقتولین و مجروحین کو ایک جگہ جمع کر کے صفوفِ لشکر کے پیچھے ڈالدیا اور جو لوگ تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے انہوں نے مجروحوں کو تو عورتوں کے سپرد کر دیا اور شہداء کی تدفین میں خود مصروف ہو گئے۔

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ۔ ایک عورت جو میدان جنگ میں موجود تھی اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا

خاتمہ ہوچکا تو ہم صنف عورتیں فوج کے ساتھ گئی تھیں رزمگاہ کی طرف اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے ہوئے چلیں جہاں کوئی مجروح مسلمان نظر آیا سے اٹھاکر خیموں میں لے آئیں،

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں ام سلیط (ایک صحابیہ) کو جو غزوۂ احد میں رسول علیہ السلام کے ساتھ شریک تھیں، اس بنا پر ایک خاص عطیہ دیا کہ اس نے ایسے وقت میں اسلام کی مدد کی تھی جبکہ مردوں کے قدم بھی میدان کارزار سے اکھڑ چلے تھے۔ ان واقعات سے خواتین اسلام کی قومی ہمدردی اور بہادری ظاہر ہوتی ہے جو خدمات معرکۂ جنگ میں عورتوں کے سپرد ہوا کرتی تھیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) زخمیوں کو پانی پلانا (۲) عساکر اسلام کے کھانے کا انتظام (۳) مجروح سپاہیوں کی مرہم پٹی کرنا۔ (۴) شہداء کی قبریں کھودنا (۵) زخم خوردہ بہادروں کو معرکۂ جنگ سے اٹھالانا (۶) ضرورت کے وقت فوج کی ہمت بڑھانا اور اسکی امداد کرنا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مسیلمۂ کذاب نے ادعائے نبوت اور بمقام یمامہ ایک روز لڑتے لڑتے مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا اس جنگ میں جو جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے ام عمارہ بھی شریک تھیں اور جب تک انکا ہاتھ زخمی نہ ہوا وہ برابر اعدائے اسلام سے لڑتی رہیں۔ اس معرکے میں ام عمارہ کو بارہ زخم لگے۔

سنہ ۱۳ھ میں جب مسلمان نے دمشق پر لشکر کشی کی چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انہیں یہ خبر پہنچی کہ نوے ہزار فوج بڑے سازوسامان کے ساتھ اجنادین پر جمع ہو رہی ہے۔ اسلامی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کہ جو عراق کو پامال کرنے کے بعد دمشق میں آکر ملگئے تھے یہ رائے قرار پائی کہ تمام اسلامی افواج کو سمیٹ کر ایک جگہ مجتمع کر لینا چاہیئے ان فوجوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی۔ خالد بن ولید خود آگے آگے جا رہے تھے۔ اور ابو عبیدہؓ تھوڑی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے لئے ہوئے مع سامان خیام و رسد پیچھے جا رہے تھے اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جا رہے ہیں ان کو انتقام لینے کا نہایت مناسب موقع مل گیا۔ فوراً قلعے کا دروازہ کھولکر پیچھے سے حملہ کر دیا قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوج روانہ کی تھی۔ وہ بھی عین وقت پر آپہنچی اور آتے ہی مسلمانوں کو روک لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت قابل رحم تھی۔ کیونکہ ایک طرف لڑ رہے تھے اور ایک جانب کا حملہ روک رہے تھے۔ لیکن ان کی زیادہ تر توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی۔ جب اہل دمشق نے مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعۂ دمشق کا رخ کیا اسوقت حالت بیحد دردناک تھی۔

مسلمان غیرتمند عورتوں نے ایکدوسری کی طرف دیکھا۔ خولہ بنت ازور نے کہا۔ بہنو! کیا تمہاری غیرت گوارا کر سکتی ہے کہ تم

مشرکین دمشق کے قبضہ میں آجاؤ۔ کیا تم عربی شجاعت وحمیت میں داغ لگانا چاہتی ہو میرے نزدیک تو ایسی ذلت سے مرجانا بدرجہا بہتر ہے۔ ان فقروں نے مسلم خواتین کے دلوں میں ایک آگ سی لگادی۔ ان غیور خواتین نے خیموں کی چوبیں لے کر باقاعدہ حلقہ باندھے ہوئے آگے بڑھیں۔ سب کے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھی اس کے بعد عفیرہ بنت عفار ام ابان بنت سلمہ بنت نعمان، بن مقرن وغیرہ تھیں۔ ان بہادر عورتوں نے دیکھتے دیکھتے تین لاشیں گرادیں

ایڈورڈ گبن اپنی کتاب میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مسلمان عورتوں کی عفت وعصمت، دلیری وبہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیراندازی میں اپنا آپ جواب تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقعہ پر بھی یہ اپنے دامن عفت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔

جنگ یرموک میں جو مسلمان شریک ہوئے انکی چالیس ہزار تعداد تھی۔ دوسری طرف رومیوں کی تعداد دولاکھ سے کم نہ تھی۔ یہ طوفان خیز ٹڈی دل اس جوش وخروش سے آگے بڑھا کہ گمان ہوتا تھا کہ ایک ہی حملہ میں مسلمانوں کو خاک عدم میں سلادیگا۔ یرموک کے میدان میں دونو فوجوں کا مقابلہ ہوا عیسائی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے۔ ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تین ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ پیچھے ہٹنا بھی چاہیں تو نہ ہٹ سکیں۔ دولاکھ کا ٹڈی دل اس زور وشور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا کہ اسلامی عسکر کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمے گاہ تک آگیا دو قبیلے ایک مدت تک عیسائیوں کے ماتحت رہے تھے۔ اور اب مسلمان ہوگئے تھے میسرہ دبائیں حصے میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ مرعوب ہوکر انتہائی بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے رومی تعاقب کرتے ہوئے عورتوں کے خیموں تک پہونچ گئے۔ یہ دیکھکر عورتوں کے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔ فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس تشدد سے حملہ کیا کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا دفعتًا تھم کر پیچھے ہٹا۔ خواتین بھاگنے والوں کو روک کر مسلمانوں کو غیرت دلاکر ان میں جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی کوشش کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے۔ قریش کی عورتیں تلواریں سونت کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں حضرت معاویہ کی بہن عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں۔ اور نہایت دلیری سے لڑکر زخمی ہوئیں۔ حضرت معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ مردوں کو مخاطب کرکے یہ کہتی تھیں۔ عربو! مردبنجاؤ مردو۔ ضرار بن ازور کی بہن خولہ مسلمانوں کی غیرت کو اکساتی تھیں اور یہ شعر پڑھ پڑھ کر جوش دلاتی تھیں

یا ھاربا عن نسوۃ تقیات رمیت بالسھم والمنیات

(ترجمہ اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو تم تیروں اور موت کا نشانہ بنجاؤ۔

یہ ہیں وہ کارہائے نمایاں جو اسلام کے قرون نیرہ میں جنس نازک نے پیش کئے اب وہ زمانہ ہے کہ عورتیں درکنار مردوں میں بھی اس قسم کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

محیر العقول تاریخی واقعات

(۱) عبد الملک ابن عمر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر سلطنت میں ایک حضرت حسینؓ ابنؓ علی کا سر مبارک عبد اللہ ابن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا اس کے بعد کچھ مدت نہ گذری تھی کہ اسی شاہی محل میں عبد اللہ ابن زیاد کا کٹا ہوا سر مختار ابی عبد کے سامنے رکھا دیکھا۔

پھر ابھی کچھ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مختار ابی عبید کا سر اسی جگہ مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھنے کا اتفاق ہوا آخر اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد ہی مصعب بن زبیر کا سر بھی عبد الملک ابن مروان کے آگے رکھا ہوا دیکھ لیا

فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شئ و الیہ ترجعون۔

اس واقعہ کے راوی عبد الملک ابن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ اس شاہی محل کے موجودہ مکین خلیفہ عبد الملک ابن مروان سے بیان کیا۔ تو اسے بھی مستقبل تاریک نظر آیا۔ چنانچہ اس نے فوراً اس مکان کو چھوڑ دیا۔ (صبح الاعشی)

(۲) عبد اللہ ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو عاشورا یعنی محرم کی دسویں تاریخ میں شہید کیا تھا حق تعالےٰ نے اس کو بھی یوم عاشورا میں ابراہیم ابن اشتر کے ہاتھوں ہلاک کیا۔

(۳) سرورِ کائنات افضل موجودات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر کے دن ہوئی آپکو خلعتِ نبوت بھی اسی روز عطا ہُوا۔ آپ نے اسی روز مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ اور پھر اسی روز وفات پائی۔

(۴) حضرت عمرو بن العاص صحابی اور ان کے صاحبزادہ عبد اللہ کی عمر میں صرف ۱۳ سال کا فرق تھا۔ یعنے عبد اللہ اپنے والد سے صرف ۱۳ سال چھوٹے تھے اور اس کا معکوس لطیفہ دو بھائی، ایک محدث عبیدہ بن ربذی اور دوسرے عبد اللہ کی عمریں ہیں کہ عبد اللہ اپنے بھائی سے سو برس چھوٹے تھے۔ (صبح الاعشی)

(۵) حضرت مہلب ابی صفرہ کے تین صاحبزادے مزید اور زیادہ اور مدرک پیدائش بھی ایک ہی دن میں ہوئی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ وفات میں بھی تینوں نے رفاقت کی۔

(صبح الاعشی صفحہ ۴۴ جلد اول)

القریش کی مدد آپ کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

جو حضرات "القریش" کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ہم ان کے سامنے وہ وسائل و ذرائع پیش کرتے جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسائل کی امداد و اعانت کرتی ہیں۔

۱ - رسالہ خود خرید کر۔

۲ - برادری میں پرچوں کو تقسیم کرا کر۔

۳ - غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ جاری کرا کر۔

۴ - قوم کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو "القریش" کے لئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے۔

۵ - انگریزی۔ عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کے لئے مہیا کرکے جن کے تراجم کی اشاعت فی زمانا مسلمانوں کے لئے دینی و دنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ مفید ہو۔

۶ - رسالہ کی صوری و معنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دے کر۔

۷ - قوم کے معززین اور علم دوست حضرات کے مکمل پتے بھجوا کر۔

۸ - تذکرۂ برادری سے متعلق مضامین اور خبریں بھجوا کر۔

۹ - اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر۔

اور نیز

اسی قسم کے دیگر وسائل اختیار فرما کر

نیاز مند:۔ منیجر

قواعد

۱ - "القریش" ہر انگریزی مہینے کی سترہ تاریخ کو باحتیاط تمام پوسٹ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ۲۵ تاریخ تک اگر کسی بھائی کو موصول نہ ہو۔ تو وہ آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ تک دفتر سے مکرر طلب کر سکتے ہیں۔

۲ - نقل مکانی کی وجہ سے جن احباب کا ایڈریس تبدیل ہو جائے۔ ان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے جدید پتہ سے دفتر کو مطلع کرکے اپنے ایڈریس کی صحت کرا لیں۔ ورنہ عدم رسی رسالہ کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

۳ - جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ورنہ جواب نہ دیا جائیگا۔

۴ - بیرنگ خطوط وصول نہ کئے جائیں گے۔

۵ - ناقابل اشاعت مضامین واپس نہ کئے جائیں گے۔

۶ - ہر قسم کی خط و کتابت میں "خریداری نمبر" کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

۷ - نمونہ ملاحظہ کرنے والے حضرات اگر منشائے خریداری و عدم خریداری سے مطلع نہ کریں گے۔ تو دوسری اشاعت کا پرچہ انکی خدمت میں وی۔پی بھیجا جائیگا جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

۸ - طلباء بشرط تصدیق سالانہ قیمت میں آٹھ آنہ کی رعایت لے سکتے ہیں۔ مگر رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنی ہوگی۔

منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | ماہ اگست ۱۹۳۱ء | نمبر ۸

اللہ و رسولؐ

از جناب ابوالظفر حضرت فاتح

جب تک رگِ حیات میں ساری لہو رہے
آنکھوں میں تو ہو، دل میں تیری آرزو رہے

سودا ہو کوئی سر میں تو سودا ہو بس ترا
ہو لب کشا دہن تو تری گفتگو رہے

اللہ اور رسولؐ کی الفت ہو دل میں یوں
جس طرح گل میں ایک ہی جا رنگ و بو رہے

اندوہ و یاس و غم سے نہ مسلم ہو آشنا
پیشِ نظر جو آیۂ لَا تَقْنَطُوْا رہے

پھر پورشیں ہیں ملتِ بیضا پہ کفر کی
مسلم سحر کو بہرِ دعا قبلہ رو رہے

اب جا ہے دل سے طرزِ عمل اپنا دیکھنا
اب تک نوا شناسئے کلو واشربوا رہے

ہے آبرو اسی میں کہ مٹ جائیں دین پر
وہ زندگی ہی کیا ہے نہ گر آبرو رہے

فاتح ہے نام اپنا یہ کہتے ہیں برملا
خائف ہمیشہ ہم سے ہمارے عدو رہے

مسلمان اور شریعت

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے قرآن کریم کے عروۃ الوثقیٰ کو ذریعہ ترقی و فلاح قرار دیا۔ تو اقالیم عالم پر پرچم کامرانی لہرانے میں کامیاب ہوئے۔ دینی و دنیوی ترقیاں، مال و منال، جاہ و جلال عظمت و حشمت ان کے قدموں میں تھی۔ وہ جس طرف رُخ کرتے فتح و نصرت ان کے ساتھ ہوتی۔ دینی شوکت عدیم النظیر تھی۔ تو دنیوی نعمت میں بھی وہ بے مثال تھے۔ کفرستان اسلام آباد بن گئے۔ اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ اور سنسان جنگل اور ویرانے آباد ہو گئے۔ اور نہایت امن و اطمینان کے ساتھ بلا جبر و اکراہ چاردانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا۔ زمام حکومت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اور نظام و تنظیم ایک اشارہ کے محتاج تھے۔ لیکن جونہی وہ صراط مستقیم سے بھٹکے۔ پائے ثبات میں لغزش آئی۔ یہ تمام فضیلتیں تمام خوبیاں، تمام قوتیں اور تمام جوہر ان سے چھن گئے۔ تنزل و انحطاط کا دورہ شروع ہوا۔ اور حضیض ذلت میں ایسے گرے۔ کہ پھر ابھرنے کی طاقت نہ رہی۔ افلاس و ادبار کی گھٹائیں ان کے سر پر چھا رہی ہیں۔ افتراق و تشتت کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اور وہ کسی میدان میں کامیاب و فائز المرام نہیں ہوتے۔ ذاتیات و نفسیات کی وجہ سے ان کی مفید سے مفید اور بہتر سے بہتر سکیمیں فیل ہو رہی ہیں۔ اب نہ وہ تنظیم اور نہ اتحاد تلی۔ آہ!

منفعلاں ہور گور مسلمانی ور کتاب

زبانی جمع خرچ ان کا معیار ترقی اور قلم کاری ان کا جہاد تنظیم، مجالس خلافت۔ مجالس تبلیغ و تنظیم جلب منفعت کی نذر ہو کر رہ گئیں۔ اسلامی مفاد کانگرسی پروپیگنڈہ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اور رہنمایانِ ملت کانگرس میں جذب ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون:

اب کمزوری و ناتوانی، پس افتادگی و پریشانی کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ دین قیم کی معمولی سے معمولی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ لاکھ کوشش کی۔ ہزار سر مارا۔ کہ کلام الٰہی کی بے ادبی اور روحی فداہ پیغمبر اسلام کی گستاخی کا دلخراش اور جگر پاش تواتر منقطع ہو جائے۔ سارواج اصول و قانون اسلامی میں بے جا مداخلت نہ کرے۔ مسلم آزاری، مسلم کشی اور مذہبی عناد و فساد کا سلسلہ رک جائے۔ لیکن کوئی کوشش کوئی سعی اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ مسلمان اس سے کچھ نہ سیکھ سکے۔ انہیں عبرت نہ ہوئی۔ وہ آزادیٔ وطن کے سراب میں دھوکہ پر دھوکہ کھا رہے ہیں۔ اور بے حس و حرکت منہ دیکھ رہے ہیں۔

ان کا خون منجمد ہو چکا۔ رگ حمیت میں جوش اسلامی نام کو نہیں۔ سلیمان خوش چشم کا جادو چل چکا۔ اور یہی ان کا مقصد وحید تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار:

اخبارات و جرائد کی تازہ اشاعتیں مظہر ہیں۔ کہ واقعات الیمہ اور حادثات عظیمہ نے خیالات اور رجحانات کا رنگ و رُخ یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ بعض مسلمان اگرچہ صدموں پر صدمے برداشت کرنے کے باوجود بھی کانگرسی تسبیح کے دانے گن رہے ہیں۔ اور وہ اسی کو ذریعہ نجات قرار دے چکے ہیں۔ لیکن اکثر اس کے دام فریب سے بچکر نکل آئے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ملی مفاد کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کیا جائے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو عجب نہیں۔ کہ زوال و ادبار کی نحوست امت کے سر سے ٹل جائے۔ اور مسلمان دین قیم کی حفاظت کے قابل ہو کر صحیح معنوں میں آزادی سے ہمکنار ہو سکیں۔ خدا وہ دن جلد لائے۔ کہ مسلمان مسلمان ہو جائیں۔ اور قرون اولی کا زمانہ عود کر آئے۔ لیکن یہ اس وقت تک سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ جب تک کہ دنیائے اسلام متفقہ و متحدہ طور پر اس کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ اور قوائے ملیہ کی تنظیم و ترتیب میں اپنا پورا زور صرف نہ کر دیا جائے؛

اصلاح ائمہ اور اصلاح الرسوم لاریب مفید تحریکیں ہیں۔ اور ان سے بیشتر مفید نتائج مترتب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اہم مقاصد بھی اسی صورت میں پورے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ منتشر اجزائے ملیہ کی ترتیب و تدوین عین اسلامی اصولوں کے ماتحت شروع کر دی جائے؛

اصلاح ائمہ کی تجویز کئی سال سے متواتر ہنوز معرض اول ہی کے دائرہ میں محدود ہے۔ اور محض تجویز ہی تجویز ہے۔ اب معلوم ہوا ہے۔ کہ ملک دین محمد صاحب ایم۔ ایل۔ سی شریعت اور رواج کے متعلق ایک مسودہ قانون پیش کرنے والے ہیں۔ خدا ان کے عزائم میں برکت دے۔ اور وہ اپنی تجویز منظور کرانے میں کامیاب و بامراد ہوں۔ لیکن اس قسم کی کوششیں اور تجویزیں جب ہی مفید مطلب ہو سکتی ہیں۔ جب مسلمان شریعت حقہ اسلامیہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا اور کامرانی و فائز المرامی کا ذریعہ قرار دیں۔ ان کا ہر کام شریعت کی پیروی میں ہو۔ شادی ہو یا مرگ، خوشی ہو یا غمی، ترکہ ہو یا وراثت۔ سب کچھ شعائر اسلام کے ماتحت ہو۔ کیا فرزندان اسلام خصوصاً رہنمایان قوم ملت کی اس اہم ضرورت کی جانب متوجہ ہو کر کوئی عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؛

صوبہ برار اور حضور نظام
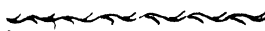
لارڈ ریڈنگ کے زمانہ اور سر علی امام کی وزارت کے ایام میں حضور نظام نے اپنے صوبہ برار کی واپسی کا سوال اٹھایا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں کامیابی نہ ہو سکی۔ اب حضور نظام دکن نے پھر واپسی برار کا سوال اٹھانا چاہا ہے۔ اور دہلی کا ایک تار مظہر ہے۔ کہ اس مرتبہ اس سوال کو گاندھی جی گول میز کانفرنس میں پیش کرینگے۔ کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ برار سلطنت آصفیہ کا ایک صوبہ ہے جسے تاجدار دکن نے گورنمنٹ ہند کو رعایتاً دیا تھا۔ اور صوبہ متوسط کی حکومت نے جو یادداشت سائمن کمیشن کے روبرو پیش کی تھی۔ اس میں صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ کہ برار برطانوی ہند کا صوبہ نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ الحاق برار کے متعلق تمام کاغذات لائق ترین وکلاء کے مشوروں سے مرتب کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ گول میز کانفرنس اور فیڈرل کمیٹی میں حضور نظام کے دعاوی مضبوطی کیساتھ ظاہر ہو سکیں؛

خواجہ حامد تونسوی مرحوم

قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی جب دہلی پہنچکر حضرت فخر جہاں فخر اماں مولانا فخر الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا نے فرمایا۔ میاں صاحب آپ کو خواجگانِ چشت کی جانشینی مبارک ہو۔ خواجہ نور محمد صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ کہ فدوی تو پنجابی ڈھگہ ہے۔ اس کام کو مجھ ناچیز سے کیا واسطہ۔ مولانا نے فرمایا۔ مشیت اللہ یہی ہے۔ کہ آپ قبلۂ عالم کہلائیں۔ اور خواجگان چشت کی خلافت بیسوں بسوہ ملے۔ قبلہ عالم کی حاضری سے پہلے مولانا فخر صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس دلی میں ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ خوش اعتقاد لوگوں نے پوچھا۔ یہ ڈاکہ شہر میں کب پڑیگا۔ حضرت نے فرمایا۔ فلاں تاریخ فلاں دن۔ پوچھنے والوں نے اپنے گھر جاکر تلوار بندوقیں ڈاکوؤں کے مقابلہ کے لئے صاف کریں اور جب مقررہ تاریخ پر ڈاکہ نہ پڑا۔ تو مریدوں نے مولانا سے عرض کی۔ ہم نے تو حضور کے فرمانے کے بموجب آج ڈاکہ کا انتظار کیا۔ مگر ڈاکہ نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا۔ ڈاکہ ضرور پڑا۔ نور محمد پنجابی مجھے لوٹ کر فقر کی دولت دمڑی دمڑی لے گیا ؎

تن مٹکی من جھرنا سرت بلوون ہار   مکھن پنجابی لے گیا چھاچھ ہو سنسار

چنانچہ قبلۂ عالم مرجع خلائق ہوئے۔ اور آپ کا ڈنکہ چاردانگ ہندوستان میں بجگیا۔ اور آپ کی وفات کے بعد وہ دولت فقر و عرفان حضرت قبلۂ عالم سے شاہ محمد سلیمان تونسوی کو پہنچی۔ اور بحمداللہ تعالٰی اس فضل و کمال سے تونسہ شریف اب تک جگمگا رہا ہے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب کے جانشین آپ کے پوتے شاہ اللہ بخش صاحب ہوئے۔ اور ان کے بعد آپ کے فرزند دلبند حافظ محمد موسٰی صاحب آپ کے جانشین ہوئے۔ اور حافظ صاحب قبلہ کے بعد آپ کے پسر والا گہر خواجہ حامد صاحب باضابطہ سجادہ نشین ہوئے۔ اور افسوس صد افسوس! کہ خواجہ حامد صاحب نے ۲۳۔ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ میں رحلت فرمائی۔ اور آپ کی گدی کے مالک آپ کے خلف الصدق جناب خواجہ سعید الدین صاحب ہیں۔ سلمہ ربہ۔ فقیر ناصر نذیر فراق دہلوی کاتب الحروف کے گھر میں سلسلہ نقشبندیہ موجود تھا۔ کیونکہ میرے جد مادری خواجہ میر درد صاحب دہلوی حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندیہ کی اولاد میں ہیں۔ اور میں اس سلسلہ میں مجاز تھا۔ مگر میں نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو پیر پٹھان فلک رخش خواجہ اللہ بخش تونسوی سے حاصل کیا۔ اور دو بار تونسہ مقدسہ میں حاضری دی۔ ایک بار پیر و مرشد کی حیات میں اور ایک بار خواجہ حامد صاحب کے مبارک عہد میں اور دونوں بار کئی کئی ماہ تونسہ شریف میں جبہ سائی کی۔ اور درود مستغاث اور دلائل الخیرات وغیرہ وغیرہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کی تصانیف کی مع اوراد نصیریہ کے اجازت

حاصل کی۔ ان سب حضرات کے اوصاف ہزار در ہزار اور فیضان بیشمار ہیں۔ خدا کی رحمت اور درود ہیں امت کی ارواح طیبہ پر مدام برستی رہیں۔ اب فراق دہلوی چند تاریخیں مرشد زادہ عالمیاں خواجہ حامد میاں کی رحلت کی پیش کرتا ہوں۔

قطعہ اوّل

دریغا چشم جود و کرم خورشید تابانی — جناب خواجہ حامد دُر تاج سلطانی
ازیں دنیائے دوں رخت سفر بربست راہی شد — بہ سنگھڑ رنج و غم بارید و اندوہ تباہی شد
چہ خواجہ خواجہ کامل چہ کامل کامل واصل — چہ واصل واصل شامل چہ شامل فاضل کامل
شنبہ بلند اواں روح او پرواز فرمودہ — بہ قدرت دانش راہمہ پرواز فرمودہ

فراق دہلوی آں شاہ چوں ساجد بخلد آمد
نوشتم سال رحلت خواجہ حامد بخلد آمد

۱۳۴۹

دیگر

چو قطب زماں حامد نامدار — ز رنگ فنا در بقا آمدہ
ہمہ دوستداراں پاک اعتقاد — برنج و الم مبتلا آمدہ
پے سال شفتا راو اے فراق
بگفتم بخلوت سرا آمدہ

۱۳۴۹

قطعہ اردو

ارم کو گئے حامد ذی وقار — جبھی تونسہ پاک ویران ہے
پدر آپ کا ہے جو موسیٰ ولی — تو دادا بھی شاہ سلیمان ہے
گھرانہ ہے سب آپکا آفتاب — ہر اک غوث ہے اہل فرمان ہے
اگر فکر تاریخ کی ہے فراق
تو کہدیجے اب حی غفران ہے

۱۳۴۹

راقم فقیر حقیر احقر نذیر فراق دہلوی از کوچہ چیلان
[illegible] خواجہ [illegible] صاحب دہلی

ایثار

(جناب شمشیر صمدی کے قلم سے)

۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں کے خلاف عرب کے سارے قبائل کفار آمادہ بجنگ ہیں۔ مسلمانوں کا لشکر میدان سلع (پہاڑ) میں پڑا ہوا ہے۔ چاروں طرف خندق ہے؛

حضرت نبی صلعم انصار اور مہاجرین کے خیال سے یہ چاہتے ہیں۔ کہ کسی طرح صلح ہو جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ محاصرہ کو کافی عرصہ ہو چکا ہے؛

آپ حضرت سعدؓ بن معاذ اور دیگر صحابہؓ سے اس معاملہ میں مشورہ فرماتے ہیں۔

حضرت سعدؓ کی محبت رسول اور شان اسلام دیکھیئے۔ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ صلعم۔ روحی فداک۔ کیا کوئی ایسا حکم اللہ کا ہے۔ کہ کفار سے صلح کر لی جائے۔ اگر ایسا ہے۔ تو مجبوری ہے۔ یا یہ حضور انورؐ کی خواہش ہے۔ اور آپ اسکو پسند فرماتے ہیں تو ضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ یا یہ سب کچھ نہیں۔ صرف آپؐ کو ہم لوگوں کا خیال ہے؟"

حضرت صلعم "میں تمہارے خیال سے یہ بات پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ پوری قوم عرب نے تمہارے اوپر ایک ساتھ حملہ کر دیا ہے"

سعدؓ بن معاذ۔ "جب ہم مشرک تھے۔ اور بت پرستی کرتے تھے۔ اس وقت ہم سے ایک کھجور کی بھی بجز خرید و فروخت کی طمع نہیں کر سکتے تھے۔ اور اب جبکہ ہم کو اللہ تعالےٰ نے اسلام سے مشرف کیا ہے۔ اور حضور کو ہمارے درمیان مبعوث فرمایا ہے ہم اس کو اپنا مال مفت دے دیں۔ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم تلوار سے جواب دیں گے۔

→ ۲ ←

جنگ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی آنکھ کسی کافر کے تیر سے زخمی ہو گئی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آپ فرماتے تھے۔ یا الٰہی اگر قریش سے ذرا بھی جنگ کا امکان باقی ہے۔ تو مجھ کو زندہ رکھ۔ میری سب سے بڑی خوشی اس قوم سے لڑنے میں ہے جس نے پیارے رسول صلعم کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی۔ اور آخر کار آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اور اگر لڑائی کے پردہ کا ڈراپ سین ہے۔ تو اس زخم سے ہی مجھے شہادت مل جائے۔ لیکن ایک شرط اور ہے۔ وہ یہ کہ میں بنی قریظہ کے انجام سے اور ذرا اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کروں۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت بگڑنا شروع ہوئی۔ اور نبی کریم صلعم نے آپ کو اپنے پاس ایک خیمے میں جگہ عطا فرمائی اور اکثر آپ کی عیادت کو تشریف لاتے۔

خوشا بخت! کاش یہ رتبہ ہندیوں کو بھی میسر ہوتا۔ مگر یہ دل و جگر ہندی کہاں سے لائیں گے۔ کہ اپنی اولاد اور اپنے کل مال و

متاع اور جملہ دنیاوی اشیاء کی پروانہ کرتے ہوئے سنت رسولؐ کی پیروی کریں۔ اور محبت رسولؐ میں فنا ہو جائیں۔ اپنے دوستوں کے دشمن ہو جائیں۔ اگر وہ اسلام کے مخالف ہوں:

→ : ۳ : ←

بنی قریظہ کے قیدی گرفتار ہو کر آتے ہیں کچھ قیدی اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ بقیہ کفر پر استقلال کرتے ہیں۔ قبیلہ اوس کے ارکان حضرت صلعم سے ان لوگوں کے متعلق سفارش کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح خزرج نے بنی نضیر کو بچایا ہے۔ اسی طرح وہ بنو قریظہ کی حمایت کریں۔ حضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کیا تم کو یہ بات منظور ہے۔ کہ ہم میں سے ایک شخص ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کر دے۔ (قبیلہ اوس بیک آواز "ہم یہی چاہتے ہیں۔ یا رسول اللہ" حضرت صلعم "میں سعد بن معاذ کو حکم بناتا ہوں"۔ حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہیں۔ آپ سواری پر وہاں لائے جاتے ہیں۔ جب قریب پہونچتے ہیں۔ حضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اے قبیلہ اوس اپنے سردار کی تعظیم کرو۔ قبیلہ اوس کے چند افراد کھڑے ہو کر حضرت سعدؓ بن معاذ سے عرض کرتے ہیں۔ اے سعدؓ رسول اللہ صلعم نے تمہیں تمہارے دوستوں (حلیفوں) کا حکم قرار دیا ہے:

حضرت سعدؓ۔ لیکن تم لوگوں کو خدا کی قسم کھا کر اس بات کا عہد کرنا ہوگا۔ کہ تم میرے فیصلے کو مانوگے۔ ان لوگوں نے عرض کیا۔ ہم ایسا ہی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ "حضرت سعدؓ۔ میں حکم دیتا ہوں۔ کہ ان میں سے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ اور مال کو تقسیم کر دیا جائے:

یہ الفاظ وہ تھے۔ جو حضرت سعدؓ کی زبان سے اپنے خاص دوستوں کے حق میں صرف اس وجہ سے نکلے۔ کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے نقض عہد کیا تھا۔ اور باوجود عہد نامے کے کفار کی حمیت میں لڑنے آئے تھے۔ کیا آج کوئی شخص ایسا ہے۔ جو اس بات کو ثابت کر کے دکھا دے؟

یہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے رب اور رسول صلعم کے احکام کی پیروی کرنے میں جان سے دریغ نہیں کیا ؎

ہست جوانمرد سخن صد ہزار — کار چو با جاں فتد انجامت کار

مسلمانو! ان حالات کو سنکر مسلمان بن جاؤ۔ اور کمر ہمت چست باندھ کر سچے اسلام کی پیروی کرو۔ سارے دبار کے بادل ایک ہی جھونکے میں صاف ہو جائیں گے۔ اور اسلام کا آفتاب پھر اسی آب و تاب سے افق عالم پر جلوہ افروز ہو جائے گا ؎

کلبہ افراں سوداا دائے گلستاں غم مخور

محشرستانِ کانپور

(کانپور میں کانگرس کے رضاکاروں نے مسلمان دوکانداروں کو بھگت سنگھ ڈے کو دوکانیں بند کرنے پر مجبور کرنے کی جو کوشش کی۔ اور اس سے جو ننگ تہذیب ہنگامہ وہاں برپا ہوا، جس میں کوئی دو سو کے قریب مسلمان اور تقریباً نوے ہندو مارے گئے۔ اور جس میں مسلمان عورتیں اور بچے بھی ناقابل ذکر مظالم سے محفوظ نہ رہے۔ اس کے متعلق ہمارے محترم دوست مولانا شبیر حسین صاحب جوش ملیح آبادی نے جو اپنی قابل فخر قوم پرستانہ نظموں کے لئے سارے ہندوستان میں مشہور ہیں۔ ایک نظم بعنوان "محشرستانِ کانپور" لکھی۔ گو یہ نظم خاص ہمارے لئے نہیں لکھی گئی۔ لیکن مولانا نے حب الوطنی کے ایک نہایت گہرے جذبہ سے متاثر ہو کر یہ نظم لکھی ہے۔ ہم اسے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ کانپور میں کسی مسلمان نے کبھی عورت یا بچے پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مدیر)

اے سیہ رو، بے حیا، وحشی، کمینے، بدگماں
اے جبینِ ارض کے داغ، اے دنی ہندوستان

تجھ کو عورت نے جنا ہے؟ جھوٹ ہے یہ اولیں
آدمی کی نسل سے اور تو؟ نہیں ہرگز نہیں

تیری جانب اُٹھ رہی ہے دیکھ دوزخ کی نگاہ
سبحہ و زنار میں جکڑے ہوئے دیو سیاہ

رودِ گنگا سے لئے اس طرح طوفانِ ممات
کس کو کھا کر آ رہا ہے؟ اے وبائے کائنات

اے درندے! یہ ترا جبڑا ہے کیوں سمٹا ہوا
کس کا یہ گودا ترے تالو میں ہے چمٹا ہوا

تیغ بُراں اور عورت کا گلا! کیوں بدصفات
چھوٹ جائیں تیری نبضیں، ٹوٹ جائیں تیرے ہات

کہنیوں سے یہ تری کیسا ٹپکتا ہے لہو؟
یہ تو ہے اے سنگدل، بچوں کا خونِ مشکبو

مرد ہے تو اس سے لڑ، بیٹے جو مارے پھر لڑے
تو نے بچوں کو چبا ڈالا، خدا غارت کرے

تو نے اے بزدل لگائی ہے گھروں میں جنگ کے آگ
کیا انہیں ہاتھوں میں لیگا رخشِ آزادی کی باگ؟

دل میں کھوٹا پن، ارادوں میں بدی، نیت خراب
اور سیہ باطن! یہ عالم اور آزادی کے خواب

سُن کہ کم ظرفوں کو دنیا دے نہیں سکتی خراج
یہ ترا چھوٹا سا سر اور تنگ ہستی! اور تاج؟

تو اُبھرتے ہی زمانے کی نظر سے گر گیا
یوں بہایا خون، اُمیدوں پہ پانی پھر گیا

رُکنے ہی والا ہے آزادی کا جاں پرور جہاد
بجنے ہی والا ہے ناقوسِ غلامی زندہ باد

(صوفی)

اسلام اور ترقی

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْن

جس شخص کو اسلام کی روشن اور تابناک تعلیم سے قطعاً بیگانگی نہیں - وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا - کہ دنیا کے تمام قدیم و جدید مذاہب میں اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے - جس کے تمام اصول و احکام انسانی فطرت کے عین مطابق اور ضروریات زمانہ سے بہمہ حال سازگار و مساعد ہیں - اسی بنا پر اسے دین الفطرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے - اور قرآن حکیم نے جو دین قیم کا آسمانی دستور العمل ہے - اس ازلی و ابدی حقیقت کا غیر مشتبہ الفاظ میں انکشاف کر دیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین - یعنی "سست اور غمناک ہونے کی کوئی بات نہیں - دنیا میں تمہیں کو غلبہ ہوگا - اگر تم ایماندار ہو "

یہ محض دعوے ہی نہیں - بلکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار اس کی صداقت کے ناقابل تردید دلائل پیش کر چکے ہیں - اور دنیا اس درخشاں حقیقت کو اپنی آنکھوں دیکھ چکی ہے - کہ جن فرزندان توحید نے متذکرہ صدر آسمانی وعدے کی لازمی شرط کو پورا کیا یعنی دین الفطرۃ کی حقانی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو لفظ "مومن" کے اطلاق کا صحیح مورد ثابت کر دیا - دولت، حشمت اور حکومت نے ان کے قدم لئے - اقبال ان کا خانہ زاد غلام بنا رہا - اور سلطنت ان کی درم ناخریدہ کنیز ہونے پر فخر کرتی رہی - علوم و فنون میں انہوں نے وہ حیرت انگیز ترقیاں کیں - جن کی نظیر چشم فلک نے بھی اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی "

یہ تو ایک مسلّم امر ہے - کہ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ربع مسکون کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیر نگین تھا - ہم اس وقت ان ترقیات پر کسی قدر روشنی ڈالنی چاہتے ہیں - جو پیروان اسلام نے دنیوی علوم و فنون میں حاصل کیں چیمبرس کے سائیکلو پیڈیا میں مسلمانوں کی ترقی علوم و فنون کے متعلق جو توضیح کی گئی ہے - اس کا کسی قدر اقتباس حسب ذیل ہے :-

سنہ ۷۴۵ء یعنی دوسری صدی ہجری کے وسط میں جو خلفاء عباسیہ کا عہد تھا - علم ادب اور فنون حکمت کا ظہور ہوا - خلیفہ منصور اور ہارون الرشید نے سنہ ۷۵۴ء سے سنہ ۸۰۸ء تک انتہائی فیاضی سے ان کی سرپرستی کی - بیشتر ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے - اور شاہانہ جود و کرم سے ان کی قدردانی کی گئی - اسی دور میں یونان - شام اور ایران قدیم کی عمدہ عمدہ

کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں۔ خلیفہ مامون نے جس کا عہد حکومت ۸۱۳ء سے ۸۳۲ء تک رہا۔ سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینے اور ہمیشہ کے لئے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کا وعدہ اس شرط پر کیا۔ کہ وہ لیو فیلسوف کو کچھ عرصے کے لئے بغداد آ کر خلیفہ کو فلسفہ و حکمت سکھلانے کی اجازت دے۔ اسی مامون کے زمانے میں بغداد، بصرہ، بخارا اور کوفہ وغیرہ میں بڑے بڑے مدرسے جاری کئے گئے۔ نیز اسکندریہ، بغداد، اور قاہرہ میں عظیم الشان کتبخانے بنائے گئے۔ اسپین میں قرطبہ کی درسگاہ اعظم علمی شہرت میں بغداد کی ہمسری کرتی تھی۔ اور دسویں صدی عیسوی میں تو جہاں دیکھو۔ وہاں بالعموم مسلمان ہی تمام علوم کے حافظ اور معلم نظر آتے تھے۔ اسی زمانے میں فرانس اور دیگر ممالک یورپ کے طالب علم جوق جوق اندلس آتے۔ اور عربوں سے ریاضی و طب کا درس لیتے تھے۔ اندلس میں چودہ عظیم الشان درسگاہیں اور پانچ بڑے بڑے کتبخانے تھے۔ جن میں سے حاکم کے ایک مکتبے میں چھ لاکھ کتابیں موجود تھیں:

جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضی اور طبیعیات میں مسلمانوں نے بیحد ترقی کی۔ بعد کے زمانے میں جغرافیہ کا بہت کچھ علم یورپ کو مسلمانوں ہی سے حاصل ہوا۔ اس علم میں اور سیر و سیاحت کے متعلق ابو الفدا ادریسی، لیو افریقانوس، ابن بطوطہ، ابن فضلان اور البیرونی کی بہت سی قابل قدر قدیم عربی کتابیں پائی جاتی ہیں۔

علم تاریخ میں بھی مسلمان عربوں نے کچھ کم کاوش نہیں کی۔ قدیم عربی مؤرخ محمد الکلبی ہے۔ جس کا انتقال ۸۱۹ء میں ہوا۔ اسی زمانے میں واقدی اور ابن قتیبہ ایک مؤرخ گذرے۔ اور دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں تو عربوں نے علم تاریخ کی جانب بہت ہی توجہ کی۔

عرب کے مسلمانوں نے فلسفہ کی جانب بھی بہت کچھ اعتنا کیا۔ ارسطاطالیس کی تصنیفات کو عربی میں ترجمہ کر کے ان پر اپنی طرف سے حواشی اور فوائد کا اضافہ کیا۔ یہی وہ فلسفہ ہے۔ جسے اہل یورپ نے عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح منطق اور علم مابعد الطبیعۃ میں مسلمانوں نے بہت کوشش کی۔ چنانچہ مشاہیر فلاسفہ اسلام میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

الکندی البصری۔ الفارابی، ابن سینا۔ ابن یحییٰ۔ الغزالی۔ ابن طفیل۔ ابن یقظان۔ ابن رشد وغیرہ۔

علم طب کو عربوں ہی نے علم کی حیثیت عطا کی۔ آٹھویں سے گیارہویں صدی عیسوی (یا تیسری سے پانچویں صدی ہجری) تک علوم طبیہ (علم النباتات، دوا سازی کیمیا) کا کثرت سے چرچا رہا۔ جندیسابور، بغداد، اصفہان، فیروز آباد، بلخ۔ کوفہ، بصرہ، اسکندریہ، قرطبہ وغیرہ میں طب و حکمت کے مدرسے جاری ہو گئے۔ اور طب کے ہر ایک شعبے میں بیحد ترقی ہوئی۔ ہارون الکندی، ابن سینا، علی بن عباس، اسحٰق بن سلیمان، ابو القاسم اور ابن عیسےٰ وغیرہ۔ اس علم کے مشاہیر گذرے ہیں:

ریاضی میں بھی اہل عرب کی ترقی کسی سے مخفی نہیں۔ الجبر و المقابلہ کو انہیں نے وسعت دی ہے۔ قرطبہ کے مدارس اور رصد گاہوں میں علم ہیئت کمال توجہ سے پڑھایا جاتا تھا۔ الحسن نے علم "مناظر و مرایا" میں ایک کتاب تصنیف کی نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ جبر ابن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی۔ ۱۲۰۳ء میں نظام بطلیموسی کی

کتاب مجسطی کا البازی نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوی میں البانی نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن جبیر البانی نے شمس کی رفتار دریافت کی۔ البطراجیوس نے ثوابت کے متعلق ایک زبردست کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں ایک نہایت مفید تصنیف چھوڑی۔ ہنری لوئیس نے اپنی کتاب "ہسٹری آف فلاسفی" میں لکھا ہے۔ کہ وہ "مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا۔ اس امر خاص میں یورپ ان کا ممنون احسان ہے۔ اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر یہ ہے۔ کہ ان لوگوں نے علم ہندسہ، ہیئت، طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی۔ اور انہیں کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر یہ علوم فرنگستان میں پھیلے"۔

ان تمام حقائق پر جو مختصراً درج کئے گئے ہیں۔ ایک سرسری نظر ڈال لینے کے بعد اس باطل خیال کی کچھ وقعت نہیں رہتی۔ کہ اسلامی تعلیم مانع ترقی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ حقیقت عالم آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام اور ترقی لازم و ملزوم ہیں۔" اگر عربوں کی اس حالت کا جو نور اسلام کے ظہور سے قبل ان پر طاری تھی۔ دین الٰہی [illegible] ہونے کی بعد کی حالت سے موازنہ کیا جائے۔ تو ان دنیوی نعمتوں اور برکتوں کا پورا [illegible] وجہ سے مسلمانوں کو نصیب ہوئیں۔ اور ان فیوض و برکات کا بھی کما حقہ استقراء کیا جا سکتا ہے [illegible] کی عالمتاب تنویر سے حاصل ہوئے"۔

آجکل ترکی و افغانستان نے بعض معاشرتی امور کی اصلاح کا جو تہیہ کیا ہے۔ اس نے بقول معاصر "پیغام صلح" بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ کہ اسلام بھی ایک وقتی مذہب تھا۔ جو دیگر قومی و وقتی مذاہب کی طرح حالات و واقعات زمانہ کے اقتضا سے نئی شکل اختیار کر رہا ہے۔ جو اصل دین سے قطعاً مختلف ہے۔ یہ خیال مخالفین اسلام تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو اسلام کے ساتھ عقیدت و وابستگی رکھتے ہیں۔ اس صورت حالات کو دیکھ کر حواس باختہ ہو رہے ہیں۔ دراصل ان لوگوں نے نہ تو اسلام کی اصل حقیقت پر غور کیا ہے۔ اور نہ واقعات کی اصلیت کو بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ اسلام جس چیز کا نام ہے۔ اس کی حقیقت ذیل کے چند جملوں سے زیادہ کچھ نہیں:

(۱) ہستی باریتعالیٰ اور اس کی واحدانیت پر ایمان رکھنا؛

(۲) رسولوں اور ان کی کتب و صحائف کو ماننا؛

(۳) ملائکہ اور یوم الجزا پر یقین کرنا؛

(۴) صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کا ادا کرنا؛

یہی وہ اصول اسلام ہیں۔ جن کی تعلیم قرآن حکیم کی آیات بینات میں دی گئی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ان میں سے کسی بات کا کسی اسلامی سلطنت نے انکار کیا ہے۔ نہ ترمیم و اصلاح۔ جن مسائل میں ترکی و افغانستان نے اصلاح کی ضرورت محسوس کی ہے۔ وہ تعدد ازدواج اور پردہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ایسی چیزیں نہیں جنہیں اسلام کے اساسی اصول قرار دیا

جا سکے۔ حالات اور وقت کا اقتضا ان میں اصلاح و ترمیم کی گنجائش پیدا کر دیتا ہے۔ دین الفطرت نے بھی انہیں وقتی حالات ہی سے مخصوص کیا ہے۔ بالخصوص "تعدد ازواج" کو قرآن حکیم میں کہیں بھی حکم کے طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ بعض خاص حالات کے پیش آ جانے پر خاص شرائط کے ماتحت اس کی اجازت دی ہے۔ رہا پردہ۔ اس کی بھی جو توجیہیں محققین امت نے کی ہیں اور قرون اولیٰ میں جس قسم کے پردے کا ثبوت ملتا ہے۔ اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ موجودہ پردہ ہی اصل اسلامی پردہ ہے؛

پس ایسی چیزوں کی اصلاح و ترمیم کو جو نہ تو اسلام کے بنیادی اصول سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور نہ دین الفطرۃ نے ان کی کسی خاص شکل کو ضروری و لازمی قرار دیا ہے۔ اسلام کی اصلاح و ترمیم قرار دینا انتہائی غلط فہمی ہوگی؛

ہاں ایک چیز ہے جو فی الحقیقت قابل اعتنا ہے۔ وہ مسلمانوں کا عام رجحان ہے۔ مسلمان اس وقت کس طرف جا رہے ہیں۔ ان کی مصلحانہ کوششیں آیا اسلام کی اصل تعلیم کی تقلید کا نتیجہ ہیں۔ یا اس عام رجحان کا جو یورپ اور مغربی تہذیب کی طرف پایا جاتا ہے۔ جو کچھ اس وقت ترکی یا افغانستان میں ہو رہا ہے۔ اگرچہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر کوئی ناگوار اثر نہیں ڈالتا۔ اور نہ ابھی تک ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ تاہم یہ کہنا خلاف حقیقت نہیں۔ کہ اس کی تہ میں مغرب کی تقلید کے سوائے اور کچھ نہیں۔ یورپ کی نقل آثار یورپ کے تمدن و معاشرت بلکہ لباس تک کو ترقی کا حقیقی ذریعہ یقین کرنا موجودہ زمانہ کی عام روش ہے۔ اور ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسلامی ممالک کے ارباب حکومت نے اس روش کو اختیار کرنے میں نمایاں سرعت سے کام لیا ہے۔ ہم نہیں کہتے۔ کہ وہ حالات اور ضروریات کے خلاف قدم اٹھائیں۔ لیکن یورپ کا چربہ آثار نا حالات اور ضروریات کا اقتضا نہیں۔ جن اصلاحات کی ان کو ضرورت ہے۔ اور جو ان کو تنزل کے گڑھے سے نکالکر ترقی کی طرف لے جانے کا موجب ہو سکتی ہیں۔ وہ اسلام کی اس سادہ تعلیم میں موجود ہیں۔ جو آج سے تیرہ صد سال پیشتر دنیا کو دی گئی۔ چاہئیے۔ کہ اس تعلیم کی طرف رجوع کیا جائے۔ قرون اولیٰ کے اس اسلام کو دیکھا جائے۔ جس پر یورپ کی تہذیب آج تک محو حیرت ہے۔ اور جو یورپ کے تاریک ترین زمانہ کو نور اور روشنی سے منور کرنے کا موجب ہوا؛

گلدستۂ رنگین

یہ دل بے مدعا بیگانۂ اُمید و بیم
غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائیگا

کیا کبھی پوری نہ ہوگی میرے دل کی آرزو
آپ کے نزدیک کیا میں رحم کے قابل نہیں

کیا پوچھتے ہو حال دل بے قرار کا
مارا ہوا ہے گردش لیل و نہار کا

(مقتدر اراکین "اصلاح القریش" متوجہ ہوں!)

"طوائف الملوکی کی بدعت" کے عنوان سے مئی جون کے "القریش" میں ایک افتتاحیہ سپرد قلم کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ضلع امرتسر کے ایک دور افتادہ مقام پر "انجمن اصلاح القریش" کے نام سے ایک نئی انجمن کا ظہور ہوا ہے۔ جس کی زمام تنظیم اور نظام و التزام ایسے غیر ذمہ دار اور ناتجربہ کار ہاتھوں میں ہے۔ جو "قرار داد" اور رزولیوشن کو بھی صحیح طور پر ترتیب نہیں دے سکتے۔ قوم کی رہنمائی، ارتقاء و ترقی کے لئے اور جائز حقوق کے مطالبہ کے لئے ایسے کمزور دماغ ہرگز ہرگز مفید و موزوں نہیں ہو سکتے۔ جو رزولیوشن کے مطالب و معانی بھی نہ سمجھ سکیں۔ اور قوم کے وقار و اعتبار اور عظمت و شرافت کو قائم اور برادری کی پیشانی کو داغ بدنامی سے محفوظ نہ رکھ سکیں۔ انجمنوں کا قیام جلسوں کا انعقاد، قوائے منتشرہ کی تدوین، قوانین مجلسی کی ترتیب اور اس پر عمل کوئی معمولی کام نہیں۔ ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان اہم فرائض کی انجام دہی کے لئے قوم میں چند مخصوص ہستیاں ہوا کرتی ہیں۔ اور وہی قوم کی امداد و اعانت سے ان کٹھن منازل کو طے کرنے میں عہدہ برآ ہو سکتی ہیں۔ لہذا اس سے زیادہ کوئی نادانی اور غیر مآل اندیشی نہیں ہو سکتی۔ کہ منتشر و پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کرکے طاقت و قوت کو اور مستحکم کرنے کی بجائے طوائف الملوکی کی طرح ڈال دی جائے۔ اور قوم کے حصے بخرے کرکے اس کی طاقت کو نحیف و نزار اور کمزور و ناتواں کر دیا جائے۔ اور کامیابی و کامرانی کے اسباب و ذرائع پیدا کرنے کی بجائے ناکامی و نامرادی کے وسائل مہیا کر دئیے جائیں"

"انجمن" اور "ندوۃ القریش" کی موجودگی میں "انجمن اصلاح القریش" کی ضرورت نہ تھی۔ کسی درد مند قوم کو اگر انجمن کی خاموشی پر اور حسب توقع کام نہ کرنے پر کوئی شکایت تھی۔ تو "ندوۃ القریش" کی خدمات تو روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ قوم کے زراعتی حقوق کے لئے وہ اپنا فرض قابل ہر ستائش پہلو سے انجام دے رہا ہے۔ اور اب کام اس سٹیج پر پہونچ گیا ہے۔ کہ باقی ماندہ اضلاع کے لئے حکومت کی طرف سے عنقریب گزٹ ہو جانے کی کامل امید ہو گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرا کام اس کے سامنے "تنظیم" ہے جس کے متعلق وہ ابتدائی کام شروع کر چکا ہے قوم اس کی خدمات کا اعتراف کرتی ہوئی اسے اپنی نمائندہ جماعت تسلیم کر چکی ہے۔ اور اگر اس پر بھی انجمن گری کا شوق اور اصلاح القریش کا ذوق دامنگیر تھا۔ تو "ندوۃ القریش" کی بزم مشاورت میں معاملہ پیش کرکے متفقہ طور پر یہ مسئلہ طے کر لینا کوئی بُری بات نہ تھی۔ بلکہ اس کے مجوزہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے وہ بطریق احسن اس شوق و ذوق کو

پورا کر سکتے تھے۔ اور قوم کو بھی فائدہ پہونچ سکتا تھا۔ اگر اس طرح منظور رخاطر نہ تھا۔ اور ملکر کام کرنے میں کوئی امر مانع تھا۔ تو کسی سے مشورہ ہی کر لیا ہوتا۔ اگر یہ بھی قرین مصلحت نہ تھا۔ تو کم از کم ترتیب و انطباع روئیداد ہی کے وقت کسی سے پوچھ لیا جاتا۔ تاکہ برادری کی بدنامی کے پہلوؤں پر غور کر لیا جاتا۔ مگر افسوس کہ کارکنان "اصلاح القریش" کی عجلت پسندی نے انہیں کسی ایک مسئلہ پر بھی غور کرنے کی مہلت نہیں دی۔ اور برادری خواہ نخواہ نشانہ انگشت بنی؛

علت نہو تو معلول نہیں ہو سکتا۔ اشارہ نہ ہو تو مشار الیہ قرار نہیں پا سکتا۔ اس لئے ہر وہ شخص جو "اصلاح القریش" کی مطبوعہ رپورٹ کو ملاحظہ کرے گا۔ اور ان دفعات پر جو شادی و مرگ، خوشی و غمی اور جملہ تقاریب کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ پر ایک نظر ڈالے گا۔ تو یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوگا۔ کہ اس برادری میں علل قبیحہ موجود ہیں۔ ان کی مستورات باریک ترین لباس پہنتی اور چار گرہ سے زیادہ فراخ پائینچے کے پاجامے اور کھلے گلے کے قمیص زیب تن کر کے اور پیٹیاں لگا کر شادی کی تقاریب پر چاول چرانے میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔ بٹے (تبادلے) کے ناطے اور دختر فروشی کا رواج عام اور فیشن کی کثرت اور بربت برتاؤ کے ضمن میں اس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔ کسی شریف برادری کے متعلق اس قسم کی تشہیر توہین صریح ہے اور ہمیں افسوس اور بدرجہ اتم افسوس ہے۔ کہ عواقب و نتائج پر غور کئے بغیر اس مضمون کو پبلک میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اور اس طریق سے ایک برادری کی تذلیل و رسوائی کا عمداً ارتکاب کیا گیا ہے۔ کاش! یہ روئیداد شائع نہ کیجاتی۔ اور برادری کا ایک موقر گروہ بدنام نہ ہوتا؛

ہم مولانا حکیم رحمت علی، مولانا شیر محمد، منشی عبدالحق، مولوی حسین محمد، منشی غلام حسین، منشی حسین علی صاحبان اور دیگر مقتدر اراکین "اصلاح القریش" کو ان اہم نقائص کی جانب توجہ دلاتے ہوئے بزور خواہش کرتے ہیں۔ کہ وہ جداگانہ ناکام کوششوں کے بجائے قومی مرکز کے ساتھ ملکر عنداللہ ماجور و عندالقوم مشکور ہوں۔ متحدہ کوششیں اور متفقہ مساعی جلد بار آور ہو سکتی ہیں۔ آپ کے قیمتی مشورے اور امداد و اعانت سونے پر سوہاگہ کا کام دیں گے۔ اور برسوں کے کام دنوں میں حسب دلخواہ انجام پا جائیں گے ان شاء اللہ تعالےٰ؛

خدانخواستہ یہ نیک اور مفید مشورہ اگر کسی وجہ سے قابل پذیرائی نہ ہو۔ تو "اصلاح القریش" کی زمام کسی ایسے ہاتھوں میں دیجیئے۔ جو تجربہ کار، قابل اور اس کام کے اہل ہوں؛

خدا کرے۔ ہمارا یہ مشورہ جو بالکل راستی، نیک نیتی اور خلوص قلبی کے ساتھ قومی وقار کے لئے بے رو و رعایت پیش کیا گیا ہے۔ قدر کی نظر سے دیکھا جائے۔ آمین!

ندوۃ القریش

۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء۔ آج دفتر "القریش" میں بحاضری ممبران ایگزکٹو کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ قریشی عبدالمجید صاحب نے مسٹر محمد مسکین صاحب کی طرف سے دس روپے کا عطیہ پیش کیا۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا۔ اس کے بعد سابقہ اجلاس کی کارروائی پڑھی گئی۔ اور کنفرم ہوئی۔ مسٹر اے۔ ری داؤد۔ مولانا صدرالدین۔ قریشی احمد نواز۔ قریشی محمد عطاء اللہ اور مولوی محمد امین صاحبان کے فارم ہائے ممبری پیش ہوئے۔ جن میں سے موخرالذکر دو منظور ہوئے۔ اور اول الذکر تین اس لئے آئندہ کمیٹی کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔ کہ ان پر خاص کمیٹی کی سفارش نہ تھی۔ اس کے بعد سرکلر نمبر ۴ پڑھا گیا۔ اور عام ممبران کی خدمت میں بذریعہ ڈاک بھجوا دینے کی ہدایت کی گئی۔ زراعتی حقوق کے بارے میں قریشی برادران گورداسپور کی خاموشی۔ غفلت اور بے پرواہی پر افسوس کرتے ہوئے فیصلہ ہوا۔ کہ ان کی امارت وتن آسانی سے چونکہ کسی سعی و کوشش کی امید کرنا وقت کو ہاتھ سے دینے اور پریشان ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے ان کے لئے بھی خود ہی کوشش کی جائے۔ اور مناسب اخراجات چندہ سے ادا کئے جائیں۔ اور انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے؛

قریشی محمد عظیم صاحب نے فرمایا۔ کہ حکیم شہاب الدین صاحب کی وفات اور رونق صاحب کی طویل علالت کے وجہ سے دفتر کے بہت سے کام معرض التوا میں رہے ہیں۔ ممبر صاحبان سے نئے سال کے چندہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا گیا۔ اور روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے بذریعہ "القریش" اور خطوط ممبر صاحبان سے استدعا کی جائے۔ کہ وہ بواپسی ڈاک اپنا اپنا زرچندہ ایک روپیہ ۸ سالانہ کے حساب سے سال ۱۹۳۱ء کے لئے بھجوا کر مشکور کریں۔ سالانہ اجلاس ماہ جون میں ہو جانا چاہئیے تھا۔ لیکن انہی ناگزیر حالات کی وجہ سے اس کے متعلق بھی کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔ اور شدت کی گرمیوں میں اجلاس عام کا انعقاد موزون بھی نہیں تھا۔ لہذا ایسٹر کی تعطیلات تک اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ اور آئندہ ہر سال انہی ایام میں منعقد کیا جایا کرے۔ دسمبر سے پراپیگنڈہ شروع ہو جائے۔ اور اگر ممکن ہو۔ تو سالانہ اجلاس مختلف مقامات پر منعقد کرنے کی تجویز کیجائے۔ تبادلہ خیالات کے بعد بالآخر باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی۔ لہذا جملہ ممبران ندوہ کی خدمت میں خصوصاً اور قریشی برادران کی خدمت میں عموماً التماس ہے۔ کہ وہ ندوۃ القریش کے آئندہ اجلاس کو جو ایام ایسٹر میں منعقد ہونے والا ہے۔ ایک شاندار اجلاس بنانے کے لئے کارکناں کی ہر امداد و اعانت کے لئے تیار رہیں؛

"انجمن اصلاح القریش" کی مطبوعہ روئیداد پیش ہوئی۔ اور لفظ بلفظ پڑھی گئی۔ چونکہ اس میں اصلاح قوم کا غلط پہلو اختیار کیا گیا ہے۔ اور ناتجربہ کار و نا اہل ہاتھوں میں اس کی ترتیب ہونے کی وجہ سے اس کا اثر اچھا نہیں ہوا۔ لہٰذا تجویز ہوا کہ معزز ممبران و متعدد کارکنان "اصلاح القریش" سے خواہش کی جائے۔ کہ قومی مفاد کے لئے اپنی اس باڈی (انجمن) کو ندوۃ القریش میں جذب کر دیں۔ اور ملکر کام کرنے سے کامیابی قریب ترلانے میں سعی بلیغ فرمائیں۔ اور اگر علیحدہ کام کرنا مناسب سمجھیں۔ تو ہم سے اس کی شاخ قرار دے کر "ندوہ" کے مجوزہ قواعد پر عامل ہوں۔ امید ہے۔ کہ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے گا۔"

(جوائنٹ سکرٹری)

کارواں بھٹکا ہوا ہے رہنما کوئی نہیں

ذیل کی مناجات عزیز فضل الرحمن سلمہ رتہ خانپوری کے درد مندانہ جذبات کا پہلا نمونہ ہے۔ خیالات و جذبات قابل قدر و لائق ستائش ہیں۔ ایک طالب علم کے خیالات کی یہ بلند پروازی قابل داد ہے۔

اے کہ تیرا اسم عالی عرش پر مرقوم ہے
دیکھ کیسے حالِ بد میں امتِ مرحوم ہے

اُف اچھا نبانی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی
قوم اپنی آجکل اغیار کی محکوم ہے

علم، وہ عزت، وہ عظمت، الغرض شانِ سلف
گلشنِ اسلام میں نابود ہے معدوم ہے

منہ کو آتا ہے کلیجہ حال اپنا دیکھ کر
ہے بیاں بیجا مرا تجھکو سبھی معلوم ہے

کارواں بھٹکا ہوا ہے رہنما کوئی نہیں
سیدا! اس حال میں تیرے سوا کوئی نہیں

شیخ صنعان ایک بہت بڑے عارف باللہ اور زاہد گزرے ہیں۔ پچاس سال تک حرم میں چار سو مریدوں کے ساتھ زندگی بسر کی۔ علم ظاہر و باطن دونوں میں کامل زمانہ تھے۔ پچاس مرتبہ حج کیا۔ زندگی بھر عمرہ کرتے رہے۔ نماز و روزہ کا خاص شغف تھا سنت کے نہایت پابند تھے۔ آپ سے کشف و کرامات بھی صادر ہوتے تھے۔ مختصراً یہ کہ آپ کی بزرگی کے حالات عجیب تھے۔ لیکن انہوں نے چند راتوں تک مسلسل خواب میں دیکھا کہ میں حرم آنے کی راہ میں ایک مقام پر ایک بُت کو سجدہ کر رہا ہوں۔ خواب سے بیدار ہوئے۔ تو سخت گھبرائے۔ اپنے تزلزل ایمانی پر بہت نفرین کی۔ لیکن قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا قدرت جو کرنا چاہتی ہے۔ کرتی ہے۔ خواہ اس میں دوسروں کو لذت ملے یا الم۔ ہمارے دُکھ سُکھ سے علیحدہ ہو کر قسمت صرف اپنے نقوش و نگارش سے لطف حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ شیخ صنعان نے مریدوں سے کہا۔ کہ چلو روم کا سفر کریں تاکہ اس خواب کی تعبیر معلوم ہو۔ چار سو مریدوں کی جمعیت طیار ہو گئی۔ جب قافلہ ملک روم میں پہنچا۔ تو وہاں ایک بہت بڑا محل نظر آیا۔ اور اس کے جھروکے پر آتش پرست کی ایک مہ جبین لڑکی بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس کے حُسن کے نکھار اور اعضا کی موزونیت میں سحر کی کیفیتیں تھیں۔ حضرت عطارؒ نے اس کے جمال رابعہ کی صفت میں پوری داد سخن سنجی دی ہے ؎

در سپہر حسن در برج جمال — آفتابے بود اما بے زوال
ہر کہ دل در زلف آں دلدار بست — از خیال زلف او زنار بست
ہر دو چشمش فتنۂ عشاق بود — ہر دو ابرویش بخوبی طاق بود
روئے او در زیر زلف تابدار — لعل آتش پارۂ بس آبدار
لعل سیرابش جہانے تشنہ داشت — نرگس مستش ہزاراں دشنہ داشت
گو ہر خورشید فلک در موئے داشت — برقع شعر سیہ ہندوئے داشت

یہ تھی اس کے جمال بدیع کی ایک مختصر تفسیر۔ شیخ صنعان نے دیکھا۔ تو بیخود ہو گئے۔ اور ایسے کہ نہ اپنی شیخوخیت کا پاس رہا۔ نہ مریدوں کا لحاظ، علم و فضل، زہد و ورع عبادت و ریاضت کچھ کام نہ آیا ؎

شیخ ایمان داد و ترسائی خرید — عاقبت بفروخت و رسوائی خرید

شیخ کی حالت بگڑی۔ مرید سخت گھبرائے۔ بعضوں نے ہمدردی سے نصیحت کی۔ بعضوں کو اس عشق پیرانہ سری پہ

غصہ آیا - نفرین کی لیکن شیخ پر برق طور کام کر چکی تھی - ان کے مذہب عشق میں اب ترسازادی ہی وجود واجب کی حیثیت رکھتی تھی - وہی ان کا کعبۂ ایمان تھی - اور وہی ان کا ساز ہستی - اپنی شدبد نہ رہی - مریدوں اور شیخ میں اس مسئلہ پر پر لطف بحث و تمحیص شروع ہو گئی - اسے منطق الطیر میں ایک نہایت لطیف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے ؎

مرید: ہمنشینے گفتش اے شیخ کبار — خیز دایں وسواس را غسلے بیار
شیخ: شیخ گفتش امشب از خون جگر — کردہ ام صد بار غسل اے بیخبر
مرید: واں دگر گفتا کہ تسبیحت کجاست — کے شود کار تو بے تسبیح راست
شیخ: گفت تسبیحم بیفگندم ز دست — تا توانم بر میاں زنار بست
مرید: واں دگر یک گفتش اے پیر کہن — خیز و در خلوت خدا را سجدہ کن
شیخ: گفت اگر بت روئے من اینجاستے — سجدہ پیش روئے او زیباستے
مرید: آں دگر گفتہ کہ اے دانائے راز — خیز خود را جمع کن اندر نماز
شیخ: گفت کو محراب ابروئے نگار — تا نباشد جز نمازم ہیچ کار
مرید: واں دگر گفتش پشیمانیت نیست — ذرۂ درد مسلمانیت نیست
شیخ: گفت کس نبود پشیماں بیش ازیں — تا چرا عاشق نبودم پیش ازیں
مرید: واں دگر گفتہ کہ ہر کہ آگاہ شد — کانچناں شیخے چنیں گمراہ شد
شیخ: گفت بس من فارغم از نام و ننگ — شیشۂ سالوس بشکستم بہ سنگ
مرید: آں دگر گفتش کہ یاران قدیم — از تو رنجورند و ماندہ دل دو نیم
شیخ: گفت چوں ترسا بچہ خوشدل بود — دل ز رنج این و آں غافل بود
مرید: آں دگر گفتہ کہ با یاراں بساز — تا رویم امروز سوئے کعبہ باز
شیخ: گفت اگر کعبہ نباشد دیر ہست — ہوشیار کعبہ ام در دیر مست
مرید: آں دگر گفت ایں زماں کن عزم راہ — در حرم بنشین و عذر خود بخواہ
شیخ: گفت سر بر آستاں آں نگار — عذر خواہم خواست دست از من بدار
مرید: آں دگر گفتا کہ دوزخ در رہ ست — مرد دوزخ نیست ہر کہ آگہ است
شیخ: گفت اگر دوزخ بود ہمراہ من — ہفت دوزخ سوزد از یک آہ من
مرید: آں دگر گفتا بہ امید بہشت — باز گرد و توبہ کن زیں کار زشت
شیخ: گفت چوں یار بہشتی روئے ہست — گر بہشتے بایدم آں کوئے ہست

مرید: آں دگر گفتا کہ از حق شرم دار — حق تعالیٰ را بہ خود آزرم دار

شیخ: گفت ایں آتش چو حق در من فگند — من بہ خود نتوانم از گردن فگند

مرید: آں دگر گفتش برو ایمن بباش — بانمازیاں آور و مومن بباش

شیخ: گفت جز کفر از من حیراں مخواہ — ہر کہ کافر شد از و ایماں مخواہ

مکالمہ سے آسانی کے ساتھ ہر شخص شیخ کی والہانہ زندگی اور از خود رفتہ شیفتگی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ خیر بڑی مشکل سے حضرت شیخ کے عشق کی پہلی رات تمام ہوئی۔ مریدوں کی تمام نصیحتیں، طنز آمیز لہجے بیکار ثابت ہوئے صبح کے وقت پھر وہی ترسازادی کی گلی تھی۔ اور حضرت شیخ، کوچۂ یار کے کتے شیخ کی رفاقت اور انس کا سامان تھے۔ اسی طرح چند دن گذر رہے۔ شیخ نہایت رنجور ہوئے۔ لیکن آستان یار سے نہیں ٹلے، آخر کار لڑکی کو بھی ان کی شیفتگی کا حال معلوم ہو گیا۔ شیخ سے تجاہل عارفانہ رنگ میں خطاب کر کے پوچھا۔ کہ آپ کی اس بیقراری اور پریشانی کا کیا سبب ہے۔ اب کیا تھا۔ شیخ نے اپنی کیفیات عشق کا ایک دفتر کھول کر رکھ دیا۔ لڑکی بگڑی۔ اور ایک ایسے لہجہ میں جس میں ظرافت خفگی اور حقارت کے تمام آثار تھے۔ شیخ سے کہا۔ کہ حضرت یہ کہنہ سالی اور آپ کا یہ طوفان عشق، جائے کافور و کفن کا سامان کیجئے۔ بھلا آپ کو اس دنیا سے کیا سروکار، شیخ نے کہا۔ ایسی ایسی ہزار صلواتیں سناؤ تو کیا۔ اب ممکن نہیں۔ کہ اس دل سے تمہارا درد نکل جائے۔ لڑکی نے کہا۔ اگر آپ سچے ہیں۔ تو مذہب اسلام ترک کیجئے۔ بت کو سجدہ کیجئے۔ قرآن کو جلائیے۔ شراب نوش کیجئے۔ اور ایمان سے ہاتھ دھوئیے۔ شیخ نے ترک اسلام کیا۔ شراب پی۔ اور کہا۔ کہ بقیہ تینوں سے مجھے کوئی علاقہ نہیں۔ نہ قرآن سے مطلب نہ ایمان سے غرض۔ دختر کی خلق آمیز مہربانی، شراب کا نشہ عشق کا جنوں حضرت شیخ آپے میں نہ رہے۔ آتش پرست نہیں دیر میں لے گئے۔ زنار باندھا۔ شیخ نے دختر سے کہا۔ یہ تمام مصیبتیں میں نے صرف تمہارے وصل کے لئے اٹھائیں۔ اب کیا کہتی ہو۔ اس نے کہا۔ اجی حضرت آپ بوڑھے ہوئے کس خیال میں پڑے ہیں۔ میرا آپ کا جوڑ ہی کیسا، دل پر جبر کیجئے [illegible] روپیہ کی ضرورت ہے۔ تو لیجئے۔ جہاں سینگ سمائے چلے جائیے۔ شیخ نے کہا۔ میں اور آستان یار سے جدائی۔ جو کچھ گذرے سہیں رہوں گا۔ لڑکی کا دل کچھ ملائم ہوا۔ اس نے کہا۔ میرا مہر یہ ہے۔ کہ میرے یہاں ایک سال تک خوک بانی (سور چرانا) کرو۔ شیخ نے یہ بھی اختیار کیا۔ اور ایک سال تک خوک بانی کرتے رہے۔ ابھی تک مریدوں نے شیخ کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن اب سب کے سب ان سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کی رفاقت ترک کر دی۔ ایک مرید شیخ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ تو ہم لوگ بھی آپ ہی کی طرح ترسائی اختیار کریں۔ اور زنار باندھیں۔ یا جلد از جلد اس سرزمین سے نکل کر خانہ کعبہ میں مقیم ہو جائیں۔ تاکہ یہ دلگداز منظر نہ دیکھ سکیں۔ شیخ نے کہا۔ کہ تم لوگوں کا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ مجھے تو فقط دربار سے مطلب ہے جب یہ لٹا ہوا قافلہ مکہ میں پہنچا۔ تو سب ادہر ادہر چھپ گئے۔ شیخ کا ایک مرید کہیں دوسری جگہ سے خانقاہ میں آیا۔ اور

شیخ کی حالت دریافت کی۔ حالات معلوم ہوئے۔ تو مریدوں پر خفا ہوا۔ کہ اگر انہوں نے ترسائی اختیار کی تھی۔ تو تم بھی ترسائی اختیار کرتے۔ انہوں نے زنّار باندھا تھا۔ تو تم بھی زنار باندھتے۔ بیوفاؤ! ایسے وقت میں ترک رفاقت کر بیٹھے۔ چلو۔ اور شیخ کی خبر لو۔ روم کے سفر کے لئے قافلہ تیار ہوا۔ مرید روم میں پہونچے۔ تمام لوگ معتکف ہو گئے۔ اور شیخ کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ چالیس شبانہ روز انہوں نے گریہ وزاری کی۔ خواب وخور ترک کیا۔ اسی حال میں تھے۔ کہ چالیسویں دن اس جماعت زہاد کا جو امام تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا۔ کہ محمد مصطفےٰ تشریف لائے۔ فضا خوشبو سے معطر ہے۔ اور آپ تبسم فرما رہے ہیں۔ لوگ نظارۂ جمال سے حیران ہیں۔ مرید سرور کائنات کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور آپ سے فریاد کرنے لگا۔ کہ یا رسول اللہ! ہمارے شیخ گمراہ ہو گئے ہیں۔ انہیں راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے بلند ہمت انسان! جا تیری دعا کارگر ہوئی۔ تیرے شیخ کو میں نے ہدایت کی۔ شیخ اور خدا کے درمیان میں بہت دنوں تک تاریکی تھی۔ میں نے اس تاریکی کو دور کر دیا۔ یہ کلمات جانفزا کہکر آپ مرید کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ جب وہ بیدار ہوا۔ تو ایک روح نشاط اس کے جسم کے اندر موجزن تھی۔ اس نے سب کو یہ مژدہ سنایا۔ سب لوگ شیخ کی خدمت میں گئے۔ دیکھا تو نہ اب شیخ کے منہ میں ناقوس تھا۔ نہ کمر میں زنّار۔ انہوں نے آتش پرستوں کی ٹوپی پھینکدی تھی۔ اور ترسائی کو خیرباد کہہ ڈالا تھا۔ مریدوں پر جب شیخ کی نظر پڑی۔ شرم سے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اپنے سر پر خاک ڈال کر عاجزی کا اظہار کیا کبھی آہ کرتے کبھی حسرت سے زرد ہو جاتے۔ اب آپ کا ضمیر روشن اور دل نور ایمان سے مشرف ہو چکا تھا تمام بھولے ہوئے کشف و اسرار یاد آگئے۔ اب آپ روم کے وہ "بت پرست" نہ تھے۔ بلکہ فیض الہی نے آپ کی یزدان پرستی کی طرف رہنمائی کر دی تھی۔ مریدوں نے شیخ کو سمجھایا۔ کہ حضرت اب اس قدر غم وحسرت، خجالت وندامت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خدا نے آپ کی حق کی طرف رہنمائی کی۔ شیخ نے غسل کیا۔ اور مریدوں کے جھرمٹ میں حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔

ادھر اس آتش پرست لڑکی نے بھی خواب میں دیکھا۔ کہ میری گود میں ایک آفتاب آگیا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ کہ شیخ کے ہمراہ جا۔ ان کا مذہب اختیار کر۔ تو ان کی رہزن تھی۔ اب ان کی رفیقۂ سفر بن۔ لڑکی کی آنکھ کھلی۔ تو دیکھا۔ کہ قلب ایک بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اور دل میں درد کی ٹیک موجود ہے۔ ناچار شیخ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ حضرت عطارؒ نے ایک خاص مؤثر انداز میں لڑکی کے جذبات وکیف کی ترجمانی کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

درمیان آں ہمہ ناز و طرب ۔۔۔ ہمچوں باران اشک ریخت اے عجب

نعرہ زن جامہ دراں بیروں دوید ۔۔۔ خاک برسر درمیان خون دوید

بادل پر درد شخص ناتواں ۔۔۔ از پئے شیخ و مریداں شد رواں

مے ندانست او کہ در صحرا و دشت ۔۔۔ از کدامیں سوئے مے باید گزشت

عاجز و سرگشتہ مے نالید زار | روئے خود در خاک مے نالید زار
زار مے گفت اے خدائے کارساز | عورتے ام ماندہ ام از کار باز
مرد راہ چو توئی رہ زدم | تو مزن بر من کہ بے آگہ زدم
بحر قہاریت را بنشاں ز جوش | مے ندانستم خطا کردم بہوش
ہر چہ کردم بر من مسکیں مگیر | دین پذیر فتم بریں بیدیں مگیر
گر بمیرم از کسے یاریم نیست | حصۂ دیگر بجز خواریم نیست

یعنی اس بدیع اور جمال رائع کے ہوتے ہوئے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ کبھی کپڑے پھاڑتی، صحرا میں دوڑتی، لیکن فکر منزل سے آزاد ہو کر کبھی خدا سے دعائیں کرتی کہ خداوندا میں ایک مجبور عورت ہوں مجھے تو نے اپنا درد دیا۔ اب میری مدد کر۔ مجھ بیکس کا کہاں ٹھکانا۔ جب تیرے ایسے ایسے برگزیدہ بندوں کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ تو مجھ پر کیا گزرے گی۔ میری دستگیری کر میں نے شیخ کو برباد کیا۔ لیکن تو مجھے برباد نہ کر۔ اب نہ مجھے کسی سے محبت ہے نہ دوستی۔ اگر میں مروں۔ تو ذلت ہی میرا حصہ ہے۔

ادھر شیخ کو کشف ہوا۔ وہ باد صرصر کی طرح اس دلنواز روم کی طرف چلے۔ مرید چلائے۔ کہ توبہ و استغفار کے بعد پھر عاشقی پر کمر باندھی۔ انہوں نے اس لڑکی کی حالت بیان کی۔ قافلہ چلا۔ اور جہاں وہ خدا رسیدہ عورت تھی۔ پہونچا۔ شیخ کو دیکھکر عورت کو غش آگیا۔ شیخ کی اشک ریزی سے اس کی آنکھیں کھلیں۔ تو زار و قطار رونے لگی۔ اور اسی حالت زار میں شیخ کے پیر پر گر گئی۔ شیخ کے وہ تمام نقوش وفا اس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اس نے ترسائی ترک کی۔ شیخ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئی۔ اور کہا۔ کہ اب یہ میری زندگی کی آخری گھڑیاں ہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ اور میری گستاخیاں درگزر کیجئے۔ اور یہ کہکر آنکھیں بند کر لیں ؎

ایں بگفت آں ماہ دوست از جاں فشاند | نیم جانے بود بر جاناں فشاند

شیخ پر اس حادثہ نے گہرا اثر کیا۔ ان کی حالت بھی نازک ہو گئی۔ صبح کو لڑکی نے انتقال کیا تھا۔ دوپہر سے قبل شیخ نے بھی عالم بالا کا سفر کیا۔ شاید خواجہ فریدالدین عطارؒ کی اس حکایت کے مطالعہ یا اسی قسم کے دوسرے مناظر سے متاثر ہو کر رومیؔ نے وہ غزل کہی تھی جس کا ایک نہایت تاثر انگیز شعر یہ ہے ؎

تو باز خاص بدی در وثاق پیر زنے | چو طبل باز شنیدی بہ لامکاں رفتی

اس کے بعد حضرت عطارؒ نے ایک ایسے مؤثر اور دلکش انداز میں "صور شعریہ" کی مثال پیش کی ہے۔ کہ بے اختیار دل لوٹ جاتا ہے۔ مصر کا ایک جدید ادیب اور دلفریب انشا پرداز ڈاکٹر زکی مبارک اپنی کتاب "موازنہ بین الشعرا" میں عربی شعراء کے اس کلام کی نظیریں پیش کرتا ہے۔ جن میں فنی اعتبار سے "صور شعریہ" پائے جاتے ہیں۔ "صور شعریہ" یہ ہے

کہ کوئی شاعر مناظر فطرت یا جذبات وکیفیات کی ایسی ترجمانی کرے۔ کہ پڑھنے والے کو ہوبہو ایسا معلوم ہو۔ کہ وہ کسی منظر فطرت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یا خود اپنے ذہن کے اندر جذبات وکیفیات کا طوفان پا رہا ہے۔ اسی لئے ایک کامیاب شاعر وہی ہو سکتا ہے جس کے ذہن میں حقیقی مصوری کی صلاحیت ہو۔ شاعری اور مصوری دونو ایک ہی مرکزی نقطہ کے دو خطوط ہیں۔ ہر چند ہر شاعر عملیات کے اعتبار سے مصور نہیں ہوتا۔ لیکن فنی اعتبار سے شاعر کا مصور ہونا ضرور ہے۔ اس کے خلاف مصور کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ شاعر بھی ہو۔ شاعری مصوری سے ایک بالاتر فن ہے۔ خیر ان چند اشاری سطور کے بعد میں حضرت عطارؒ کی اس قدرت کلام کا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں "مصور شعریہ" بہ درجہ کمال موجود ہے اور منطق الطیر کی حکایات کے ان آخری سطور میں فطرت نگاری کا ایک ایسا زبردست نمونہ سامنے آجاتا ہے۔ جسے سحر نگاری سے تعبیر کریں۔ تو زیادہ مناسب ہے۔ حضرت عطارؒ صوفی ہونے کے ساتھ ہی ایک بڑے پایہ کے شاعر بھی تھے۔ اور ان کی شاعری میں وہ تمام نقوش موجود ہیں جنہیں ادب لطیف گرانمایہ قرار دیتا ہے۔

یہ چند آخری سطور ملاحظہ ہوں:-

قبر شیخ و قبر دختر ساختند | ہر دو را پہلوئے ہم پرداختند
چو دو عاشق دائماً مدہوش ہم | چوں دو موزوں دست در آغوش ہم
زاں دو قبر آں دو یار دردمند | دست ازاں حسرت زدہ سرو بلند
وانکہ آنجا ایزد از لطف و کمال | کرد پیدا چشمۂ آب زلال
چند فرسنگ آنچناں خرم بود | ہمچناں جائے بہ گیتی کم بود
گر رسی آنجا بہ بینی از خوشی | عرصہ ہمچوں بہشت از دلکشی
گرد آں منزل ترا باشد قرار | چار فصل آنجا نہ بینی جز بہار
ہیچ فصل از میوہ خالی نیستند | تا نہ پنداری کہ عالی نیستند
ہر دو مے آرند بار عاشقی | بوالعجب کاریست کار عاشقی
درمیان کعبہ و روم آں مقام | شد زیارتگاہ خلق از خاص و عام

خلاصہ یہ کہ شیخ اور "زاہد فریب جوگن" کی قبر پہلو بہ پہلو بنائی گئی۔ قدرت نے دونو کی قبر سے دو سرو کے درخت اگائے اور وہ دونو درخت اس طرح ملے ہوئے ہیں۔ گویا وہ جوگن اور شیخ اپنی ہم آغوشی کا پتہ دے رہے ہیں۔ وہاں فطری مناظر ایسے فرحت افزا اور دلکش ہیں۔ کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی لطف ایزدی سے وہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ بھی ہے وہاں نہ خزاں کی ویرانگی ہے۔ نہ برشگال کی صعوبت۔ ہمیشہ بہار ہی بہار ہے۔ اور لطف یہ کہ چاروں فصل کے میوے بھی ہمیشہ موجود ہیں یہ مقام کعبہ اور روم کی درمیانی راہ میں ہے۔ یہاں خاص و عام کا میلہ لگا رہتا ہے ؎

شبلی نعمانی رح

ازجناب محشر عابدی

ہند کو اس وقت اے شبلی ضرورت ہے تری
قوم مسلم کے ہر اک دل میں محبت ہے تری

پیکر ہستی میں تو جلوہ نما ہوتا اگر
رنج ہوتا تجھکو اب حالت ہماری دیکھ کر

سادگی اور مذہبیت ہو چلی موہوم ہے
ہر طرف فیشن، نمائش، دہریت کی دھوم ہے

ہم میں اسلامی شریعت کی قدر باقی نہیں
ہند کا اسلاف کی کوئی اثر باقی نہیں

زندگی سے تیری تھی مذہب میں بھی اک زندگی
ساری تصنیفیں ہیں مملو مذہبیت سے تری

اب بخاری اور مسلم کو نہیں سچ مانتے
سب سمجھتے ہیں کہ اب ہم بھی خیفہ ہو گئے

مشرقی آداب و تفسطاق نسیان ہو گئے
منتشر خود داری و غیرت کے سامان ہو گئے

آہ اب باقی نہیں اگلا تمدن ہند کا
اتحاد اور دوستی کا بھی نہیں ملتا پتا

تیری تصنیفوں میں شبلی فلسفہ ہے دین کا
تیری تقریروں میں مخفی حق تھا اور ایمان تھا

تیری تحریروں میں نغمے مذہبی مستور ہیں
تیری تحریروں میں پنہاں جلوہ ہائے طور ہیں

تیرے شعروں میں رموز زندگی مستور ہیں
اور مضامین جوہر حکمت سے سب معمور ہیں

تیری تحریروں میں پنہاں ہے حقیقت کا فسوں
تیری تحریروں نے پھونکا مذہبیت کا فسوں

منکشف اسرار ہستی ان سے اکثر ہو گئے
درس اچھے اچھے اور ہم نے بہت حاصل کئے

عہد نبوی ان کو پڑھکر یاد آتا ہے ہمیں
عظمت مسلم کا منظر یاد آتا ہے ہمیں

نام سے تیرے ہے زندہ اب بھی مشرق کا ادب
ہے اگر مغرب کی ٹکر کا تو وہ تیرا ادب

تیری تصنیفوں کی عزت اب بھی عالم کرتا ہے
تیری تحریروں کی وقعت اب بھی عالم کرتا ہے

آہ اے شبلی مگر، اس وقت تو ہوتا اگر
حریت اور خوبیوں سے دیتا پھر دامن کو بھر

تو ستارہ تھا جو رہتا تھا جدا ہر ایک سے
تیرا شیریں لہجہ بھی ملتا نہ تھا ہر ایک سے

مطہر و صاف آسماں کی طرح تو سنجیدہ تھا
اولیاء کی طرح ہستی کا سفر سب طے کیا

باوجود ان خوبیوں کے بھی تو اک انسان تھا
سچ ہے اے مرد خدا تو شبلئ نعمان تھا

میری سرگذشت

نمبر ۱۰

قریہ سنی سے چل کر ہم شوران پہونچے۔ جو گاجان کے شمال کی طرف پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ہے - ۲۸ درجہ ۵۲ دقیقے شمالاً - اور ۶۷ درجہ ۲۲ دقیقے شرقاً - اس کا اصلی نام زرخیزی کے لحاظ سے سُہران ہے۔ بلوچی میں سُہر "سونا" یعنی طلا کو کہتے ہیں۔

علاقہ شوران کا حدود اربعہ یہ ہے۔ شمالاً سنی۔ جنوباً گاجان۔ شرقاً دہ سنری۔ غرباً کوہستان - اس علاقہ کا طول شمالاً جنوباً سولہ میل اور عرض شرقاً غرباً دو میل ہے - ان حدود میں جس قدر قریہ جات آباد ہیں - ان میں سے شوران کے علاوہ سیاہ پچ[۵۱] - طنیان[۵۲] - امیری اور جھوک زیادہ مشہور ہیں۔

شوران یا سہران وڈیرہ سردار خان[۵۳] تمن دار اقوام رند کا صدر مقام ہے۔ شہر کے مکانات کچے ہیں - لیکن سردار کا مکان پختہ اینٹوں کا بنا ہوا ہے - بازار کا کچھ حصّہ مسقف ہے۔ قصبہ کے نزدیک آموں کا ایک عمدہ باغ ہے۔ شہر کے گرد و نواح میں جسقدر مزارات ہیں - ان میں سے شاہ بخاری - پیر لاکھا - تیم شاہ اور ہفت ولی زیادہ مشہور ہیں۔

شوران کے مغرب کی طرف قریباً اٹھارہ میل کے فاصلہ پر اندرون کوہستان پانی کا ایک چشمہ یا تالاب ہے۔ جسے "ہری سر" کہتے ہیں۔ ہندو اسے اپنا تیرتھ سمجھتے ہیں - اور جس طرح ہندوستان کے ہندو گنگا جا کر اشنان کرتے ہیں - اسی طرح علاقہ کچھی کے ہندو بیساکھی کے دن اس چشمہ پر جا کر نہاتے اور اسے متبرک خیال کرتے ہیں - علاوہ ازیں اپنے مُردوں کی راکھ بھی اسی چشمہ میں پھینکتے ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے - کہ موجودہ ہندووان علاقہ کچھی کے آبا و اجداد ازمنۂ ماضیہ میں ملتان - ڈیرہ جات اور سندھ و پنجاب کے مختلف حصص سے آئے تھے۔ اور یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے - اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ میر نصیر خان اعظم خان قلات نے ایک موقعہ پر اس بات کا اعلان کیا - کہ اسے خواب میں بتلایا گیا ہے۔ کہ چشمہ ہری سر ایک متبرک مقام ہے - اس لئے ہندو گنگا جانے کی بجائے (جیسا کہ وہ جایا کرتے تھے) ہری سر جایا کریں - اور اس میں اپنے مُردوں کی راکھ پھینکا کریں - چنانچہ اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے اس وقت سے ہندوؤں میں یہ دستور قائم اور جاری ہو گیا۔

---

[۵۱] و [۵۲] میں نے ان مواضعات کو زیدی کو جاتے ہوئے ۱۵ مارچ ۱۸۹۴ء کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

[۵۳] ۱۸۹۶ء سے اس کا نام میرے دوستوں کی فہرست میں چوٹی پر ہوا - قاضی

کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں میر نصیر خان مرحوم کی دانشمندانہ حکمت عملی کا راز بھی مضمر تھا۔ کہ اس طرح سے ہندو اپنے اصلی وطن کی یاد کو بھلادیں۔ اور حدود بلوچستان سے باہر جاکر نہ تو یہاں کے حالات کے تذکرے کا موقعہ پاسکیں۔ اور نہ ہندوستان ہی کے ہندوؤں سے میل جول پیدا کرکے وہاں کے خیالات اور جذبات کی یہاں اشاعت کرسکیں۔ بہرکیف کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہر دانا گورنمنٹ کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی سلطنت کے بقا اور حکومت کے استحکام کے لئے حسب ضرورت مناسب تجاویز عمل میں لائے۔

شوران سے جنوب کی طرف چھ میل کے فاصلہ پر شورہ دار زمین کے چند قطعات ہیں۔ جہاں مردم فوناری نمک بناتے ہیں۔ یہاں کی مقامی صنعت موٹا کپڑا ہے۔ اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھ ہیں۔ جو یہاں کے مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کا اصلی سبب ہے۔

شوران سے روانہ ہو کر ہم گاجان آئے۔ جو ۲۸ درجہ ۱۴ دقیقہ شمالاً۔ اور ۶۷ درجہ ۲۶ دقیقہ شرقاً شہر گنداوہ کے شمال مغرب میں قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

یہ وہی مقام ہے۔ جہاں زیدی کو جاتے ہوئے ۱۵ مارچ ۱۸۹۴ء کو میں پہلی مرتبہ فروکش ہوا تھا۔ اور یہاں کے باشندے مجھے اجنبی سمجھ کر جوق در جوق میرے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے ایک ملّا مٹھا بھی تھا۔ جو عربی فارسی۔ اردو اور جتکی زبانوں میں دسترس رکھنے کے علاوہ تشبیہ و استعارہ اور غزل گوئی و شعر خوانی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اور باوجود ادھیڑ عمر کا ہونے کے خوش گلو اور خوش آواز تھا۔ اور جلالی۔ جامی۔ نظامی اور سعدی کے کلام سے اس نے میرے وقت کے کچھ حصے کو دلچسپ بنا دیا تھا۔ خاتمہ پر میں نے ان الفاظ میں داد دی تھی۔ کہ وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی۔

شہر گاجان کو ڈھوری نالہ جو مغرب سے مشرق کی طرف گذرتا ہے۔ دو حصوں پر منقسم کرتا ہے۔ شمالی حصہ اپنے ساکنین کے نام پر گاجانیوں کا گاجان کہلاتا ہے۔ اور جنوبی لاشاریوں کا گاجان۔ علاقۂ گاجان کا حدود اربعہ اور طول و عرض بالترتیب یہ ہے۔ شمالاً علاقۂ سہران۔ جنوباً کوٹڑہ۔ شرقاً علاقہ گنداوہ۔ غرباً کوہستان۔ علاقہ شرقاً غرباً دس میل اور شمالاً جنوباً آٹھ میل ہے۔

قصبۂ گاجان سے تین میل شمال کی طرف پرانے شہر گاجان کے نشانات اب تک موجود ہیں۔ جہاں میر چاکر رند رگہرام خان لاشاری کے درمیان محض اس بناء پر کہ رامن خان پسر گہرام خان نے سمات بانڑی دختر میر چاکر کے شتوں میں سے ایک شتر بچہ کو گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ تیس سال تک لڑائی جاری رہی تھی۔ جو عرب کے ایام جاہلیت کی جنگوں کا ایک شغلہ کہی جا سکتی ہے۔ اسی قسم کے اسباب تھے۔ جو بلوچستان کی جنگی طاقت کو مختلف وقتوں میں کمزور کرتے چلے آئے۔

وہ علاقہ جس میں اب موجودہ شہر گاجان واقعہ ہے۔ ابتداء میں خان قلات کے متعلق تھا۔ لیکن بعد میں میر نصیر خان اول (خان قلات) نے میر زرک (موجودہ چیف آف جھالاوان کے جد اعلیٰ) کے قصاص کے معاوضہ میں اس کے وارثین کو بطور جاگیر عطا کر دیا۔ کیونکہ میر زرک اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جو خانِ قلات نے سندھ کے فرمانروا خاندان ٹالپور کے خلاف لڑی تھی۔ اب گاجان سردار محمد یوسف خان زرک زئی چیف آف جھالاوان (جس کی اتالیقی پر میں مامور ہوں) کی جاگیر میں داخل ہے؁

قصبہ سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر نمک کے قطعات ہیں۔ جہاں نونار ی نمک سازی کا کام کرتے ہیں۔ اور یہ سندھی نمک کہلاتا ہے۔

آب پاشی کے لئے پانی رود سکھلیجی سے لیا جاتا ہے۔ جو ½ ۲۴۲ شبانہ روز پر منقسم ہے۔ قصبہ کے تین میل شمال مشرق کی طرف دو پرانے ٹیلے ہیں۔ جو دلورائے ہندو فرمانروائے سندھ کے نام سے موسوم ہیں؁ اس کے وقت کے بنائے ہوئے قلعوں کے کھنڈرات اب تک سبی علاقہ تحصیل چھتیالی اور پشین علاقہ کوئٹہ میں بھی پائے جاتے ہیں؁

یہاں کی مشہور مزارات قاضی سماعیل۔ سندو شاہ اور شاہ مریہ ہیں۔ اور ایسی مزارات چونکہ بلوچستان کے ہر حصے میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے پایا جاتا ہے۔ کہ ایسے ہی نیک مردوں کے ذریعے سے اشاعت اسلام کے کام نے گذشتہ وقتوں میں بلوچستان میں تقویت پائی؁

گاجان سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جسے "گوہیلہ" کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اقوام رند اور لاشاری کی ابتدائی لڑائیوں میں سے پندرہویں صدی عیسوی کے دوران میں اس میں ایک لڑائی ہوئی تھی۔ مگر اب یہ جنگل برسات کے موسم میں اردگرد کے مواضعات کے مال مویشی کے لئے ایک وسیع چراگاہ کا کام دیتا ہے؁

(قاضی نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ))

عالمگیر اعظمؒ پر تہمت طرازیاں

افسر الشعرا ایم محمد بیگ جوہر منشی بل کالج "جنم بھوم" میں لکھتے ہیں

اورنگ زیب ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ وہ ان تمام خصائل و اوصاف سے بوجہ اتم بہرہ ور تھا۔ جو ایک خدا ترس اور نیک بادشاہ میں موجود ہونے چاہئیں۔ اس نے اپنی زندگی میں کئی فرمان اس مضمون کے جاری کئے۔ کہ ہندوؤں کو زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں پر فوقیت دی جائے۔ ان میں سے ایک فرمان بطور نمونہ کے اس مضمون میں درج کیا جاتا ہے۔ ایسے نیک اور صلح پسند بادشاہ کے خلاف یہ الزام کہ اس نے ویدوں کی تہذیب اور ہندو مندروں کو مٹانے اور برباد کرنے کی کوششیں کیں۔ بے انتہا قابل نفرت ہے۔ جو غیر ذمہ دار مورخین نے انتہائی بے دردی سے عاید کر دیا ہے۔ وہ اولاً یہ دعوے پیش کرتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب نہایت متعصب اور پرجوش مسلمان تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔ کہ اس نے سندو مندر ڈھائے۔ میں اپنے ان تمام بھائیوں سے با ادب درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے الزام کے ثبوت میں ایک واقعہ پیش کر دیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ وہ نہیں پیش کر سکیں گے۔

عالمگیر کی حمیت اسلام

میں بلا تامل اعتراف کرتا ہوں۔ کہ اورنگ زیب نہایت سچا، پرجوش اور باحمیت مسلمان تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ کہ ایک سچا، پرجوش اور باحمیت مسلمان کسی حالت میں بھی احکام قرانی سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور نہ حضور پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات سے سرتابی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ اورنگ زیب جو پکا سنی مسلمان تھا۔ اس نے کوئی کام خلاف احکام قرآن و حدیث نہیں کیا۔

احکام قرآن

اب سب سے پہلے مذکورہ بالا معاملات کے متعلق قرآن پر نظر ڈال لیجئے۔ یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ قرآن نے مذہبی آزادی کا اعلان کیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا ہے۔ کہ وہ اپنے مذہبی خیالات زبردستی دوسروں سے منوائیں۔ قرآن کے واضح احکام ہیں۔

(۱) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔

(۲) اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ

(۳) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔

اسوۂ خواجۂ دو جہان

آئیے اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ حضورؐ نے غیر مسلموں سے کیسا سلوک کیا۔ ایک دفعہ نجران کے عیسائی پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں اپنی مسجد میں اپنے طریق کی عبادت کی اجازت دے دی۔ لہٰذا متعصب دنیا کو معلوم ہو جانا چاہئے۔ کہ اس وقت عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام اور

حضرت مریم عذرا کی تصویروں اور بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب وہ کافی دیر کے بحث و مباحثہ کے بعد اپنی عیسائیت پر ثابت قدم واپس چلے گئے۔ تو حضورؐ نے اپنی مہر مبارک سے انہیں ایک فرمان دے دیا جس میں مرقوم تھا۔ کہ کوئی ان کے بتوں کو صلیبوں کو نہ توڑے۔ اور ان کے تمام حقوق کا احترام کیا جائے۔ کیا کوئی شخص اس قسم کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟ میں تمام متعصب اور تیرہ باطن اشخاص کو چیلنج کرتا ہوں۔ جو اقوات کو توڑنے مروڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔ کہ وہ ان حقائق کو دیکھیں۔

اسوہ صحابہ کرام

حضرت عمرؓ نے یروشلیم کے عیسائیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا۔ حضرت ابابکرؓ حضرت خالدؓ اور حضور سرور دوجہاںؐ کے دوسرے اصحابؓ نے مختلف مفتوح۔ غیر مسلم اقوام کے مختلف طرق عبادت کے متعلق رواداری سے کام لیا۔ بلکہ انہیں عام بازاروں میں اپنے بتوں کے جلوس نکالنے کی اجازت دے دی۔ دنیا کی کسی قوم نے مفتوح اقوام کے ساتھ آجتک ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے غیر مسلموں سے جو سلوک کیا وہ کم قابل ستائش نہ تھا۔

فرمان عالمگیری

موجودہ زمانہ کے نام نہاد مورخین جب یہ سنیں گے۔ کہ اورنگ زیب نے غیر مسلموں کے مقامات مقدسہ کی امداد و حفاظت کے لئے فراخ حوصلگی کے ساتھ جاگیریں عطا کی تھیں۔ تو وہ چونک اٹھیں گے۔ میں مثال کے طور پر ذیل میں ایک فرمان پیش کرتا ہوں:۔

محمد اورنگ زیب
شاہنشاہ غازی

محمد اورنگ زیب ابن صاحبقران ثانی

مہر

سب کو معلوم رہے۔ کہ مابدولت اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے ساتھ طبعی محبت والفت کی بنا پر اعلان کرتے ہیں۔ اور حکم دیتے ہیں۔ کہ مابدولت کی محبوب رعایا خواہ وہ اعلےٰ طبقے سے تعلق رکھتی ہو۔ یا ادنےٰ سے۔ اسلامی شریعت کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق و محبت سے رہے۔ اور امن میں زندگی بسر کرے۔ ہم حکم دیتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کے مندر اور عبادت گاہیں محفوظ رکھی جائیں۔ حال ہی میں مابدولت کے علم میں یہ بات آئی ہے۔ کہ بعض لوگ مابدولت کی بنارس کی ہندو رعایا کے ساتھ سختی اور تشدد کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ برہمنوں کو ان کے قدیم طریق عبادت سے روک دیں۔ مابدولت حکم دیتے ہیں۔ اور اس حکم کا ساری سلطنت میں عام اعلان ہو جانا چاہئیے۔ کہ اس کی تاریخ اجراء سے کوئی شخص کسی برہمن کی عبادت میں مخل نہ ہو۔ نہ ہندوؤں کے مندروں سے کوئی تعرض کیا جائے۔ مابدولت کی ہندو رعایا کے لئے امن و آسائش کا سامان مہیا ہونا چاہئیے تاکہ وہ ہماری ترقی اقبال کے لئے دعائیں مانگتی رہے۔

مملکت آصفیہ

آج بھی اعلیحضرت حضور نظام کی مملکت عالیہ کے محاصل کا ۱/۲ حصہ ہندو مندروں کے قیام و انتظام پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہندو ریاستوں کو دیکھئے۔ کہیں بھی کسی مسلم مسجد کے متعلق اس قسم کے سلوک کی مثال نہیں ملے گی۔ اسلامی تاریخ رواداری کی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

غیر مسلموں کے مسلموں پر ظلم

ہسپانیہ اور سسلی میں مسلمانوں کے ساتھ جو دردناک بدسلوکیاں کی گئیں۔ وہ سب کو معلوم ہیں۔ سالونیکا کی مثال تازہ اور حدیث العہد ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں۔ کہ سالونیکا کی مسلم اکثریت کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا مسلمان ہسپانیہ پر آٹھ سو سال حکمران رہے۔ وہ چاہتے۔ تو سارے ہسپانیہ کو مسلمان بنا لیتے۔ مگر آج ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی مساجد کے آثار بھی باقی نہیں چھوڑے گئے۔ ہندوستان کی مثال سامنے لائیے۔ یہاں مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی۔ مگر آج کیا حالت ہے۔ تینتیس کروڑ کی آبادی میں سے دو تہائی غیر مسلم ہیں رہین چوتھائی۔ (انقلاب)

مسلم فقہاء کی تصریحات

میں اگر بتاؤں۔ کہ مسلم فقہاء نے غیر مسلم کے قتل پر مسلمان کے لئے موت کی سزا رکھی ہے۔ تو شاید سب حیران ہو جائیں گے۔ ابن عابدین جو متاخر فقہا میں سے ہے۔ لکھتا ہے۔ کہ غیر مسلم کا قتل مسلم کے قتل کے مقابلے میں زیادہ برا ہے۔ کتب فقہ میں یہ بھی مرقوم ہے۔ کہ غیر مسلم کی دکان کی شراب کو بہانا موجب تعزیر ہوگا۔ اور غیر مسلم سرجانہ وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ غیر مسلم کی جائیداد محاصل سے بالکل محفوظ رہے۔ غیر مسلم کو ملک کی حفاظت کے لئے لڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ایک ٹیکس دے کر فوجی خدمت سے بچ سکتا ہے۔ اگر اسلامی حکومت میں دو لکھ پتی ہوں۔ ان میں سے ایک ہندو ہو۔ اور دوسرا مسلمان۔ تو مسلمان کو سالانہ پچیس ہزار پونڈ کی رقم ٹیکسوں میں دینی پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی جانداروں پر ۲ فیصدی ٹیکس دے گا۔ غیر مسلم لکھ پتی کو صرف ایک پونڈ جزیہ دینا پڑیگا۔ یہ تاریخ کے مسلم حقائق ہیں۔ جو اپنے شارح آپ ہیں۔ اور کوئی انہیں جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اورنگزیب یا اس کے جانشینوں میں سے کسی نے ہندو مندروں کو توڑنے اور منہدم کرنے پر توجہ نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا ایسا برتاؤ کیا ہے۔ جس کی مثال مہذب دنیا کی تاریخ پیش کر سکتی۔ (ماخوذ)

ہونے والا ہے!

ہشیار عزیزو کچھ دن ہیں وہ دور اب آنے والا ہے
دنیا میں اندھیرا توپوں کی بارود کا چھانے والا ہے

پھر خون کے چشمے ہستی کے سینے سے ابھرنے والے ہیں
آلات ہلاکت خیزی کے پھر دہر میں ڈھلنے والے ہیں

اس عہد زبوں کی قوموں میں الفت کے کہیں آثار نہیں
مل جل کے ترقی کرنے پر افسوس کوئی تیار نہیں

ہمسایوں کو اپنے روند کے اب ہر قوم ابھرنا چاہتی ہے
جینے کی ہوس میں لڑ بھڑ کر دنیا سے گذرنا چاہتی ہے

سینوں میں ضیا کا نام نہیں آنکھوں میں وفا کا نور نہیں
ٹکرائیں گی قومیں آپس میں وہ وقت کوئی اب دور نہیں

ایک تاریخی واقعہ

(از جناب میرزا ادیب صاحب اسلامیہ کالج لاہور)

ساحل دریا پہ "عالمگیر" اک دن تھا رواں
صبح کا تھا وقت اور خادم نہ تھا کوئی وہاں

چل رہی تھی ہر طرف موجِ صبا نکہت بدوش
باغِ ہستی بن گیا تھا رشکِ صد باغِ جناں

قلبِ غازی ہو گیا محوِ تجلیاتِ حسن
کھل گیا آنکھوں کے آگے بابِ اسرارِ نہاں

ایک ناداں نوجواں شمشیرِ خوں افشاں لئے
شاہ عالی جاہ پر ہے وار کرتا ناگہاں

زخم کھا کر اپنے بازو پر شہِ گردوں وقار
دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے دستِ نوجواں

اور پھر کہتا ہے یہ اے نوجوانِ ذی ہمم
ظلم میں نے کونسا تجھ پر کیا ہے کر بیاں

تا نہ محشر میں مجھے اس ظلم کے بدلے کہیں
انبیاء کے سامنے رسوا کرے ربِّ جہاں

جھک گیا سر نوجواں کا جب سنی اُس نے یہ بات
اور آثارِ ندامت ہو گئے رُخ پر عیاں

کانپ کر کہنے لگا وہ اُس سے شہِ شاہانِ ہند
فی الحقیقت تو ہے وجہِ رونقِ بزمِ جہاں

ظلم تیرا کچھ نہیں تیری خطا کوئی نہیں
جو خطا بھی کی ہے وہ میں نے ہی کی اے مہرباں

کشتنی ہوں میں ہوا ہے مجھ سے سرزد یہ قصور
جو سزا مرضی تیری ہووے مجھے تو بے گماں

لب پہ "عالمگیر" کے رقصاں تبسم ہو گیا
اور کہا کرتا ہوں میں تجھکو معاف اے نوجواں

یہ وہی ہے رحم پرور غازی اورنگ زیب
ظالم و سفاک کہتے ہیں جسے اہل جہاں

(۱)

امام ابوحنیفہؒ کے مکان کے قریب ایک رنگین مزاج موچی رہتا تھا۔ دن بھر مزدوری کیا کرتا۔ اور رات کو اپنے دوستوں کے ساتھ شراب خوری میں نشہ کے ترنگ میں عربی کا شعر گاتا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا۔ ایسے شخص کو کھویا۔ جو لڑائی اور رخنہ بندی کے روز کام آتا ہے"

امام صاحبؒ اکثر شب بیداری کی وجہ سے اس کی رنگین مزاجیاں دیکھتے اور سنتے تھے۔ ایک روز اس کی نغمہ سنجیوں کی آواز نہیں آئی تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ وہ کہاں گیا۔ معلوم ہوا۔ کہ کوتوال صاحب کے ہاتھوں "پا بدست دگرے دست بدست دگرے" ہو کر گرفتار ہو گئے ہیں۔ ایوانِ خلافت میں آپ نے اس کی سفارش کی۔ اور رہا کرایا۔ جب اُسے لیکر واپس آئے۔ تو راستہ میں اس سے فرمایا۔ کہ دیکھو ہم نے تم کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ جیسا کہ تم اپنے شعر میں کہا کرتے تھے۔

موچی نے کہا۔ فی الحقیقت آپ نے حق ہمسائیگی خوب ادا کیا ہے۔ امام صاحبؒ کے اس طرزِ عمل کا موچی کی طبیعت پر ایسا اثر پڑا۔ کہ وہ تائب ہو کر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوا:

(۲)

جنگ قادسیہ (ایران) کے سپہ سالار سعدؓ تھے۔ انہوں نے ایک مشہور بہادر اور شاعر ابو محجن ثقفی کو شراب نوشی کے جرم میں پا بزنجیر کر دیا تھا۔ وہ قید خانہ کے دریچہ سے جنگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اور جوشِ شجاعت سے بیتاب ہوتے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ ہو سکا۔ سعدؓ کی بیوی کے پاس گئے۔ اور کہا۔ برائے خدا مجھے اس وقت چھوڑ دو۔ اگر جنگ سے بچا رہا۔ تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ مگر انکاری جواب سنکر نہایت دردانگیز لہجہ میں عربی اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا:۔

"اس سے بڑھ کر اور کیا غم ہوگا۔ کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں۔ اور میں زنجیروں میں ہوں۔ جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر کھڑا ہونے نہیں دیتی۔ اور دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جائے"

ان اشعار سے متاثر ہو کر سعدؓ کی بیوی نے آکر آزاد کر دیا۔ وہ اصطبل میں جا کر سعدؓ کے خاص گھوڑے کو طیار کر کے میدان جنگ کو گئے۔ اور جس طرف حملہ کرتے تھے صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔ سب حیران تھے۔ کہ کون ہے۔ خود سپہ سالار حیران تھا۔

شام کو واپس آکر اس بہادر نے خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ واقعہ شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے فوراً اسکو آزاد کیا۔ اور کہا خدا کی قسم! جو شخص مسلمانوں کا اسقدر فدائی ہو۔ میں اسکو سزا نہیں دے سکتا۔ بہادر نے کہا۔ خدا کی قسم اب میں بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا:

تاریخ خلافت عباسیہ کا آخری ورق

مولانا نورالدین صاحب انور صدیقی ان دردمندان قوم میں سے ہیں جو قوم کو پھر عروج پر دیکھنے کے متمنی ہیں۔ علمی ذوق اور اصلاحی شوق میں آپ کو درجہ امتیاز حاصل ہے۔ القریش کی آپ پہلے پہلے بھی قلمی و درمی امداد کرتے رہے ہیں۔ اور اب پھر آپ نے توجہ فرمائی ہے۔ ذیل کی نظم جو قریشی غلام حسین صاحب قیس بریدوالہ کے توسل سے موصول ہوئی ہے آپ ہی کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے جو ہم اسے بشکریہ نذر ناظرین کرتے ہیں۔ جناب انور کی علم دوستی اور حمیت قومی سے توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی یہ تواتر جاری رکھ کر شکریہ و امتنان کا موجب ہوتے رہیں گے۔

ہوا خلیفۂ بغداد جبکہ مستعصم — شکوہ و شان میں رکھتا نہ تھا وہ اپنا نظیر
حریم کعبہ تھا ایوانِ سلطنت اس کا — مگر نہ پاتے تھے باراں کے ہاں صغیر و کبیر
لگا تھا صحنِ خلافت کے در پہ سنگِ سیاہ — جو حجرِ اسود ثانی تھا از رہِ توقیر
وہ خود تو لہو و لعب میں تھا رات دن مشغول — کفیل نظم و نسق ابن علقمی تھا وزیر
عناد دل میں وہ رکھتا تھا اپنے آقا سے — بظاہر اگرچہ خلیفہ سے تھا وہ شکر و شیر
گھٹایا طاقتِ فوجی کو دے کے یہ دھوکا — کہ یہ کثیر مصارف ہیں بے وجہ تبذیر
مغول میں سے جا بر سر ہلاکو خان — وہ ہر طرف سے ممالک کو کر رہا تھا تسخیر
وزیر پاتا تھا جو نقص سلطنت میں یہاں — سے مغول کو کرتا تھا خفیہ تحریر
ہمیشہ دیتا تھا اس کو خروج کی دعوت — ادھر رکھا تھا خلیفہ کو در دمِ تزویر
وہ آیا جانب بغداد لے کے فوج مغول — زبسکہ مور و ملخ کی طرح تھا جم غفیر
اور اس نے آتے ہی بغداد کر دیا برباد — نہ کی تھی قتل میں غارت میں ایک دم تاخیر
خلیفہ آیا جو مدہوش ہو کے اس کے حضور — بٹھایا گوشۂ زنداں میں اس کو کر کے اسیر
ستم کا ہاتھ بڑھا یا بقتلِ مستعصم — مٹا یا شانِ خلافت بضربتِ شمشیر
تب اپنے دل میں پکا تا تھا علقمی یہ خیال — کہ اب ملے گا مجھے سلطنت کا تاج و سریر
مگر کیا یہ ہلاکو نے بے وفا سے بہت — نہیں ہماری نگاہوں میں اس کی کچھ توقیر
یہ منصب اس نے دیا ایک اور ادنےٰ کو — ذلیل و خوار ہوا ابن علقمی بے پیر
ہر اک طرف سے ہوئی لعن و طعن کی بوچھاڑ — کوئی رہا نہ معاون کوئی رہا نہ نصیر

نشست بے سر و پا یا نہ خود بہ قعرِ حضیض
ہنوز ہست چو قطرۂ خونِ ملک گریباں گیر

نورالدین انور صدیقی

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

دہلوی "دین و دنیا" کی زاہد فریبیاں

خواجہ بکڈپو دہلی کے حجرہ اور "دین و دنیا" کے مکتب میں محمد انور ہاشمی " کلام الٰہی کے اسرار" کی آڑ میں درس حق کوشی کا فرض بوجہ احسن انجام دے رہے ہیں۔ "مدنی فلسفی کا فلسفہ" اور "عارفانہ سرمستیوں" کی اوٹ میں "حق العباد" کا جس بیدردی و بیرحمی کے ساتھ خون کیا جاتا ہے۔ اسے ٹھیک طور پر کچھ وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جنہیں حضرت مولانا محمد انور صاحب کی رندانہ اور زاہد فریب چالوں سے سابقہ پڑا ہو۔

آپ "معارس کے میکدہ" میں بے حال و سرشار ہوکر "گلستاں کے پھولوں" کی ایک ایک پتی نوچ لیتے ہیں۔ اور جلب زر کے لئے "دین و دنیا" کی خاک دہول اڑانے میں باک نہیں رکھتے۔ اور "علم و عمل" میں چوں بخلوت میروند ...... کے صحیح مصداق ہیں۔ آہ!

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ

چیست دنیا از خدا غافل بدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن عمل صریحاً برعکس ہے حرص و آز میں نہ خوفِ خدا نہ شرم رسولؐ۔ نہ قرآن کی پرواہ نہ شریعت کا ڈر۔ نہ عہد کا پاس نہ زبان کا لحاظ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

محمد انور صاحب دہوکہ، فریب اور سراب و دغا سے "حق العباد" کا کس طرح خون کرتے ہیں۔ اور دوسروں کا حق شیر مادر سمجھ کر کیونکر ہضم کرتے ہیں۔ اس کا جواب منیجر "مسلم راجپوت" امرتسر کی زبانی سنئے۔ آپ اپنے اخبار مطبوعہ ۲۲ جون سنہ ۳۱ء میں لکھتے ہیں

منیجر "دین و دنیا" کا دین و ایمان

محمد انور صاحب کی حق پوشی

"جناب مولوی محمد انور کچھ مدت تک میرٹھ کے لال کرتی بازار کو اپنے انوار حق سے منور فرمانے کے بعد دہلی کے "دین و دنیا" کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں۔

آپ تمام بنی نوع انسان کو "دین و دنیا" کا درس دے رہے ہیں۔ لیکن خود ایسے افعال کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کو نہ دین پسند کرتا ہے۔ اور نہ دنیا پسند کرتی ہے۔

آپ اپنی دکان چمکانے کے لئے جن طریقوں سے کام لیتے ہیں۔ ان کے متعلق ان کو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ ان کا ایمان رہتا ہے یا جاتا ہے؟

آپ اپنے معاصرین کو نہایت زاہد فریب انداز میں خط لکھتے ہیں۔ اور جب معاصرین ان کے چکنے چپڑے الفاظ میں آکر ان کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ تو آپ اپنی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں؟

۱۹۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آپ نے "منیجر مسلم راجپوت" کو خط لکھا۔ کہ ایک مذہبی کتاب (ملاحظہ ہو آپ کا ہمدردی حاصل کرنے کا ڈھنگ) کا دو دفعہ اشتہار چھپوانا ہے۔ معاصرانہ اجرت لکھیں۔ اور اشتہار چھپنے کے ۱۵ روز بعد اجرت وصول کر لیں۔

جواب میں غایت درجہ کی رعایتی اجرت لکھی گئی۔ لیکن ساتھ ہی عرض کیا گیا۔ کہ اجرت اصولاً پیشگی وصول کی جاتی ہے۔ اور اشتہار کے ساتھ اس کا آنا بھی ضروری ہے۔

آپ ۲۹ دسمبر کو جواباً تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اپنے نیازمندوں کے لئے اگر اصول و قواعد کو توڑ دیا جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں۔ نیازمند ہونے کے علاوہ معاصرانہ حق بھی رکھتا ہوں۔

جناب "نیازمند" اور "معاصر" کے ارشاد کی تعمیل میں دو دفعہ اشتہار (پورے ایک ایک صفحہ کا) شائع کر دیا گیا اور حسب قرارداد پندرہ روز بعد بل روانہ کیا گیا۔

آج اس بات کو تقریباً چھ مہینے ہونے کو آئے ہیں۔ اس اثنا میں متعدد مرتبہ یاددہانی کرائی گئی۔ پیار سے بھی لکھا گیا۔ "نیازمندانہ" اور "معاصرانہ" تعلقات کی یاد بھی دلائی گئی۔ خدا کا واسطہ بھی دیا گیا۔ دھمکیاں بھی دی گئیں۔ مگر حضرت محمد انوار گونگے کا گڑ کھا کے بیٹھ گئے۔ اور ایسی چپ سادھی۔ کہ گویا منہ میں زبان ہی نہیں ہے؟

معلوم ہوا۔ کہ ان کا اصول یہی ہے۔ کہ منت سماجت سے اجرت میں تخفیف کرا کر تا کہ کوئی سمجھے۔ کہ آپ کا فی الواقع اجرت ادا کرنیکا ارادہ ہے۔ اشتہار چھپوائے۔ اور اجرت ہضم کر لی؟

ایسی حالت میں ہم ان کی خدمت میں سوائے اس کے کہ اور کیا عرض کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت ہم نے آپ کی خاطر اپنے اصول کو توڑا۔ کہ اجرت پیشگی نہیں لی۔ اب آپ اپنے اصول کو توڑ کر اشتہار کی اجرت روانہ فرما دیں۔ کہ "اپنے نیازمندوں کے لئے اگر اصول و قواعد کو توڑ دیا جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں۔ نیازمند ہونے کے علاوہ معاصرانہ حق بھی رکھتا ہوں"؟

ہم جانتے ہیں۔ کہ آپ اپنے اصول پر سختی سے قائم ہیں۔ اور عدالت تک نوبت پہونچنے کے باوجود آپ روپیہ ادا نہیں کیا کرتے۔ لیکن مناسب یہ ہے۔ کہ آپ اپنے ان نیازمندوں کے لئے ضرور اپنے اصول کو توڑ دیں۔ اور روپے سیدھے ہاتھوں سے روانہ کردیں؟

سنا ہے۔ کہ جناب محمد انوار صاحب کو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے مریدی کی نسبت حاصل ہے۔ اگر یہ نسبت ہنوز قائم ہے۔ تو کیا فرماتے ہیں حضرت والا کہ کیا ان کی تعلیم و تلقین کا یہی اثر ہونا چاہیئے۔ کہ کوڑیوں کی طرح مکاریوں سے اشتہار چھپوا لیا جائے۔ اور اجرت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر لیا جائے۔ کیا "دین و دنیا" اسی قسم کا ہے۔ اور ان کے ضابطہ اخلاق و کاروبار کا یہی اصول ہے؟ (منیجر)

دسمبر ہی میں اسی قسم کا نامہ فریب خط ہمیں بھی آپ کی طرف سے موصول ہوا۔ پیشگی اجرت طلب کرنے پر جب منت و سماجت اور لجاجت و انکساری کا اظہار ہوا۔ تو ہم بھی دہوکہ میں آ گئے۔ اور جنوری کی اشاعت میں آپ کے پورے دو صفحے کا اشتہار شائع کردیا گیا۔ زر اجرت وصول کرنے کے لئے بل بھجوانے کے بعد یاد دہانی پر دو چار آنوں کا اور خون کردیا گیا۔ اور وہ سب کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ جو ہمارے امکان میں تھیں۔ لیکن "دین و دنیا" کے ٹھیکیدار محمد انوار صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اور آج تک بے حس و حرکت ہیں۔ چونکہ یہ پہلا واقعہ نہ تھا۔ دو ایک دفعہ پیشتر بھی آپ اسی قسم کی چالیں چل چکے تھے۔ اور ہماری درگذر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم نے آپ کے طلسم سراب کو توڑنے کے لئے عدالت مطالبہ خفیفہ میں دعوے دائر کردیا ہے۔ لیکن آپ ہیں کہ تعمیل نہیں کرتے۔ قانونی مشیر کا مشورہ ہے۔ کہ چونکہ یہ صریح دہوکہ ہے۔ اس لئے فوجداری مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اگر آپ اپنی دل آزار روش ترک اور ذمگی رقم ادا نہیں کریں گے۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس کے لئے بھی ہم تیار ہو جائیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کیا اسی برتے پر "کلام الٰہی کے اسرار" بیان فرمائے جاتے اور یہی علم و عمل ہے؟

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملّا
کار طفلاں تمام خواہد شد

حکومت کشمیر اور مسلمان

مسلمانان کشمیر طرح طرح کے مصائب میں گرفتار رہیں حکومت کشمیر انتہائی سختی پر تلی ہوئی ہے۔ "انقلاب" مطبوعہ ۱۶۔ اگست مظہر ہے۔ کہ ۱۴۔ اگست کی رات کو جموں کے مسلمانوں پر [illegible] مسلمان نیزوں سے چھید ڈالے۔ ایک معصوم بچہ شہید ہوا۔ اور ۱۲ سخت مجروح ہوئے۔ دفعہ ۱۴۴ کا [illegible] کم دلخراش نہ تھے۔ اب ان پر اور جبر کا دیا جا رہا ہے۔ جس سے دنیائے اسلام سخت ہیجان اور اضطراب میں [illegible] حکومت انگریزی کا فرض ہے۔ کہ حالات کو روبہ اصلاح لانے کے لئے معاملہ کو ہاتھ میں لے۔

رازِ حیات

ریختۂ قلم جواہر رقم جناب سید ظفر ہاشمی صاحب

مٹا کر ہستیٔ موہوم اطمینان پیدا کر
جو لازم ہے مسافر کو وہی سامان پیدا کر

بہت بستے ہیں یوں تو نام کے انسان دنیا میں
وہ شیوۂ قوم محترم جس سے ہو انسان پیدا کر

تری امید کی دنیا مٹا دینے کے قابل ہے
بروزِ حشر جو نکلے وہی ارمان پیدا کر

نفس کے ساز پر لازم ہے مضرابِ فنا غافل
صدائے تارِ "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ" پیدا کر

ہے کیا جو صورتِ پروانہ جلنے کی تمنا ہے
سمندر میں تمناؤں کے اک طوفان پیدا کر

مزہ آئیگا کیا جبتک نہ اس کی یاد تازہ ہو
تو ہر ہر آہ سے اک آیتِ قرآن پیدا کر

جھلک معبود کی ہو عبد سے ظاہر عجب کیا ہے
نمایاں ہو خدا کی شان ایسی شان پیدا کر

یہ لاعلمی، یہ گمراہی بتا آخر ظفر کب تک
اگر دل ہے ترے سینے میں تو ایمان پیدا کر

بصائر و عبر

داستانِ ناصر

ناصر خلق و تحمل اور اپنے تجربہ و مشاہدہ کی وجہ سے اپنے دوستوں اور ہم جلیسوں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی پُر از معلومات گفتگو نہایت دلچسپی سے سنی جاتی۔ اور احباب کا ہمیشہ یہی تقاضا رہتا۔ کہ وہ اپنے عینی مشاہدہ کے تذکروں سے انہیں محظوظ کرتا رہے:

ایک دن دوستوں کے تقاضے پر ناصر اس تمہید کے بعد کہ "مہدی کرب زبیدی" نے دربار فاروقی میں بیان کیا۔ کہ اپنی عمر میں تین شخص میں نے عجیب دیکھے ہیں:۔

(۱) بُزدل

(۲) مکّار ، اور

(۳) شجاع

اول الذکر یعنے بُزدل کی کمزوری کی انتہا یہ تھی۔ کہ ایک روز جبکہ میں باد رفتار گھوڑے پر ہتھیار لگائے جا رہا تھا لعد اسے سر راہ بیٹھا پاکر چلایا۔ کہ خبردار! تمہارا قاتل آ پہنچا۔ تو اس نے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا۔ کہ "مہدی کرب زبیدی" یہ سنتے ہی وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ جب دیر تک جنبش نہ کی۔ اور میں نے گھوڑے سے اتر کر دیکھا۔ تو مُردہ تھا۔ اس سے زیادہ بزدل آجتک میں نے نہیں دیکھا:

ثانی الذکر یعنے مکار کی مکاری کا یہ عالم۔ کہ اسی طرح جب ایک مرتبہ میں نے پھر ایک شخص کو للکارا۔ اور اس کے سوال پر بتلایا۔ کہ "مہدی کرب زبیدی" تو بولا کہ تم سوار میں پیادہ۔ شانِ بہادری کے خلاف ہے۔ کہ سوار ایک پیادہ پر حملہ کرے۔ مجھ سے عہد کرو۔ کہ جبتک گھوڑے پر سوار نہ ہولوں۔ تم مجھ پر حملہ نہ کروگے۔ میں نے عہد کیا۔ تو وہ وہیں بیٹھا رہا۔ میں نے پوچھا۔ کہ یہ کیا؟ تو اس نے کہا۔ کہ نہ میں گھوڑے پر سوار ہونگا۔ اور نہ تم مجھ پر حملہ کروگے۔ میں حیران ہو کر چلا گیا۔ اس سے زیادہ میں نے مکار نہیں دیکھا۔

ثالث الذکر یعنے شجاع۔ اس کی بہادری و دلیری کی یہ کیفیت کہ مجھ ایسے مشہور اور یگانہ شجاع و بہادر کی تین دفعہ اس نے جان بخشی کی۔ اور اس قدر دلیر کہ چار جوان ہرت اور شیر دل رہزنوں کے قبضے سے تن تنہا اپنی معشوقہ لے اڑا۔ اور پروا تک نہیں کی۔ اس کی شجاعت و مردانگی کے نقش آج تک میرے دل پر ثبت ہیں اور کبھی نہ مٹیں گے۔" یوں گویا ہوا۔ کہ اسی طرح کچھ واقعات میری نظر سے بھی گذرے ہیں۔ جو حقیقت میں نگاہوں اور دُور رس دماغوں کے لئے درس عبرت کا موجب ہوسکتے ہیں۔ دنیا جہان بھر کی مختلف ممالک کی سیر کی۔ بوقلموں واقعات سے دوچار ہوا۔ انسانی طبائع کی مطالعہ کی۔ لیکن ان کا ثانی

نہ پایا؟

دنیا درس گاہ عبرت و بصیرت ہے۔ عالم وجود میں آنے سے گوشۂ لحد میں سونے تک کی مہلت انسان کے سیکھنے اور سبق لینے میں گذر جاتی ہے۔ مگر ہنوز روز اول کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ دنیا میں بسنے والے دنیا کے حالات سے واقف نہ ہوئے اور نہ ہونگے؟ "میں نے کیا دیکھا"۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ میں نے سب کچھ دیکھا۔ اور دنیا کے تمام ہنوز ہائے سربستہ سے آگاہی حاصل کی۔ لیکن میرا یہ دعوےٰ غلط اور سرتاسر غلط ہے۔ دنیا ایک تھیٹر ایک تماشا گاہ ہے۔ جہاں مختلف ایکٹر آتے۔ اور اپنا اپنا کھیل کھیل کر چلے جاتے ہیں۔ پر عبور انسانی قوت وطاقت کی بابت نہیں۔ رنگا رنگی پھول اور ان کی بو باس انسانی دماغ برداشت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان پر وضاحت کے ساتھ کوئی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم میری داستان اس قابل نہیں۔ کہ اسے سنکر فراموش کر دیا جائے۔ اور کوئی سبق نہ لیا جائے۔ زمانہ رنگ بدلنے کا عادی ہے۔ حوادث مختلف النوع کوئی مستقل معیار قائم نہیں رہنے دیتے۔ اس لئے ان واقعات اور نظائر میں سمجھنے اور غور کرنے والوں کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ سنو!

(۱)

لب جوہریوے اسٹیشن کے قریب ایک پرانی بستی ہے۔ جہاں کھنڈرات کا ایک عبرت انگیز منظر زبان حال سے انقلاب دنیا اور بے ثباتی عالم کا سبق دے رہا ہے۔ اور ایک وسیع پُرفضا میدان عروس رعنا کی طرح سبزۂ تازہ سے آراستہ پُرکیف نظارہ پیش کر رہا ہے۔ مندر و تالاب کے وسطی صحن میں ایک ریش دراز بگلے بھگت محراب دار پیشانی بزرگ آسن جمائے شاگردان رشید کے حلقہ میں درس دے رہے ہیں۔ "اخلاق و اعمال" کے ضمن میں "اخلاق جلالی" کے مصنف اور پند و نصائح میں مولانا سعدیؒ کے استاد بنے بیٹھے ہیں۔ تسبیح کا بے پناہ طویل سلسلہ لامتناہی ہے۔ اور دانے پر دانہ ڈالنے کا تواتر ختم نہیں ہوتا۔ آیات اور ان کا محل نزول و وقوع اس انداز سے بیان فرماتے ہیں۔ کہ گویا قرآن کے حامل ہیں۔ سامنے اخبار و رسائل اور کتب و خطب کا ایک ڈھیر ہے۔ جو آپ کے علمی شغف کا شاہد واحد ہے۔ وعظ و تلقین میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور لسانیت میں زبان بے لگام قینچی سے تیز ہے۔ پیری و مریدی کا شغل بھی رکھتے ہیں۔ اور تعویذ گنڈا سے اقل دلال پیدا کرنے میں اس قدر مصروف و مشغوف رہتے ہیں۔ کہ اپنے اعمال و افعال پر نظر ڈالنے اور اپنے اطوار و کردار کا جائزہ لینے کی کبھی مہلت نہیں ملی؟

لوگوں کی چہ میگوئیاں اور عامۃ الناس کی سرگوشیاں اگرچہ آپ کی اصلیت کو بے نقاب کر چکی تھیں۔ آپ مسجد سے نکال دیئے گئے تھے۔ زُہد فریبی کا پردہ فاش ہو چکا تھا۔ تاہم مزید لوٹ کے لئے میں آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہو گیا ایک دن آپ کے ہاں کچھ مہمان آ گئے۔ اندرون خانہ آپ تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع دی گئی۔ تو کہلا بھیجا۔ کہ حضرت تشریف نہیں رکھتے۔ آنے والے آپ کی عادت سے واقف تھے۔ ڈٹ گئے۔ اور آواز دی۔ پر حضرت اصول کے پکے تھے۔ نہ آئے۔ نو وارد المعذور مجبوراً واپس لوٹے۔ تو حضرت نے سر بام کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ کیوں صاحب کوئی کام تھا؟

اس پر انھوں نے آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے ۔

کسی نے بچوں میں دھیلے تقسیم کئے۔ پیر حیدہ جو کے منہ میں حرص و آز کا پانی بھر آیا۔ دانہ ہائے بریاں کے لالچ میں آپ نے بچوں سے دھیلے چھین لئے۔ اور پھر دانہ دانہ کرکے دانے بھی خود ہی کھا گئے۔

ڈاک اور ریل والوں کو آپ کی کمائی سے کبھی کچی کوڑی تک نہ ملی۔ فقیروں۔ سائلوں اور گداگروں کو آپ کی درگاہ سے ہمیشہ نامراد لوٹنا پڑا۔ رشتہ دار اور پڑوسیوں کو آپ کے گھر کا پانی تک نصیب نہ ہوا۔

ایک روز آپ کے والد محترم کو جو آپ کو عصائے پیری خیال کرتے ہیں۔ غلطی پر تھے۔ روکھی اور سوکھی روٹی کی شکایت ہوئی۔ تو سر محفل صلواتیں نذر کی گئیں۔ والدہ کی شکل دیکھنے کے کبھی روادار نہ ہوئے۔ یکطرفہ فتووں کے عادی اور بہتان طرازی کی حمایت کے خوگر۔ تازہ خبریں اور اچھوتے مضامین پڑھتے ہیں۔ اخبار و رسائل جاری کرانے کی لت ہے۔ اصرار بسیار اور تقاضہ بر تقاضہ کے باوجود قیمت میں کبھی حبہ تک ادا نہیں کیا۔

دنیا میں لاکھ بخیل ہونگے۔ لیکن اس و یسا حریص و بخیل میری نظر سے نہیں گذرا۔

یہ درازئ ریش، یہ موئے جاوک اور محراب دار پیشانی، یہ تسبیح اور یہ وعظ و پند، یہ جبّہ و قبّہ یہ شرافت و نجابت اور یہ عمل و اخلاق! ؎

اجل بنگھہ ادھین گت ایک چرن دو دھیان
میں جانوں کوئی سادھو ہے نری کپٹ کی کھان

(باقی آئندہ)

دولت آصفیہ

حیدرآباد دکن کا میزانیہ

آجکل کی کساد بازاری کے زمانے میں دنیا بھر کی حکومتوں کو اپنے میزانیوں میں خسارہ ہو رہا ہے۔ لیکن اعلیحضرت شہریار دکن کے حسن انتظام اور آپ کے وزیر مال نواب حیدر نواز جنگ بہادر سر اکبر حیدری کی عدیم المثال قابلیت کا کرشمہ دیکھئے۔ کہ سال ختتمہ اکتوبر ۱۹۳۲ء کا جو میزانیہ حال ہی میں نواب ممدوح نے مرتب فرمایا ہے۔ اس میں کافی توفیر دکھائی گئی ہے۔ حالانکہ موجودہ ناگفتہ بہ اقتصادی بدحالی کے باعث مداخلت میں تخفیف اور مخارج میں اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ سر اکبر حیدری نے مالیات کا جائزہ لیتے ہی ایک نیا لائحہ عمل نافذ کیا تھا جس میں مالی ذمہ داری تمام محکموں پر منفرداً ڈال دی تھی۔ اس لائحہ عمل پر گذشتہ نو سال سے عمل ہو رہا ہے اور یہ طریقہ بیحد کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ گذشتہ نو سال کی مدت میں مصارف صیغہ تعلیمات ۶۵ لاکھ سے بڑھ کر ۸۰ لاکھ طبی امداد کے مخارج ۱۹ لاکھ سے ۲۵ لاکھ۔ زراعت کا خرچ ایک لاکھ ۷۰ ہزار سے بڑھکر ۸ لاکھ ۹۰ ہزار اور سڑکوں اور عمارتوں کے مصارف ۵۰ لاکھ ۵۵ ہزار سے ۵۰ لاکھ ۷۰ ہزار تک بڑھ گئے ہیں۔ دوسری حکومتوں کے مختلف صیغے تو ہمیشہ عطایائے میزانیہ کو ناکافی قرار دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اعلیحضرت کی مملکت میں یہ صورت نہیں۔ بلکہ سال کے آخر میں سب صیغوں کو کچھ نہ کچھ بچت رہتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ عطایا کی منظوری میں انتہائی فیاضی و دریا دلی سے کام لیا جاتا ہے۔

ریاست کی خوشحالی کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ کہ ریاست کے اندر کے مال پر حیدرآباد میں محصول چنگی اڑا دیا گیا ہے۔ انکم ٹیکس کا ریاست میں کوئی نام تک نہیں جانتا۔ جنگلات اور کسٹم کے مواجب بھی کم کر دیئے گئے ہیں۔ مالیہ اراضی کے بقایا کی رقم ۱۴۰ لاکھ کے قریب تھی جس میں سے پچیس فیصدی کا وصول ہو جانا یقینی تھا لیکن وہ بقایا رقم وصول نہیں کی گئی۔ تقاوی کے بقایا بھی معرض التوا میں ڈال دیئے گئے۔ اور اس کے علاوہ مملکت کے کسانوں سے متعدد رعائتیں کی گئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مصارف بوجہ احسن پورے ہو رہے ہیں۔ بلکہ توفیر بھی ہو رہی ہے۔

میزانیہ میں ایک قابل تحسین بات یہ ہے۔ کہ بعض مصارف کے لئے جن کی ضروریات کئی کئی سال کے بعد داعی ہوتی ہے۔ مثلاً امداد قحط زدگاں یا ادائے قرضہ وغیرہ "محفوظات مخصوصہ" کا نظام قائم کر دیا گیا ہے۔ نظام گارنٹیڈ سٹیٹ ریلوے کے ٹھیکہ کی میعاد چار سال بعد ختم ہونیوالی تھی لیکن سر اکبر حیدری نے اپنی قابلیت کی وجہ سے اسکو ۱۴ سال پہلے ہی خرید لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ریاست کے مداخل میں قابل قدر اضافہ ہو گیا۔

غرض یہ امر سارے اسلامی ہند کے لئے مایہ ناز ہے۔ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ایک بیدار مغز مسلمان حکمران کے زیر سایہ ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ اور عالمگیر اقتصادی مصیبت کے زمانہ میں بھی اپنے تمام مخارج کو بوجہ احسن پورا کر کے توفیر دکھا رہی ہے اس زمانے میں کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور خود حکومت ہند کو قلت مداخل کی وجہ سے ہر طرف تخفیف کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے۔ کسی حکومت کا حیدرآباد دکن کی طرح خوشحال ہونا اس کے بلند اقبال حکمران اور قابل وزراء کی بےنظیر قابلیت کا مظہر ہے۔ ہم اس میزانیہ کے لئے سر اکبر حیدری کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

کتبخانۂ القریش کی بےنظیر کتابیں

مامون اعظم — یعنی خلیفہ مامون الرشید اعظم عباسی سوانح عمری
مولانا امام الدین صاحب رام نگری۔ قیمت ۸/

رباعیات حافظ — حضرت خواجہ شمس الدین صاحب شیرازی کی رباعیات
معہ ترجمہ و شرح اور سوانحعمری۔ قیمت ۸/

الحریت فی الاسلام — اسلامی حریت و مساوات و جمہوریت
اور دیگر اہم مسائل پر زبردست بحث
مولانا ابوالکلام آزاد کی معرکۃ الآرا تصنیف۔ قیمت ۱۲/

دعوت عمل — نہایت ضروری اور قابل قدر رسالہ مصنفہ
مولانا آزاد۔ قیمت ۸/

خطابہ اقبال — مولوی سید شوکت حسین صاحب شوکت علیگ
سابق مدیر معاون روزنامہ "سیاست" لاہور کا
دلپذیر فارسی کلام جس میں علامہ اقبال کے فلسفہ اشک ریزی پر
نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے عجیب لطیف کتاب ہے قیمت ا/

حقیقۃ السیادۃ — اس میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قریش کا خاندانی
لقب سید ہے۔ اور اس میں سے سادات
بنی ہاشم کا لقب سید و شریف ہے۔ جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے
لقب سے ملقب کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے ضروری
ہے کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سید ضرور رکھیں۔ کتاب
قابل دید اور فتوے کی حیثیت رکھتی ہے۔ قیمت ۳/

حقیقۃ السیادۃ الہاشمیہ — ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول
جواب سادات بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت
اور یہ کہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں
اور شریف و سید کے لقب سے آنحضرتؐ کے زمانہ سے اب تک
ملقب رہے ہیں۔ قیمت صرف ۴/

سیرۃ العباس — حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم
حضرت ابو الفضل عباس بن عبد المطلب ہاشمی
کی زندگی کے حالات عربی کی معتبر کتابوں کا انتخاب بزبان
اردو۔ قیمت ایک روپیہ ۴/

مدار اعظم — حضرت سیدنا بدرالدین صاحب کے مفصل حالات آپ کے
اخص خلفاء کے اور خاندان چشتیہ و قلندریہ و نقشبندیہ
کے ان بزرگوں کے حالات جن کی نسبت مداریہ حاصل ہے قیمت ا/

پیام امن — یہ لاجواب کتاب انگریزی فرانسیسی جرمنی
ہندوستانی اور چینی صدہا کتابوں کا انتخاب
ہے۔ قرآن کریم کے متعلق علمائے مغرب کے خیالات کیا ہیں۔ کتاب
پاک کی نسبت دنیا کا اعلیٰ دماغ کیا رائے رکھتا ہے۔ دنیا
کی کس کس زبان میں کلام پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ ترجمے
کب اور کہاں کہاں سے شائع ہوئے۔ قرآن کریم کی مخالفت دنیا
میں کن کن ذرائع سے اور کیونکر پھیلیں۔ ان سوالات کا صحیح اور
تحقیقی جواب صرف پیام امن ہی کے اوراق دے سکتے ہیں
ان میں ستر کے قریب دنیا کے نامور مورخوں مصنفوں اور
نامور لوگوں نے قرآن کریم کی عظمت و صداقت کی زبردست
شہادت دی ہے۔ اس کتاب کا دنیا کی مختلف چند زبانوں
میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ عہ
ناظرین القریش سے صرف بارہ آنہ (۱۲/)

Regd. L. 1474 — القریش امرتسر — رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۷۴

تاریخ المشاہیر

جس میں ۱۸ - آئمہ و علماء ۵ - مشائخ و اصفیا - ۷ ملوک و وزراء - ۴ قاضی القضاۃ اور ۴ شعراء و ادباء کے سبق آموز اور ترقی و کامیابی پر آمادہ کرنے والے حالات زندگی دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں - صفحات سوا دو سو کلاں - قیمت ——— مجلد دو روپیہ (عہ) بلا جلد (عہ)

قاضی محمد سلیمان صاحب علامہ منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین کی تازہ ترین تصنیف جو بہترین تصنیفات میں جگہ پانے کے قابل ہے - تمام ان لوگوں کو جو ذاتی اور قومی ترقی کے خواہاں ہیں - اس نادر و بینظیر تصنیف کا مطالعہ کرنا چاہئے - کتابت طباعت دیدہ زیب سرورق رنگین ؏

تین خاص نمبر

"القریش" کے مندرجہ ذیل تین خاص نمبر بیحد دلچسپ اور قابل دید ہیں

نبی نمبر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی منظوم و منثور واقعات نہایت دلکش پیرایہ میں تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں ؏

صدیق نمبر حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری منظوم و منثور دلآویز پیرایہ میں بے حد دلچسپ اور بہترین دل و دماغ کا نتیجہ قابل قدر چیز ہے ؏

نظام نمبر دولت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور دکن کے موجودہ فرمانروا کے فضائل شہریاری کا مبسوط تذکرہ دولت آصفیہ اور سرکار انگریزی کے تعلقات دوستی کی ابتدا حملہ کرناٹک یعنی ۱۷۶۵ء سے اس وقت تک کے جستہ جستہ حالات ؏

ہر سہ نمبروں کی مجموعی قیمت ——— ایک روپیہ (عہ)

دیگر متفرقہ کمال معرفت ۴ر - ہندو شعراء کا نعتیہ کلام ۶ر خطبات عزیزی ۴ر - اخلاقی کہانیاں ۳ر حیاۃ النبی ۶ر - ۴ر علم غیب ۶ر - ولی کی پہچان ۲ر - راز معرفت ۴ر - تاریخ تبلیغ الاسلام (عہ) - ... الدارین ۵ر - کلام صدر ۶ر - پھول اور کانٹے ار - والدین کا اثر اولاد پر ۴ر - عورت کے سو کام ۴ر

مہتمم کتب خانہ متعلقہ "القریش" شریف پورہ امرتسر

وزیر ہند پریس امرتسر میں محمد علی رونق پرنٹر پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھاپکر شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قولہ تعالیٰ

إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

تمہیں پیدا کیا گیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور قبیلے اور کنبے بنائے گئے کہ تم پہچانے جاؤ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے

سادات قریش کا قومی آرگن

القریش

امرتسر

جو

فرمان عالی نشان سلطان العلوم ہز اگزالٹیڈ ہائینس اعلیحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہ مدارس محروسہ کے نام جاری ہے

قیمت سالانہ :-
تین روپیہ ([illegible])

ایڈیٹر :-
محمد علی رونق صدیقی

تاریخ اشاعة
ہر انگریزی مہینہ کی سترہ مقرر ہے

"القریش" کی مدد آپ کن طریقوں سے کر سکتے ہیں؟

جو حضرات "القریش" کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اس کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ہم ان کے سامنے وہ وسائل و ذرائع پیش کرتے جن سے زندہ اور متمدن قومیں اپنے قومی اخبارات و رسائل کی امداد و اعانت کرتی ہیں:

۱۔ رسالہ خود خرید کرے۔

۲۔ برادری میں پرچوں کو تقسیم کرا کرے۔

۳۔ غیر مستطیع اصحاب کے نام رسالہ جاری کرا کرے۔

۴۔ قوم کے مشہور و معروف اور ذی علم مضمون نگاروں کو "القریش" کے لئے مضامین لکھنے پر آمادہ کرکے۔

۵۔ انگریزی، عربی اور فارسی کی ایسی کتابیں رسالہ کے لئے مہیا کرکے جن کے تراجم کی اشاعت فی زمانا مسلمانوں کے دینی و دنیاوی نقطۂ نظر سے کچھ مفید ہو۔

۶۔ رسالہ کی صوری و معنوی نقائص کی اصلاح کے متعلق قیمتی مشورہ دے کر۔

۷۔ قوم کے معززین اور علم دوست حضرات کے مکمل پتے بھجوا کر۔

۸۔ تذکرۂ برادری سے متعلق مضامین اور خبریں بھجوا کر۔

۔ اعزا و احباب اور متوسلین کو خریدار بنا کر۔

اور نیز

اسی قسم کے دیگر وسائل اختیار فرما کر

نیاز مند مینیجر

قواعد

۱۔ "القریش" ہر انگریزی مہینے کی سترہ تاریخ کو باحتیاط تمام پوسٹ کیا جاتا ہے۔ لہذا ۲۵ تاریخ تک اگر کسی بھائی کو موصول نہ ہو۔ تو وہ آئندہ مہینے کی پہلی تاریخ تک دفتر سے مکرر طلب کرسکتے ہیں۔

۲۔ نقل مکانی کی وجہ سے جن احباب کا ایڈریس تبدیل ہو جائے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جدید پتہ سے دفتر کو مطلع کرکے اپنے ایڈریس کی صحت کرالیں۔ ورنہ عدم رسی رسالہ کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیے ورنہ جواب نہ دیا جائیگا۔

۴۔ بیرنگ خطوط وصول نہ کئے جائیں گے۔

۵۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہ کئے جائیں گے۔

۶۔ ہر قسم کی خط و کتابت میں "خریداری" نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

۷۔ نمونہ ملاحظہ کرنے والے حضرات اگر منشائے خریداری و عدم خریداری سے مطلع نہ کریں گے تو دوسری اشاعت کا پرچہ انکی خدمت میں وی۔ پی بھیجا جائیگا۔ جس کا وصول کرنا ان کا قومی و اخلاقی فرض ہوگا۔

۸۔ طلباء بشرط تصدیق سالانہ قیمت میں آٹھ آنہ کی رعایت لے سکتے ہیں۔ مگر قسم بذریعہ منی آرڈر بھیجنی ہوگی۔

مینیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سلام

بخدمت خیر الانام علیہ السلام

السلام اے گوہر یکتائے دریائے کرم
السلام اے پیشوائے امت خیر الامم

السلام اے صاحب لولاک و اصل کائنات
السلام اے زینت ملک عرب فخر عجم

السلام اے کار تو سر کنت کنزا شد پدید
السلام اے کز تو دار الجہل شد دار الحکم

السلام اے شہسوار خنگ امکان و حدوث
خطبۂ ختم الرسل بر نام نامی شد رقم

نغمۂ توحید در اطراف عالم می رسد
مرجع مخلوق شد ام القرے بیت الحرم

ارض بطحا از قدومت مہبط انوار گشت
خاص بیت اللہ شد آں نامور بیت الصنم

تا بکے اے شاہ یثرب سر نہ برداری ز خاک
امت مرحوم را بنگر غریق قعر غم

گرچہ اطمینان ہمے بخشد بما لا یطفئون
لیک بر سر آمدہ وقت دعا اے محترم

دستگیری کن بحال بیکساں کن یک نظر
تا شود باطل پرستی غرق در چاہ عدم

صرصر جور و تعدی ہا ز ہر سو می وزد
باید ایں دم بر سر ایں سفلگاں سیل عرم

کشتئ امید امت ہاں بساحل می رسد
السلام اے گوہر یکتائے دریائے کرم

منحصر بر ذات پاکت فخر سادات و قریش
یک نظر کن تا شود شیرازۂ ما منتظم

انور صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۷ | بابت ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۱ء | نمبر ۹ و ۱۰

ایک قومی اجلاس

تین اہم قراردادیں

صوبیدار احمد زمان صاحب صدیقی ۔ نواب غلام مرتضےٰ شاہ صاحب صدیقی جاگیردار و رئیس ۔ پیر غلام میراں شاہ صاحب عباسی سجادہ نشین ۔ میاں اعجاز نبی صاحب پنشنر ای۔ اے۔ سی خان بہادر میر حیدر نواز شاہ صاحب فاروقی قریشی فضل قادر صاحب ایم اے وکیل ۔ مسٹر سجاد حیدر صاحب ایم۔ او۔ ایل ہیڈ ماسٹر وغیرہم معززین قریش کی موجودگی میں سید عبد الجلیل صاحب ہاشمی سوداگر و رئیس اعظم کی صدارت میں شاہ آباد کے مقام پر ایک اہم اجلاس منعقد ہُوا ۔ جناب صدر اور معزز حاضرین نے انسداد رسوم مروجہ قبیحہ اور تنظیم قومی پر پرزور تقریروں کے دوران میں حسب ذیل قرار دادیں پاس کیں ۔ جو بغرض اطلاع و اشاعت ارسال ہیں :-

(احقر محمود بی ۔ اے ۔ بی ۔ ٹی)

(۱)

"یہ اجلاس قریشی محمد علی صاحب رونق صدیقی کی ان خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے تحفظ نسب و ناموس اور قومی بیداری و تنظیم کے لیئے گذشتہ سترہ سال میں بذریعہ "القریش" انجام دی ہیں قدر و منزلت اور عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتا ہُوا برادران قریش سے بزور سفارش کرتا ہے ۔ کہ وہ عام پریشانی کے اس زمانہ میں اپنے قومی آرگن "القریش" کی خریداری اور توسیع اشاعت کے لیئے ہر ممکن کوشش عمل میں لا کر محسن مدیر کی قدر افزائی سے عند القوم مشکور ہوں ۔ کہ اس دور انحطاط میں انہی کی مساعی حیاتِ قومی کا موجب ثابت ہو رہی ہیں"

(۲)

"یہ اجلاس تجویز کرتا ہے ۔ کہ القریش کی خدمات کے عملی اعتراف میں حضرت رونق کی خدمت میں یکصد و پانچ روپے کا ہدیہ بذریعہ چک

امداد پیش کیا جائے"۔

(۳)

"یہ اجلاس قریشیاں پنجاب کے احساس قومی پر جس کا ثبوت "ندوۃ القریش" کی شکل میں موجود ہے۔ رشک کرتا ہے اور ان کی مساعی جمیلہ کا جو حصولِ حقوقِ قومی کے لئے کی جاری ہیں۔ اعتراف کرتا ہُوا برادران قریش متعلقین اور متوسلین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اسکی رکنیت قبول کر کے کارکنانِ ندوہ کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوں۔ اور اپنے ہاں "ندوہ" کی ایک شاخ قائم کر دیں"

شاہ آباد ایک تاریخی مقام ہے۔ اور . . . . . میں واقع ہے۔ اس علاقہ میں عربی الاصل اور قریشی النسل خاندان سلاطین اسلامیہ کے زمانہ سے باوقار چلا آتا ہے۔ جاگیرات' اراضیات' دولت و ثروت اور عزّ و وقار' علم و فضل اور ہر لحاظ سے مفتخر ہے۔ اس خاندان کے چند بزرگ القریش کے یوم اجراء ہی سے محسن و مربی ہیں۔ لیکن ستره سال گذشتہ میں کبھی انہوں نے کسی تحریک میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ یہ تائیدِ غیبی ہے کہ آج ایسی حالت میں جبکہ القریش' اگست کے سو فیصدی وی۔ پی واپس آجانے کی وجہ سے دل برداشتہ اور مضمحل خاطر ہو گیا تھا۔ وہ متوجہ ہوئے اور ایسے متوجہ ہوئے کہ ساری کسر نکال دی یکصد و پانچ روپیہ کا عطیہ ایسے وقت میں موصول ہُوا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔ جزاهم الله خیر الجزاء۔

قوم اگر اپنا فرض سمجھے اور احساس زبان ہو اور ریزولیوشن نمبر ۱ کی عملی تائید میں اپنے قومی میگزین کی توسیع اشاعت کے لئے تھوڑی سی ہمت کر دے۔ تو "القریش" کی تمام پریشانیاں آنِ واحد میں دُور ہو سکتی ہیں۔ اور وہ فراخدلی و فارغ البالی کے ساتھ بیش از بیش قومی خدمات انجام دینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ریزولیوشن نمبر ۳ کی تائید کی جائے یعنی ہر بالغ قریشی اپنے قومی مرکز "ندوۃ القریش" کی رکنیت قبول کرے تو اس کے اثرات عالمگیر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ قوم کے لئے وہ کچھ کر سکتا ہے۔ جو زندہ اور بیدار قوموں کے مرکز کر رہے ہیں۔ قومی تنظیم کا باب اوّل بوجہ احسن اور بلا تکلف وا ہو سکتا ہے۔ حرکت میں برکت اور جماعت میں کرامت مشہور ہے ضرورت کا شدید اقتضا ہے۔ کہ مختلف مقامات مختلف شہروں قریوں اور مختلف صُوبوں میں مجالس قائم ہوں اور قومی فلاح و اصلاح پر تبادلۂ خیالات کر کے صحیح راہ عمل تجویز کر لیا جائے۔

قریشیان پنجاب اور اراکین ندوۃ القریش کی طرف سے معززین شاہ آباد کا ہم بصدقِ دل شکریہ ادا کرتے ہوئے داعی ہیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُن کے عزائم میں استقلال عطا کرے۔ آمین!

"ندوۃ القریش" پنجاب کے چار یا پانچ باقی ماندہ اضلاع کے قریشیوں کے زراعتی حقوق کا اعلان ہو جانے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تنظیم قومی کے اہم ترین مسئلہ کی جانب متوجہ ہو گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ کام جنوری ۳۲ء سے شروع ہو جائے۔ اس لئے قریشیانِ پنجاب۔ یو۔ پی۔ اور سی۔ پی کا اوّلین فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے اپنے علاقہ میں ابتدائی کارروائی ابھی سے شروع کر دیں۔ تاکہ وقت پر دقتوں کا مقابلہ بارِ خاطر نہ ہو۔

اخیر پر ہم ان برادرانِ قریش سے جو القریش کے معاونین کی سلک میں منسلک ہیں۔ اور کسی مجبوری سے آئندہ وہ یہ رشتہ قائم

نہیں رکھنا چاہتے نہایت رنج و افسوس سے عرض کرتے ہیں ۔ کہ وہ خاتمہ مدت خریداری پر دفتر کو اپنے ارادہ سے فوراً اطلاع دے دیا کریں ۔ اور اس طرح وی ۔ پی کی واپسی سے ہماری اُمیدوں کا خون نہ کیا کریں ؛

خدا ہمیں خدمت خلق اللہ اور اس کے بعد خدمت قوم کی توفیق عطا کرے اور نیک کاموں میں ہمارا معین و مددگار ہو آمین ثم آمین

(جناب جذبؔ صاحب عالم پوری)

کہنے کو تو ہیں پہلے سے لیل و نہار آج ۔ لیکن جو کل تھے شاد وہ ہیں دلفگار آج

دیوانہ ہے وہ چھوڑ دے کل پر جو کام کو ۔ کرتا ہے کام آج کا ہر ہوشیار آج

پیسہ تھا کل جو پاس تو ہر کوئی یار تھا ۔ مفلس ہوئے تو پاس نہیں کوئی یار آج

دنیائے بے ثبات میں کس کو ہوا ثبات ۔ جو پائدار کل تھا ہے ناپائدار آج

مُسلم میں اتحاد نہ ہندو میں اتفاق ۔ ہر قوم ہو رہی ہے ذلیل اور خوار آج

اکثر کے نام صفحۂ تاریخ پر ہیں ثبت ۔ گو خاک ہو گئے ہیں بہت نامدار آج

کچھ دردِ قوم کا ہے، تو اے جذبؔ کام کر

تجھ جیسے رونے والے یہاں ہیں ہزار آج

تجلّیات

(ریختۂ قلم جواہر رقم حضرت ظفر ہاشمی)

سراب زندگی کو کس نے دیکھا آشکارا اب تک
طلسمِ رنگ و بو ہے یہ حیاتِ مستعار اب تک

نہ دیکھا باوجودِ سعیٔ پیہم روئے یار اب تک
نگاہیں ذوقِ جلوہ سے رہی ہیں شرمسار اب تک

کبھی بھولے سے حرفِ آرزو کی داد پائی تھی
لبِ فریاد کھلنے کیلئے ہے بیقرار اب تک

محبت کی خلش دل سے نہ جاتی ہے نہ جائیگی
یہی سمجھا رہا ہوں اپنے دِلکو بار بار اب تک

جفائے باغباں کا تذکرہ کیا، ذکرِ گلشن کیا
مری آنکھوں نے دیکھی ہی نہیں فصلِ بہار اب تک

کبھی موسیٰ نے کوہِ طور پر جو جا کے دیکھے تھے
وہی جلوے نظر میں پھر رہے ہیں بیقرار اب تک

بوقتِ نزع بھی آنکھوں سے پیدا اک تجسّس ہے
نگاہِ شوق میں پنہاں ہے تیرا انتظار اب تک

غرورِ حسن کب دیتا ہے اذنِ التفات ان کو
مگر دل کو سمجھتا ہوں میں اُن کا رازدار اب تک

انہیں برقِ بلا پھر دیکھتی ہے، مسکراتی ہے
قفس کے چند تنکے رہ گئے تھے یادگار اب تک

اُدھر بھی بے نیازی ہے۔ اِدھر بھی شانِ استغنا
حریفِ ناامیدی ہے دلِ نیرنگ کار اب تک

ظفر ہوتی رہی سامانِ لغزش کی فراوانی
کسی کا دل پہ جمتا ہی رہا ہے اعتبار اب تک

ستمبر کا القریش

ان حضرات کے حوصلہ فرسا طرز عمل کی نذر ہوگیا۔ جو لہو ولعب کھیل و تماشا اور رسوم مروجہ قبیحہ میں سینکڑوں اور ہزاروں روپے پانی کی طرح بہادیں اور ملال نہ ہو۔ لیکن قومی و ملی اور اصلاحی اُمور پر ایک حبہ تک بھی چھوڑنا گوارا نہ کریں۔ دردمندان قوم یہ سنکر حیران ہونگے۔ کہ اگست میں خاتمہ میعاد خریداری کی وجہ سے جو وی پی کئے گئے تھے۔ وہ سو فیصدی واپس آئے۔ ٹکٹوں اور اطلاعی کارڈوں پر جو رقم خرچ کیگئی وہ خالص نقصان کا موجب ہوئی۔ یہ طرز عمل اور یہ سرد مہری کس قدر حوصلہ شکن ہے۔ اس کا اندازہ کچھ ہم ہی کر سکتے ہیں جو اس قدر دیدہ ریزی اور محنت و کوفت کے بعد یہ صلہ پاتے ہیں۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں اور یہی قومی حمیت ہے تو اس شان حمیت پر حیف ہے۔ ہندوستان میں سادات و قریش سترہ لاکھ کی تعداد میں آباد ہیں اور خدائے ارحم و اکرم کے فضل و کرم سے ہر حالت میں بہتر ہیں۔ اتنے ہی گئے گذرے نہیں کہ تین روپے سالانہ۔ چار آنہ ماہوار یا ڈیڑھ پائی یومیہ کا بوجھ قومی ضروریات و اصلاح کے لئے برداشت نہ کر سکتے ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ اس کا فقدان انہیں بے حس و حرکت کئے ہوئے ہے۔ اور قوم کی اتنی بڑی جماعت عضو معطل کی صورت میں بیکار پڑی ہے۔ اور اس میں سے سترہ سالہ تلاش و تجسس اور سرگردانی کے باوجود ایک فیصدی بھی ایسے اشخاص نہیں مل سکے جو قوم کے درد کی سچی تڑپ رکھتے ہوں۔ اور سترہ لاکھ بے حس افراد قوم کو احساس زیاں دلاکر خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔ اور اللہ کا نام لیکر میدان عمل میں گامزن ہو جائیں۔ جس قوم کی یہ حالت ہے۔ اس کی اصلاح و تنظیم خواب خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؛

سترہ لاکھ ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ اگر اتنی بڑی جماعت متفقہ و متحدہ مساعی سے کام لینے پر تل جائے تو دنیا کی کوئی اہم سے اہم اور مشکل سے مشکل مہم نہیں جو سر نہ ہو۔ اگر اتنی بڑی قوم چاہے تو اس کے دس روز نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ چل سکتے ہیں ان کا قومی مرکز کالج و یونیورسٹی تک الگ قائم کرسکتا ہے اور دنیا کی تمام کامیابیاں ان کے قدم لیتی پھریں۔ لیکن جہاں ضرورت کو ضرورت ہی خیال نہ کیا جائے اور اٹھنے اور میدان ترقی کی جانب دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کی جائے۔ وہاں کہاں کی تنظیم اور کہاں کی اصلاح۔

گر یہی ہے اس گلستان کی ہوا — شاخ گل اک روز جھونکا کھائیگی

ان حالات اور حوصلہ شکن واقعات کے سبب سے اگر ہم ستمبر کا القریش مجبوراً شائع نہیں کر سکے تو کوئی منصف مزاج شخص ہمیں مورد الزام قرار نہیں دے سکتا ؛

کیا برادران قریش ان حالات سے متاثر ہوکر مستقبل پر غور کرنے کی زحمت گوارا کریں گے ؛

آفتابِ رسالت کا طلوع

(از سید غلام نبی صاحب اندرابی سرینگر کشمیر)

عرب میں تھا جہالت اور ضلالت کا بپا طوفان
خدا سے ہو رہے تھے بیخبر اس ملک کے انساں

پرستش جھوٹے معبودوں کی ہوتی تھی قبائل میں
خدا اپنا بنا بیٹھے بتوں کو تھے مگر ناداں

ہے طرفہ اس پہ معبودانِ باطل ان کے پتھر تھے
بنا کر خود بتوں کو پوجتے تھے بصد ایقاں

جہالت تھی رذالت تھی شقاوت تھی ضلالت تھی
شریفوں اور رذیلوں کا عمل یکساں چلن یکساں

وہ بے رحمی و سفاکی وہ بے دینی معاذ اللہ
کہ اُن کی لڑکیوں کو دامن مادر تھا گورستاں

غرض ہر کام ان کا وحشیانہ ظالمانہ تھا،
فساد و کشت و خون سے ہوگئی تھی وہ زمیں ویراں

یکایک ابر رحمت جوش میں آکر ہُوا ظاہر
ہوس کو اس نے صحرائے عرب کو کردیا شاداں

نہیں ملک عرب پر بلکہ ساری آفرینش پر،
چھٹے گمراہی و غفلت کی زنجیروں سے سب انساں

ہوئے پیدا عرب میں ابن مُطلب کے گھر
محمد مصطفٰے محبوب خاص ایزد منان

شہنشاہِ دو عالم مظہرِ ذاتِ خداوندی
وہ شاہِ انبیاء وہ ماہ اَوجِ رحمتِ یزدان

وہ جن کا فرشِ پا تھا عرش اعلیٰ در شبِ اسریٰ
وہ جن پہ ہوگیا نازل کلام حضرت رحمان

قبا جن کی مُزمّل ہے ردا جن کی مُدثّر ہے
لعمرک تاج سر یٰسؔ لقب وہ سید ذیشان

وہ ختم المرسلین مژدہ سناتا جن کی نسبت ہے
وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین قرآن

وہ جس نے گمراہوں کو راستہ سیدھا دکھایا ہے
وہ جس نے وحشیوں کو نور ایماں سے کیا رخشاں

وہ جس نے کعبۃ اللہ کو بنایا مرجع عالم
وہ جس نے یثرب گلشن بنادی وادی فاراں

وہ دریائے معانی، بحرِ عظمت، گوہرِ دانش
مہِ اُمی لقب جس سے ہوئی عقل جہاں حیراں

فصیحوں کی زبانیں لال ہیں تعریف گوئی میں
بھلا مجھ میں کہاں تاب ثنائے سرورِ دوراں

ہُوا ہوں بے کس و بے یار و یاور یا رسُول اللہ
کرم فرمایئے مجھ پر کہ ہوں میں بے سروساماں

اُٹھا دیجے رُخِ انور سے خوابِ ناز کا پردہ
دکھا دیجے مجھے جلوہ ہے مدت سے یہی ارماں

پریشاں اُمت مرحوم ہے لیجئے خبر اس کی
پڑے ہیں مشکلوں میں کیجئے سب مشکلیں آساں

گدائے در سے مونس آپ کا سُنئے صدا اک
مریض دردِ فرقت کا خدارا کیجئے درماں

خلفائے اسلام
کے متعلق
پُر لُطف معلومات

اسلام میں چار عورتیں ایسی گذری ہیں جن میں سے ہر ایک کے بطن سے دو خلیفہ پیدا ہوئے:

(۱) حضرت فاطمہ الزہرا ان کے دونوں نورِ نظر حضرت امام حسین اور حضرت امام حسن سے لوگوں نے بیعت خلافت کی۔

(۲) ولادۃ بنت عباس عبیہ عبد الملک کے دونوں بیٹے ولید اور سلیمان پیدا ہوئے۔ اور دونوں تخت خلافت پر بیٹھے۔

(۳) سام فیروز یزدجرد کی بیٹی اور ولید بن عبد الملک کی بیوی۔ اس کے بطن سے ولید کے دونوں فرزند یزید اور ابراہیم پیدا ہوئے اور مسند آرائے خلافت ہوئے۔

(۴) خیزران خلیفہ مہدی عباس کی بیوی کہ اس کے بطن سے موسیٰ ہادی اور ہارون رشید پیدا ہوئے اور دونوں منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

۲ - ایک مسلمان عورت تھی۔ جس کے بارہ محرم تھے اور وہ سب خلیفہ تھے۔ یہ عورت عاتکہ یزید بن معاویہ کی بیٹی تھی۔ یزید اس کا باپ خلیفہ۔ معاویہ بن ابی سفیان اس کا دادا خلیفہ معاویہ بن یزید اس کا بھائی خلیفہ۔ عبد الملک بن مروان اس کا شوہر خلیفہ۔ مروان بن الحکم اس کا خسر خلیفہ یزید بن عبد الملک اس کا بیٹا خلیفہ اور ولید سلیمان ہشام تینوں اس کے سوتیلے بیٹے بھی خلیفہ ہوئے۔

(۲) بنو عباس میں اس کی مثال زبیدہ جعفر بن منصور کی بیٹی ہے۔ کہ اس کا دادا منصور خلیفہ ہوا۔ پھر اس کے دادا کا بھائی سفاح اس کا شوہر ہارون رشید۔ اس کا چچا مہدی۔ اس کا بیٹا امین اور اس کے چار سوتیلے بیٹے مامون معتصم، واثق اور متوکل سب کے سب خلیفہ ہوئے۔

۳ - ایک خلیفہ ایسا ہوا۔ جس کو اس کے چار بزرگوں نے خلافت کا سلام کیا۔ یہ خلیفہ ہارون رشید تھا۔ یعنی خود اس کے باپ کے چچا عبد الصمد بن علی نے اس کو سلامی دی۔

۴ - ایک خلیفہ ایسا گذرا ہے جس کے کنبے والوں میں سے سات ایسے شخصوں نے اس کی خلافت پر بیعت کی جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خلیفہ کا بیٹا تھا۔ یہ خلیفہ متوکل عباسی ہے۔ اور حسب ذیل لوگوں نے اس کی خلافت تسلیم کی۔

(۱) احمد بن واثق۔ (۲) احمد بن معتصم۔ (۳) سلیمان بن مامون۔ (۴) عبد اللہ بن امین (۵) ابو محمد بن رشید۔ (۶) عباس بن ہادی۔ (۷) منصور بن مہدی۔

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر ۱)

امین کا حسرتناک انجام

از ملک محمد طفیل صاحب بی - اے (علیگ)

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی تخت نشینی کے چھٹے سال یعنی سنہ ۱۸۶ھ میں فریضہ حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ کا قصد کیا - آغاز سفر کے وقت میں مقام انبار میں ٹھہرا ہوا تھا - اس وقت اس کے تینوں لڑکے امین و مامون اور قاسم بھی اس کے ہمراہ تھے - انبار کے مقام پر اس نے سب سے پہلے امین کو ولی عہد مقرر کرکے اس کے لئے بیعت لی - اور اسے عراق - شام اور عرب کی حکومت کی سند عطا کی - اس کے بعد اس نے مامون کو ولی عہد کیا - اور خراسان اور ہمدان کے صوبہ جات تا اقصائے مشرق عنایت کرکے یہ قرار دیا - کہ امین کی وفات کے بعد وہ کل ممالک محروسہ کا مالک ہوگا - پھر اپنے تیسرے لڑکے قاسم سے بیعت لی - لیکن یہ شرط لگالی - کہ اگر وہ خلافت کے ذمہ دار منصب کا اہل نہ ہو - تو مامون کو اختیار ہوگا - کہ وہ اسے معزول کرکے اس کی جگہ جسے چاہے - ولی عہد کردے - ہارون نے قاسم کو موتمن کا لقب دیکر جزیرہ ثغور اور عواصم کی حکومت اس کے سپرد کی - اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر اس نے اہل مدینہ کو انعام و اکرام سے مالامال کردیا - اور مستحقین میں بکثرت خیرات تقسیم کی - اس نے جس قدر فیاضی سے کام لیا - کہ صرف امین و مامون نے اپنی طرف سے ایک کروڑ پانچ لاکھ دینار راہ خدا میں صرف کئے - اسی طرح مکہ معظمہ میں بھی داد و دہش کی - مکہ میں پہنچ کر اس نے امین و مامون کی ولی عہدی کی تجدید کی - اور ان دونوں شاہزادوں کے درمیان آئندہ حکومت کے متعلق مناقشات کو ہمیشہ کے لئے روکنے کی خاطر فقہاء قضاۃ اور سرداران لشکر کو طلب کرکے دونوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ عہدنامے مرتب کرائے - ایک عہدنامہ مامون کی طرف سے تھا جس میں اس نے خدا کو شاہد کرکے امین سے وفاداری کا عہد کیا تھا - دوسرا امین کی طرف سے تھا - جس میں اس نے اقرار کیا تھا - کہ وہ مامون کے ساتھ وفا کرے گا - جب یہ دستاویزات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں - تو ان پر ممتاز اکابر - امراء اور عمائدین سلطنت کے دستخط کراکے انہیں خانۂ کعبہ کی چھت میں آویزاں کردیا - اور پھر جب سنہ ۱۸۹ھ میں طبرستان گیا - تو سرداران لشکر اور ارکان دولت کو جمع کرکے کہا - یہاں پر جو کچھ میرے لشکر میں مال خزانہ - آلات حرب اور سازو سامان ہے اس کا مالک صرف مامون ہے - اور ان لوگوں سے مامون کی ولی عہدی کی تجدید کرکے بغداد کی جانب کوچ کیا - اسی طرح بغداد میں بھی رؤسائے شہر و سرداران لشکر کو جمع کرکے مامون کی ولیعہدی کی بیعت کی تجدید کی ؛

امین کی خلافت

ہارون الرشید کی وفات کے اگلے دن لشکر ہارون میں امین کی خلافت کی بیعت لی گئی۔ اس وقت مامون مرو میں تھا۔ حمویہ نے جو خلیفہ مہدی کا آزاد غلام اور رشید کی موت کے وقت ڈاک کا افسر تھا۔ اپنے نائب کو بغداد میں لکھا۔ کہ وہ فوراً دربار خلافت میں حاضر ہو۔ اور خلیفہ امین کی خدمت میں پیغام تہنیت پہنچائے۔ کہتے ہیں۔ سب سے پہلے جس نے امین کو خلافت کی مبارک باد دی۔ وہ یہی تھا۔ شہزادہ صالح بن ہارون الرشید نے بھی اپنے بھائی امین کی خدمت میں ایک خط تہنیت خلافت کا روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی خاتم خلافت، عصا اور چادر بھیجدی۔ جب صالح کا ملازم یہ اشیاء لے کر بغداد پہنچا۔ تو امین اپنے محلسرا سے نکل کر قصر خلافت میں آیا۔ اور نماز جمعہ ادا کی۔ خطبہ میں اس نے حاضرین کو ہارون الرشید کی وفات کی خبر سنائی۔ اور بعد انقضائے صلوٰۃ لوگوں سے بیعت لی۔ اور بغداد کی نظامی فوج کو دو برس کا روزینہ عنایت کیا۔ اس کے بعد امین کی حقیقی والدہ زبیدہ خاتون رقہ بغداد آئی۔ خلیفہ امین معہ ارکان سلطنت و رؤسائے بغداد انبار تک ماں کے استقبال کے لئے بڑھا۔ شاہی خزانہ بھی زبیدہ خاتون کے ساتھ تھا۔

بدعہدی اور نقض بیعت

کہا جاتا ہے کہ ہارون کے انتقال سے پہلے امین کی طرف سے ایک خط بکر بن المعتمر کی معرفت اس کی لشکر گاہ پر پہنچا۔ جو کہ امین نے اپنی بیعت لینے کی غرض سے بھیجا تھا۔ اتفاق سے اس کی اطلاع ہارون کو ہوگئی۔ بکر کو بلا کر کہا۔ "کیا کوئی خط لایا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "نہیں"۔ خلیفہ نے جھلا کر درے پٹوائے اور جیل میں ڈال دیا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد جلدی ہی رشید کا انتقال ہوگیا۔ فضل بن ربیع نے جو برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون کا وزیر ہوگیا تھا۔ بکر کو جیل سے نکلوا کر اس سے امین کے خط کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے خطوط اس کے حوالے کر دئیے۔ ارکان سلطنت و سرداران لشکر امین کے خطوط پڑھ کر امین سے مل جانے کے متعلق مشورہ کرنے لگے۔ اور فضل بن ربیع کی رائے سے مامون کے عہد و میثاق کو پس پشت ڈال کر بغداد کی طرف روانہ ہوگئے۔ مامون کو جب اس کی اطلاع ملی۔ تو اس نے باپ کے سپہ سالاروں کو جمع کیا۔ ان میں سب سے مشہور فضل بن سہل تھا۔ جسے تاریخوں میں "ذوالریاستین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ شخص صاحب السیف والقلم تھا۔ حاضرین میں سے بعض نے یہ رائے دی۔ کہ فوراً تعاقب کر کے فضل بن ربیع کو معہ اس کے رفقاء کے واپس لایا جائے۔ لیکن فضل بن سہل نے اس سے اختلاف کر کے مشورہ دیا۔ کہ مجھے اس امر کا اندیشہ پیدا ہو رہا ہے۔ کہ مبادا وہ لوگ آپ کو دھوکا دیں۔ میرے نزدیک مناسب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ بذریعہ خط و کتابت ان لوگوں کے ایفائے عہد و میثاق اور پابندی بیعت کی یاد دلائیے۔ اور بدعہدی اور نقض بیعت کے نتیجہ بد سے ڈرائیے دھمکائیے۔ مامون نے فضل کی رائے پر عمل کیا۔ اور خط و کتابت کے ذریعہ سے معاملات کے سلجھانے میں مصروف ہوگیا۔

عمال کے نام گشتی فرمان

جس وقت فضل بن ربیع مامون کی نقض بیعت اور مخالفت کر کے خلیفہ امین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اسے اپنے کئے انجام کے خطرات نظر آئے۔ اب اس نے مامون سے اپنے کل تعلقات منقطع کر لئے۔ اور امین کو دم پٹی دے کر رفتہ رفتہ اس بات پر تیار کر لیا۔ کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسےٰ کی ولی عہدی کی بیعت لے۔

عمائدین سلطنت سے اس معاملہ میں مشورہ کرنے سے اختلاف رونما ہوا۔ بعض نے کہا۔ یہ بہتر ہے۔ لیکن بعض نے کہا۔ نقض بیعت اچھا نہیں۔ لیکن امین برابر اصرار کرتا رہا۔ کہ نقض بیعت کیا جائے۔ آخرکار اس نے بلا سوچے سمجھے عمال کے نام ایک گشتی فرمان اس مضمون کا روانہ کردیا۔ خطبوں میں مامون اور موتمن کے بعد میرے بیٹے موسےٰ کے لئے دعا کی جائے۔" مامون کو اطلاع ہوئی۔ تو اس نے امین کے نام کو سرنامہ سے نکال دیا۔ اور خط و کتابت بند کردی۔ اس کے بعد امین نے مامون کے پاس ایک پیغام بھیجا۔ کہ میرے بیٹے موسےٰ کی ولی عہدی کو اپنی ولی عہدی پر مقدم کرو۔ اور مجمع عام میں اس کا اظہار کردو۔ جس وقت یہ پیغام مامون کے پاس پہنچا۔ تو اس نے امرائے خراسان کو جمع کرکے اس کے متعلق مشورہ لیا۔ ان لوگوں نے یک زبان ہوکر عرض کیا۔" ہم لوگوں نے آپ کی بیعت اس شرط پر کی تھی۔ کہ خراسان سے باہر نہیں جائیں گے۔" خلیفہ نے پیامبروں کو طلب کرکے اس درخواست کی منظوری سے انکار کردیا۔ اس موقع پر فضل بن سہیل ایک ہی کارآمد چال چلا۔ اس نے پیامبروں میں سے ایک کو امین کے دربار میں اپنا جاسوس بنا لیا۔ جو وہاں کے حالات سے اطلاع دیتا رہتا تھا۔

امین و مامون کی خط و کتابت

پیامبروں کی واپسی پر امین نے مامون کو لکھا۔ کہ خراسان کے بعض علاقے براہ راست خلیفہ کے زیر اقتدار کردیئے جانے چاہئیں۔ اور یہ خواہش بھی ظاہر کی۔ کہ وہاں اس کے سررشتۂ برید کے افسروں کو قیام کرنے کی اجازت دی جائے۔ مامون نے ان دونوں باتوں سے انکار کردیا۔ اور حفظ ماتقدم کے خیال سے سرحدی علاقے مستحکم کرکے وہاں کے لشکریوں کو یہ حکم دیا۔ کہ کوئی شخص بلا اجازت سرحد میں داخل نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد مامون نے ایک خط امین کی طرف روانہ کیا۔ امیرالمومنین آپ کا فرمان عالیشان مجھے ملا۔ میں آپ کا اس سرحد پر ایک ادنیٰ گورنر ہوں۔ چونکہ مجھے خلیفہ ہارون الرشید نے یہاں قیام کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اور اس کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا۔ اور میرے یہاں قیام پذیر ہونے سے ہزاروں فائدے ہیں۔ اس وجہ سے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میری اس غیر حاضری کو معاف فرمایئے گا۔ میں آپ کا حاضر و غائب مطیع ہوں۔" خلیفہ امین کے خیالات اس قسم کے مطیعانہ خط کے پڑھنے سے تبدیل ہوگئے۔ اس کے ذہن میں یہ بات جاگزین ہوگئی۔ کہ مامون اس کی کسی صورت میں بھی مخالفت نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ۱۹۴ھ کے اوائل میں مامون کو ولی عہدی سے برطرف کرکے موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت لے لی۔ اور اسی تاریخ سے مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے یہاں تک جسارت کی۔ کہ اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو موسیٰ کے بعد ولی عہد کردیا۔ چنانچہ خطبوں میں پہلے امین کا نام لیا جاتا تھا۔ بعد ازاں موسیٰ و عبداللہ کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ اس نے خانہ کعبہ سے وہ عہد نامہ بھی طلب کرکے چاک کرڈالا۔ جو امین اور مامون کی ولی عہدی کے متعلق لکھا گیا تھا۔ مامون کے جاسوسوں نے جو بغداد میں تھے۔ ان کل واقعات سے مامون کو مطلع کیا۔ مامون نے سن کر کہا۔ جن امور کے متعلق مخبروں نے مجھے اطلاع دی ہے۔ وہ میرے حق میں بہتر ہوں گے۔"

ہارون کا عہد نامہ

جس وقت امین نے بیت اللہ سے ہارون کا عہد نامہ منگوا کر چاک کردیا۔ اور داؤد بن عیسےٰ گورنر حجاز کو مامون کی معزولی کا حکم دیا۔ تو اس نے لوگوں کو جمع کرکے امین کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کرکے کہا "کیا تم لوگوں کو یاد نہیں۔

کہ خلیفہ ہارون نے اپنے تینوں لڑکوں کو ولی عہدی کی بیعت مسجد حرام میں لی تھی۔ اور کیا تم لوگوں کو یہ نہیں کہا تھا۔ کہ مظلوم کا ساتھ دینا دیکھو امین نے ظلم و تعدّی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور اپنے دونوں بھائیوں مامون اور موتمن کو معزول کر کے اپنے ایک دودھ پیتے لڑکے کو ولی عہد کر دیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد نامہ کو خانہ کعبہ سے نکلوا کر تلف کر دیا ہے۔ پس تم کو یقین ولاتا ہوں۔ کہ امین کی نقض خلافت اور مامون کی بیعت خلافت سے اللہ تعالے تم سے ہرگز ناراض نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ راضی ہوگا۔ اس لئے کہ تم اس عہد کو پورا کرتے ہو۔ جو تم نے امیرالمومنین ہارون سے باندھا ہے"۔ حاضرین نے بہ طیب خاطر گورنر کی تقریر سے متاثر ہو کر مامون کی خلافت کی بیعت پر رضامندی کا اظہار کیا۔ داؤد نے اطراف و جوانب میں اس کی منادی کر دی۔ اور خطبوں میں مامون کا نام پڑھنا شروع کر دیا۔

ابن ماہان کا قتل

اب دونوں بھائیوں کے تعلقات حد سے زیادہ بگڑ گئے۔ امین نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل ابن ماہان کے ماتحت ایک لشکر جرار خراسان کیطرف مامون سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ابن ماہان خلیفہ سے رخصت لیکر زبیدہ کے محلسرائے کے دروازہ پر الوداع کہنے کے لئے حاضر ہوا۔ زبیدہ نے مامون سے بڑی نرمی برتنے کی وصیت کی۔ اور چاندی کی ایک ہتھکڑی اور بیڑی دیکر کہا "میں مامون کو محبت اور شفقت میں اپنے بیٹے امین کے برابر سمجھتی ہوں۔ اگر تجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ تو نہایت ادب اور توقیر سے اسے قید کر کے لانا۔ خبردار! مامون سے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرنا"۔ ابن ماہان اوائل شعبان میں روانہ ہو کر ساوہ میں پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا۔ کہ مامون کا سپہ سالار طاہر رے میں ٹھیرا ہوا لشکر مرتب کر رہا ہے۔ اور ہمہ تن جنگ پر آمادہ ہے۔ ابن ماہان وہاں سے رے کیطرف روانہ ہوا۔ طاہر نے قلعہ بند ہو کر لڑنا پسند نہ کیا۔ بلکہ شہر سے باہر نکلکر پانچ فرسنگ کے فاصلے پر صف آرائی کی۔ طاہر کے لشکر کی تعداد چار ہزار سواروں سے کم تھی۔ ابن ماہان نے اس کے لشکر کی قلت کا احساس کر کے سپاہیوں سے بہادری اور جرأت سے لڑنے کی استدعا کی۔ اتفاق کی بات چند آدمی طاہر کی طرف سے نکل کر ابن ماہان کی طرف آگئے۔ اس نے حماقت سے چند ایک کو دروں سے پٹوایا۔ اور باقیوں کو منتشر کیا۔ اس پر طاہر کے باقی ہمراہی رک گئے۔ قبل آغاز جنگ طاہر ایک نئی چال چلا۔ اس نے وہ عہد نامہ جس میں مامون کی بیعت کا تذکرہ تھا۔ نیزوں پر آویزاں کر دیا۔ اور ابن ماہان اور اس کے لشکریوں کو وہ عہد و پیمان یاد دلوایا۔ اس کے بعد لڑائی چھڑ گئی اور ابن ماہان کے ہمراہی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ وہ انہیں بلند آواز سے واپس بلانے لگا۔ اسی اثنا میں طاہر کے آدمیوں میں سے کسی ایک نے ایک ایسا تیر مارا۔ کہ ابن ماہان کے گلے میں اتر کر تیراندو ہوگیا جس پر اس نے گر کر دم توڑ دیا۔ اسی شخص نے پہنچ کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اور لاشے کو ایک لکڑی پر لٹکا کر طاہر کے پاس لایا جسے اس کے حکم سے کوئیں میں ڈالدیا گیا۔ خاتمہ جنگ اور فتحیابی کے بعد طاہر رے میں واپس آیا۔ اور نامۂ بشارت مامون کی خدمت میں روانہ کیا۔ جو یوں تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کتابی الی امیرالمومنین وراس علی بن یدی وخاتمہ فی اصبعی وجندہ منصرفون تحت امری والسلام۔ ترجمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم عریضہ امیرالمومنین کی طرف جارہا ہے اور علی کا سر میرے سامنے پڑا ہے۔ اس کی انگشتری میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میرے ماتحت ہیں۔ والسلام

یہ خط تین یوم کے بعد خراسان پہنچا۔ خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دو روز کے بعد ابن ماہان کا سر بھی آگیا۔ جو کہ تمام خراسان میں پھرایا گیا۔

(باقی)

نوائے درد

الا! اے ملتِ بیضا ترے گلشن کی پامالی
قیامت ہے کہ گلچیں کیلئے سامانِ راحت ہے

وہ گلشن جو بہشتِ آرزو تھا اک زمانے میں
تری غفلت شعاری سے برنگِ دشتِ غربت ہے

خبر تجھ کو نہیں یہ بھی کہ اُس میں ایک مدّت سے
نہ غنچے کا تبسّم ہے نہ گل کا رختِ نکہت ہے

بنانا آشیاں گلشن سے باہر ہم صفیروں کا
شہیدِ محفلِ گل کیلئے رنگِ قیامت ہے

خروجِ ناروا زاغ و زغن کا محفلِ گل پر
خورِ تاباں پہ گویا حملۂ افواجِ ظلمت ہے

چمن ویران بے پروا ہوا کچھ اس طرح تیرا
کہ بزمِ لالہ و گل ہر طرح سے بے بضاعت ہے

پڑے ہیں دامنِ سبزہ پہ آنسو چشمِ بلبل کے
ہر اک آنسو کے پردے میں نہاں دُنیائے حسرت ہے

چمک کر ایک دم پھر جا گلوئے کذب پیکر پہ
کہ تو ہر حال میں اسلام کی تیغِ صداقت ہے

تموّج اپنے دم سے بحرِ حمیت میں
تو چشمِ عرشِ اعظم میں علمبردارِ غیرت ہے

تب و تابِ محمدؐ سے فروزاں کر چلن اپنا
کہ وہ ہر دور میں تیرے لئے خضرِ ہدایت ہے

سرِ فاراں چمک کر جس نے روشن کر دیا عالم
وہی جلوہ ابھی تک تیرے سینے میں امانت ہے

اسی جلوے کے پرتو سے جہاں میں نور پاشی کر
کہ یہ خدمت تری اہلِ جہاں کے حق میں رحمت ہے

اے ملّت سراپا جذبۂ حبِّ وطن ہو جا
نظر کر دورِ پیشیں پر بزرگوں کا چلن ہو جا

لگی ہے عرش کے دامن سے اب تک تیری خودداری
مگر تو ہے گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری

تہِ دل سے خدارا وہ نوائے درد پیدا کر
کہ آئے اُس پہ چھا جانے کو ابرِ رحمتِ باری

شریعت ہے محمدؐ کی محمدؐ ہے ترا آقا!
تجھے دولت یہ آقا کی ہو اپنی جان سے پیاری

حفاظت ہے اسی دولت کی تیرے درد کا درماں
صلہ اس کی نگہبانی کا ہے تاجِ جہانداری

اسی میں خیر ہے تیری کہ اب نامِ خدا لے کر
رہِ ملّت سے تو آنکھوں سے چن ہر خارِ دشواری

بھڑک کر اُسکے شعلے ہیں سرِ چرخِ بریں پہنچے
بجھا دے آنسوؤں سے فرقہ بندی کی یہ چنگاری

ترے سازِ اخوت میں ہیں وہ روشن تریں نغمے
کہ جن کے کیف سے ہیں زندہ جاوید انصاری

خدا کی رحمتیں انوار برسائیں گی عالم پر
تری سعیِ فراواں ہے پیامِ لطفِ غفاری

خدا کے واسطے اُٹھ۔ پھر جہاں کو حق کی دعوت دے
زمانہ قیدِ زحمت میں ہے تو پیغامِ رحمت دے

(غیر مطبوعہ)

شاکر صدیقی

خطاب بہ مُسلم

اے مسلمِ خوابیدہ اُٹھ گرمِ تماشا ہو
ذرہ ہے تو صحرا ہو قطرہ ہے تو دریا ہو

اِس محفلِ عالم میں یہ جینا نہیں جینا
کچھ شان بھی پیدا کر۔ اسطرح نہ رسوا ہو

پیدا دلِ ویراں میں اجداد کا ایماں کر
سینے میں اگر تیرے رفعت کی تمنا ہو

ابتک تری ہستی میں جس کا ہے نشہ باقی
یعنی وہ "مئے وحدت" پھر اس کا پیاسا ہو

مسلم! ترا مدت سے ہے فرش بنا مسکن
پرواز میں آ جا پھر ہمدوشِ ثریا ہو

اسلام ہے گر تجھ میں اور یہ ہے مسلمانی
"مالک" ہی کرے اپنی کشتی کی نگہبانی

فضل الرحمن صدیقی

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

النّجات

مقدّمہ

(از جناب مولانا قاضی شاہ ولی صاحب وکیل)

الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض ۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبّر سبحان اللہ عمّا یشرکون ۔ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبّح لہ ما فی السمٰوات والارض وھو العزیز الحکیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

امّابعد ایں ہیچمدان قاضی شاہ ولی کنوی عرض پرداز ہے۔ کہ مدّت سے حضرات صوفیائے کرام و اولیائے عظام سے دلی ارادت مندی اور جان نثاری ہے ۔ کیونکہ یہ بزرگواران دین سراسر عشقِ خدا میں مسرور اور نورِ معرفت سے معمور ہیں۔ اور سچی محبت کے دلدادہ و شیدا محبوب حقیقی کے عاشق و فدا ہیں ؎

ہرچند پارسا نیم امانوشتہ ایم

بر لوحِ جان محبتِ مردانِ پارسا

چنانچہ مجھے خود بھی بواسطۂ فریدِ زمان و وحیدِ دوران حضرت پیر و مرشد جناب میاں غلام احمد خان صاحب برکی سدا خیل متوطن بستی غزان قدس اللہ سرّہٗ ۔ خاندان قادریہ فاضلیہ عالیہ سے نسبت بیعت ہے ؎

بریں آستان ہمچو خاک رہیم　　کمربستۂ حکم شاہنشہیم

ازیں آستان نیست مارا گذر　　ازیں در نداریم روئے دگر

کمیں چاکر و کمترین بندہ ایم　　سوائے تو خواہیم تا زندہ ایم

پس یہی وجہ ہے ۔ کہ ان حضرات سے اکثر اوقات اتفاق ملاقات ہوتا رہا ۔ اگرچہ ان کی حرکات و سکنات پُر فضائل اور نکات و اشارات خوش خصائل ہیں ۔ مگر بعض ان میں سے جو کہ نا عاقبت اندیش ہیں ۔ احکامِ شریعت غرّا کی پابندی اور بجا آوری سے کوسوں دُور اور ایسے لاپرواہ ہیں ۔ کہ الامان ! ؎

برکفے جامِ شریعت برکفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

پر ہمیشہ جب ان فضول و یاوہ گو اور کوتہ اندیش لوگوں بدنام کنندۂ نیکو نامے چند کی ناشائستہ اور دلتنگ باتیں خلاف شریعت محمدیہ کے خلاف سنا کرتا۔ تو ان لوگوں کے جہل مرکب پر سخت طیش و تعجب میں آتا۔ اور ؎

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

کو یاد میں لاتا۔ کہ کیوں یہ لوگ بیہودہ فضول باتیں کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت پیرو مرشد کی موجودگی اور ادب مانع تھے۔ کہ میں کروں تو کیا کروں۔ اور کیونکر ان کے لئے باعث خیر ہوں ؎

من کیستم اندر چہ شمارم چہ کسم | تا ہمرہ سگانش باشد ہوسم
در قافلہ کہ اوست دانم نرسم | ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

الغرض حضرت پیرو مرشد کی زندگی سراپا خورسندگی کے زمانے میں جو کہ ایک نعمت غیر مترقبہ کا زمانہ تھا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ باوجود اس کے کہ خود آنجناب فیضمآب بھی بعض صاحب غیر شرائع کے اعمال نکوہیدہ اور اقوال ناپسندیدہ کے روکنے اور اصلاح کے لئے تحریک فرماتے رہے

چونکہ مدت مدید اور عرصہ بعید سے حضرت پیرو مرشد کو عوارض جسمانی متواتر اور لگاتار لاحق حال رہے۔ اس واسطے آپ کچھ تحریر نہ فرما سکے۔ اگر تھوڑی سی بھی فرصت ان عارض عوارض سے ملجاتی۔ تو ضرور امید تھی کہ کچھ اور بوجہ احسن تحریر فرما جاتے۔ کہ ان واہی تباہی لوگوں کے لئے کافی ہدایت ہوتی۔

پس اعلیٰحضرت کے یہی عوارض ہی تھے۔ کہ پنجاب کے ہمارے سر برآوردہ نوشاہی خاندان قادریہ فاضلیہ کے بعض نااہل معتقدین کا تنقیہ نہ کر سکے۔ اس واسطے رفتہ رفتہ مہذب اور صالحین لوگوں کے دلوں میں ان ناشائستہ لوگوں کی طرف سے نفرت بڑھتی گئی۔

اب کچھ عرصہ سے حضرت پیرو مرشد اس دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف عین دوستی جوانی کے شروع ہی میں رحلت فرما ہو گئے اور ہمیں تا زیست نم مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جیسا کہ مادۂ تاریخ وفات اس شعر مولف ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ ظاہر و باہر ہے ؎

ز ہاتف بہ قاضی ندائے در آمد
کہ بس روز مرگش رسول حقانی

تو یہ مراتب شکن لوگ ع "گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی" کے مخالفین اور بھی زیادہ دلیری سے آزادی نامشروع کی طرف بڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ الانسان حریص فیما منع کے مصداق بن گئے۔ الغرض مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور فزادھم اللہ مرضا کے مستوجب بنتے گئے۔

وجہ ان کی اس مرض بڑھنے کی یہ ہے۔ کہ انہوں نے یہ تعلیم آزادی پسند غیر مسلم لوگوں کے میل ملاپ سے اخذ کر کے خود جہل مرکب

میں گرفتار ہو کر دنیا بھر کے اہل مذاہب کو کجرفتار اور ہیچ سمجھنا شروع کر لیا۔ اور اپنے آپ کو راست رو اور سچا خیال کر لیا حالانکہ خود قرآن و رسولؐ سے منکر قیامت اور حساب و کتاب سے انکاری اعمال اور جزا و سزا سے سبکدوش ہیں۔ مگر طرفہ تر یہ کہ بخیال خویش اسلام کے اعلےٰ طبقہ کے صدر نشین اور مقام علیین کے جاگزین ہیں۔ وہ بھی محض ایک عقیدت زبانی کہ ہستی حق جاودانی ہمارے لئے نجات کی کلید نہانی ہے۔ بس ہے۔ لاحول و لا قوۃ نعوذ باللہ من ذالک ؛

کاش یہ لوگ باقاعدہ اسلامی تعلیم حاصل کرتے۔ اور بزرگان دین متین کی خدمتوں میں رہ کر فیض صحبت سے بہرہ ور ہوتے۔ اور ان کے قدم بہ قدم چلتے۔ اگر پھر ایسے ویسے فضول و لچر کوڑ مغزی کرتے۔ تو ہم دیکھ لیتے ؛

بہرحال اس وقت تو یہ لوگ سراسر اسلام پاک کے جھوٹے دعویدار ہی نہیں۔ بلکہ خاکش بدہن منوجہ اسلام کے کذاب ہیں۔ یا مطلب المطلوب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۃ آمین۔ ثم آمین۔

پس مجھے بعض احباب صاحبانِ فہم و ذکا اور دارثانِ شرع و ہدا۔ واقفانِ رموزِ طریقت۔ کاشفانِ کنوزِ حقیقت۔ غواصانِ بحرِ معرفت۔ نقادانِ جمہورِ ہدایت نے جو کہ سچے اسلام کے پکے پابند ہیں۔ اس وقت کچھ نہ کچھ لکھنے کے لئے کہ جس سے اس فرقہ آزادی پسند کی اصلاح متصور ہو۔ مجبور کیا ؛

لہٰذا اگرچہ میں بخوبی جانتا ہوں۔ کہ مجھے ایسا لکھنے کی ہرگز لیاقت نہیں ہے۔ مگر چونکہ ان دوستانِ مخلص و مخلصانِ اخلص کی تعمیل فرمائش سے گریز و انکار بھی ناروا ہے۔ اس واسطے جو کچھ کہ مجھ سے ہو سکا۔ یہ چند سطور لکھ دیں۔ اور نام اس رسالہ کا **النجاۃ** رکھ دیا۔ تاکہ نجات کے جھوٹے مدعیاں اور نام کے مسلمانان کو معلوم ہو جائے۔ کہ دراصل نجات کیا چیز ہے؟ اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور کس کو حاصل ہو سکتی ہے ؟

نیز یہ بات کہ آیا نجات صرف ایمان اور عقیدہ پر ہی منحصر ہے۔ یا ایمان کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں ؛

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ کتاب ہر ایک شخص کو بدون لحاظ قید کسی مذہب کے انشاء اللہ یکساں فائدہ بخش ہوگی۔ بشرطیکہ وہ تعصب کی مہلک مرض میں جو کہ ان دنوں عام طور پر پھیل رہی ہے۔ مبتلا نہ ہو۔ مگر مطلب سعدیؒ دیگر است۔ یعنی میرے مخاطب تو صرف خاص ہی فرقہ کے خاص لوگ ہیں ؛

میں نے اس مختصر رسالہ کو تین باب پر تقسیم کیا ہے یعنی پہلا باب ایمان میں۔ اور دوسرا باب اعمال میں۔ تیسرا باب نجات میں۔ جس میں یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ نجات محض ایمان علی الاسلام پر ہی موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ایمان و اعمال کے باہم مجموعہ پر موقوف و منحصر ہے اس طرح پر کہ اس عالم فانی سے تعلق چھوڑنے کے بعد ہر ایک مسلمان کے لئے جو نتیجہ پیدا ہوگا۔ اس کے صلے میں جو آرام و راحت جاودان مومنین کو نصیب ہوگا۔ وہی نجات ہے۔ اور بس۔ کیونکہ ملجات کے جوالی ہونگے۔ وہ ہمیشہ کے لئے اچھی اور خوشگوار حالت میں رہیں گے ؛

نیز یہ بھی ثابت کر دکھایا گیا ہے۔ کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو خدائی مذہب کہلائے جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور وہ **خدائی مذہب** کہلائے جانے کا ہر طرح سے مستحق ہے کیونکہ ہمہ وجہ مکمل اور فطرت انسانی کے موافق و مطابق ہے۔ باقیماندہ

دنیا بھر کے تمام مذاہب غیر مکمل اور ناقص ہی نہیں۔ بلکہ بعض فطرت انسانی کے بھی خلاف ہیں۔ جیسا کہ اخیر کتاب پر میں نے چند موٹے موٹے اور مشہور مذاہب دنیا کی ایک فہرست بقید اصول و لوازم تحریر کردی ہے۔ تاکہ انصاف پسند صاحبان بصیرت اسلام کے خدائی مذہب ہونے کی بہ آسانی تصدیق کرسکیں۔ اور نجات ابدی کو بخوبی سمجھ سکیں۔ کہ واقعی یہ ارشاد باری عز اسمہٗ سچا ہے۔ اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا یعنی اہل نجات ہی وہ لوگ ہیں۔ کہ جنکو ان کے صبر و تحمل کے صلہ میں بہشتی بالاخانے رہنے کو ملیں گے۔ اور دعا و سلام سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ اور وہ وہاں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ اور جان لیں گے۔ کہ بہشت کیسی اچھی رہنے کی جگہ ہے۔ سورہ الفرقان رکوع نمبر ۶ ؎

ہاں اتنا اور عرض کردینا بھی ضروری ہے۔ کہ اول ہی اول اس مسودہ کے مختلف نوٹ میں نے ۱۹۱۱ء میں تحریر کئے۔ جبکہ میں بہ تقریب ملازمت محکمۂ بندوبست قانونگوئی کے عہدہ پر فرید کوٹ میں مامور تھا۔ مگر بندوبست کی کثرت کارگذاری اور فرصت اجتماع ضدین کا حکم رکھتی ہیں۔ اس واسطے میں ان مختلف نوٹوں کو کتاب کی شکل میں ترتیب نہ دے سکا۔ آخر جب میں نے اپنے مشفق دوست مولوی پیر محمد صاحب ایم۔ او۔ ایل وکیل فاضلکا ضلع فیروزپور ہموطن خویش کے مربیانہ مشورہ سے لا کالج لاہور میں حسب ضابطہ داخل ہوکر امتحان مختاری دے لیا۔ تو ستمبر ۱۹۱۳ء میں بایام انتظار نتیجہ ان مختلف نوٹوں کو یکجا کرکے ترتیب وار کتاب کی شکل میں تحریر کردیا۔ اس کے بعد عنقریب نتیجہ برآمد ہوا۔ کہ میں کامیاب ہوگیا۔ پس دسوہہ ضلع ہوشیارپور میں پہنچکر پریکٹس شروع کردی۔ چونکہ نیا نیا کام اور مقام تھا۔ طرح طرح کے مختلف ترددات کتاب ہذا کی نظر ثانی کے مانع رہے۔ اتنے میں دنیا کے اندر ایک ہولناک جنگ عظیم شروع ہوگئی جس نے اپنی روز افزوں گرانی سے دنیا کے تمام معاملات کو درہم برہم کردیا۔ اور مجھے مجبوراً ان چند اوراق کو طاق نسیاں ہی میں رکھنا پڑا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں پھر مجھے امتحان پلیڈری کی تیاری اس پیرانہ سالی میں کرنی پڑی۔ کہ جب میری عمر چالیس سے متجاوز کرچکی تھی۔ مگر الحمد للہ کہ محنت ٹھکانے لگی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؎

اس عرصہ میں میرے مکرم دوست مولوی جان محمد صاحب پنشنر تحصیلدار ساکن ہوشیارپور اور مولوی جلیل الرحمان خان صاحب پنشن خوار سرکار زماں ساکن میانوال موتو یال ضلع جالندھر نے غائر نظر سے اس مسودہ کو دیکھ لیا۔ جس کے لئے میں ان کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ کہ ان کی مشفقانہ مطالعہ نے مجھے نظر ثانی کی تکلیف سے سبکدوش کردیا۔ اور وہ دوستانہ مخلص ہمیشہ مجھے یاددہانی کرتے رہے۔ کہ جن کی تحریک پر یہ مسودہ قلمبند ہوا تھا۔ اب کہ ان کا تقاضا اور میری تعویق حد کو پہنچ گئے۔ مکمل اور صاف کردیا گیا۔ امید ہے۔ کہ وہ میرے اس اتفاقی تساہل کو ضرور معاف رکھیں گے ؎

اور نیز ناظرین باتمکین سے التماس ہے۔ کہ اگر کسی سہو و خطا کی اصلاح فرمائیں۔ توان کا نہایت ہی خوشی سے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ واللہ المستعان ؎

(باقی باقی)

میری سرگذشت

نمبر ۱۱

شہر گنڈاوہ جسے ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء مطابق ۸ رمضان المبارک بروز ہفتہ دو مسلح اسپ سواروں کی معیت میں جو بطور باڈی گارڈ میرے ہمراہ تھے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا - ایک پرانا تاریخی مقام ہے - از منہ ماضیہ میں یہ " قندابیل " کے نام سے موسوم تھا - اور اسے ایران کے بادشاہ بہمن کا آباد کیا ہوا بیان کیا جاتا ہے - اس وقت یہ ہندوؤں اور ترکوں کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا تھا -

سندھ کے راجہ ﭼﭻ نے جب قندابیل پر اچانک حملہ کیا - تو باشندوں نے قلعہ میں پناہ لی - مگر جلدی ہی مجبور ہو کر انہوں نے اسکو ایک لاکھ درم اور ایک سو پہاڑی گھوڑے خراج میں دینے منظور کر لئے - اس معاہدہ پر ﭼﭻ اپنے دارالحکومت " الور " کی جانب واپس چلا گیا - اس واقعہ کی تاریخ اندازاً ۶۳۵-۳۶ء قائم کی جا سکتی ہے - سندھ کا برہمنی خاندان جس کی بنیاد " ﭼﭻ " نے ڈالی تھی - اس کے تیسرے حکمران " داہر " کے وقت میں ختم ہو گیا - جسے آٹھویں صدی عیسوی کے دوران میں عربوں نے مٹا دیا ؛

عربوں نے اس ملک میں پہنچنے سے پیشتر خضدار اور گنڈاوہ کے درمیان درہ مولا کے دامن میں ترکوں کو قابض دیکھا ؛

قیقان جس کو موجودہ " نال " کہا جاتا ہے - اس علاقہ کا ایک حصہ تھا - اور ان ایام میں ایک مشہور جگہ ؛

قندابیل جسے " بدہا " یا بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک " ندہا " کا دارالخلافہ بیان کیا جاتا ہے - ملتان سے دس منزل کے فاصلہ پر واقعہ تھا - باشندے " بدہا " اور " سند " کہلاتے - اور توران - ملتان اور منصورہ کے قطعات میں رہائش رکھتے تھے - اس کے باشندے جاٹ تھے - جیسا کہ وہ آج تک ہیں - وہ کاہی اور گھاس پھوس کے جھونپڑوں میں رہتے تھے - جیسا کہ آجکل کے جاٹ کھجور کے درختوں کی چٹائیوں کے جھونپڑوں میں رہتے ہیں - اب کی طرح اس وقت بھی سیاحوں نے اونٹوں کی پرورش کی نفاست کے متعلق اشارہ کیا ہے - لیکن ان دنوں اونٹ دوہری " کوہان " رکھتے تھے - اور خراسان اور ایران میں ان کی بہت مانگ تھی ؛

اگرچہ قندابیل پر عربوں کے متعدد حملے ہوئے - اور خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت میں جو ۶۸۴ء سے ۷۰۵ء تک تھا - یہ تباہ کیا گیا - لیکن اس کی مکمل فتح ۷۱۱ء میں فاتح سندھ غازی محمد قاسم ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی ؛

بعد ازاں یزید ثانی کے عہد خلافت میں جو ۷۲۰ء سے ۷۲۴ء تک تھا - مہلب کے بیٹوں نے قندابیل میں پناہ لی - اور وہیں قتل ہو گئے ؛

" بلاذری " بیان کرتا ہے - کہ قندابیل ایک پہاڑی یا دشت [illegible] واقعہ تھا - اور عمران نامی [illegible] نے اس شہر پر متصرف ہونے کے بعد اس جگہ کے باشندوں کو خضدار میں منتقل کر دیا تھا - گنڈاوہ جسے " غندوہ " " گنجاوہ " اور " گنج " بھی کہا جاتا ہے - اب کچھی کے میدانوں کے درمیان ایک بلند قطعہ پر واقعہ ہے - اور مندرجہ بالا بیان سے مطابقت کرتا ہے ؛

المعتصم باللہ کے عہد حکومت میں جو ۸۳۳ء سے ۸۴۲ء تک تھا۔ قندابیل پر عمران نے تصرف پالیا۔ اور اس کے باشندوں کو خضدار میں منتقل کر دیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

"الاستخری"[5] جو دسویں صدی کے متعلق لکھتا ہے۔ قندابیل کا ذکر کرتا ہے۔ اور ابن حوقل، جس نے کچھ عرصہ بعد لکھا۔ اس کو اپنے نقشہ میں دکھلاتا ہے۔

مزید براں یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ عربوں کے عہد حکومت میں قندابیل ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی۔

کئی صدیاں گذر چکی ہیں۔ جبکہ قندابیل یعنی گنڈاوہ تاریخ میں رونما ہو چکا ہے۔

ملک سندھ اگرچہ برہمن خاندان کی بجائے عرب کے بنو امیہ خاندان کی حکومت میں آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز ہی میں آگیا تھا۔ لیکن پھر عباسیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ جن سے ۱۰۲۶ء میں غزنویوں نے لیا۔ اس وقت سے لے کر کئی ایک درمیانی حکومتوں کا زمانہ دیکھنے کے بعد اب گنڈاوہ ہز ہائی نس خان قلات کے زیر حکومت ہے۔ اور ان کے نائب کا ہیڈ کوارٹر۔

گنڈاوہ سطح سمندر سے ۳۴۱ فٹ بلند اور درہ مولا کے دہانہ کے نزدیک ۲۸ درجہ ۳۷ دقیقہ شمالاً۔ ۶۷ درجہ ۲۹ دقیقہ شرقاً رود مولا کی شاخ پر واقع ہے۔ اور نوتال ریلوے سٹیشن سے قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر۔ تجارت یہاں خاصی ہے۔ مگر ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مقامی صنعت زیادہ تر موٹا کپڑا (کھدر) اور جوتیاں ہیں۔

شہر میں بارہ مسجدیں اور پانچ دہرم سالہ ہیں۔ ایک ناتمام مسجد کلاں بھی ہے۔ جو میر خداداد خان (اب مخلوع خان قلات) نے بنوانی شروع کی تھی۔ کاش کہ "پدر نتواند پسر تمام کند"۔ کے مصداق موجودہ خانِ قلات ہز ہائی نس میر محمود خان کے سر پر اس کی تکمیل کا سہرا ہوتا۔

گذشتہ ایام میں اس شہر کے گرداگرد ایک اونچی دیوار تھی۔ جو اب گر چکی ہے۔ شہر کے شرقی حصہ میں ہندوؤں کی آبادی ہے۔ غربی جانب خانِ قلات کی "میری" یا محل۔ اور مرکز میں بازار جو گھاس پھوس سے ڈھپا ہوا ہے۔

جن ایام میں علاقہ کچھی جس میں اب گنڈاوہ۔ بھاگ۔ لاڑی اور ڈہاڈر واقعہ ہیں۔ علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ تو سندھ کے فرمانروا میاں نور محمد کلہوڑہ کی طرف سے گنڈاوہ کا نائب الحکومت مراد گنج تھا جس نے موضع سنی کے قریب "جاندری نہر" کے میدان میں میر عبد اللہ خان (خانِ قلات) کا ۱۷۳۰-۳۱ء میں مقابلہ کیا تھا۔ اور میر عبد اللہ خان اس جنگ میں شہید ہوا۔ جس کی خون بہا میں یہ علاقہ کچھی ملک سندھ سے جدا ہو کر خانانِ قلات کو ملا جس پر وہ اب تک متصرف ہیں۔

شہر سے جنوب کی طرف دو تین ایکڑ اراضی میں ایک وسیع باغ ہے جس میں انار کے سوا آم اور دیگر قسم کے میوہ دار اشجار ہیں۔ اسی باغ کے قریب میر خداداد خان کے چچازاد بھائی میر شیر دل خان نے ۱۸۶۳ء میں اول الذکر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ جس میں وہ صرف زخمی ہوا۔ مگر عام بغاوت رونما ہوئی۔ شیر دل خان حاکم مقرر کیا گیا۔ اور میر خداداد خان سرحد سندھ کی طرف

[5] بعض نے یوں بھی لکھا ہے۔ الاستخری یا اصطخری۔

چلاگیا۔ جو ۱۸۶۴ء میں خانئ قلات کے حاصل کر لینے میں کامیاب ہوا۔

یہی وہ اہم واقعہ تھا جس سے میر خداداد خان اور سرداران اقوام بروہی کے درمیان مستقل دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور اس کے نتیجہ میں ۱۸۵۵ء سے انگریزوں کے قدم مستقل طور پر بلوچستان میں جم گئے۔

یہاں پر میں نے نرالی قسم کا ایک کولھو دیکھا جس کا باقی حصہ تو بشکل پنجاب کے کولھو کے ہے۔ لیکن اس کے اوپرلے سرے پر چہار گوشہ چوبی سرپوش جس میں درمیانی "لٹھ" کے لئے ایک سوراخ ہے۔ اور کولھو میں تیل کے نکاس کے لئے کوئی پیندا نہیں۔ بلکہ تیل برتن کے ذریعہ نکالا جاتا ہے۔

گنداوہ ایک زرخیز مقام ہے جس کی اکثر اراضیات کی آبپاشی رود مولا کے پانی سے ہوتی ہے۔ باقی اراضیات خشک آبہ ہیں۔ جو بارش سے سیراب ہوتی ہیں۔

یہاں میں نے کماد کا ایک کھیت بھی دیکھا۔ جو اس علاقہ میں ایک اچنبھا سی بات ہے۔

پنجاب میں سکھوں کے زمانے میں تو "کاٹھ" ایک عام بات تھی۔ لیکن یہاں میں نے ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء کو اسے پہلی مرتبہ دیکھا۔ جس میں بعلت عدم ادائے قرضہ ایک شخص کی دونو پنڈلیاں کاٹھ کے سوراخوں میں دی ہوئی تھیں۔ پاؤں باہر تھے۔ اور وہ زمین پر چت لیٹا ہوا تھا۔ جس پر پہرہ دینے والے محافظ کی ہر وقت ضرورت نہ ہو سکتی تھی۔

سنہ ۹۲ھ میں فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم ثقفی نے سب پر خراج موافق شرع اسلام مقرر کیا۔ اور جن لوگوں نے خراج موافق شرع اسلام مقرر کیا۔ اور جن لوگوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ وہ جزیہ سے مستثنیٰ کئے گئے۔ اور جو اپنے اسلاف ہی کے مذہب پر رہے۔ انہوں نے جزیہ دیا۔ مگر نہ تو ان کا مال و متاع ہی لیا گیا۔ اور نہ ان کی زمینیں چھینی گئیں۔

زمانہ حال میں علاقہ کچھی میں خان قلات کی نیابتوں میں جس قدر ہندو آباد ہیں۔ ان میں بہت سے نسلاً بعد نسل بخوشی خود جزیہ ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ جس کو غلط العام میں "جیجہ" کہا جاتا ہے۔ اس کا طریق وصول بھی اب تک وہی ہے۔ جو غازی محمد قاسم نے تجویز کیا تھا۔ یعنی ہندوؤں کے مکھی ہی کے ذریعے۔

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ لفظ جزیہ کو نہایت ہی ناگواری سے سنا ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے حالانکہ یہ معرب لفظ ہے۔ جس کی اصل "گزیہ" ہے۔ اور اس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں۔

یہ مسلم ہے۔ کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ اور تاریخی شہادتوں سے ظاہر ہے۔ کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے۔

بہرکیف جزیہ کے سمجھنے میں عام لوگ اکثر غلطی کرتے ہیں۔ اور اس کو ایک جبریہ محصول خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ دراصل بالکل ایسا نہیں۔ اسلامی ممالک میں موجودہ یورپ کی طرح۔ ملٹری سروس یعنی فوجی خدمت لازمی ہوتی تھی۔ اور جو لوگ باوجود اس خدمت کے قابل ہونے کے اس سے مستثنیٰ ہونا چاہتے تھے۔ ان کو کچھ روپیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمانہ حال کی تمام مہذب

گورنمنٹیں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ چونکہ غیر مسلم فوج میں نہیں لئے جاتے تھے۔ اور ان کی حفاظت کا بوجھ مسلمانوں پر ہوتا تھا۔ اس لئے ان پر ایک قسم کا ٹیکس لگایا جاتا۔ جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں جزیہ کہا جاتا تھا۔

یہ بات کہ غیر مسلموں پر فوجی خدمات لازمی کیوں نہ کی جاتی۔ اس لئے غیر ضروری تھی۔ کہ اولاً تو وہ خود ہی اس پر راضی نہ ہوتے۔ اور اگر جبراً ان سے ایسا کرایا جاتا۔ تو یقیناً وہ ناراض رہتے۔ اور ناحق کا بوجھ سمجھتے۔ علاوہ ازیں انتظامی مصلحتوں کے لحاظ سے ان پر چلد تر اعتماد بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کہ وہ ہر حالت میں وفادار رہیں گے۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا۔ کہ مسلمانوں کے لئے تو فوجی خدمت لازمی ہو۔ اور غیر مسلم اس سے آزاد رہ کر اس کے عوض میں فوجی اخراجات کا ایک حصہ ادا کریں۔ جو ان کے مال وجان کی حفاظت کے کام پر خرچ ہوتا تھا۔ پس اس غرض سے ان پر جزیہ لگایا گیا۔ البتہ جو غیر مسلم فوج میں بھرتی ہو جاتے وہ جزیہ سے بری کئے جاتے۔

اسلام کے نامور فرزند غازی محمد قاسم (رحمتہ اللہ علیہ) کے زریں عہد حکومت کی یہ ایک نہ مٹنے والی یادگار اگرچہ ساڑھے بارہ سو سال کا لمبا عرصہ منقضی ہونے کے باوجود اب تک بلوچستان کے اُس حصے میں جسے اب علاقہ کچھی کہا جاتا ہے۔ موجود اور برقرار چلی آتی ہے۔ مگر چشم بکہاں است کہ ملکش بادگران است۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ)

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

(۱) یہ خبر نہایت رنج واندوہ سے سُنی جائیگی کہ قوم کے سچے ہمدرد بہی خواہ ملک ڈاکٹر محبوب عالم صاحب قریشی لدھیانوی کے والد محترم مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب صدیقی دو ماہ بعارضہ سِل بیمار رہکر ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بزرگ صورت نیک سیرت اور مرنجان رنج وزود تھے۔ خدا مغفرت کرے۔ اٹھارہ سال ہوئے ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر محبوب عالم صاحب شفقت مادری سے محروم ہوگئے تھے اب سایۂ پدری بھی اُٹھ گیا۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ آپکو صبر جمیل عطا فرمادے اور اپنا فضل وکرم آپکے شامل حال رکھے۔ اور آپ دنیا کے حوادث سے مامون ومحفوظ رہیں۔ آمین

(۲) محترم مولانا عبدالحمید صاحب صدیقی سوداگر گورداسپور ایک عرصہ سے مصائب وآلام میں مبتلا ہیں کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ آپکا برادر عزیز عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گیا۔ اس کے بعد اہلیہ کی علالت کے طویل سلسلہ نے پریشان کردیا۔ اب آپکا صاحبزادہ ۲ ½ سال بیمار رہکر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داغ جگر دے گیا۔ اور چند روز بعد آپکی ۲ سالہ صاحبزادی ½ ۲ ماہ کی علالت کے بعد راہئ دار بقا ہوئی۔ اناللہ۔۔

بیماری وموت کے پیہم اور متواتر صدمے انسان کو بے حال کردیتے ہیں اور یہی وہ مصائب ہیں جن سے زندگی تلخ ہوجاتی ہے مگر تقدیر سے تدبیر نہیں ہوسکتی وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہو۔ انسان بیچارہ وبے بس ہے۔ خدا اپنا فضل اور رحم کرے اور کسی کو امتحان میں نہ ڈالے ہمیں آپ کساں صدمہ سے کمالی رنج وقلق اور الم واضطراب ہوا ہے۔ اللہ میاں آپکو صبر اور نعم البدل اور تسکین عطا کرے۔ آمین۔

افسانہ

حامد اور جمیلہ

حامد - ایک امیر گھرانہ میں پیدا ہُوا۔ نازونعمت میں پرورش پائی۔ ایک آنریری مجسٹریٹ کا لڑکا اور پھر اکلوتا۔ لاڈو پیار میں اعمال کا جائزہ نہیں لیا جاتا۔ اور ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کی جاتی ہے۔ اٹھارہویں سالگرہ نہایت دھوم دھام سے منائی گئی۔ مجلس احباب میں حامد کی شادی کا تذکرہ ہُوا:

خاوند - بیوی- میں اس وقت ایک ضروری معاملہ کے متعلق تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں:

بیوی - (بات کاٹ کر) میں ناچیز آپ کو کیا مشورہ دے سکتی ہوں۔ میرا مشورہ کیا اور اس کی حقیقت کیا:

خاوند - بہرحال سنو۔ حامد ماشاء اللہ اب جوان ہوگیا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ انٹرنس پاس ہُوا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی کردی جائے۔ میں نے چھوٹے بھائی سے بھی ذکر کیا تھا۔ کہ میں بڑے دن کی چھٹیوں میں اس فرض سے سبکدوش ہوجانا چاہتا ہوں۔ اس نے گھر میں مشورہ کرکے جواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ تم بھی حامد کی چچی سے ذکر کرنا:

بیوی - اے ہے۔ میں تو اللہ سے چاہتی ہوں۔ کہ اپنے لخت جگر کے بیاہ کی خوشیاں مناؤں اور چاند سی دلہن بیاہ کر لاؤں آپ یوں کیوں نہیں فرماتے۔ کہ آپ میرے دل کی دیرینہ مرادیں پوری کیا چاہتے ہیں:

—— ۲ ——

جمیلہ (حامد کے چچا کی بیٹی) اس وقت سولھویں سال میں ہے۔ حسین ہے۔ خوبصورت ہے۔ خوش اخلاق ہے۔ اور امور خانہ داری سے بخوبی واقف ہے۔ ہر ایک سے کشادہ پیشانی پیش آتی ہے۔ والد نے دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی ہے۔ جمیلہ فسانے۔ ڈرامے اور ناول وغیرہ پڑھنے کا شوق نہیں رکھتی۔ بلکہ مذہبی کتابیں اخلاق آموز کہانیاں پڑھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ بہت نیک اور عصمت مآب لڑکی ہے۔ کم گو ہے۔ شریف الطبع ہے۔ اور فرمانبردار ہے۔ اس وقت رات کا وقت ہے اور وہ اپنے کمرے میں محوِ خواب ہے۔ دوسرے کمرے میں جمیلہ کی والدہ اور والد میں گفتگو ہو رہی ہے۔

خاوند - جمیلہ کی ماں۔ آج مجھے بڑے بھائی صاحب ملے تھے۔ وہ اصرار کرتے تھے۔ کہ جمیلہ اور حامد کی شادی بڑے دنوں کی چھٹیوں میں کردی جائے۔ میں نے ابھی کوئی قطعی جواب تو نہیں دیا۔ بلکہ تم سے مشورہ کرکے جواب دینے کا وعدہ کیا ہے

بیوی - جمیلہ کی تائی بھی میرے پاس آئی تھیں۔ وہ بھی اصرار کرتی تھیں۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ آپ جانتے ہیں۔ ابھی جمیلہ کی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو وہ بچہ ہے۔ ذرا جوان ہولے۔ اُدھر حامد نے ابھی تک انٹرنس کا امتحان بھی پاس نہیں کیا۔ چند سالی

ٹھہر جائیں۔ جب تک حامد بی اے پاس کرے۔ پھر دیکھا جائے گا:

خاوند۔ یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ میرا بھی دل نہیں چاہتا۔ کہ ابھی میری لڑکی مجھ سے جدا ہو جائے۔ لیکن اب کیا کیا جائے بھائی صاحب نہیں مانتے:

بیوی۔ اور حامد کے متعلق تو میں کچھ اور ہی سن رہی ہوں۔ خدا کرے غلط ہو۔ کہ وہ مغرور اور فضول خرچ ہے۔ ایسی حالت میں آپ ٹھہر جائیں۔ اور اس کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں:

خاوند۔ یہ تم کو کسی نے یونہی بہکایا ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو۔ تو جب شادی ہو جائیگی اور بیوی گھر میں ہو گی۔ تو اس کے حالات خود بخود درست ہو جائیں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس گفتگو کے بعد یہ قرار پا گیا۔ کہ حامد کے والدین کو اپنی رضامندی سے اطلاع دے دی جائے:

۳

دسمبر کا مہینہ ہے۔ ناقابل برداشت سردی پڑ رہی ہے۔ حامد اور جمیلہ کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ دونوں طرف سے کوشش یہ کی جا رہی ہے۔ کہ کسی بات میں دوسرے بھائی سے کم نہ رہیں۔ ویسے بھی کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ آخر وہ روز سعید آ پہنچا جس کے لئے مدت سے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ حامد میاں دولہا بنے۔ عروسی لباس زیب تن کیا۔ اور شاداں و فرحاں مردانے میں آئے۔ جہاں اس کے ابا معززین و روسائے شہر کے ساتھ خوش گپیاں اُڑا رہے تھے۔ زنانے میں مستورات کا اتنا اجتماع تھا۔ کہ چرغم چرغم کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مراسنیں اور ڈومنیاں گا رہی تھیں۔ ہر طرف مبارک سلامت کا غل تھا باہر بینڈ بج رہا تھا۔ جو اپنی سُریلی آواز سے دلوں کو مسحور کر رہا تھا۔

شام کے پانچ بجے برات کا عظیم الشان جلوس روانہ ہوا۔ سب براتی موٹروں میں سوار تھے۔ جلوس شہر کے مختلف محلوں اور بازاروں کا گشت کرتا ہوا کوئی آٹھ بجے شب لڑکی والوں کے ہاں پہنچا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر برات والوں کا استقبال کیا۔ اور اُن کو ایک آراستہ و پیراستہ کوٹھی میں اتارا۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور کاؤچ رکھے ہوئے تھے۔ جب مہمانوں کی تھکاوٹ ذرا دُور ہوئی۔ تو نماز عشا کے بعد قاضی صاحب تشریف لائے اور ایجاب و قبول کی مبارک رسم ادا ہوئی۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کا غل ہوا۔ رسم کہنہ کے مطابق شیرینی لٹائی گئی۔ لڑکی والوں نے برات تین دن ٹھہرائی۔ اس عرصہ میں مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ چوتھے دن برات واپس ہوئی۔ لڑکی والوں نے ہزاروں روپے کے زیورات۔ برتن اور ضروری سامان جہیز میں دیا۔ برات شادیانے بجاتی گو لے چھوڑتی شاداں و فرحاں دُلہن کو لئے جا رہی تھی۔ لیکن لڑکی کے والدین اپنے گھر سے جیتا جنازہ جاتا دیکھ کر آنسو بہا رہے تھے۔

باقی آئیندہ — ڈاکٹر محبوب عالم صدیقی بیا

تصحیح سرگذشت نمبر ا میں کتابت کی غلطی سے سن پیدائش ۱۸۷۴ کی بجائے ۱۸۷۲ لکھا گیا ہے۔ ناظرین اپنے اپنے نسخے میں صحت کر لیں۔ (مینیجر)

خشکی پر جہازوں کی روانی کا منظر

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد بلند لے کر اٹھنے والی امت کو آٹھ سو سال پیشتر ہی یہ بشارت سنا دی تھی۔ کہ اس رفیع المنزلت جلیل المرتبت شہر میں جس کے ایک طرف بحر خزر کی نیلگوں موجیں لہرا رہی ہیں۔ اور دوسری جانب سر بہ فلک پہاڑیاں اور سنگلاخ چٹانیں ایک محکم اور قدرتی حصار بنائے کھڑی ہیں۔ انسان کو ما سوا اللہ کی غلامی سے نجات دلانے اور اسے اخوت و مساوات کا آسمانی پیغام سنانے کے لئے سب سے پہلی قوم جو کفر و طغیان کے لشکروں کو شکست دیتی ہوئی فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوگی۔ وہ اسحاق کی نسل ہوگی۔ اور اس کا سلطان زمانے بھر کا بہترین تاجدار اور اس کا لشکر دنیا بھر میں بہترین لشکر ہوگا۔

تاریخ اسلامی کے سیزدہ صد سالہ دور کے نصف اول میں جو شوکت و اقبال، ظفرمندی اور انقلابات کی شاندار اور زرنگار روایات سے مملو ہے۔ مسلمان منتظر رہے کہ دیکھیں مخبر صادق کی اس بشارت کا انعام کونسی قوم حاصل کرتی ہے۔ اور مسلمانوں کا وہ کونسا طبقہ ہے جو بہترین لشکر اور بہترین سلطان رکھنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

آخر پندرھویں صدی مسیحی کے وسط میں وہ مبارک ساعت آگئی جس کے لئے مسلمان آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال سے چشم براہ تھے۔ اور اس بشارت نبوی کا سہرا محمد فاتح سلطان ترکی کے سر پر بندھ گیا۔ جس نے قسطنطنیہ کے سے سنگین حصار رکھنے والے ناقابل تسخیر شہر کی فصیلوں، قلعوں اور مورچوں پر ہلال کا مساوات پرور اور حریت نواز اسلامی علم نصب کر دیا۔

ہم روزنامہ "انصاف" کے پرچہ میں زمانہ کے اس بہترین سلطان کی تصویر تبرکاً شائع کر رہے ہیں۔ اور اس موقع کی مناسبت سے اس عظیم الشان کارنامہ کا مجمل سا تذکرہ بھی ہدیۂ قارئین کرام کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے باعث اس اسلامی تاجدار نے متذکرۃ الصدر بشارت نبوی کا بہترین خطاب حاصل کیا۔

ترک سلاطین جزیرہ نمائے گیلی پولی اور تھریس کے ایک حصہ پر مدت سے قابض ہو چکے تھے۔ لیکن عروس البلاد قسطنطنیہ اپنی محفوظ فصیل اور اپنے سنگین حصار کے باعث ابھی تک مسیحی بت پرستی کی آغوش میں بیٹھی اسلام کے فاتحانہ اقدام کی محرومی پر ہنسی اڑا رہی تھی۔

قسطنطنیہ کے یونانی بادشاہ قسطنطین کے پیشرو سلاطین ترکیہ کی عظمت و شوکت کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ اور ہر سال اعتراف عظمت کے ثبوت کے طور پر سالانہ خراج دربار سلطانی میں بھیجا کرتے تھے۔ لیکن قسطنطین نے اپنی متمرد اور سرکش جمعیت سے مجبور ہو کر خراج دینا بند کر دیا۔ سلطان محمد فاتح کے اقتدار سلطانی کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ سلطان نے قسطنطین کے اس رویہ کو دیکھ کر خدائے عزت کی بارگاہ میں حلف اٹھایا۔ کہ میں جب تک مسیحی بت پرستی کے اس مرکز عظیم میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا بلند نہ کر

ہوں گا ۔ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا ؟

چنانچہ کچھ عرصہ کی تیاری کے بعد ۶ اپریل ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح کے لشکر قسطنطنیہ کی فصیلوں سے جا ٹکرائے ۔ اور مغربی جانب سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا ۔ یونانیوں نے بھی شہر کی خوب مورچہ بندی کر رکھی تھی ۔ ترکوں نے اسینٹ رومانس کے بڑے دروازہ کے سامنے اپنا توپ خانہ لگا دیا ۔ اور بڑی بڑی قلعہ شکن توپوں سے فصیل اور دروازوں پر گولہ باری کرنے لگے ۔ یونانی قلعہ نشین ہو کر مقابلہ کرتے رہے ۔ سمندر کی جانب سے یونانیوں کا بحری بیڑہ شہر کی حفاظت کر رہا تھا ۔ اور قسطنطنیہ کی بندرگاہ لوہے کی بھاری بھر کم زنجیروں سے محصور کر لی گئی تھی ۔ تاکہ ترکی جہاز شہر کے نزدیک نہ آ سکیں ؟

قسطنطنیہ ایک تو قدرتی استحکامات کے باعث پہلے ہی سے ایک ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا ۔ دوسرے یونانیوں نے مورچہ بندی کے مزید استحکامات سے اور بھی ناقابل تسخیر بنا رکھا تھا ۔ ترکی فوج نے فصیل پر پے در پے حملے کئے ۔ لیکن نہ تو قسطنطنیہ کی محکم فصیلوں میں کوئی سوراخ بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی ۔ اور نہ قلعہ شکن توپوں کی گولہ باری شہر پناہ کا کوئی دروازہ ہی توڑ سکی ۔ ۱۵ اپریل ۱۴۵۳ء کو ترکوں نے سمندر کی جانب سے جنگی جہازوں پر چڑھائی شروع کی ۔ یونانی بیڑے نے بندرگاہ سے باہر نکل کر آبنائے باسفورس میں مقابلہ کیا ۔ اور اس قدر شدید مقابلہ کیا ۔ کہ ترکی بیڑہ پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا ؟

اس غیر متوقع فتح سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ۔ کلیساؤں میں مریمؑ اور عیسیٰؑ کے بتوں کے سامنے شکرانے کے سجدے ادا کئے گئے ۔ شہر میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے ۔ رات کو چراغاں ہوا ۔ اور یونانی فتح کا جشن منانے کے بعد ہر طرف کے استحکامات پر پہرے بٹھا کر چین کی نیند سو گئے ۔

علی الصبح قسطنطنیہ کے یونانیوں نے دیکھا ۔ کہ وہی ترکی جہاز جنہیں کل ہزیمت ہوئی تھی ۔ شہر پناہ کے نیچے کھڑے ہیں ۔ اور بندرگاہ میں داخل ہو گئے ہیں ۔ اس غیر متوقع منظر کو دیکھ کر یونان کے اوسان خطا ہو گئے ۔ وہ خیال کرنے لگے کہ ترکی جہاز کسی فوق الفطرت طاقت کی مدد سے بندرگاہ میں داخل ہوئے ہوں گے ۔ کیونکہ بندرگاہ کے تمام راستے جو آبنائے باسفورس کے ساتھ ملحق تھے ۔ رات کو مضبوط آہنی زنجیروں کے جال بچھا کر بند کر دیئے گئے تھے ۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ترکوں نے کس فوق الفطرت قوت کی مدد سے زنجیروں کے اس آہنی حلقوں کو کاٹ کر اپنے جہاز گزارنے کے لئے راستہ بنا لیا ۔ اور یونانی پہرہ داروں کو خبر تک نہ ہوئی ؟

اولوالعزم ترک مجاہدین نے اپنے جہازوں کو بندرگاہ میں پہنچانے کے لئے وہ عظیم الشان عسکری کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ ترکوں نے جب دیکھا کہ رات کی تاریکی میں بھی ان کے جہاز آہنی زنجیروں کے حصار محکم کے باعث شہر کے نزدیک نہیں پہنچ سکتے ۔ تو انہوں نے شہر کے اور کسی موزوں ساحلی مقام پر اپنے جہاز کنارے سے لگائے ۔ اور انہیں سروں اور کندھوں پر اٹھا اٹھا کر خشکی کے راستے شہر پناہ کے قریب کسی ساحلی نقطہ پر لے آئے اور وہاں سے جہازوں کو از سر نو سمندر کے پانی میں ڈال دیا ۔ اس محیر العقول کارنامہ کی انجام دہی میں ترک مجاہدین کو پانچ پانچ اور سات سات میل کا چکر کاٹنا پڑا ۔ خشکی پر جہازوں کی روانی کا منظر یا تو اولوالعزم مجاہدین کی آنکھوں نے دیکھا ہوگا ۔ جن کی ہمتیں کوہ شکن اور زہرہ فلک شگاف تھیں ۔ اور یا رات کی تاریکی میں

چمکنے والے ستاروں نے اس فوق الفطرت نظارہ کو دیکھا ہوگا۔ کہ ترک مجاہدین کے گروہ لیکن ہمت دریاہت اس کام کو انجام دے رہے ہیں جو بیسویں صدی کے انجن تمام برقی اور بخاری قوتوں کے باوجود اور ازمنہ عتیق کے جن اپنی محیر العقول روایات کے باوجود بھی نہیں کر سکتے ؛

بندرگاہ میں عثمانی اور یونانی بیڑوں کے درمیان ایک خونریز جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ یونانیوں نے اپنے کئی جہازوں کو آگ لگا لگا کر عثمانی بیڑے کی طرف بھیجا تاکہ وہ عثمانی بیڑے کو نذر آتش کر کے خود بھی جل جائیں۔ اور ترکی جہازوں کو بھی جلا دیں لیکن جو مجاہدین رات کی تاریکی میں اپنے جہازوں کو سروں پر اٹھا کر پانچ پانچ سات سات میل پا پیادہ چلے تھے وہ عزم صمیم سے کر بندرگاہ میں داخل ہوئے تھے۔ کہ آج قسطنطنیہ پر ہلال عثمانی کا پرچم لہرا کر چھوڑیں گے ؛

اِدھر یہ جنگ ہو رہی تھی۔ اُدھر خشکی کی طرف سے ۲۶ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد فاتح نے فصیل پر حملہ کر دیا۔ اور ابھی افق مشرق پر سورج کی روشنی نمودار ہوئی تھی۔ کہ قسطنطنیہ کے عیسائی باشندوں کے کانوں میں تکبیر کے نعروں کی دل ہلا دینے والی صدائیں گونجنے لگیں یونانیوں نے فصیل پر اور شہر پناہ کے دروازوں میں کھڑے ہو کر مقابلہ کیا۔ لیکن مجاہدین اسلامی کا فاتحانہ اقدام سیلاب کی طرح امڈا چلا آرہا تھا۔ اور جو چیز مزاحم ہوتی تھی۔ اسے خس و خاشاک کی طرح بہا لئے جاتا تھا۔ یونانیوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی سے مقابلہ کیا لیکن دوپہر سے پہلے پہلے شکست کھائی۔ عثمانی لشکر شہر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا۔ اور شہر کے بلند ترین میناروں اور دیواروں اور برجوں سے آپ نے خدائے برتر و توانا کی تکبیر کے نعرے بلند کر کے استعمال کی فضا کو اسلام کا پیغام سنایا۔ اس طرح عظیم الشان سلاطین ترکیہ کا ساتواں جانشین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس بشارت کا مظہر و مورد بنا۔ جس کا ذکر ہم آغاز مضمون میں کر چکے ہیں ؛

(ا۔ ف۔)

مختصرات

——— نیو دہلی ۱۲۔ اکتوبر کی اطلاع مظہر ہے کہ اعلیحضرت حضور نظام تاجدار دکن کے آئندہ ماہ میں دہلی تشریف فرما ہونیکی اُمید ہے

——— اخباری خبر ہے کہ پریس ایکٹ کا مجوزہ مسودہ گورنر جنرل نے منظور کر لیا ہے۔ اس لئے اب قانون مذکور نافذ ہو گیا ہے ؛

——— بلدیہ لاہور میں مسلمانان لاہور نے ۵۹ فیصدی نشستوں کا مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ جدید مردم شماری کے لحاظ سے لاہور میں مسلمانوں کی آبادی ۵۹ فیصدی ہے ؛

——— فوجی اخراجات میں ۷۵ لاکھ روپے کی تخفیف کی رپورٹ ہوئی ہے ؛

——— قضیہ کشمیر کا ہنوز تصفیہ نہیں ہوا معلوم ہوا ہے کہ اس کا ذکر ایوان پارلیمنٹ میں بھی ہونے لگا ہے ؛

——— نوجوان بھارت سبھا امرتسر کانگرس سے بیزار ہو گئی ہے۔

——— یکم اکتوبر سے ریلوے کرایہ بڑھا دیا گیا ہے ؛

——— افواہ ہے۔ کہ یکم دسمبر سے پوسٹ کارڈ اور لفافہ کی قیمت ڈیوڑھی کر دی جائیگی۔ رجسٹری پر ایک آنہ اور بڑھا دیا گیا ہے جس سے کاروباری لوگ ہراساں ہیں ؛

——— افواہ ہے۔ کہ بلدیہ لاہور میں ۷ ہزار کا غبن ہو گیا ہے ؛

شانِ عفو اسلامی

اک مسیحی سے اک مسلماں سے ۔ رہنے والے جو اندلس کے تھے
ہوگئی باغیچہ میں کچھ تکرار ۔ بڑھ گئی بات اُٹھ گئے ہتیار
وہ مسیحی جو بد دماغ ہوا ۔ خون سے لالہ زار باغ ہوا
مُسلم نوجوان کو قتل کیا ۔ ہر طرف حشر ہوگیا برپا
دوڑی بجلی کی طرح سے یہ خبر ۔ سب مسلمان ہوگئے مُضطر
چھوڑ کر اپنا کام سب دوڑے ۔ طالبِ انتقام سب دوڑے
ناکہ بندی کچھ اس طرح سے کی ۔ بھاگنے کی کہیں نہ راہ ملی
اُڑ گئے ہوش اُس کے بُو کی طرح ۔ ہوگیا خشک وہ لہُو کی طرح
ہر طرف پھر رہا تھا عیسائی ۔ چھوٹی دیوار اک طرف پائی
پھاند کر باغ سے ہوا باہر ۔ گُل جو چھوٹے تو خار آئے نظر
خار و خاشاک کا تھا اک انبار ۔ اُس میں پوشیدہ ہوگیا ناچار
جان پیاری تھی چھپ گیا اُس میں ۔ مضطرب تھا نہ رہ سکا اُسمیں
اُس کے نزدیک تھا عرب کا مکاں ۔ پُہنچا وہ در پہ مانگنے کو اماں
تھا جوانمرد گو عرب تھا ضعیف ۔ نیکباطن، غیور اور شریف
اُس سے رو کر کہا کہ مجرم ہوں ۔ اور اپنی خطا پہ نادم ہوں
اُس عرب نے کئے بہت سے سوال ۔ دی اُسے پھر پناہ سُنکر حال
تھا عجب اتفاق وہ مقتول ۔ تھا اسی شخص کا پسر مقبول
ایک ہی تھا یہ اُس کا نورِ نظر ۔ پارۂ قلب اور لختِ جگر
اُس کو یہ بات جب ہوئی معلوم ۔ آہ کی اور ہوگیا مغموم
پہلے کچھ دیر تک رہا خاموش ۔ پھر ہوا دل میں انتقام کا جوش

ہوگیا سُرخ چہرۂ عربی ۔ اور غصّہ کی انتہا ہی نہ تھی
دفعتہً پھر خیال کچھ بدلا ۔ رنگ جو سُرخ تھا وہ زرد ہوا
رو کے اُس نے کہا کہ اے جلاّد ۔ تو نے گھر میرا کر دیا برباد
کون روشن کریگا اب یہ چراغ ۔ اس ضعیفی میں آہ! ایسا داغ
بس یہی اک تھا مرا بیٹا ۔ بس یہی اک عصائے پیری تھا
ہیں تو بے موت مر گیا ظالم ۔ جی کے اب میں کرونگا کیا ظالم
کیا کروں یہ نہیں عرب کا شعار ۔ میہماں پر اُٹھاؤں کیا ہتیار
پیروِ دینِ احمدی ہو کر ۔ تجھ کو پہنچاؤں کسطرح سے ضرر
میں نے دی ہے پناہ اے قاتل ۔ ہے یہ اُس کا نباہ اے قاتل
آ گئی اتنے میں ظلمتِ شبِ تار ۔ جو سیہ کاریوں کی ہے ستّار
چھائی ماتم کدہ پہ تاریکی ۔ شب نے پوشاک ماتمی پہنی
سُوگ میں خاندانِ مردِ عرب ۔ غمزدہ مبتلائے رنج و تعب
مختصر ہے یہ قصۂ پُردرد ۔ بولا مردِ عرب یہ بادمِ سرد
دل پہ میرے ہے صدمۂ جانکاہ ۔ اب چلا جا نہیں یہ جائے پناہ
خون میں تجھ کو معاف کرتا ہوں ۔ رسم کے میں خلاف کرتا ہوں
خونِ لختِ جگر سے در گزرا ۔ اور چڑھنے کو تیز اونٹ دیا
تھی عرب کی عجب عُلو ظرفی ۔ ہر طرف دھوم مچ گئی اس کی
ہے یہ قصہ کتاب میں تحریر ۔ آج اُس کی نہیں مثال و نظیر
آہ کیا منقلب زمانہ ہے ۔ اب تو کچھ اور کارخانہ ہے
اپنے ہاتھوں سے ہوگئیں ہم برباد ۔ رہ گیا ہے فقط فسانہ یاد

کیا عرب اور کیا تھے اُن کے شعار ۔ کیسی عبرت ہے یا اولی الابصار

حضرت امام غزالی رح

شاگرد ہونہار آپ سے دریافت کرتا ہے۔ کہ سالکانِ راہ خدا پر تعالیٰ پر کیا واجب ہے۔ آپ جواباً ارشاد فرماتے ہیں:-

اوّل اعتقاد پاک جس میں شائبہ بھی بدعت کا نہو۔ دوسری سچی توبہ کہ پھر گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ تیسرے تمام مخلوق سے خواہ دوست ہو یا دشمن۔ ایسا معاملہ کرے کہ کسی کا حق اس پر نہ رہ جائے۔ چوتھے: علم شریعت سے اتنا حاصل کرے۔ جس سے جائز و ناجائز کا علم اس کو ہو جائے اور۔ باقی علوم سے اتنا جس کو اس کی نجات واخلاص میں دخل ہو۔ چنانچہ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو استادوں کی خدمت میں چار ہزار حدیثیں پڑھی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک حدیث کو عمل کے واسطے منتخب کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی حدیث ہے جو میری نجات و خلاصی کے لئے کافی ہے۔ اوّلین و آخرین کے علوم اس میں مندرج ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے "یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کر کہ جس قدر تو اس میں رہے گا۔ اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ تیرا رہنا وہاں مقدر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے اتنا کام کر جتنا کہ تو اس کا محتاج ہے۔ اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا کہ اس کی تکالیف پر صبر کر سکتا ہے"!

تم کو اس حدیث سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ تم کو بہت بڑا عالم بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ اس حکایت کو غور سے سُنو کہ تم کو میرے کہنے کا یقین ہو جاوے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد و مرید حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم کتنی مدت میرے پاس رہے ہو؟ اُس نے عرض کیا تینتیس برس۔ پوچھا۔ کہ تم نے اس مدت میں کتنے علوم اور کیا کیا فائدے حاصل کئے ہیں۔ جواب دیا۔ کہ صرف آٹھ فائدے۔ اور یہی علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔ فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ میں نے تمہاری تعلیم میں ایک عمر صرف کر دی۔ اور تم نے صرف اتنا ہی حاصل کیا۔ حاتم نے عرض کی کہ حضرت اگر آپ سچ پوچھتے ہیں۔ تو میری تحصیل صرف اسی قدر ہے جو عرض کر دی ہے۔ اور اس سے زیادہ حاصل کرنے کی مجھے خواہش بھی نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ اسی قدر میری نجات کے لئے کافی ہے۔ اور اس سے زیادہ فضول ہے۔

حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بیان تو کرو۔ کہ وہ آٹھ فائدے کیا ہیں۔

جواباً کہا اوّل یہ کہ میں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر شخص کو کوئی چیز محبوب و مرغوب ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی تو اس کا ساتھ مرض الموت تک دیتی ہے۔ اور کوئی قبر تک۔ میں نے سوچ کر ایسا محبوب پسند کیا۔ جو مرنے کے بعد قبر میں بھی مونس و غمگسار رہے۔ تو وہ مونس و غمگسار رہے۔ تو وہ عمل صالح ہے۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت!

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا میں سب کو نفس اور خواہش کا تابع دیکھا۔ جب یہ آیت شریف میری نظر سے گذری۔ واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماویٰ۔ جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے

سے ڈرا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا۔ تو پھر جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ؛

تو مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن مجید سراسر حق ہے۔ پس میں نے نفس کو مجاہدہ کے شکنجہ میں ایسا کھینچا کہ اس کے سارے بل نکل گئے یہاں تک کہ وہ بے چون وچرا اطاعت حق میں مطمئن ہو گیا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ بارك الله عليك

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ دنیا کے لوگ بڑی بڑی تکلیفیں مشقتیں اٹھا کر سامان دنیا میں سے کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہیں گویا کوئی نفیس چیز حاصل کر لی۔ مجھے جو یہ آیت نظر پڑی "ما عندكم ينفد وما عند الله باق" (یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ تعالٰے کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے) تو میں نے اپنا برسوں کا اندوختہ خدائے تعالٰی کی راہ میں فقرا کو دے کر خدائے تعالٰی کے ہاں امانت رکھدیا اس امید پر کہ وہ وہاں باقی رہیگا۔ اور آخرت کے راستہ میں میرا رہنما ہوگا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ تم نے خوب کیا۔

چوتھا فائدہ یہ کہ دنیا میں کوئی اس پر فخر کرتا ہے کہ میرے اقارب کنبہ خدم حشم بہت ہیں اس پر ناز کرتا ہے کہ میرے پاس مال و اولاد بہت ہے کوئی اس پر اتراتا ہے کہ میں بڑا شہ زور ہوں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے جو اس آیت کو پڑھا "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" (یعنی خدائے تعالٰی کے نزدیک بڑا معزز وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے) تو یقین کر لیا کہ خداوند کریم کا فرمانا سچ ہے۔ اور دنیا داروں کے خیالات سراسر باطل ہیں تو پس میں نے تقویٰ کو اختیار کیا۔ تاکہ مجھے خدائے تعالٰی کی درگاہ میں عزت حاصل ہو۔ حضرت شفیق رہ نے فرمایا۔ احسنت !

پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے بہت سے لوگوں کو از راہ حسد ایک دوسرے کی برائی کرتے دیکھا کسی کو کسی کے علم وفضل پر حسد ہے۔ کسی کو کسی کے جاہ و مرتبہ پر۔ تو میں نے جب یہ آیت پڑھی "نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا" تو میں سمجھ گیا۔ کہ ہر ایک کا مقدور مقسوم روز ازل ہی سے الگ الگ ہے۔ کسی کو اس میں کچھ اختیار نہیں تو تب سے مجھ کو کسی پر کوئی حسد نہیں۔ بلکہ میری جہان سے صلح ہو گئی۔ حضرت شفیق نے فرمایا تم نے بڑا اچھا کام کیا !

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی سبب یا غرض سے اکثر ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ میں نے جب یہ دیکھا۔ ان الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا۔ یعنی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تو تم اس کو دشمن سمجھو۔ تو میں نے اس کو دشمن جان کر اس کی ہر بات میں نافرمانی کی اور خدا تعالٰی کی اطاعت میں مشغول ہو گیا۔ اور سمجھ گیا کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ تو حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت !

ساتواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے لوگوں کو روزی اور سامان زندگی بہم پہنچانے میں کوشش کرتے اور حرام و شبہات میں پڑ کر اپنے آپکو ذلیل و خوار کرتے دیکھا۔ تو میری نظر اس آیت پر پڑی۔ وما من دابة في الارض الا على الله رزقها۔ یعنی جو چیز زمین پر متحرک ہے اس کا رزق اللہ تعالٰی کے ذمہ ہے۔ میں سمجھ گیا۔ کہ میں بھی انہی چیزوں میں داخل ہوں۔ جن کے رزق کا کفیل حق تعالٰی ہے۔ پس میں بے فکر ہو کر خدائے تعالٰی کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ حضرت شفیق نے فرمایا۔ احسنت !

آٹھواں فائدہ یہ ہے۔ کہ میں نے کسی نہ کسی چیز پر لوگوں کو بھروسہ کرتے دیکھا تو میں نے اس آیت پر غور کیا۔ ومن يتوكل على الله

فھُوَحَسْبُہٗ یعنی جس نے حق تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔ تو میں نے سب کو چھوڑ کر حقیقی رازق پر بھروسہ کر لیا۔ اور وہی میرے لئے کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔ تو حضرت شفیق نے فرمایا۔ اے حاتم تم کو خدائے تعالیٰ توفیق دے۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں نے توریت۔ انجیل۔ زبور اور قرآن کو دیکھا۔ تو ان کی پند و نصائح کا بھی انہی آٹھوں فائدوں پر مدار ہے۔ جس نے اس پر عمل کر لیا۔ گویا ان چاروں کتابوں پر عمل کر لیا۔

اس قصّہ سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ تم کو بہت سے علم کی حاجت نہیں۔ عمل کی زیادہ ضرورت ہے۔

اخوّتِ اسلامی

(از جناب مولوی محمد معین صاحب کیفی)

ایک غزوہ میں کہ تھا سمتِ ایماں کا مقام — موجزن جوش میں تھی شوکتِ فوجِ اسلام

تھے اسی سلسلۂ جوش و غا میں شامل — حضرتِ عکرمہ و ابنِ عمر ابنِ ہشام

ناگہاں چشمِ مشیت کو ہوئی کچھ جنبش — گر پڑے خاک پہ یہ تینوں فدائے اسلام

سوئے میدان کوئی سرگرمِ تجسس آیا — ٹھنڈے پانی کا لئے ہاتھ میں بھر کر اک جام

جاں بلب عکرمہ کے وہ سرِ بالیں پہنچا — تاکہ فی الجملہ ملے پیاس سے اُن کو آرام

عکرمہ کو نظر آیا کہ سہیل ابنِ عمر — حسرت و یاس سے ہیں دیکھ رہے جانبِ جام

بولے وہ پہلے انہیں جا کے پلاؤ پانی — کہہ رہا ہے یہی بے ساختہ جوشِ اسلام

کوزۂ آب جو لیکر وہ بڑھا سوئے سہیل — اُس نے دیکھا کہ اِدھر ہے نظرِ ابنِ ہشام

بولے یہ ابن عمر دیکھ خدارا اے شخص — پہلے اُس سمت پہنچ لیکے تو پانی کا یہ جام

تشنہ لب چھوڑ دیا عرصۂ دُنیا کیفیؔ
نہ چھٹا ہاتھ سے پر دامنِ حبِ اسلام

عہدِ ماضی کے ہندو مسلمانوں کے تعلقات

(تاریخ ہند کا ایک ورق)

(۱)

پچاس ساٹھ مرد و زن پر مشتمل ایک مختصر سا قافلہ شاہی تزک و احتشام کیساتھ دہلی سے عازمِ سفر ہُوا اور کوچ و مقام کرتا ہُوا ایکدن جب وہ سیالکوٹ کے قریب پہنچا۔ تو شام ہو گئی۔ قافلہ میں زیادہ سے زیادہ چھبیس تیس آدمی ہونگے جنمیں کچھ پردہ نشین عورتیں بھی ہیں جو پالکیوں اور فنسوں میں۔ کچھ لوگ گھوڑوں پر اور کچھ پیدل بھی ہیں۔ قافلے سے کوئی ایک میل والے ایک جماعت قریب کے گنجان جنگل سے نکلی۔ اور اب جرنیلی سڑک پر پڑی جس پر قافلہ جا رہا تھا۔ یہ لوگ پنجابی سکھ تھے اور ہتھیاروں۔ تلواروں۔ نیزوں اور بندوقوں سے مسلح تھی۔ ان کے سر کے لمبے لمبے بال ان کے بڑے بڑے پگڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کی داڑھیاں لمبی لمبی تھیں اور کپڑے خوب ڈھیلے ڈھالے یہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کا تیس سالہ جوان سردار ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لئے سب کے آگے جا رہا تھا۔ جس کے چہرے سے شجاعت و بہادری کے آثار نمایاں۔ آنکھیں نہایت خونخوار تھیں۔

سردار اپنے آدمیوں سے بولا۔ خبردار شکار جانے نہ پائے۔ بہادرو آگے بڑھو دیکھو ایسے موقعے روز روز نہیں آیا کرتے۔ آج تقدیر نے یاوری کی ہے تو خوب بڑھ بڑھ کے ہاتھ دکھانے چاہئیں۔ یہ کہتے ہی اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ساتھیوں نے بھی گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ جماعت بھاگتی کودتی قریب جا پہنچی۔ اور اشارہ پاتے ہی قافلہ پر پل پڑی۔ اہلِ قافلہ نے انہیں بہتیرا ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ خبردار۔ یہ قافلہ ملکہ زمانی کا ہے اور شہنشاہ بیگم بہ نفس نفیس سردار قافلہ ہیں۔ انسانیت۔ مذہب اور خدا کا واسطہ دلا کر بھی رحم کی درخواست کی گئی۔ ان پر ان باتوں کا ذرا اثر نہ ہوا۔ بالآخر مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھانا پڑا اور رفقا ناموس کے لئے بعض عورتوں کو بھی دادِ شجاعت دینا پڑی۔ مگر وہ حملہ آوروں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔

بچوں اور عورتوں کی آہ و زاری سے جنگل گونجنے لگا۔ مگر ڈاکوس اسے مس نہیں ہوئے۔ ان کے دل پر مطلق اثر نہیں ہوا حتیٰ کہ انہوں نے قافلہ کے مردوں کو مغلوب کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور اس کے بعد ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور مالِ غنیمت لے کر چلے گئے۔

(۲)

قافلہ در حقیقت ملکہ زمانی بیگم شہنشاہِ ہند یعنی موجودہ مغل حکمران احمد شاہ بادشاہ دہلی کی والدہ ماجدہ کا تھا۔ اس وقت بیگم کے شوہر محمد شاہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

ملکہ زمانی کابل جا رہی تھیں کیونکہ وہاں سے خبر آئی تھی۔ کہ ان کی صاحبزادی بیمار ہیں۔ اس شہزادی کا عقد شاہ کابل احمد شاہ ابدالی کے فرزند شہزادہ تیمور کے ساتھ ہُوا تھا۔ اور جب ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو یہ رسم دہلی میں ادا کی گئی تھی۔

نادر شاہی حملوں کے بعد احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چھ حملے کئے۔ احمد شاہ ابدالی یا درانی افغانوں کا سردار تھا۔ پہلے نادر شاہ

کا خزانچی مقرر ہوا۔ مگر جب ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ مارا گیا۔ تو ابدالی نے اس کے خزانے دبا کر حکومت قندھار پر قبضہ کرلیا۔ اور اس کے بعد ہند پر حملہ آور ہوا۔ مگر شہزادہ احمد سے ہند پر سخت شکست کھائی۔ اس لئے اسے پسپا ہوجانا پڑا۔

لیکن ابدالی نے اگلے سال پھر حملہ کیا اور وہ اب کے فتحیاب ہوا۔ مغل بادشاہ احمد شاہ نے اس سے شکست کھائی اور حکومت پنجاب ابدالی کے ہاتھ آئی۔ یہ واقعہ ۱۷۴۸ء کا ہے۔ اب گویا پنجاب حکومت مغلیہ سے الگ ہوگیا۔

ابدالی نے ۱۷۵۷ء میں پھر دلی پر حملہ کیا کیونکہ عالمگیر ثانی کے وزیر نواب غازی الدین خاں نے پنجاب کو سلطنت دہلی میں شامل کرنا چاہا۔ دلی میں خوب لوٹ مار ہوئی اب ابدالی نے پنجاب کا صوبہ دار روہیلے افغان نجیب اللہ کو بنادیا۔ اور خود قندھار واپس چلا گیا۔ مگر بہت تھوڑی مدت گذری تھی کہ غازی الدین پنجاب پر حملہ آور ہوا حتیٰ کہ اس نے نجیب اللہ کو نکال باہر کیا۔ مگر مرہٹوں کی مدد سے غالبًا یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ غازی الدین مسلمان تھا۔ اور مرہٹے ہندو مگر وہ غالبًا ہم سے زیادہ ہوشیار تھے کیونکہ وہ مذہبی اختلاف کے باوجود متفق اور متحد ہوکر تیسرے دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ اور ہم یقینًا۔ ان باتوں سے محروم ہیں۔

چند روز بعد پنجاب پر رگھوناتھ راو مرہٹے نے قبضہ کرلیا۔ جس کی وجہ سے ابدالی نے دہلی پر چوتھا حملہ کیا۔ جو نہایت سخت تھا مرہٹوں کو کامل شکست ہوئی۔ یہی مقابلہ تاریخ میں پانی پت کی تیسری جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ ان واقعات کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ کابل اور ہندوستان کے حکمرانوں کے درمیان رشتہ داری ہوگئی۔ چنانچہ مرحوم شاہ دہلی محمد شاہ کی دختر یعنی احمد شاہ کی بہن کی شادی احمد شاہ ابدالی کے فرزند شہزادہ تیمور سے ہوگئی۔

ابدالی کی واپسی کے کچھ مدت بعد شہزادی کی بیماری کی خبر آئی تو ملکہ زمانی کابل چلیں اس وقت ہندوستان میں تقریبًا ہر طرف بدامنی کی حکومت تھی۔ مغلیہ سلطنت صرف فصیل دہلی تک محدود رہ گئی تھی۔ پنجاب دکن اور بنگال خود مختار ہوچکے تھے۔ مرہٹوں کا زور تھا پنجاب پر سکھ قابض ہوچکے تھے۔ اور اسی قوم کے ڈاکوؤں نے ملکہ زمانی کو لوٹ لیا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ شاہ زمانی کا ارادہ کابل سے واپسی کا نہیں تھا کیونکہ یہاں کی حکومت کا گویا خاتمہ ہوچکا تھا۔ اسی واسطے اس نے لاکھوں کا ساز و سامان اور زر و جواہرات اپنے ساتھ لے لئے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ کابل تک صحیح و سالم نہیں پہونچ سکے۔ بلکہ پنجاب ہی میں لوٹ لئے گئے حتیٰ کہ بیچاری ملکہ کے پاس ایک پھوٹی کوڑی تک باقی نہیں رہ گئی۔

(۳)

۲ بجے ہیں۔ راجہ رنجیت دیو۔ والئے ریاست جموں اپنے زرنگار تخت پر شان کیساتھ جلوہ افروز ہیں۔ ان کی عمر تقریبًا چالیس سال ہے۔ قریب ہی وزیر جل سنگھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

راجہ۔ کیا یہ خبر صحیح ہے۔

وزیر۔ ایشور کرتا کہ جھوٹ ہوتی۔ مگر افسوس کہ صحیح ہے۔

راجہ۔ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک قافلہ خصوصًا شاہی قافلہ ادھر سے گذرے اور یوں لوٹ لیا جائے یہ تو ہماری

قوم اور ہمارے ملک کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ عورتوں پر حملہ کرنا۔ بچوں پر ہتھیار اُٹھانا نہتوں کو لوٹ لینا کہاں کی جوانمردی ہے۔

وزیر۔ نفرت انگیز ولی ہے۔ پھر عورت بھی کون۔ ملکہ ہند۔ بادشاہ کی ماں مگر ڈاکو لوگ ان باتوں کی پرواہ بالکل نہیں کرتے۔ وہ تو لچھمی دیوی کے پوجاری ہیں۔ اور بس؛

راجہ۔ یہ سچ ہے تاہم ہمارا بھی تو کچھ دہرم ہے۔ کوئی فرض ہے۔ اس پاپ کا پراشچت ہمارے ذمہ ہے؛

وزیر۔ جو حکم؛

راجہ۔ تم جاؤ اور کچھ آدمی بھی لے جاؤ۔ اور اپنے ساتھ ہر قسم کے ضروری سامان آسائش پردہ وغیرہ لے جاؤ۔ سواری شاہانہ ہونی چاہیئے۔ ملکہ زمانی کو نہایت عزت کے ساتھ یہاں لے آؤ۔ اور مشرقی محل میں مہمان رکھو۔ اور تمام ضروریات مہیا کردو۔ بیگم یہاں چند روز آرام کریں گی اور ہم اس کے بعد سامان سفر مہیا کر کے انہیں اپنی فوج کے ساتھ کابل روانہ کردینگے۔

وزیر۔ بہت ہی مناسب؛

وزیر یہ کہہ کر انتظام کرنے چلا گیا؛

(۴)

جنازے کا ایک غیر معمولی ماتمی جلوس ابھی ابھی جموں کے جنگلات سے نکل کر علاقہ پنجاب میں داخل ہوا ہے۔ راجہ رنجیت دیو نے ملکہ زمانی کو تقریباً دو ہفتے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور ان کی خاطر تواضع خوب دل کھول کر کی۔ حتیٰ کہ ان کے دل سے گرد کلفت دہل گئی؛

پھر راجہ نے ملکہ کے لئے ہر قسم کا سامان سفر مہیا کیا اور ان کے ساتھ ایک فوجی دستہ کر کے انہیں کابل کی طرف روانہ کردیا۔ لیکن یہ قافلہ ابھی دو ہی منزل گیا تھا۔ کہ اسے ایک جلوس جنازہ ملا۔ افسوس کہ یہ ملکہ زمانی کی انہیں دختر کی نعش تھی جنگی بیماری کی خبر پا کر وہ دیکھنے جا رہی تھیں۔ مگر زندہ نہ دیکھ سکیں۔ آہ۔ ایسی حسرت نصیب ماں کے رنج وغم کا اندازہ کون کرسکتا ہے؛

اب شہزادی کا جنازہ افغانوں کے پہرہ میں ہندوستان لایا جا رہا تھا۔ مگر اس کے ساتھ شہزادی کا تمام جہیز ساز وسامان اور نقد وجنس بھی کثیر تعداد میں تھا۔ پس ملکہ زمانی بھی جنازہ کے ساتھ پلٹیں۔ اور عازم دہلی ہوئیں۔ چنانچہ اب وہی گروہ داخل پنجاب ہوا ہے۔ جب رات ہو گئی تو اس ماتمی قافلہ نے کمر کھولی۔ قیام کیا۔ اور کچھ زہر مار کر کے سو رہا مگر کوئی آدہی رات کے قریب ان پر سکھ ڈاکو ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً تمام نقد وجنس لوٹ کر لے گئے۔ کیونکہ وہ مال کو پہلے ہی تاڑ گئے تھے اور قریب کے جنگل میں موقع کے منتظر تھے۔ غرضیکہ وہ خوب لوٹ کھسوٹ کر لے گئے اور باقی کچھ بھی نہیں چھوڑا؛

یہ لٹا ہوا قافلہ معہ جنازہ پلٹ کر جموں پہنچا۔ راجہ کو اس حادثہ کا افسوس بے انتہا ہوا۔ انہوں نے اہل قافلہ کی تسلی اور دلجوئی ہر طرح کی انہیں مہمان رکھا۔ اور ایک ہفتہ بعد اپنی فوج کی حفاظت میں دہلی پہنچا۔ اور مغل بادشاہ احمد شاہ کو تمام واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے اپنا سفیر جموں میں بھیجکر راجہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور بہت سے قیمتی تحفے بھی بھیجے؛

(۵)

ماضی میں بہادر مرہٹے (ہندو ہونے کے باوجود) مسلمان نواب کی مدد کر سکتے تھے۔ ہندو راجہ رنجیت دیو مسلمان ملکہ زمانی سے نیک سلوک کر سکتے تھے۔ اسی طرح سے گذشتہ زمانہ میں بہت سے مسلمان ہندوؤں کو مدد دے سکتے تھے۔ لیکن آج کے ہندو مسلمان امن وامان کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ (اظہر)

بزمِ قریش

۱۔ ہمدردانِ قوم وبہی خواہانِ القریش اس حالت میں بھی جبکہ نفسی نفسی کا زمانہ آ رہا ہے۔ اپنی قومی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے قومی آرگن کی امداد واعانت سے غافل نہیں اور کسی نہ کسی طریقہ سے دستِ اعانت بڑھا ہی دیتے ہیں۔ اور یہی ایک سبب ہے کہ اس کس مپرسی میں بھی "القریش" شائع ہو رہا ہے۔ اگر ہر ناظر القریش اسی طرح حمیتِ قومی کا ثبوت دے تو القریش کی تکالیف بلا تکلف دُور ہو سکتی ہیں اور وہ کشادہ دلی کے ساتھ قومی خدمات کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ ہمارے قدیم محسن اور بہی خواہ قوم خریدار نمبر ۳۴۶ نے سات روپے آٹھ آنے کی رقم ارسال فرما کر مشکور کیا۔ مسٹر خورشید عالم صاحب فاروقی سٹیشن ماسٹر نے دو خریداروں سے مدد کی۔ اور مخدوم محمد الدین صاحب سکول ماسٹر نے خود خریداری قبول کر کے قومی حمیت کا ثبوت دیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

۲۔ قریش کے حسب ونسب پر کس قدر یورش ہو رہی ہے۔ اور سا ایک صحیح النسل اور عربی الاصل خاندان کو نہ صرف مخلوط ومشتبہ بلکہ تباہ وبرباد کرنے کے لئے کس طرح شرمناک کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے خط سے ہو سکتا ہے جو ایک دردمند قوم نے ہمیں لکھا ہے۔ اور ناظرین کرام کی واقفیت کے لئے بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ (ہُوہذا)

پرسوں کی ڈاک میں "نقل چٹھی سرکلر نمبر ۲" (موصول) ہوئی۔ آپ کی محنت قابل داد ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کا اجر دے۔ اپنی قوم سے معاوضہ کی توقع عبث ہے۔ خدا آپ کی مدد کریگا۔ آپ اپنا فرض پورا کئے جائیے۔ ——— ! میں ایک آواز اٹھانا چاہتا ہوں اور آپ کی مدد کا طلبگار ہوں۔ امید ہے آپ دریغ نہ فرمائیں گے۔ ضلع سیالکوٹ میں صرف تین چار خاندان "اصل قریشی" ہیں۔ جس کی تصدیق ہمارے بزرگ کرتے آئے ہیں۔ اور ان کے شجروں پر ہمارے بزرگوں کی مہریں ثبت ہیں۔ باقی تمام جعلی اور جھوٹے دیکھا دیکھی اب بنے ہیں اور بن رہے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جس قدر لوہار۔ ترکھان۔ موچی۔ تیلی۔ کمہار وغیرہ جو چار حرف پڑھ جانے کی وجہ سے ملازمت پیشہ ہوتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام اب قریشی لکھاتے اور قریشی کہلاتے ہیں۔ اور ہم ان سب کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ غیرت جوش دلاتی ہے غصہ بھی آتا ہے۔ مگر کیا کریں ہم لوگ انسداد نہیں کر سکتے۔ آئے دن نئے بنے ہوئے قریشی ہمارے ہاں مہر تصدیق اپنے اپنے شجروں پر لگوانے کے واسطے آتے ہیں۔ اور تقاضا کر کے تنگ کرتے ہیں۔ دُور دُور سے سفارشیں لکھوا

سمجھاتے ہیں۔ ہم لوگ بہت برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر ان پر کوئی اثر نہیں۔ وہ اس قدر ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔ کہ کچھ پرواہ نہیں کرتے اب آپ ہی بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ اس کا انسداد ضرور ہونا چاہئے۔ اور جلد ہی مردم شماری کے بعد اب ان قوموں کو ہوش آیا ہے۔ کیا کیا جائے۔ اپنی رائے سے مستفیض فرمائیں جس جس گاؤں میں نئے قریشی بنے ہیں اور بن رہے ہیں۔ میں نے ان سب کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔ اب خود بھی ان لوگوں کو جا کر سمجھاؤں گا۔ یہ لوگ صرف زراعت پیشہ ہونے کے واسطے یہ قصد کر رہے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ یہاں اس علاقہ سے بہت سے جعلی قریشیوں نے عدالت میں مرافعہ دیا ہوا ہے کہ ان کی قریشیت کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ اور زراعت پیشہ لوگوں میں شامل کیا جائے۔ عدالت نے ان میں سے بہت کو مسترد کر دیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے سفارشوں۔ رشوتوں اور میل جول۔ بلحاظ رشتہ داری کے سبب کچھ کامیابی حاصل بھی کر لی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

کیا آپ اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور کھوٹے کھرے کو پرکھیں گے؟ والسلام

بندہ سید ظفر ہاشمی

اس خط کے مطالعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ قریش پر کس قدر حملے ہو رہے ہیں اور ادنیٰ ہندی اقوام قریشیت میں مخلوط ہونے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں۔ مراسیت اور قصابیت کے بعد لوہار، ترکھان اور موچی تیلی قریشی بننے کے لئے کتنے بیتاب ہیں لیکن جو قریشی ہیں اور جنہیں رسول پاک صلعم کی نسل اطہر سے نسبت ہے وہ بے پرواہ ہیں۔ اور اتنا بھی احساس نہیں رکھتے ہیں کہ اپنے نیک و بد پر غور کر سکیں۔ اگر ماضی و حال کا موازنہ کیا جائے تو ایک دوربین نگاہ اور نکتہ سنج دماغ تدبر و تفکر اور غور و تعمق سے کام لے تو صاف صاف عیاں ہو جائے گا کہ قریش من حیث القوم دمبدم ادبار و تنزل کی طرف جا رہی ہے۔ کیا دردمندان قوم اور نام لیوایان قریش کا فرض نہیں ہے۔ کہ وہ ان عوارض کے عواقب و نتائج پر غور کرتے ہوئے اپنے لئے کوئی صحیح طریق عمل تجویز کرنے کی سعی کریں۔ وَبِاللّٰہِ التّوفیق

ہمارا فرض ہے سمجھائے جانا — تمہارا کام ہے مانو نہ مانو ایڈیٹر

نوٹ۔ اکثر احباب قریش "ندوۃ القریش" کا سالانہ چندہ دریافت کرتے ہوئے فارم ممبری طلب کرتے ہیں اور یہ بھی دریافت کیا جاتا ہے کہ آئندہ سالانہ اجلاس کب تک منعقد ہوگا؟ ان سوالات کا مختصرا جواب فرداً فرداً دینا بہت مشکل ہے اس لئے منتظمین کو بذریعہ تحریر ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ "ندوۃ القریش" کا چندہ ممبری ۸؍ اور داخلہ کل ۱؍ ہے۔ چندہ صرف ایک دفعہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور ۸؍ ہر سال بسال دینگی۔ فارم ممبری چونکہ زیر طبع ہیں۔ اس لئے بھجوائے نہیں گئے۔ صرف درخواست کے ساتھ زر چندہ و داخلہ بھیج دینا ہی کافی ہے۔ سالانہ اجلاس کے انعقاد میں صرف زراعتی حقوق کے اعلان کا انتظار ہے۔ کیونکہ کمیٹی کا خیال ہے کہ قوت سعی مختلف خیالات میں منتشر نہ کی جائے اور اس وقت تک جلسہ کا اعلان نہ کیا جائے جب تک کہ زیر کار کام کا نتیجہ عیاں نہ ہو۔ اور اس میں اب کوئی دیر نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سہ ماہی کے اندر اندر حسب دلخواہ کامیابی ہوگی۔

محیّر العقول عجائبات

(از حکیم آشفتہ)

(۱) اصحاب تاریخ لکھتے ہیں کہ بیابان "موتہ" میں ایک بہت بڑا پتھر ہے اس پر ایک اور بڑا پتھر ہے اس پر ایک اور پتھر کا تخت رکھا ہوا ہے اور اس تخت پر ایک بالکل برہنہ میت لیٹی ہوئی ہے کب سے وہ میت رکھی ہوئی ہے اور کیونکر وہاں پہنچی یہ تمام باتیں تاریکی میں ہیں۔ اس میت برہنہ شدید برف باری اور پالے کا اثر ہوتا ہے اور نہ موسم گرما کا پرجلال آفتاب کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ نہ وہ میت سڑتی ہے نہ گلتی ہے۔ نہ کوئی چرند اس کو پوچھتا ہے نہ پرند رخ کرتا ہے بلکہ جب کسی مصیبت زدہ آفت رسیدہ کو بلائیں ستاتی ہیں۔ وہ وہاں فریادی بن کر جاتا ہے اور اس میت کی رُوح سے امداد چاہتا ہے تو فوراً اس کی مصیبت دُور ہو جاتی ہے۔ اور دلی مراد بر آتی ہے۔

(۲) اسی طرح اطراف ہندوستان میں کسی مقام پر سلسلہ کوہ میں ایک بتخانہ ہے۔ جو پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ سال بھر میں ایک زمانہ مخصوص وہاں کی پوجا پاٹ کا مقرر ہے جس زمانے میں اس بتخانہ کے پوجاری بتخانہ کو آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔ اور اطراف و جوانب سے جاتری (یاتری) وہاں آکر جمع ہوتے ہیں۔ اور شرابیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ اسی دوران بادہ نوشی میں ایک شخص نہایت چست و چالاک پیدا ہوتا ہے۔ جوان کے ساتھ شغل مے نوشی میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور جب شراب کے اثر سے وہ کافی طور پر بدمست اور از خود رفتہ ہو جاتا ہے تو ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ اور بتخانہ کے آگے بُت کو سجدہ کرتا ہے۔ تھوڑی دیر اس حالت میں گذارنے کے بعد اس گروہ سے وہ الگ ہو گیا۔ کودتا پھاندتا پہاڑ کی طرف بھاگتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ پہلے بہت زور سے تالی بجاتا ہے پھر تین ٹکڑے پتھر کے جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ ایک داہنی طرف اور ایک بائیں طرف اور ایک پس پشت پھینکتا ہے۔ اس عمل کے ساتھ ساتھ چیخ چیخ کر کچھ جاپ بھی کرتا جاتا ہے۔ لیکن وہ اس قسم کے الفاظ ہوتے ہیں جن کو اس تمام مجمع میں کوئی کچھ نہیں سمجھتا اس کے بعد وہ پھر پہاڑ کی چوٹی سے گھبرایا ہوا وادی میں اتر آتا ہے۔ اور آتے ہی بے ہوش ہو کر مثل مردے کے گر جاتا ہے۔ چنانچہ ساری خلقت اس کی طرف بیتابانہ دوڑتی ہوئی آتی ہے۔ اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے اٹھا کر بتخانے میں بت کے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ اب اس خاموش میت سے دنیا بھر کے سوالات کئے جاتے ہیں۔ اور آنے والے سال کے متعلق ہر قسم کی تفصیل دریافت کی جاتی ہے۔ مثلاً اس سال میں کیا کیا واقعات پیش آنیوالے ہیں۔ قحط پڑیگا یا ارزانی ہوگی زلزلے آئیں گے یا سکون رہے گا۔ بارش ہوگی کہ نہ ہوگی۔ صلح و امن سے زندگیاں بسر ہوں گی کہ غنیم کے حملے ہوں گے۔ اور آتش جنگ مشتعل ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ بیہوش سب کے جواب دیتا ہے اور ایک بھی پیشگوئی اس کی غلط نہیں نکلتی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پھر وہ ہوش میں آجاتا ہے۔ اور سوال و جواب کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اسی سلسلہ میں وہ کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ اب پھر سال بھر تک نہ اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ اس کی جائے قیام کو معلوم کر سکتا ہے۔ اللہ ہی جانے کہ اس میں کیا بھید ہے۔ ارباب تاریخ اس کی صحت و عدم صحت کے ذمہ دار ہیں۔

نقد و نظر

اسکول کی زندگی — بچوں کے لئے ایک دلچسپ ڈرامہ ہے۔ مولوی محمد عبدالغفار صاحب مدھولوی استاد جامعہ نے نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے۔ بچوں کے لئے مفید کتاب ہے۔ حجم ۵۸ صفحات تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ کتابت وطباعت عمدہ قیمت فی نسخہ ۴ر +

باغبانی پروجکٹ اور بچوں کی کہانی — مولفہ مولوی محمد عبدالغفار صاحب مدھولوی۔ اس میں باغبانی کے طریقے اور مختلف ہدایات کے علاوہ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیاں اور چند عکسی تصویریں دی گئی ہیں۔ پھل پھول لگانے کے طریقوں اور بچوں کی کہانیوں سے حظ اٹھانے کے لئے اچھی کتاب ہے۔ حجم ۱۰۰ صفحہ کتابی سائز کتابت وطباعت عمدہ۔ قیمت فی نسخہ ۸ر۔ متذکرہ دونو کتابیں مکتبہ جامعہ دہلی سے ملسکتی ہیں!

محمود گاواں — یعنی خواجہ عماد الدین محمود گاواں صاحب سیف وقلم وزیر باتدبیر سلطنت بہمنیہ کی سوانح عمری جسے مسٹر محمد ظہیر الدین متعلم بی۔اے جامعہ عثمانیہ کے معتبر تاریخی کتابوں کی مدد سے بکمال محنت ترتیب دیا ہے۔ پیدائش بلوغت علمی و مذہبی شغف۔ فتوحات اور تدبر و دانشمندی کے واقعات دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ کتاب مختصر مگر جامع ہے۔ اس میں خواجہ کے قائم کردہ مدرسہ واقع بیدر اور آپ کے مقبرہ کے عکسی فوٹو بھی دیئے گئے ہیں۔ حجم ۵۵ صفحات۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ محمد ظہیر الدین (عثمانیہ) بازار عیسیٰ میاں۔ حیدرآباد۔ (دکن)

قواعد مضمون نویسی حصہ اول و دوم — مولفہ مولوی مظفر الدین صاحب۔ کتابی سائز۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب' حصہ اول میں قواعد اردو صرف و نحو۔ فعل کے اقسام۔ جملوں کے حصے۔ مضمون نویسی اور عرائض نویسی کے طریق۔ دوسرے حصہ میں مرکب جملے اور جملوں کی تراکیب۔ خطوط نویسی۔ مراسلات۔ دستاویزات۔ رہن و بیع۔ ضمانت نامہ وغیرہم مسودات مبتدی سے منتہی تک کے لئے مفید کتابیں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۲ر +

سالنامہ مکتبہ سنہ ۱۳۴۰ف — یعنی مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی کی تجویز کردہ ڈائری جس میں علاوہ ڈائری کی ضروریات اور تواریخ وسنین وغیرہ کے کاروباری معلومات۔ کرایہ ریل۔ سٹیشنوں کے نام۔ جنتری تنخواہ۔ اصولی و قانونی باتیں۔ سرکاری محکموں کے نام اور پتے۔ قلمرو آصفیہ کا گذشتہ طرز حکومت وغیرہم امور بھی درج کئے گئے۔ کارآمد اور مفید چیز ہے جیبی تقطیع حجم تقریباً ۱۰۰ صفحات۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ قیمت سرورق پر درج نہیں ہے۔

متذکرہ کتب مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد۔ (دکن) سے منگوائیے۔

واقعات و حوادث

ہندوستان کی بدنصیبی

اگرچہ امن و امان اور چین و اطمینان کا فقدان عالمگیر ہے۔ لیکن ہندوستان جن مشکلات و مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس کی کشتیٔ امید خونیں موجوں سے جس طرح ٹکرا رہی ہے اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں۔ اگر ایک طرف قومی فتنے پریشان کر رہے ہیں۔ تو دوسری طرف مذہبی رقابت کی انتہا ہے۔ مساجد و مناد کے جھگڑے خون کی ندیاں بہا چکے ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں۔ آتش غیظ و غضب شعلہ فشاں ہے اور اتحاد و محبت اور رواداری و مودت کو خاکستر بنا رہی ہے۔ گذشتہ ہندو مسلم فسادات کچھ کم روح فرسا نہ تھے۔ کہ اب کشمیر اور جے پور میں کشت و خون کا بازار گرم ہے۔ راعی رعایا سے تنگ اور رعیت راعی سے نالاں ہے۔ ہندو مسلم کا دشمن ہے تو مسلم ہندو سے کبیدہ خاطر۔ ان سب فتنے و حوادث کی موجودگی میں احرار ملک آزادی و حکومت خود اختیاری کی تلاش میں میدان سیاست کی بادیہ نوردی میں مصروف تھے اور خیال تھا کہ ان کی مساعی وقتی ہنگاموں کا قلع قمع کر دیگی۔ لیکن بہ حسرت کہ رنج و ملال ہوتا ہے کہ وہ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور اس کے بعد اس آخری وقت میں بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اور نہ اس قابل ہوئے ہیں۔ اور وہاں کوئی متفقہ مطالبہ پیش کر سکیں۔ کھینچ تان اور خود غرضی کا سلسلہ وہاں بھی جاری ہے اور ہر فرقہ و ہر گروہ اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے دوسرے کے حق غصب کرنے کے لئے تاک لگائے بیٹھا ہے۔ ہندوستان کی رہنمائی کا واحد دعویدار مسٹر گاندھی کی عہد شکنی نے ان کی پوزیشن عالم آشکار کر دی ہے اور کوئی ایک بھی نہیں جو آپ سے متفق الرائے ہو اگر یہی کیفیت ہے جیسے کہ اخبارات راوی ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ آج نہیں کل بہرحال گول میز کانفرنس ناکام رہیگی۔ اور تمام باتیں بازیچۂ اطفال بن کے رہ جائیں گی اور ممالک عالم میں ہندوستان سب سے بڑا بدقسمت سمجھا جائے گا۔ گاندھی جی نے انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس میں مسلم حقوق کے سلسلے میں جو دعویٰ کیا تھا۔ اور وقتاً فوقتاً اس کا اعادہ بھی کرتے رہے ہیں۔ یہ تھا کہ ہم ایک سادہ چک پر دستخط کر دینے کے لئے تیار ہیں جس پر ایمانداری کے ساتھ مسلمانان ہند اپنے حقوق کی فہرست لکھدیں۔ مگر اب جبکہ پنجاب کی مسلم اکثریت کے ذیل میں نشستوں کی تعیین کا سوال آتا ہے۔ تو اسے تسلیم کرتے ہوئے آخری فقرہ جو گاندھی جی کے لبوں سے سنائی دیتا ہے۔ یہ ہے۔ "بشرطیکہ سکھ بھی انہیں تسلیم کرلیں"۔ نوعیت انتخاب کا ذکر آتا ہے۔ تو تو کھلاہٹ میں ڈاکٹر انصاری گویا دفرمانے لگتے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ وہ سادہ چک والا وعدہ کہاں گیا۔ کیا گاندھی جی کا عقیدہ بھی یہی ہے ؎۔

"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا"

استرداد برار

سر اکبر حیدری نے جو گول میز کانفرنس میں حکومت نظام کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شریک ہیں۔ پچھلے دنوں برار کی واپسی کے سلسلے میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ سے دولت آصفیہ کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ اس کے بارے میں وزیر اعظم برطانیہ نے دریافت کیا ہے کہ اس صوبہ نے گورنمنٹ ہند کے سایہ میں جو ترقی کی ہے اس کے معاوضے اور سول سروس کے ریٹائرڈ حکام کی پنشنوں کے متعلق حضور نظام کا کیا خیال ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اسی ضمن میں موصوف نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ برار کو سلطنت دکن کے ماتحت

آزاد صوبہ بنانے یا گورنمنٹ کے ماتحت رکھنے کا فیصلہ باشندگان برار کی رائے عامہ پر منحصر ہے جس کے صاف طور پر یہ معنی ہیں کہ اگر اہالیان برار حکومت نظام کی اس خواہش کا خیر مقدم کریں گے تو گورنمنٹ ہند اس علاقہ کو نظام کے حوالے کر کے "حق بحقدار رسید" کا عملی ثبوت پیش کر دیگی؛

ان خیالات کے اظہار سے وزیر اعظم کا مقصد خواہ کچھ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ برار کے نظم و نسق کے متعلق جو خدمات گورنمنٹ ہند نے انجام دی ہیں۔ ان کے معاوضہ کی آرزو رکھنا ان خوشگوار تعلقات سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ جن کا ثبوت آج تک حضور نظام کی طرف سے دیا جاتا رہا ہے۔ مگر یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے سلجھایا نہ جا سکتا ہو۔ اسی طرح سول سروس والوں کی پنشنوں کے مالی بار کی ذمہ داری بھی اگر سلطنت دکن کے سر پر ڈالدی جائے تو مضائقہ نہیں۔ ہاں اس بارے میں اگر کوئی خطرناک چیز ہے تو وہ برار کی رائے عامہ کا سوال ہے؛

واقعہ یہ ہے کہ چند سال سے ہندوستان میں جو فرقہ وارانہ جذبات کی کشمکش دیکھنے میں آرہی ہے اس نے برادرانِ وطن کو اس درجہ متاثر کیا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھنے لگے ہیں۔ اور انہوں نے ہر ایسے معاملہ میں مخالفت کرنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ جو مسلمانوں کے اثر و اقتدار میں اضافہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر برار کی رائے عامہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی تو کیا وہ مہاسبھائی ہنود جو ہمیشہ مسلمان ریاستوں کو بدنام کرنے اور ان کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اس موقعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں گے۔ ایسی حالت میں حکومت ہند کو بھی "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" کے مصداق حیلہ ہاتھ آجائیگا۔ اور نتیجہ وہی ہوگا۔ جو آجتک ہوتا آیا ہے؛

ہم حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ نظام گورنمنٹ کی صدیوں کی وفا کیشی اور دوستی و امانت کا عملی شکریہ ادا کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع اور کوئی ہاتھ نہیں آسکتا۔ اور جس طرح حضور نظام نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے وقت سے لیکر اس وقت تک انگریزوں کی دوستی کا ناقابل تردید عملی ثبوت دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسی طرح مدبرین برطانیہ بھی ان کی حوصلہ افزائی کریں اور رائے عامہ کی شرط لگا کر اس ضروری مسئلے کو ہندوؤں کے رحم پر چھوڑنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش نہ کریں؛

دنیا میں مسلمانوں کی کل آبادی

ایک فرانسیسی اخبار کے خیال میں دنیا بھر میں حسب ذیل مسلمان ہیں۔ ترکی مسلمان ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ۔ ترک ایک کروڑ۔ آذربائیجان ۳۰ لاکھ۔ قزاق ۵۰ لاکھ۔ ترکمان ۲۰ لاکھ۔ تازک ۱۰ لاکھ۔ ازبک اور سرت ۱۰ لاکھ۔ چینی اور یارقندی ۲۰ لاکھ۔ تاتاری ایک کروڑ۔ عجمی مسلمان ۲۱ لاکھ (ایرانی ایک کروڑ۔ افغان ایک کروڑ۔ بلوچی ۱۰ لاکھ) ہندوستانی مسلمان ۸ کروڑ۔ عرب ۴۸۰۰۰۰۰ (عراق ۳۰ لاکھ) حجاز ۱۰ لاکھ۔ شام ۵۰ لاکھ۔ مصر ۱۴ لاکھ۔ طرابلس ۱۰ لاکھ ابی سینیا اور سوڈان ۳۰ لاکھ۔ مغربی سوڈان ۴۰ لاکھ۔ نائجیریا ۳۰ لاکھ۔ رود الجبار اور جنوبی افریقہ ۲۰ لاکھ۔ ملائی مسلمان ۴۰۰۰۰۰۰۔ سماٹرا ۳۰ لاکھ جاوا ۳۰ لاکھ۔ بورنیو ۱۰ لاکھ۔ منیلا ۵۰ لاکھ اور دیگر ۱۰ لاکھ اس کے علاوہ بلقان اور روس میں ۱۰ لاکھ۔ یونان اور جزائر میں ۱۰ لاکھ چین میں ۵ کروڑ۔ اور سیلون۔ سیام۔ جاپان وغیرہ میں ۲۰ لاکھ۔ سب ملا کر تمام دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ۳۶۵۰۰۰۰۰ ہے؛

کتبخانہ القریش کی بےنظیر کتابیں

مامون اعظم یعنی خلیفہ مامون الرشید اعظم عباسی سوانحمری مولانا امام الدین صاحب رام نگری قیمت ۸/

رباعیات حافظ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب شیرازی کی رباعیات معہ ترجمہ و شرح اور سوانحمری قیمت ۸/

الحریت فی الاسلام اسلامی حریت ومساوات وجمہوریت اور دیگر اہم مسائل پر زبردست بحث مولانا ابوالکلام آزاد کی معرکتہ الآرا تصنیف۔ قیمت ۱۲/

دعوت عمل نہایت ضروری اور قابل قدر رسالہ مصنفہ مولانا آزاد۔ قیمت ۸/

خطابہ اقبال مولوی سید شوکت حسین صاحب شوکت علیگ سابق مدیر معاون روزنامہ "سیاست" لاہور کا دلپذیر فارسی کلام جس میں علامہ اقبال کے فلسفہ اشک ریزی پر نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ عجیب لطیف کتاب ہے۔ قیمت ۱/

حقیقۃ السیادۃ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قریش کا خاندانی لقب سید ہے اور اس میں سے سادات بنی ہاشم کا لقب سید و شریف ہے۔ جو لوگ سادات قریش کو شیخ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس لئے ہر قریشی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ لقب سید ضرور لکھیں۔ کتاب قابل دید اور فتوے کی حیثیت رکھتی ہے۔ قیمت ۳/

حقیقۃ السیادۃ الہاشمیہ ایک اعتراض کا زبردست معقول و منقول جواب سادات بنی ہاشم کی سیادت کا ثبوت اور یہ کہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل سب سادات ہیں۔ اور شریف و سید کے لقب سے آنحضرت کے زمانہ سے اب تک ملقب رہتے ہیں۔ قیمت صرف ۴/

سیرۃ العباس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم حضرت ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کی زندگی کے حالات عربی کی معتبر کتابوں کا انتخاب بزبان اردو قیمت ایک روپیہ ۴/

مدار اعظم حضرت سید بدیع الدین صاحب کے مفصل حالات آپ کے خاص خلفاء کے اور خاندان چشتیہ قلندریہ ونقشبندیہ کے ان بزرگوں کے حالات جنکی نسبت مداریہ حاصل ہے

قیمت ۸/

پیام امین یہ لاجواب کتاب انگریزی فرانسیسی جرمنی ہندوستانی اور چینی صدہا کتابوں کا انتخاب ہے قرآن کریم کے متعلق علمائے مغرب کے خیالات کیا ہیں۔ کتاب پاک کی نسبت دنیا کا اعلیٰ دماغ کیا رائے رکھتا ہے۔ دنیا کی کن کن زبانوں میں کلام پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ ترجمے کب اور کہاں کہاں سے شائع ہوئے۔ قرآن کریم کی مجلدات دنیا میں کن کن ذرائع سے اور کیونکر پھیلیں۔ ان سوالات کا صحیح اور محقق جواب صرف پیام امین ہی کے اوراق دے سکتے ہیں۔ ان میں ستر کے قریب دنیا کے نامور مورخوں مصنفوں اور نامور لوگوں نے قرآن کریم کی عظمت وصداقت کی زبردست شہادت دی ہے۔ اس کتاب کا دنیا کی مختلف چھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ ۴/

ناظرین "القریش" سے صرف بارہ آنہ ۱۲/

Regd. L 1474 — القریش امرتسر — رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۷۴

وزیر ہند پریس امرتسر میں محمد علی رونق پرنٹر پبلشر نے اپنے اہتمام سے چھپا کر شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا

امرتسر
القریش
جریدہ

جلد ۱۷ بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء نمبر ۱۱

نعت شریف

جس کا خطاب رحمتِ گیتی نواز ہے — اظہار اُس کے عشق کا میری نماز ہے

کیفی مجھے یوں دیدۂ ما زاغ نے کیا — دل آب مے طہور سے بھی بے نیاز ہے

دامن سے اسکے لگ کے میں ممتاز ہو گیا — نازاں ہوں میں کہ پاس یہ سامانِ ناز ہے

میں نے سُنا ہے راز یہ لطفِ کریم سے — معراج ایک عالم راز و نیاز ہے

اس کی عطائے کی ہیں یہ بندہ نوازیاں — محمود کا جہان میں ہم صف ایاز ہے

اے ہم نشین نہ پوچھ تو عشقِ رسول کی — وہ میری چشم شوق میں عالم طراز ہے

ارشاد صبر آنکھوں پہ میری مگر حضور — دردِ فراق آپ کا زہرہ گداز ہے

آقا! عطا ہو نورِ حقیقت مگر اُسے — چشمِ جہاں شہیدِ فریبِ مجاز ہے

کھویا گیا ہے کس لئے پروازِ فکر میں — اے دل ادب یہ نعتِ امیر حجاز ہے

افسانہ سن کے لطفِ شفاعت کا خلق سے — میری خطا بھی دیکھنا دامن دراز ہے

شاکرؔ بصد خلوص جبینِ نیاز تو
اس آستاں پہ رکھ کہ جو سجدہ نواز ہے

شاکرؔ صدیقی

قصیدہ دُعائیہ

بحضور شہریارِ دکّن

(پیرزادہ حکیم غلام قادر صاحب اثرؔ جالندھری)

اقبال و بختِ یارِ حضورِ نظام باد
عالم باختیارِ حضورِ نظام باد

زیبا در فرشِ شاہی اورنگ خسروی
از ذاتِ باوقارِ حضورِ نظام باد

بر اوجِ احتشام درخشندہ تا ابد
خورشیدِ اقتدارِ حضورِ نظام باد

حاجب جلال، جاہ مگس راں حشم نقیب
اقبال چتر دارِ حضورِ نظام باد

از خونِ دشمنانِ سیہ بخت لعل گوں
شمشیرِ آبدارِ حضورِ نظام باد

تا دَورِ آسمان شرف والیانِ ملک
سرکار نامدارِ حضورِ نظام باد

تا بر زباں دُعائے دُعا را بود اثرؔ
بر بارِ شاخسارِ حضورِ نظام باد

شذرات

قریشیان شاہ آباد کی قومی حمیت اور اولوالعزمی قابل تحسین ہے ۔ وہ لوگ جو فارغ البالی کی وجہ سے قومی ضروریات پر کبھی توجہ دینے کی تکلیف گوارا نہ کرتے تھے ۔ "القریش" کی پیہم صداؤں سے بیدار ہو گئے ہیں ۔ ناظرین یہ سنکر مسرور ہونگے ۔ کہ شاہ آباد میں قریش کی ایک باضابطہ جمعیت قائم ہو گئی ہے ۔ انہوں نے اپنے تازہ اجلاس میں جس کی رپورٹ ممکن ہے ۔ کہ آئندہ اشاعت میں درج ہو ۔ باقاعدہ انتخاب کر لیا ہے اور چاہتے ہیں ۔ کہ "ندوۃ القریش" کو مشیر کار بن کر میدان عمل میں گام زن ہوں ۔ کیا قریشیان پنجاب کے دل اسقدر ہی مردہ ہو گئے ہیں ۔ کہ وہ باوجود اہم ضرورتوں اور لاحق کمزوریوں کے بھی اپنی کسی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھتے ۔ انہیں اس بات پر کبھی غور کرنے کا موقعہ نہیں ملا ۔ کہ اقوام عالم ترقی وارتقا کے لئے کسی تگ و دو میں مصروف ہیں ۔ اور ہمیں من حیث القوم کن کن امور کی ضرورت ہے ۔ کاش وہ کبھی اپنی قومی ضروریات اور قومی حالت پر توجہ دیتے اور دنیا میں اپنی زندگی کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ۔ کشمیری ۔ ارائیں ۔ مسلم راجپوت ۔ مسلم گوجر وغیرہم اقوام کی مساعی ان کے سامنے ہیں ۔ لیکن افسوس کہ وہ کوئی سبق نہیں لیتے ۔ کیا قریشیان پنجاب اصلاحی امور میں "ندوۃ القریش" کا ساتھ دینے کے لئے کبھی تیار ہو سکتے ہیں ؟ فرمائیے کیا ارشاد ہے ؟

ملکی حالات دمبدم اور لحظہ بلحظہ نازک صورت اختیار کئے جا رہے ہیں ۔ مدعیان اصلاح اور طلب گاران آزادی پر معمولی سے معمولی معاملہ کو ایک ایسا معمہ اور ایک ایسی الجھن بنا دیتے ہیں جس کے سلجھانے میں ناخن تدبیر عاجز رہ جائیں ۔ ادھر گول میز کانفرنس میں ذاتیات اور نفسیات کی وجہ سے اگر تمام امیدوں کا خاتمہ ہو جانے والا ہے ۔ تو ادھر رقابت مذہبی ۔ فتن و فساد بپا کئے ہوئے ہے یاران وطن کسی پہلو واقعات کو اعتدال پر نہیں آنے دیتے ۔

قضیۂ کشمیر نیا نہ جنگی کا موجب بنا ۔ اور اس قدر بڑھا اور بگڑا ۔ کہ الامان ! مسلمانوں نے حفظ امن کے لئے کوششیں کیں ۔ تو علمبرداران اتحاد نے ہندو مسلم سوال کا افسانہ کھڑا کر دیا ۔ اندر ہزاروں بے گناہوں پر دست تعدی دراز ہوا ۔ سات ہزار مسلم رضاکار گرفتار کئے گئے ۔ اور حکومت کشمیر کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ نہ راعی خوش اور نہ رعایا مطمئن ۔ اب سنا جاتا ہے ۔ کہ خانہ تاریک کی چاردیواری میں دبک کر تیر چلانے والے تماش بینوں نے ایک اور شر انگیزی کے لئے آغاز کار کر دیا ہے اور وہ یہ ہے ۔ کہ کشمیر کے انتقام میں لاہوری ہمدردان وطن نے اسلامی ریاستوں کے خلاف غلیظ و ناپاک پراپیگنڈا کرنے کے لئے والنٹیروں کی بھرتی شروع کر دی ہے ۔ جس کا بالیقین نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی شر و فتن کی آگ مشتعل ہوگی ۔ اور اس طرح ملک شورش و حوادث کا ایک مرکز بن جائیگا ہندو و مسلم اگر اتحاد کے حامی ہیں ۔ انہیں طوق غلامی اتار پھینکنے کی تمنا ہے ۔ اور وہ دنیا میں آزادی و امن کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ۔ تو سب سے پہلے عدل و انصاف کی تلاش کریں ۔ ورنہ یہ سب منصوبے یونہی دھرے کے دھرے رہ جائیں گے ۔

کیا کوئی ایک قوم دوسری پر غالب آسکتی ہے ؟ کوئی کسی کو ملک بدر کر سکتا ہے ؟ اگر نہیں ۔ تو کیا یہ زور آزمائیاں اکارت نہیں جائینگی

اور اس میں سراسر نقصان و شماتت نہیں۔ خدا عقل دے۔ تو یہ باتیں غور کے قابل ہیں۔

"القریش" کی خدمات کی آپ بہت کم پروا کرتے ہیں۔ بجائیکہ ہم بلا خوف تردید وثوق اور دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر القریش بقید حیات نہ ہوتا۔ تو قریش کا نام صفحہ ہستی سے کبھی کا مٹ چکا ہوتا۔ اس کی جگہ مراسی۔ قصائی۔ دھنیئے اور جولاہے لے لیتے۔ واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ نسب قریش پر کس قدر یورشیں اور کس قدر ناپاک حملے کئے گئے۔ اور مدافعانہ کارروائیوں میں کسقدر جد وجہد کی گئی۔ اور اب بھی تحفظ نسب و ناموس کیلئے کسقدر ضرورت ہے۔ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے۔ تو پھر اس بات سے قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ "القریش" نے حق نمائندگی ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ پھر یہ کیا سرد مہری بے التفاتی۔ بے پرواہی اور حق ناشناسی نہیں۔ کہ اسکی امداد و اعانت اور حوصلہ افزائی کی بجائے اس کے وی۔ پی بیدریغ واپس کردیئے جائیں۔ تین روپیہ سالانہ چار آنہ ماہوار یا ڈیڑھ پائی یومیہ کے برابر بھی اس کی قدر و قیمت نہ سمجھی جائے۔ ہم کمال افسوس اور انتہائی رنج و ملال کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جس قوم میں اتنا بھی احساس نہیں۔ اور جو نیک و بد کی تمیز کرنے سے اسقدر قاصر ہے۔ اور جو خود اپنے معاد و مضار کی باتوں میں تمیز نہیں کر سکتی۔ اسے کوئی نہیں کہ وہ زندہ اقوام میں شمار ہو۔ آہ! وہ قریش جو استاد زمانہ اور اقوام عالم کی رہبر و رہنما تھی۔ چودہویں صدی میں اسکی بے پرواہ نسل یوں بے نام و نشان اور بےحس و حرکت ہو رہی ہے۔ کیا زندہ دلان قوم اس پس افتادگی اور دردمندانہ حالت پر کچھ غور کرینگے؟ کیا خدا ہمیں توفیق دیگا؟ کیا ہم زندہ رہیں گے؟ کوئی ہے جو ان باتوں پر غور کرے؟

قوم کی یہ حالت کہ تنوانی معمولی وی۔ پی واپس کرنے میں دریغ نہیں۔ اور محکمہ ڈاک کی یہ کیفیت کہ رجسٹری فیس میں ایک آنہ اور بڑھا دیا گیا ہے۔ قومی جرائد و رسائل کا ان حالات میں خدا حافظ! انہیں کے فتن نجانے مانند! اب سوا کیا۔ سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ کہ وی۔ پی سسٹم بند کردیا جائے۔ اور حصول زرچندہ کا واحد ذریعہ برادران قریش کے احساس و حمیت پر موقوف رکھا جائے۔ جنہیں خدا نے توفیق عمل دی ہے اور جن کے دل نور علم سے منور ہیں۔ جن کے دل میں درد اور حمیت قومی ہے۔ انہیں اس طرح بھی دست امداد بڑھانے میں دریغ نہیں۔ اور اس طرح بھی وہ ذاتی چندہ بھی ادا کرینگے۔ اور توسیع اشاعت کیلئے بھی کوشاں ہونگے۔ لیکن جو بیگاری ہیں۔ قومی ضروریات کو مذاق اور مضحکہ خیال کرتے ہیں۔ علمی ذوق نہیں اصلاحی شوق نہیں۔ وہ اس طرح بھی کسی کام نہ آئینگے۔ اور اس طرح بھی۔ جیسی اور بے حمیت دل کبھی مامور بحث نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آج سے ہم وی۔ پی۔ سسٹم بند کرتے ہیں۔ دفتر سے صرف خاتمہ سال خریداری کی اطلاع دے دی جائیگی۔ اور یہی وی۔ پی کا بدل ہوگا۔ زرچندہ کی ترسیل ان کی قومی حمیت اور علم دوستی پر موقوف ہوگی۔ امید ہے۔ کہ احباب اپنے قومی میگزین کے اخراجات اور ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اور وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے ترسیل زرچندہ میں تاخیر نہ کرینگے۔ اور توسیع اشاعت کے لئے بھی کوشاں رہ کر کارپردازان القریش کو مشکور کرنے کے علاوہ فراخدلی کے ساتھ خدمات انجام دینے کا موقعہ دیتے رہیں گے۔

بکمال رنج و افسوس کا مقام ہے۔ کہ حکیم علم الدین صاحب بھاگووالیہ کا نوعمر و نوجوان صاحبزادہ جس نے امسال انٹرنس کا امتحان دیا تھا۔ چند روز بستر علالت پر رہ کر گذشتہ ہفتہ غم رسیدہ باپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے اور حکیم صاحب کو نعم البدل عطا کرے!

بصائر و عبر

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بہ دستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلاویزے تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مندرجہ بالا قطعہ میں حضرت شیخ سعدیؒ نے ایک مشہور قانون قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جسے عام فہم الفاظ میں اثر صحبت کہتے ہیں۔ آپ نے ظاہر کیا ہے۔ کہ پھول کے پاس رہنے سے مٹی اور گھاس بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔ جب یہ خاصیت تاثیر عبادات اور نباتات میں ہے۔ تو انسان میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ ایک انگریزی مثل ہے۔ کہ "کسی شخص کی صحیح حالت کا اندازہ اس کے دوستوں کی حالت سے ہو سکتا ہے" دوسری ضرب المثل زیادہ صاف ہے۔ یعنی آپ مجھے اپنے دوستوں کے نام بتلائیں گے تو میں آپ کو بتادوں گا۔ کہ آپ کیسے ہیں" غرض ان کا مفاد یہ ہے۔ کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ جیسی صحبت ہوگی۔ ویسا ہی اثر پڑے گا۔ یہ تو کوئی نہیں چاہتا۔ کہ رسوائے عالم ہو۔ بُرا کہلائے۔ ہر کس و ناکس کو اچھا اور نیک بننے کی خواہش ہوتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بد کی صحبت میں مت بیٹھو اس کا ہے انجام بُرا
بد نہ بنے تو بد کہلائے بد اچھا بد نام بُرا

ہمارے رسول کریم صلعم اخلاق حسنہ کے جامع تھے۔ چنانچہ آپؐ کے صحابہؓ بھی فیض صحبت کی برکت سے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے جس شان سے حکومت کی۔ دنیا جانتی ہے۔ حضرات عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت سلمانؓ فارسی وغیرہ پر اس قدر گہرا اثر پڑا تھا۔ کہ حلم و کرم اور جود و سخا میں بے مثل تھے۔ انصاف و عدل میں بے نظیر حریت کے دلدادہ اور جمہوریت کے پرستار تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب معزولی کا پیام پہنچا۔ تو باوجودیکہ اسلامی لشکر آپ کے اشاروں پر تھا۔ اگر چاہتے۔ تو کل فوج آپکا ساتھ دیتی۔ لیکن خالدؓ نے نہایت ہی سادگی سے اپنی سپہ سالاری کی پیٹی ابو عبیدہؓ بن الجراح کے حوالے کردی۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ کوئی دم میں جنگ کا فیصلہ ہوا چاہتا تھا۔ اور اگر ذرہ بھر درنگ سے کام لیا جاتا۔ تو فتح سیف اللہ کے نام ہوتی ؎

ہو کر ترے دیوانے ہوئے مرجع آفاق
اب دیکھئے جس کو وہ ہے دیوانہ تمہارا

حضرت فاروقؓ پھٹی کملی پہنے ہاتھ میں دُرّہ لئے ہوئے تھے۔ قیصر روم کا ایلچی جو قتل کے ارادہ سے آیا تھا۔ آپ کو دیکھ کر مارے ہیبت

کے کانپنے لگا ۵

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

سادگی میں کس قدر جلالت تھی۔ اور یہ سادگی رسول صلعم کے فیض صحبت کا اثر تھی۔ خود آنحضرت صلعم نے ظاہری آرائش و زیبائش کی پرواہ نہ کی۔ پھر صحابہ کرام کیوں کرنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ہم عزت کے لئے اسلام بس ہے؛

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی کمال سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن یزید کے مقابلے میں اس کے سطوت و جبروت کی پروا نہ تھی۔ جو کہنا ہوتا۔ صاف صاف کہہ دیتے۔ اور کھری کھری سنا دیتے تھے جب جمہور اسلام نے آپ کی بیعت پر اصرار کیا۔ تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ دنیا کی جاہ و حشمت بلا طلب و خواہش ملتی تھی۔ اور فرمایا۔ کہ خلافت کا کام جب تک للّہی تھا۔ میں نے جنگ میں بھی شراکت کی۔ اور کسی طرح کی امداد دہی میں کوتاہی نہیں کی۔ چونکہ اب دنیوی اغراض سے ملوث ہو گئی ہے۔ بعض راضی ہوں گے۔ اور بعض خلاف۔ اس لئے میں ہرگز ہرگز خلیفہ بننا قبول نہ کروں گا۔ چاہے کچھ ہو۔ مجھے مسلمانوں میں خانہ جنگی منظور نہیں؛

حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ نیک ہمنشیں عطار کی مانند ہوتا ہے۔ اگر عطار اپنے عطریات سے کچھ بھی نہ دے۔ تاہم ان کی خوشبو سے ضرور بہرہ ور ہونگے۔ اور برا ساتھی لوہار کے آتشدان کے مثل ہے۔ اگرچہ تم اس کے آتشدان کی آگ سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ مگر اس کے دھوئیں اور بخارات سے ضرور اذیت پہنچے گی۔ اثر صحبت کی سچی مثالیں ام الکتاب میں حسب ذیل ہیں :-

حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ السلام کے قصہ ہی کو لیجئے۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم کی ہدایت سے عاجز آ گئے۔ کیونکہ وہ لوگ باوجود جد و جہد بسیار اور سعی بے شمار بری عادتوں کے باعث جو ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ کسی طرح راہ راست پر نہ آئے۔ آخر آپ نے بد دعا کی۔ کہ اے میرے رب! کسی منکر کا گھر زمین پر نہ رکھ! خداوند عالم کا غصہ بھڑکا۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اور حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم ہوا۔ منکروں کی طعنہ زنی کے باوجود حضرت نوحؑ نے کشتی تیار کی۔ جب کشتی تیار ہو گئی۔ تو حکم الٰہی ہوا۔ کہ اے نوح! اپنے لوگوں کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ! وہ بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر آپ کا ایک بیٹا کشتی پر نہ آیا۔ اور کافروں کا ہم جلیس رہا۔ جب حضرت نوحؑ نے اس کو بلایا۔ اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ تو اس نے جواب دیا۔ مجھے معاف کیجئے۔ میں ابھی کسی پہاڑ کا سہارا پکڑتا ہوں۔ جو مجھے پانی میں ڈوبنے سے بچا لے گا۔ حضرت نوحؑ کی محبت پدری نے جوش مارا۔ جناب باری میں دعا کی۔ کہ اے خدا! تو نے میرے لوگوں کو بچانے کا وعدہ کیا ہے۔ پس میرے بیٹے کو بچا۔ ندا آئی۔ کہ اے نوح! وہ اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے افعال ناکارہ ہیں۔ ۶

بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست

گو ظاہراً وہ ایماندار تھا۔ لیکن فاسق و فاجر کفار کی ہمنشینی نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ غرض حسب ارشاد خداوندی ایک مقام سے پانی بہ جوش و خروش ابلنے لگا۔ اور اوپر سے مینہ برسا۔ دانستان وہ لڑکا اور اس کے سب ساتھی غرقاب ہو گئے۔ صحبت بد کا یہ نتیجہ نکلا۔

کہ باوجود پیغمبر زادگی کے صحبت بد نے ہلاک کر دیا ،

اصحاب کہف چند لوگ تھے ۔ جو بڑے موحد اور خدا پرست تھے ۔ ایک ظالم بادشاہ دقیانوس کے ظلم و ستم اور دعوے خدائی سے تنگ آ کر پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے ان کے ایک وفادار کتے نے رفاقت کی ۔ خدا نے ان پر نیند کو غالب کیا ۔ اور وہ لوگ سو گئے ۔ جب کئی سو برس کے بعد بیدار ہوئے ۔ تو ان میں کا ایک شخص شہر میں آ کر کچھ کھانے کی چیزیں خرید لے گیا ۔ اور اسی کھوہ میں جا چھپا ۔ پھر بدستور وہی حالت طاری ہو گئی ۔ چنانچہ کتا بھی انہیں کے حال پر ہو گیا ۔ جو حالت ان کی ہے وہی کتے کی بھی ہے ۔

پس ظاہر ہوا ۔ کہ صحبت دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک بھلی اور دوسری بری ۔ اور دونو موثر ہوتی ہیں ۔ نیک صحبت اختیار کرنا ہر حال میں مفید ہے ۔ بری صحبت میں جو عادت ہو جائے گی ۔ وہ کسی طرح نہ چھوٹے گی ۔ عادت آسانی سے پیدا ہو جاتی ہے ۔ لیکن چھوٹنا مشکل ہوتا ہے ۔ سعدیؒ کا حسب ذیل شعر اثر صحبت کا آئینہ ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالح ترا طالح کند

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔ کہ جب شہر شیراز تباہ و برباد ہو گیا ۔ تو میں نے سفر کی ٹھانی ۔ اگرچہ عزیز و اقارب مانع ہوئے ۔ مگر میں نے اپنا اثاثہ بیچ ڈالا ۔ نقدی اور کتابیں لے کر توکل علے اللہ چل کھڑا ہوا ۔ کرشمۂ قدرت ملاحظہ ہو ۔ کہ ابھی ایک ہی منزل قافلہ کے ہمراہ سفر کیا تھا ۔ کہ بیمار ہو گیا ۔ بہت کوشش کی ۔ کہ قافلے کا ساتھ نہ چھوٹے ۔ مگر قسمت نے یاری نہ کی ۔ ناچار قافلے کو چھوڑ ایک گاؤں میں ٹھیر گیا ۔ آخر گیارہ روز کے بعد شفا پائی ۔ گاؤں والوں نے بڑی خدمت کی تھی ۔ وہ مانع ہوئے ۔ مگر میرا شوق علم کب نچلا بیٹھنے دیتا تھا ۔ انہوں نے روٹیاں اور پنیر باندھ دیا ۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور بار نہ لے جا سکنے کے عذر پر واپس کر دیا ۔ اس وقت شیراز کی حدود دور دور تک مخدوش تھی ۔ قافلے لوٹے جاتے تھے ۔ اکا دکا مسافر منزل کو پہنچ جاتے ۔ یہ تو نا ممکن تھا ۔ میں صرف چار فرسنگ ہی گیا تھا ۔ کہ ایک طرف سے پہاڑ کی کھوہوں سے چند آدمی نکلے ۔ جو سیدھے میری طرف آ رہے تھے ۔ دیکھتے ہی میں نے جان لیا ۔ کہ یہ راہزن ہیں ۔ لیکن میرے پاس سوائے چند درہموں کے اور کوئی چیز نہ تھی ۔ اس لئے میں مطمئن تھا ۔ اتنے میں وہ میرے سر پر آ کھڑے ہوئے اور کڑک کر کہا ” جو کچھ پاس ہو ۔ رکھ دے ! ورنہ مارا جائے گا ۔ میں نے کہا ۔ کہ طالب علم ہوں ۔ تعلیم حاصل کرنے جا رہا ہوں جو بوجھ تم کو نظر آتا ہے ۔ کتابوں کا ہے ۔ انہوں نے کہا ۔ کہ کچھ نقدی بھی ہے ؟ یا صرف کتابوں کا پشتارا ساتھ لئے پھرتا ہے میں نے جواب دیا ۔ کہ ہاں نقدی بھی ہے ۔ اس پر اگر تمہارا جی للچایا ہے ۔ تو لیجئے ۔ بیشک نذر ہے ۔ مگر اتنا کہے دیتا ہوں ۔ کہ اس سرمایہ سے میرا تحصیل علم کا ارادہ ہے ۔ یہ لے لو ۔ مگر تم بھی اس کو ضرور بچوں کی تعلیم پر صرف کرنا ۔ اتنا کہ کر جو نقدی تھی ۔ کوڑی کوڑی ان کے آگے رکھ دی ۔ میرے دام و درہم رکھنے اور ان کلمات نے ان کے دل پر عجیب اثر کیا ۔ دیکھتا ہوں ۔ کہ مارے شرم کے ان کی نگاہیں نیچی ہوتی جاتی ہیں ۔ اور ان کے رخساروں پر آنسو بہ رہے ہیں ۔ نقدی چھونا تو درکنار ۔ الٹا معذرت کرنے لگے ۔

اور کہا میاں شیخ! جو کچھ ہم نے کیا۔ بُرا کیا۔ آپ یہ گستاخی معاف فرمائیں۔ ہم دل سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ آئندہ یہ کام ہرگز نہ کرینگے کیا کریں۔ امیروں کے بچے ہیں بری صحبت نے بگاڑ دیا۔ گھر کا خزانہ لٹا کر فکرِ معیشت میں یہ کام اختیار کر لیا۔ مذکورہ بالا حکایات سے اثرِ صحبت کی کامل تفصیل ہوتی ہے ؎

آدمیت سے تمہیں میسر ہو بہرہ کیونکر — تم نے صحبت نہیں رکھی کسی انسان کیساتھ

چندے میں پاک صحبتِ طاہر سے ہو نجس — سرکہ نمک سے چار گھڑی میں شراب ہو

دہر میں نیکوں کی صحبت سے بدوں کو ہے پرہیز — عدل ہو جس ملک میں فتنہ وہاں رہتا نہیں

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ...... وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! جھٹلانے والے کے کہنے میں نہ آجانا۔ اور کسی نابکار کا کہنا نہ ماننا۔ (پیروی نہ کرنا) جو بہت قسمیں کھاتا ہے۔ اور آبرو باختہ ہے۔ رذیل الطبع ہے۔ طعن کرنے والا۔ اور لوگوں پر آوازے کسنے والا ہے۔ اور ادھر ادھر چغلیاں لگاتا پھرتا ہے۔ اچھے کاموں سے روکتا ہے۔ بخیل ہے۔ بد ہے۔ اکھڑ۔ بدنام اور بد اصل ہے (القلم ع ۱)

محمد رحمت اللہ خان۔ بی۔ اے

ندوۃ القریش

بفضل خدا اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں بطریق احسن مصروف ہے۔ زراعتی حقوق کا مسئلہ آخری منزل تک پہنچ گیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ عنقریب حسب دلخواہ برآمد ہو جائے گا۔ اب اس کے سامنے "تنظیم قریش" کا مسئلہ ہے۔ کسی گذشتہ اشاعت میں لکھا گیا تھا۔ کہ قریشیان پنجاب صوبہ وار اس اہم مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے تیار رہیں۔ کوئی قدم کوئی گروہ اور کوئی سوسائٹی اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ پورے انہماک پوری کوشش اور پوری سعی وجہد کے ساتھ اس کے وسائل ترقی پر عامل نہ ہوں۔ لہٰذا ہی خواہان قوم کا فرض اولین یہ ہونا چاہئیے۔ کہ وہ اپنی توجہات خصوصی اس اہم قومی ضرورت کی جانب معطوف کریں۔ ندوۃ القریش کے ممبر ہوں۔ اس کی مالی امداد کریں۔ تاکہ قوم میں وسعت اور فراخدلی کے ساتھ پروپیگنڈا کیا جا سکے۔ سعی وجہد ہی ایک قوت ہے۔ جو حصول مقاصد کے لئے مفید و نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ ضرورت کا اقتضا یہ ہے۔ کہ برادران قریش خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ اور دنیا میں عزت و آرام کی زندگی بسر کرنے کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔ یہ خاموشی یہ غفلت اور یہ بے پرواہیاں ایک دن روزِ بد دکھائیں گی۔ اور قومیت مخلوط بہ اغیار ہو کے رہ جائے گی۔ اور عواقب و نتائج تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہونگے۔ اللہم ارحم!

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر۲)

امین کا حسرت ناک انجام

(گذشتہ سے پیوستہ)

طاہر کا مقابلہ ابن ماہان کے قتل کے بعد عبد الرحمٰن بن جبلہ کو بیس ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ طاہر کے مقابلہ پر ہمدان کی طرف روانہ کیا گیا۔ ابن جبلہ اس لشکر عظیم کو لے کر ہمدان میں قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ہمدان کی طرف بڑھا۔ ابن جبلہ نے خبر پاتے ہی شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن پہلی ہی جھڑپ میں منہ کی کھا کر واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد دوبارہ لشکر کو ترتیب دے کر پھر مقابلہ پر آیا۔ لیکن شکست کھا کر شہر کے اندر قلعہ بند ہو گیا۔ طاہر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ طول محاصرہ کی وجہ سے لوگوں کو سخت تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ ابن جبلہ نے اس خوف سے کہ مبادا لوگ باغی ہو جائیں طاہر کی طرف صلح کا پیغام بھیجا۔ اور امان لے کر ہمدان سے چلا گیا۔ چونکہ ابن جبلہ نے طاہر سے امان طلب کی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ بے تکلف اس کے پاس آتا جاتا رہا۔ اس طرح جب اس نے طاہر اور اس کے ہمراہیوں کی طرف سے کامل اطمینان کر لیا۔ تو ایک روز بحالت غفلت طاہر کی فوج پر دھاوا بول دیا۔ طاہر کی فوج حیرت انگیز عجلت سے تیار ہو کر مقابلہ پر ڈٹ گئی۔ اور خونریز جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ آخر ابن جبلہ کے ہمراہی شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ اور ابن جبلہ وہیں کھیت رہا۔ طاہر یکے بعد دیگرے شہروں اور قلعوں کو فتح کرتا ہوا حلوان پہنچا۔ اس نے حلوان کے چاروں طرف خندق کھدوا کر مورچے قائم کئے۔ اور از سر نو لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد ہی مامون نے حکم صادر کر دیا۔ کہ آئندہ اس کے نام کا خطبہ منبروں پر پڑھا جائے۔ اور فضل بن سہل کو اپنے کل مقبوضات میں سیاہ و سفید کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس کے لئے ایک لواء تیار کیا گیا۔ جو نیزے پر آویزاں تھا۔ مامون نے اسے ذوالریاستین کا مبارک لقب عطا کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ وہ صاحب سیف اور قلم ہے۔

بغداد میں تہلکہ عبد الرحمٰن ابن جبلہ کے قتل ہونے پر دار الخلافہ بغداد میں تہلکہ پڑ گیا۔ امین نے فضل بن ربیع کے مشورے سے ایک لشکر جرار تیار کر کے احمد اور عبد اللہ دو آزمودہ کار جرنیلوں کے ماتحت ہمدان کی طرف روانہ کیا۔

انہوں نے خانقین کے مقام پر پہنچکر پڑاؤ ڈال دئیے ۔طاہر بھی خبر پاکر مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اور جاسوسوں کو احمد اور عبداللہ کے لشکر میں بہ تبدیل لباس پھیلا دیا۔ جاسوسوں نے خبر اڑا دی ۔کہ بغداد کا خزانہ شاہی خالی ہو گیا ہے ۔ اور لشکریوں کی تنخواہیں دستیاب نہیں ہوتیں ۔ لشکر مارے مارے پھر رہے ہیں اور جہاں کہیں کوئی چیز پاتے ہیں ۔ اکٹھا کر لے جاتے ہیں ۔جب فوج والوں نے یہ خبر سنی ۔ تو کوئی اس کی تصدیق کرنے لگا ۔ اور کوئی تردید ۔غرضیکہ سپاہیوں میں آپس میں ہی جھگڑا شروع ہو گیا اور نوبت بانیجا رسید ۔ کہ وہ گتھم گتھا ہو گئے ۔ اور طاہر سے جنگ کئے بغیر بغداد کی طرف واپس آ گئے ۔ اسی اثنا میں ہرثمہ ایک لشکر جرار کے ساتھ مامون کا فرمان لیکر طاہر کے پاس پہنچا ۔ اس فرمان میں طاہر کو حکم دیا گیا تھا ۔ کہ وہ یہاں کا چارج ہرثمہ کو دے کر خود اہواز کی طرف کوچ کر جائے ۔طاہر نے فرمان لیتے ہی آنکھوں سے لگایا ۔ اور بوسہ دیا ۔ اور کل مفتوحہ بلاد ہرثمہ کے سپرد کر کے اہواز کی طرف چل گیا ۔جب طاہر اہواز پہنچا ۔تو اس کے پرچہ نویسوں نے اطلاع دی ۔ کہ خلیفہ امین کی طرف سے محمد بن یزید بن حاتم ایک لشکر عظیم لئے ہوئے اس کے مقابلہ پر آ رہا ہے ۔طاہر بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گیا ۔ اہواز کے قریب ان دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی ۔محمد بن یزید بن حاتم کے ہمراہیوں نے شکست کھائی ۔ اور میدان سے چمپت ہو گئے لیکن محمد بن یزید اور اس کے چند جان نثار میدان جنگ میں داد مردانگی دیتے ہوئے مارے گئے ؛

لشکریوں سے سازباز جس وقت امین نے اپنی آنکھوں سے طاہر کی فتوحات کا بڑھتا ہوا سیلاب دیکھا ۔ تو خواب غفلت سے بیدار ہوا ۔ اور جنگ طاہر پر کمربستہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا ۔چنانچہ ماہ شعبان ۱۹۶ھ میں چار لشکر تیار کر کے اس نے مامون کے سپہ سالاروں کے مقابلہ پر روانہ کئے ۔ مامون کے بہادر جرنیلوں نے امین کے لشکروں کی کچھ پیش نہ جانے دی ۔ اور شکست پر شکست دیتے رہے ۔ امین کی جو فوج طاہر کے مقابلہ پر آئی تھی ۔شکست کھا کر پسپا ہو گئی ۔ اس پر امین نے جنگ کا عنوان بگڑتے ہوئے دیکھ کر طاہر کے لشکریوں کو مال و اسباب دے کر سازش شروع کر دی چنانچہ اس میں اسے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی ۔ اس کے بعد اس نے سرداروں کو ملانے کی کوشش کی ۔ اس میں بھی کامیاب ہوا ۔ اب دونوں طرف سے لشکر پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے بڑھے ۔طاہر نے بھی امین کے لشکریوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی ۔چنانچہ جب مقابلہ کا وقت آیا تو امین کی فوج بجائے اس کے کہ طاہر کا مقابلہ کرے ۔ امین ہی کی طرف شور و غل کرتے ہوئے ٹوٹ پڑی ۔ امین نے اس جدید فوج کو ان سے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا ۔جو حال ہی میں بازاریوں اور پناہ گیروں سے ترتیب دی گئی ۔طاہر نے ان سے بھی سازش کر لی ۔ اور بہت سا مال و اسباب دے کر ان میں سے چند آدمیوں کو بطور ضامن اپنے یہاں نظر بند کر لیا ۔ اب طاہر کی حکمت عملی اس قدر کامیاب ہوئی ۔کہ تمام لوگ امین کا ساتھ چھوڑ کر طاہر کی طرف آنا شروع ہوئے ۔عوام الناس میں بھی تہلکہ پڑ گیا ۔قیدی جیل کا دروازہ توڑ کر نکل آئے بدمعاشوں ۔ بازاریوں اور اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی ۔ اور غریبوں اور بے کسوں پر ٹوٹ پڑے ۔طاہر نے بغداد کے باب انبار میں اپنا مورچہ قائم کر کے محاصرہ کر لیا ۔ امین کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ۔ باوجود یکہ ہونے کے اہو اکا محلہ ا

اس پر تنگ ہو گیا - رسد اور غلّہ کے بند ہونے سے مصیبت پر مصیبت آگئی مجبوراً توشہ خانہ کے مال و اسباب اور خزانہ کے سامان و ظروف لشکریوں کو دینے لگا - امین نے اپنے دونو قصروں - قصر صالح اور قصر سلیمان میں جو دجلہ کے کنارے پر تھے - چند سپہ سالار متعین کر دیئے - جنہوں نے محاصرین کے مورچوں کو توڑنے میں آتشباری سے کام لیا - لیکن طاہر بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا تھا - اور بغداد کے جس حصے کو فتح کرتا تھا - وہاں مورچے قائم کرتا جاتا تھا - خلیفہ امین نے ان رؤسا و امراء کے مال و اسباب بھی ضبط کر لئے - جو کھلے بندوں طاہر کے مقابلہ پر نہیں آئے تھے - اس سے بغداد کی رعیت و فوج میں بددلی پیدا ہو گئی - اور میدان جنگ میں جو فوج لڑ رہی تھی - وہ روزانہ جنگ سے تھک کے بیٹھ گئی - سوائے بازاریوں اور زنگروٹوں کے اور کوئی آزمودہ شخص امین کی طرف سے لڑتے نہیں دیکھا گیا - اوباشوں اور جرائم پیشہ لوگوں نے شہر کا میدان خالی دیکھ کر لوٹ شروع کر دی - ہنوز جنگ کا میدان گرم ہی تھا کہ امین کے سپہ سالار نے جو قصر صالح کے مورچہ پر متعین تھا - طاہر کو امان کی درخواست دے دی - جو طاہر نے خوشی سے منظور کر لی - اس کے بعد اس کی پولیس کے افسر اعلیٰ نے بھی امان لے لی ؛

قصر صالح پر طاہر کا قبضہ

آخر کار قصر صالح پر طاہر کا قبضہ ہو گیا - اس پر قبضہ ہونے کے بعد طاہر نے امین کے کل سپہ سالاروں سے خط و کتابت کی - جن سے وعدہ کیا گیا - کہ اگر وہ مامون الرشید کی بیعت کریں - تو ان کو امان دی جائے گی - انہوں نے اس شرط کو بخوشی منظور کر لیا - طاہر نے قصر صالح پر قابض ہو کے بغداد کی سست شہر پناہ توڑے جانے کا حکم دیا - رسد کی آمد بند کر دی گئی - کشتیوں کو براستہ فرات بغداد میں جانے سے روک دیا گیا - جس سے غلہ بے حد گراں ہو گیا - طول محاصرہ کی تکالیف اور غلہ کی گرانی ایک ایسا طوفان تھا - جس کا برداشت کرنا انسانی قوت سے باہر تھا - خلیفہ امین کے مکانات جو خیزرانیہ میں تھے - جلا دیئے گئے - ان کی تیاری میں بیس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے - خلیفہ امین کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا - اب طاہر دن بدن کامیاب ہو رہا تھا - یہاں تک کہ کرخ کی طرف بڑھا - اہل شہر و کرخ نے مزاحمت کی - لڑائی ہوئی - لیکن طاہر نے انہیں شکست دے کر قبضہ کر لیا - ان کی منادی کرا دی - اور ہر جگہ اپنا لشکر پھیلا دیا - خلیفہ امین بمع اپنی ماں اور لڑکوں کے شہر مدینۃ المنصور میں پناہ گزین ہوا - اور نہایت استقلال کے ساتھ محاصرے کی سختیوں کو برداشت کرتا رہا - اس کے ارکان سلطنت میں سے صرف چند ایک اس کے ساتھ رہ گئے - باقی کیا لشکری اور کیا لونڈی غلام اس سے علیحدہ ہو گئے - کوئی کسی کا پرساں حال نہ تھا - ان جان نثاروں نے جنہوں نے اس آڑے وقت میں اس کا ساتھ دیا - حاضر ہو کر عرض کی - کہ اس وقت بھی سات ہزار سوار امیر المومنین کے حکم کے منتظر ہیں - مناسب یہ معلوم ہوتا ہے - کہ ہم اسی قدر امراء و رؤسا اور ارکین سلطنت کے لڑکوں کو منتخب کر کے ان کا افسر بنا لیں - اور کسی دروازے سے بحالت غفلت نکل کر جزیرہ شام کی طرف چلے جائیں - اور ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالیں - خلیفہ امین نے اس رائے کو پسند کیا - اور بغداد سے جزیرہ شام کی طرف جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ؛

(باقی باقی)

بانگِ درا

خمارِ خوابِ غفلت توڑ بیداری کی باتیں کر
یہ بہکی بہکی باتیں چھوڑ ہشیاری کی باتیں کر

زبانِ خلق پر ہیں تفرقہ پرداز یاں تیری
زمانہ ہنس رہا ہے دیکھکر غمّاز یاں تیری

سلف کے کارنامے یاد کر تقلید کران کی
جو اولادِ سعادت مند ہے تائید کران کی

مساوات و اخوّت کا گذشتہ دور دکھلا دے
وہ یک رنگی باہم کے طریق و طور دکھلا دے

ضرورت ہے کہ تو تنظیم امّت کا سبق پھر دے
مسلمانوں کو تبلیغ و اشاعت کا سبق پھر دے

شجاعت ان کا شیوہ ہو صداقت ہو شعار ان کا
کرم ہو ان کی خصلت سیر چشمی افتخار ان کا

بسر ہو زندگانی ان کی خالق کی عبادت میں
معیشت ان کی مضمر ہو تجارت میں ریاضت میں

مسلمانوں کو بتلائے تجارت ہاتھ میں پھر لیں
وہ اپنی ڈھونڈ کر گم گشتہ دولت ہاتھ میں پھر لیں

یہ مسلم اقتصادی حالت اپنی جب سنبھالینگے
حریفوں کے دلوں پر اپنا سکہ پھر جمالینگے

یہ مانا ہم نے دینِ احمدی کے لاکھ دشمن ہیں
جو چمکا شعلۂ وحدانیت انبارِ خرمن ہیں

خدا ایمان والوں کو بڑائی دینے والا ہے
جو مومن ہیں زمانہ میں انہیں کا بول بالا ہے

(سیّد) اختر الوری

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

النّجات

(گذشتہ سے پیوستہ)

پہلا باب

ایمان

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے۔ کہ ایمان کس کو کہتے ہیں۔ الایمان ھو التصدیق بماجاء بہ النبی من عنداللّٰہ۔ اور از روئے لغت گرویدن بخدائے تعالےٰ کے معنی ہیں۔ یعنے خدائے برتر کی ہستی پر از روئے وحدانیت و قدرت علے الاطلاق ایسا قلبی تیقن رکھا جائے۔ کہ دل بغیر کسی شک وشبہ کے بالکل مطمئن ہو کر اس اطمینان کامل کے ذریعہ سے تصدیق اس امر کی کرے کہ جو کچھ حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے لائے ہیں۔ وہ سب سچ اور درست ہے۔ الغرض خدائے بزرگ و بلند کی ہستی پر اعتقاد کامل اور یقین واثق رکھنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اس طرح پر کہ وہ تنہا قدیم ہے۔ اور برحق موجود ہے۔ وہ ایسا پاک ہے کہ ہمارے وہم وگمان میں نہیں آسکتا۔ خالق کل اور سب پر غالب ہے۔ واحد و یکتا ہے متصف بجمیع صفاتِ الٰہیہ اور غنی بالذات ہے۔ ازلی اور ابدی ہے۔ بے مثل و بے ہمتا اور لاشریک لہٗ ہے۔ بلحاظ ذات و صفات کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔ جامع کمالاتِ سرمدیہ اور واجب الوجود ہے۔ کسی خاص سمت یا جہت سے مقید نہیں۔ بلکہ مطلق عن القیود فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ ہے ؛

یہ اعتقاد ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ دل کے اندر اس کی صداقت اور سچائی مرکوز ہو جائے۔ اور زبان سے بھی اسی اعتقاد کا اقرار اور اظہار ہو۔ کیونکہ اسلام نے اس کو فرض قرار دے دیا ہے۔ اور بدوں اس اعتقاد کے ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اب رہا یہ کہ فرض کیا ہے۔ الفرض ما ثبت فعلہ بدلیل قطعی مع المنع عن الشرک یعنی جس کا کرنا یا نہ کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہو اور دلیل قطعی سے مراد کتاب اللّٰہ یا حدیث متواترہ مشہورہ یا اجماع یا قیاس ہے ؛

قبل از ظہور اسلام جس قدر کہ اقوام عالم ہو گذری ہیں۔ یا اس وقت موجود تھیں۔ قریباً قریباً ان سب کا ایمان خداوند تعالیٰ کی نسبت بالیقین ایسا ہی تھا۔ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ ہر انسانی عقل سلیم بے تامل ان صفات باری کو مانتی ہے۔ اگر کوئی دہریہ یا شاذو نادر کوئی اور نہ مانے۔ تو اس کی مرضی ؛

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اسلام نے پھر انسان کو کونسی تعلیم دی جس سے مسلمان لوگ دوسری قوموں سے متمیز ہو گئے۔ پس وہ

تعلیم دو طرح پر دی گئی ہے۔ ایک اجمالی اور دوسرے تفصیلی ؎

ایمان مجمل } اٰمنت باللّٰہ کما ھو باسمائہ وصفاتہٖ وقبلت جمیع احکامہٖ اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب۔ یعنی سب سے پہلے اسلام نے ایک غیر مسلم سے مسلمان بننے کے لئے اتنا ہی عہد و پیمان لینا کافی سمجھا۔ کہ واقعی ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ایک خدا معہ اپنے اسماء وصفات کے موجود ہے۔ اور میں نے اس خدا کے تمام احکام کی بجاآوری کو دل سے بطیب خاطر قبول ومنظور کر لیا ہے۔ اور میں نے سچے دل سے یہ سب باتیں مان لی ہیں۔ اب میں ہمیشہ ان باتوں کا مقر اور پابند رہوں گا۔ پس اس اقرار اور عہد و پیمان سے محض خدائے برتر کی ہستی پر اعتقاد خالص رکھنا ہی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ احکام کی تعمیل کرنا بھی شامل ہے جس سے مراد اعمال ہیں ؎

یہی تعمیل احکام اسلام اور غیر اسلام میں ایک بین فرق اور نمایاں امتیاز پیدا کرنے والی چیز ہے۔ انشاء اللہ ان تعمیل احکام واعمال کی بحث دوسرے باب میں بالتفصیل کی جائے گی۔ اس باب میں صرف بحث اعتقاد وایمان علے اللہ ہی مطلوب ہے ؎

ہمیشہ سے فطرت انسانی نے یہ ایک قاعدہ اور دستورالعمل جاری کر رکھا ہے۔ کہ جب کسی سے کوئی عہد لیا جائے۔ تو اس کے مستحکم کرنے کے لئے سردست ایک اجمالی اقرار ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً صاحبان ذوق وشوق الٰہی یعنی درویش لوگ بھی بوقت بیعت۔ بیعت ہونے والے سے ابتداءً ایک اجمالی اقرار اس طرح پر لے لیتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں خانوادہ اہل اللہ کی بیعت بطیب خاطر اس وقت اختیار کر لی ہے۔ آئندہ کے لئے اس خانوادہ کے سارے طریق اعمال کا پابند رہونگا۔ باوجود اس کے کہ ابھی اس کو اس خانوادہ کے طریق اعمال کا پتہ تک نہیں۔ کہ وہ کیا کیا ہوں گے ؎

ایسا ہی ایک شخص کسی افسر کے پاس جب اپنی ملازمت اور نوکری کے لئے التجا کرتا ہے۔ تو وہ اسے بعد ملاحظہ قابلیت کہتا ہے کہ ہم بالفعل تمہیں فلاں ملازمت یا عہدہ دیتے ہیں۔ مگر اس عہدہ کے متعلق تمام احکام پورے کرنے ہونگے۔ تب ملتجی اس وقت ایک اجمالی اقرار کرتا ہے۔ کہ ہاں صاحب میں سارے احکام کی انجام دہی کا پابند رہونگا۔ حالانکہ ابھی اس نے بالکل نہیں دیکھا۔ اور نہ وہ جانتا ہے۔ کہ اس عہدہ کے متعلق مجھے کیا کیا کام کرنے پڑینگے ؎

جب مقر بعد اقرار اس طبقۂ ملازمت میں کہ جس کا اس نے اقرار کیا ہے۔ داخل ہو جاتا ہے۔ اور مقرلہٗ بھی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ شخص سچے دل اور پکے ارادہ سے اس طبقہ میں داخل ہو گیا ہے۔ تو پھر اسے اس طبقہ کے مفصل امور سے بتدریج اطلاع دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس طبقہ کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا پورا اہل بن جاتا ہے ؎

اسیطرح سے جب اسلام نے اپنے نووارد اور اجمالی ایمان کے مقر کی استعداد اور قابلیت کو جانچ لیا۔ تو پھر اسے ایمان مفصل کی تعلیم اس طرح پر شروع کی ؎

ایمان مفصل } اٰمنت باللّٰہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والیوم الاٰخر والقدر خیرہٖ وشرّہٖ من اللّٰہ تعالٰے والبعث بعد الموت۔ یعنی میں اس خدائے پاک پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو ساری مخلوقات کے پیدا

کرنے والا اور بنانے والا ہے۔ اور نیز اس خدا کے سارے فرشتوں اور سماوی کتابوں اور سچے رسولوں پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔ کہ وہ سب کے سب سچ اور الحق ہیں۔ اور یہ بھی ایمان رکھتا ہوں ۔ کہ قیامت کبرےٰ کا دن ضرور آنیوالا ہے ۔ اور خیر و شر کا جو کچھ کہ اندازہ ہے خدا ہی کی طرف سے ہے۔ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ یہ بھی ایمان رکھتا ہوں۔ کہ اس موتِ دنیا کے بعد ایک دفعہ ضرور اٹھنا ہوگا۔ جس کے بعد پھر موت نہ ہوگی ؛

اب خدا پر ایمان رکھنا تو ہر عقل سلیم کے موافق ہے۔ مگر ملائکہ اور کتب سماوی یا رسولوں اور قیامت کی نسبت نیز بصورت خالق کل ہونے کے نیکی اور بدی کی بابت یا مرنے کے بعد حشر کی بابت ایمان رکھنے میں بعض طبائع کو طرح طرح کے شکوک گذرتے ہیں کہ فرشتوں کی کیا ضرورت تھی ۔ اور کتابوں کو سماوی کیوں کہا جاتا ہے ۔ نیز جبکہ نیکی اور بدی کا اندازہ اسی کی طرف سے ہے ۔ تو پھر رسولوں کی کیا ضرورت تھی ۔ قیامت محض ایک ڈرنا ہی ہے ۔ مر کر جی اٹھنا صرف ایک رام کہانی ہے ؛

یہ تمام شکوک صحبتِ بد ہی کے نتیجہ سے پیدا اور مہیا ہو جاتے ہیں ۔ جو بسا اوقات خدا کے فضل اور کسی نیک صحبت سے خود بخود زائل بھی ہو جایا کرتے ہیں ۔ ایسے ایسے شکوک کی وقعت اس سے کچھ زیادہ نہیں ہے ۔ کہ جو ایک طبیب حاذق کسی مریض بخار کے لئے سقمونیہ تجویز کرے ۔ اور وہ مریض یہ شک کرے ۔ کہ حرارت ہی کی وجہ سے تو بخار ہے ۔ اور طبیب حارہی دوا تجویز کر رہا ہے ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا ۔ کہ حرارت اور دوبالا ہو کر ہلاکت تک نوبت پہنچ جائیگی ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ۔ بلکہ دوائے سقمونیہ اپنی تاثیر بالخاصیت سے مریض کی حرارت زائدہ کو رفع کرتی ہوئی بخار سے افاقہ دیدیتی ہے ۔ اور مریض بالکل تدریجاً صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاتا ہے ؛

پس مریض کا یہ شک نادانستگی کی وجہ سے تھا ۔ اور طبیب کا یہ علاج پوری پوری دانستگی اور تجربہ سے مملو تھا ؛ لہذا صحت اسی میں ہے ۔ کہ طبیب حاذق جس طرح کہے ۔ اسی طرح سے عمل کیا جائے ۔ اگر بدوں عمل کئے مفت کے شکوک و اعتراض ہی کرتے ہوں ۔ تو پھر صحت معلوم ؎

کسی نے یہ سقراط سے جاکے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جسکی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں | کہے جو طبیب اسکو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سجھائیں | تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں | یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ | یہانتک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

کہنے کو تو یہ آسان بات ہے ۔ کہ فرشتوں کی کیا ضرورت تھی ۔ مگر کہنے والا یہ نہیں جانتا ہے ۔ کہ ع باغباں از بہر یک گل پرورد صد خار را ۔" اس حکیم مطلق کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے ۔ کما قال اللہ تعالےٰ ۔ افحسبتم انما خلقنٰکم عبثاً ۔ سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ کوئی چیز بھی بے فائدہ اور عبث پیدا نہیں کی گئی ہے ؛

رہا یہ امر کہ فرشتوں کی ہستی کیسی ہے ۔ سو اس سے مالنحن فیہ میں کوئی بحث ہی نہیں ۔ کہ وہ جداگانہ اور خاص شکل و صورت کی ایک مخلوق ہے ۔ یا قوائے [illegible] کا نام ہے ۔ صرف بحث ہے ۔ تو [illegible] ان کی ہستی اور وجود سے ہے

کہ جس کا فیصلہ خود کلام الٰہی ہی نے کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ تنزل الملئکۃ والروح فیہا۔

بادی النظر میں فرشتوں کی جنس اور ہستی مان لینے سے ہمیں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔ پس بصدق دل فرشتوں کا مان لینا ہی جزو ایمان ہے جس کی تاکید ایمان مفصل میں مذکور ہے۔

ضرورت یا خواہش تکوین کا مسئلہ ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص کی ضرورت کو کوئی دوسرا شخص محسوس و معلوم ہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کی ضرورت ہر طرح سے مختلف اور جداگانہ ہے پس جس صورت میں بنی نوع انسان باہم ایک دوسرے کی ضرورت سے بیخبر اور لاعلم ہیں تو کیونکر خدا سمیع علیم و قدیر کی خواہش تکوین اور ضرورت تخلیق کو محسوس معلوم کیا جا سکتا ہے لہذا ایسے ایسے فضول اور واہیات توہمات کیطرف توجہ لگانا یا توجہ لگانے کا ارادہ کرنا بجز تضیع اوقات اور خام خیالی کے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یہی اقرار کافی ہے کہ واقعی فرشتوں کی مخلوق علیٰ حسب ارادت ایزدی موجود اور خاص خاص خدمات پر مامور ہے۔

ایسا ہی وہ احکام الٰہی جو وقتاً فوقتاً ہماری اصلاح کے لئے بذریعہ کسی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوتے رہے بحیثیت مجموعی ایک کتاب سماوی بن گئے۔

سماوی سے نامزد ہونے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ بخیال ہر کس ہمیشہ سے احکام الٰہی عالم بالا ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں کتب سماوی کے نام پر تعبیر کیا گیا ہے۔ ورنہ خداوند عالم کو آسمانوں کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے۔ جو زمینوں کے ساتھ نہ ہو۔ یا بالعکس زمینوں کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے۔ جو یمین و یسار یا جنوب و شمال اور تحت و فوق سے نہ ہو۔

علیٰ ہذا القیاس جبکہ ہم دنیوی حکام کیلئے بلحاظ ادب اعلیٰ جہت کے الفاظ استعمال کرنے کے معتاد و خوگر ہیں۔ تو احکم الحاکمین کے فرامین کے لئے نزول من السماء کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور اسی طرح سے باوجود اس امر کے کہ نیکی اور بدی کا اندازہ منجانب اللہ ہی ہے۔ پھر بھی رسولوں علیہم السلام کی بعثت نہایت ہی مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور اس ضرورت کا مفید یا غیر مفید ہونا بھی اندازۂ الٰہی سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ذوالجلال والعزۃ کی ہمیشہ سے یہی عادت جاری رہی ہے۔ کہ جب زمانہ میں فسق و فجور حدّ اعتدال سے تجاوز کرنے لگا۔ تو اپنے پاک بندوں میں سے ایک بندہ کو برگزیدہ اور منتخب کر کے عہدۂ رسالت عطا کر دیا۔ اور سچا رسول بنا دیا۔ اور اس کے ذریعہ سے خلق خدا کے الجھے ہوئے اور پیچیدہ معاملات کو صاف اور فسق و فجور سے پاک کر دکھایا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

پس اگر رسولوں کی ضرورت غیر مفید ثابت ہوتی۔ تو حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہ عادت جاری نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ تو سب سے برتر فہیم و علیم ہے۔ ایک محدود اور معمولی سمجھ کا آدمی بھی کبھی وہ کام نہیں کر سکتا۔ جو غیر مفید ثابت ہے۔

چنانچہ ہم مسلمانوں کے پیشوا خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی لائف رسالت نے ثابت کر دکھایا ہے کہ رسولوں علیہم السلام کی اشد ضرورت ہوتی رہی ہے۔ اور وہ نہایت ہی مفید ثابت ہوئے ہیں۔

(باقی)

مکتوب مفتوح بنام معاونین القریش

برادران گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

"القریش" کی گذشتہ سترہ سالہ روایات اور اس کی قومی خدمات عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ اس لئے وہ محتاجِ تبصرہ نہیں۔ البتہ اگر اسکی کتابِ حیات کی ورق گردانی کیجائے۔ تو پایا جاتا ہے۔ کہ اس سے قبل بھی مختلف قسم کی مشکلات اس پر آئیں۔ جو خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے ٹلتی رہیں۔ مگر ان شدائد و مصائب کے باوجود قوم کی جو خدمات اس "ترجمانِ ملت" سے متعلق تھیں۔ ان کی سرانجامی کا سلسلہ آج تک برابر جاری رہا؛

حال میں قوم کے بعض افراد کی سرد مہری سے سو فیصدی وی۔ پی کی واپسی نے اس کے لئے ایک ایسی تازہ مصیبت پیدا کر دی جس نے اسے موت و حیات کی ایک صبر شکن کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ مگر بے حد احسان ہے۔ شاہ آباد کے بزرگانِ قوم کا۔ جنہوں نے اس اضطراب افزا اور یاس انگیز حالت سے متاثر ہو کر اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے احساس قومی سے کام لیا۔ اور کمال مردانگی و فرزانگی سے ایک سو پانچ روپیہ کے گرانقدر عطیہ سے اس کی ملی اعانت فرمائی۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ قریشیان صوبہ پنجاب اس ضمن میں اپنے ذمگی فرض کی ادائگی کے لئے کیا سبیل اختیار فرماتے ہیں۔ جس کا بڑی بے صبری کے ساتھ میں منتظر ہوں؛

میری خواہش ہے۔ کہ کم از کم بیس ۲۰ ایسے معاونین کرام جو "القریش" کی خدمات کو خصوصیت کے ساتھ بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ میدان عمل میں آئیں۔ اور ان کی ایک "**مجلس معاونت القریش**" قائم کی جائے۔ جس میں وہ ممبر کی حیثیت سے شامل ہوں۔ اور شرط رکنیت صرف یہ ہو۔ کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر سال بھر میں کم از کم پانچ نئے خریدار بہم پہنچائیں۔ اور آغاز کار یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے ہو؛

اگر کرم فرمایان "القریش" کو اس تجویز سے اتفاق ہو۔ تو میں ایک ناچیز خادم کی حیثیت سے اپنے امکانی امکانات کے استعمال کے لئے ہمہ تن آمادہ اور تیار ہوں؛

نیازمند (قاضی) نظیر حسین فاسعقی
ریٹائرڈ مستوفی الریاست۔ قلات

گوجرانوالہ
۲۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء

کچھ تجاویز "بیم قرض" میں بھی درج کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ان قوم سے بھی خواہان القریش اس مضمون کو اور ان تجاویز کو بہ نظر تعمق ملاحظہ فرما کر اپنے قیمتی راؤں سے مستفید فرما کر مشکور کریں؛

(ایڈیٹر)

عدلِ اسلامی

دربارِ خلافت کا ایک منظر

(از مصور غم مولانا راشد الخیری)

زمانہ میں اگر فرصت اور زندگی کے جھگڑے اجازت دیں۔ تو مسلمان عورتیں اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں۔ کہ صداقت نے کیا کیا جوہر دکھائے اور کلمۂ توحید کی شہر پڑھنے والیاں کس دل او گردے کی عورتیں تھیں۔ کہ دنیا کی ہر طاقت ان کی صداقت کے سامنے ہیچ تھی۔ دولت کہ جس کے نشہ نے آج دماغ مست کردیئے حکومت جس کے زعم نے اس وقت تک انسانیت ختم کردی۔ مرنے والی بیویوں نے صداقت کے مقابلہ میں پاؤں سے ٹھکرادی اور دنیا کو دکھادیا۔ کہ سانچ کو آنچ نہیں؛

زندگی میں سر آنکھوں پر رکھنے اور مرنے کے بعد حوروں کی صف میں جگہ پانے کے قابل تھیں۔ وہ متبرک ہستیاں جنہوں نے دنیا کی ہر مصیبت کو راحت اور ہر اذیت کو عشرت سمجھا۔ اور صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ قدرت نے ان کی قدر کی۔ اور انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ کہ جب تک سپہر کے ایک دور میں وہی کائنات جس کا ہر ذرہ جان کا دشمن تھا۔ قدموں میں لوٹ رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ تلوار کی دھار پر برچھی کی انی پر پھانسی کے تختہ پر صداقت کا ہمیشہ بول بولا رہا۔ اس میں وہ مخفی دولت اور پوشیدہ طاقت ہے جس نے مظلوم کو ظالم پر محکوم کو حاکم پر اور کمزور کو طاقتور پر ترجیح دی۔ دنیا اس قوت کا اندازہ نہ کرسکے۔ مگر واقعات دکھا رہے ہیں۔ کہ حکومت اس کے سامنے ہیچ، سلطنت اس کے روبرو ہیچ اور طاقت اس کے مقابلہ میں لغو ہے؛

۲

دولت عباسیہ کا وہ تاجدار مامون الرشید جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کو دنیا کے دل سے فراموش کردیا سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شاہزادہ عباس مامون الرشید کا بڑا لڑکا طاقۃ التمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں آب دجلہ کے قدموں میں لوٹ رہی ہیں۔ طائران خوش الحان کے نغمہ میں منہمک جو کنار دریا پر داغ روز روشن کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ ایک حسین عورت پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔ عباس اس کو دیکھ کر آگے بڑھا۔ اور پوچھا۔ تو کون ہے اور کس خاندان سے متعلق۔ کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حسن جنم لے سکتا ہے۔ شاہزادہ اپنا فقرہ ختم کرکے دیکھتا ہے۔ تو غیور حسینہ کے چہرہ پر بل آچکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادہ کا سوال حقارت سے ٹھکرادیا۔ اور آگے بڑھی۔ باپ کی عظیم الشان حکومت کا جن عباس کے سر پہ سوار تھا۔ حکم دیا۔ کہ اس مغرور عورت کا حسب نسب معلوم کرو۔

تذکرۃ الاولیاء

خواجہ نصیرالدین محمودؒ

آپ کی ایک بہن اودھ میں رہتی تھیں جنہیں کبھی کبھی دیکھنے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ نسبت بزرگ رکھتے تھے۔ اس لئے اودھ کے عقیدتمند پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور آپ کی صحبت میں حاضر رہ کر کسب فیضان کرتے تھے۔ جب عقیدتمندوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ہر وقت آپ کے پاس مجمع رہنے لگا۔ تو آپ نے ان سے تنگ آکر واپسی میں حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔ کہ عقیدتمندوں کے اجتماع سے بچنے اور یاد الٰہی میں خود مشغول رہنے کے لئے ان کو اس امر کی اجازت دیجائے۔ کہ وہ جنگل میں چلے جائیں۔ اور دنیا کے جھگڑوں اور مخلوق کے مشاغل سے نجات پاکر ہمہ تن یاد الٰہی میں محو رہیں۔

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے اس خواہش کو سنا۔ اور فرمایا "تم کو مخلوق خدا کے درمیان رہنا چاہئے۔ انسان کے جور و ستم کو برداشت کرنا چاہئے۔ جو شخص تم سے برا برتاؤ کرے۔ تم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ اور بدی کا بدلہ اچھائی سے دو۔"

پھر حضرت محبوب الٰہی نے آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا "نصیرالدین تم کیا چاہتے ہو؟ جنگل میں رہنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ تمہارے والد کیا کام کرتے تھے؟

حضرت نصیرالدین نے عرض کیا حضور والا میرا مقصد حیات حضور والا کے لئے درازئی عمر کی دعا اور بزرگان طریقت کی کفش برداری ہے۔ اور میرے والد روئی کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا "نصیرالدین! میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ وہاں (اجودھن میں) میرا ایک دوست آگیا۔ مجھ کو پھٹے پرانے رنگین کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر اس نے از راہ ہمدردی کہا۔ نظام الدین تمہارا کیا حال ہے؟ یہ شکستہ حالی کیوں ہے؟ کیا کچھ کوشش نہیں کرتے۔ اگر اس شہر میں معلمی کا پیشہ ہی اختیار کر لیتے۔ تو فراغت سے بسر ہوتی۔ میں نے اپنے دوست کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھ کو دیکھ کر معاً حضرت بابا صاحب نے فرمایا "نظام الدین! تم کو کیا ہو گیا۔ یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔ اگر تم کو اس حال میں دیکھ کر تمہارا کوئی دوست یہ کہے۔ کہ تم معلمی کا پیشہ اختیار کر لو۔ تاکہ فراغت سے بسر ہو۔ تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو۔ فرمایا۔ اس کے جواب میں یہ کہو ؎

نہ ہمرہی کہ مرا خویش گیر و برد | ترا سعادت باد امرا نگونساری

اس کے بعد حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جاؤ کھانا لاؤ" میں کھانے کا خوان لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ فرمایا۔ خوان کو سر پر رکھ کر اپنے دوست کے پاس لیجاؤ۔ حسب ارشاد میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ اس نے مجھ کو دیکھتے ہی کہا۔ نظام الدین!

تجھ کو یہ صحبت مبارک ہو"۔

خواجہ نصیرالدین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت پیرو مرشد نے اس طریقہ پر مجھکو سمجھایا۔ کہ درویشی کیا چیز ہے یعنی درویشی خاکساری و نگونساری کا نام ہے؛

حضرت سلطان الاولیاء کی طرح خواجہ نصیرالدین کی طرح بھی شریعت کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اور جس چیز میں کسی قسم کا شبہ ہوتا تھا۔ اس سے محترز رہتے تھے۔ یہاں تک کہ مزامیر کے ساتھ سماع بھی آپ نہ سنتے تھے۔ حالانکہ خاندان چشتیہ کے اکثر اکابر نے اس کو مباح قرار دیا تھا؛

ایک مرتبہ آپ کو اپنے کسی خواجہ تاش کے ہاں محفل سماع میں شرکت کا موقع ملا۔ سماع شروع ہوا۔ اور ہوا مزامیر کے ساتھ۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ بے تکلف دوستوں نے دریافت کیا۔ خواجہ کہاں کا ارادہ ہے۔ بیٹھو۔ فرمایا۔ مزامیر کے ساتھ سماع ناجائز ہے۔ میں اس مجلس میں شریک نہ ہونگا لوگوں نے کہا سماع سے انکار کرتے ہو۔ خاندان چشت کا یہ مشرب نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کسی کا مشرب حجت نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ حجت ہے؛

اس گفتگو کے بعد آپ واپس چلے آئے۔ لوگوں نے حضرت سلطان الاولیاء سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ نصیرالدین کا اتقا بڑھا ہوا ہے۔ اس سے کچھ نہ کہو؛

ممکن ہے بعض لوگ اس واقعہ پر حیرت و تعجب کا اظہار کریں۔ اور مزامیر کے ساتھ سماع کے جواز و عدم جواز کی بحث چھیڑ دیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ مزامیر کو شرع نے کسی حیثیت سے بھی مباح قرار نہیں دیا۔ اور تمام وہ بزرگان دین جن کا زہد و اتقا بڑھا ہوا تھا۔ مزامیر سے محترز رہے چنانچہ صاحب سیرالاولیاء راوی ہیں۔ کہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں مزامیر کے ساتھ سماع نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ ہمیشہ مزامیر سے لوگوں کو منع فرمایا کرتے تھے؛

ایک شخص نے حضرت خواجہ نصیرالدین محمود سے دریافت کیا۔ حضور والا! فقیروں کا حال کیا ہے۔ اور کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا" فقیروں کا حال بحث اعمال کے نتیجہ پر ہے۔ عمل کی دو قسمیں ہیں۔ عمل جوارح یعنی اعضائے انسانی کے اعمال جن سے ہر شخص واقف ہے۔ اور عمل قلب جس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ عالم علوی سے جو انوار نازل ہوتے ہیں۔ ان کا نزول سب سے پہلے ارواح پر ہوتا ہے۔ پھر قلب پر ان کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور جوارح اعضاء قلب کے تابع ہیں۔ قلب جب متحرک ہوگا۔ اعضا بھی حرکت کرینگے؛ (التفریح)

القریش کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی دس تاریخ مقرر ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ چوبیس تاریخ تک پرچہ نہ ملے۔ تو آئندہ پہلی تک دفتر سے مکرر طلب کریں۔

(منیجر)

بزمِ قریش

اشاعت گذشتہ میں ستمبر کا "القریش" کے عنوان سے جو شذرہ سپردِ قلم کیا گیا تھا۔ بعض دردمندانِ قوم نے اس سے متاثر ہو کر "القریش" کی توسیع اشاعت کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی ہیں۔ اس ضمن میں چند خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔ جن میں افرادِ قوم کی بے حسی و بے پرواہی کا رونا رویا گیا ہے۔ لفظی ہمدردی ایک بے معنی شئے ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے اور سال کے ۳۵۲ دن بھی۔ اگر اس کا تواتر جاری رکھا جائیگا۔ تو نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ البتہ تجویز ایک مفید چیز ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل ہو۔ پہلی تجویز نمائندہ "القریش" کا دورہ ہے۔ اس سے ہم اس لئے متفق نہیں۔ کہ سفر کی صعوبتوں کے ماسوا اخراجات کا بوجھ ناقابل برداشت ہے۔ اور کامیابی یقینی نہیں۔ دوسری تجویز البتہ نتیجہ خیز ہے۔ اس کی تفصیل مکرمی سجاد حیدر یوں پیش کرتے ہیں کہ سردست کم از کم بیس معاونین "القریش" میں دس دس رسیدات کے مطبوعہ فارم ارسال کئے جائیں۔ ہر معاون دو دو خریدار خود پیدا کرے۔ اور باقیماندہ آٹھ آٹھ فارم چار چار کر کے ہر ایک صاحب کو خریدار بنانے کے لئے دیدیں جو صاحب معاونت قبول کریں۔ اور سادہ فارم وصول کریں۔ وہ ایک ایک خریدار خود پیدا کریں۔ اور باقیماندہ تین تین سفید فارم انہیں دے دیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اور بیس معاونین کے توسل سے دس دس نئے خریدار پیدا ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ معمولی سی کوشش سے قلیل ترین میعاد میں "القریش" کے دو سو خریدار پیدا ہو جائیں گے۔ اگر اسی طرح دو تین جستیں کی جائیں۔ تو چھ سات سو خریداروں کا مہیا ہو جانا یا دوسرے الفاظ میں قوم میں آثارِ حیات پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اس طریق سے آواز بلند ہوگی۔ نظامِ ترکیبی کے قیام میں بہت بڑی حد تک آسانی ہوگی۔ قومی مرکز "ندوہ" اور "القریش" کا دائرہ وسیع ہونے سے من حیث القوم معتدبہ فوائد مترتب ہو سکینگے۔ اگر تجویز ممکن اور مناسب ہو۔ تو فارم رسیدات تقسیم کرا دیجئے۔ تیسری تجویز شیخ مختار احمد صاحب کی حسب ذیل ہے۔ "القریش کا ہر ناظر و ہر معاون اپنے اپنے حلقہ متعلقہ سے کم از کم پانچ خریدار خود پیدا کرے۔ رشتہ داروں اور برادری کے سلسلوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جو اس خدمت کو باسانی انجام نہ دے سکتا ہو۔ توجہ طلب ہے۔ چوتھی تجویز مخدوم قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی نے "مکتوب مفتوح" کی صورت میں پیش کی ہے۔ اور وہ بھی پانچ پانچ خریداروں کی بہم رسانی کے لئے ہے۔ اصل مضمون کسی دوسری جگہ درج ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیے۔ بہرکیف وقت آگیا ہے۔ کہ آپ بیدار ہوں۔ اور اپنے وقار کو قائم رکھنے اور دنیا میں عزت کی زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی عملی کام کریں۔ ورنہ روز بد دور نہیں۔ کہ آپ کی ممتاز قوم و قومیت اغیار میں مخلوط ہو کر صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تجویزیں پیش کر دی گئی ہیں۔ ناظرین کرام مطلع فرماویں۔ کہ ان کے نزدیک کونسی مفید اور قابل عمل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

———— * ————

آہ! سردار علی مرحوم!!

دنیا کی ناپائیداری میں کلام نہیں۔ ہر کسے مرنا ہے۔ یہ آبادیاں ویرانیوں سے مبدل ہو کے رہینگی۔ کسی شے کسی چیز اور کسی ہستی کو بقا نہیں۔ ہر گھر ایک وقت ماتم کدہ بنتا آیا اور بنتا چلا جائیگا۔ لیکن ماتم، ماتم میں فرق ہے۔ جوانا مرگی کا ماتم اور وہ ماتم جو عین عہد شباب میں ناگہاں واقع ہو جانا کس قدر کربۂ بلا۔ رنج وغم اور اضطراب و الم کا ماتم ہوگا۔ اس کا ذکر اللہ اللہ نہ زبان کو طاقت اور نہ قلم کو یارا۔

۲۷ نومبر کی منحوس شب ۹ بجے کا وقت قریشی برکت علی مرحوم کی نشانی عزیز سردار علی جو اپنے باپ کی وفات کے وقت گودی کا معصوم تھا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد جے۔ اے۔ وی میں کامیاب ہوا۔ اور اب اپنے گاؤں قصبہ جونڈہ (امرتسر) کے مڈل سکول کا سیکنڈ ماسٹر تھا۔ ڈرامہ میں اپنا پارٹ ادا کرنے کیلئے سٹیج پر آیا۔ کم وبیش تین ہزار حاضرین کے سامنے اس بیس سالہ خوبرو نوجوان نے کرسی پر بیٹھ کر نہایت دلکش آواز میں ؎

مے خانہ میں آ توبہ سے بیزار بھی ہو — رحمت کی طلب ہے تو گنہگار بھی ہو

ایک شعر پڑھا۔ خدا جانے کیسا وقت اور کیسا سماں تھا۔ کہ یہ الفاظ اسکی زبان سے نکلتے ہی حاضرین پر کیف طاری ہوا۔ اور انہوں نے مقرر پڑھنے کی خواہش کی کہنے والا آہ! ماہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا یہ شاش بشاش تھا۔ پہلا مصرعہ اس نے پھر اسی شان میں ادا کیا۔ دوسرا ابھی زبان سے نکلنے نہ پایا تھا۔ کہ لڑکھڑانے لگا۔ گردن پیچھے کو ڈھلک گئی۔ اور آن کی آن میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا! اناللہ وانا الیہ راجعون بس پھر کیا تھا۔ کہرام مچ گیا۔ حزن وملال اور غم واندوہ کا ایک پہاڑ تھا جو کہ ٹوٹ پڑا۔ دہ ہزار ہا کا مجمع جس میں ابھی ابھی مسرت وشادمانی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ماتم کدہ بن گیا۔ اپنے پرائے غم نوجوان پر بے اختیار رونے لگے۔ دردمندوں نے کپڑے پھاڑ لئے۔ آہ! شور محشر تھا کہ سردار علی کی موت!

ایں ماتم سخت است کہ گویند جوان مُرد

سہ بعد عزیز نوجوان مرحوم کا جنازہ کم وبیش تین ہزار کے جم غفیر میں اٹھایا گیا۔ ہندو سکھ اور مسلمان شریک جلوس زار وقطار رو رہے تھے۔ اور ہر شخص یوں آہ و زاری میں بیقراری وبیتابی کا اظہار کر رہا تھا۔ کہ گویا وہ اپنے ہی عزیز کے ماتم میں نوحہ کناں ہے۔

مرحوم کی ماں جو جوان عمری میں ہی بیوہ ہو گئی تھی اور جس کی زندگی کا یہی ایک سہارا تھا۔ آج بے خانماں ہو گئی۔ اس کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ اس کے لئے دنیا تاریک ہے۔ آہ و بکا میں غشی پہ غشی آتی ہے۔ ہوش وخرد جاتے رہے۔ اس کا قافلہ لٹ چکا۔ وہ مجنونانہ حالت میں مایوس و نامراد ہو چکی۔ فلک ستم کیش نے اسے زندہ درگور کر دیا۔ خدا کرے یہ نحس ساعت کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔

مرحوم قوی الجثہ ایک وجیہ جوان تندرست وتوانا تھا۔ اس کی موت کا سبب اس کا راز کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

افسوس سخت افسوس اور کمال رنج کا مقام ہے۔ کہ اس حادثہ فاجعہ اور سانحہ ہوش ربا سے جہاں ہزار ہا خلق خدا بے حال وپریشان ہو رہی تھی وہاں کے مقامی ڈسپنسری کے ڈاکٹر نے ذرہ بھر انسانی ہمدردی کا ثبوت نہ دیا جس کے لئے عوام غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔

مرحوم سے مجھے کیا تعلق تھا اسکا ذکر اب کیا کیا جائے۔ رشتہ دار تھا۔ اور میرے محسن مولوی غلام علی مرحوم کے گھر کا ایک ہی چراغ تھا۔ جو بجھ گیا۔ افسوس!

اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دو۔ نوکر جا کر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شاہزادہ نے اپنا شکار ملتوی کر دیا۔ اور خیمہ میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا کبھی خیمہ سے باہر آتا کبھی اندر۔ کہ ایک خادم نے آ کر عرض کی۔ عورت خاندان برامکہ کی لڑکی مغیرہ بنت ازوار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین ابن موسےٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے ورثا میں سے اب کوئی زندہ نہیں۔ صرف دو معصوم بچے ہیں۔ نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔ آپے سے باہر ہو گئی۔ اور یہ الفاظ کہتے۔ ہاروں میری جان تباہ کر چکا۔ اب مامون ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس یاد رکھے۔ کہ اس کی شاہزادی اس ٹوٹی چھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دونگی۔

۳

رات کا چہرہ دنیا کے چہرہ سے اٹھا۔ ادھر صبح صادق آل برامکہ کی بربادی کا نوحہ کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ ادھر طاقۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا چھوٹے بچے کو کلیجہ سے پیار کیا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ عباس شہزادے کا پیغام ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچا۔ شاہزادہ عباس کا غصہ تیری جان اور مال خاک میں ملا دیگا۔ یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے۔ اور تجھ کو دو گھنٹہ کی اجازت ہے۔ یہ مکان خالی کر دے۔

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازہ پر آئی۔ اور قاصد سے کہا۔ عباس اس وقت کو بھول جائے۔ جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا۔ اور بے گناہ قتل نے آل برامکہ کو دو دو دانوں کو محتاج کر دیا۔ لیکن برامکی بیبیاں مظالم عباسیہ کو جس تحمل سے برداشت کرتی ہیں۔ تاریخ ان کو فراموش نہیں کرتی۔ اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید ردا سر پر ڈالکر دونو بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل آئی۔

۴

دوسری صدی ختم کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مغیرہ کے چہرہ پر جو چودہویں رات کے چاند کو شرماتا تھا ضعیفی کے آثار نمودار ہو گئے۔

مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین تھا۔ امراء وزرا خاموش بیٹھے تھے۔ کہ مظلوم مغیرہ دربار شاہی میں حاضر ہوئی۔ اور کہا۔ ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی۔ سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو۔ لیکن مامون الرشید ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ شہنشاہ ظالم کی ستائی تیرے پاس فریاد لائی ہوں۔ انصاف کر اور داد دے۔ دربار عورت کا منہ تکنے لگا۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔ مامون الرشید نے عورت سے کہا۔ ان ظالم کا نام بتاؤ۔ وہ کون ہے۔ عورت ہنسی اور ہنسکر کہا۔ شاہزادہ عباس جو تخت شاہی پر تیرے برابر بیٹھا ہے۔ آج مسلمان دنیا بھر کے عیوب کا مخزن ہو جائیں۔ مگر یہ مردہ قوم کبھی زندہ بھی تھی۔ مامون کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے چوبدار سے حکم دیا۔ کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے۔ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ شاہزادہ عباس خاموش تھا۔ اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔

مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان مصیبت بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی

زبان سے یہ لفظ نکلے۔ عباس یہ صحیح ہے۔ کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے۔ اس وقت کہ اگر اپنی دھن میں آگے بڑھکر قریب پہنچتا۔ تو تیری گردن خاک میں ملا دیتے۔ آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی۔ مگر عصمت وہ دولت ہے۔ کہ عباسی سلطنت کو اس سے قربان کر دیں "

وزراء مغیرہ کے جرأت پر متعجب ہوئے۔ اور کہا۔ یہ بیباکی آداب شاہی کے خلاف ہے۔ادب سے گفتگو کر۔ مامون نے کہا۔ اس کو مت روکو۔ یہ حق رکھتی ہے۔ کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے۔ کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے کو بلند کر دیا۔ اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنا دیا۔

اس وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اپنے ہاتھ سے لیکر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈالیں۔ اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا۔ بلکہ قصر عباس جو ایک عالی شان محل تھا۔ مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی۔ کہ وہ شاہزادہ کا قصور معاف کر دے "
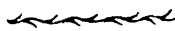
معاونین القریش سے

جن احباب کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ اگر کوئی امر مانع نہ ہو۔ تو وہ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک اپنا اپنا زرچندہ ارسال فرما کر مشکور کریں۔ ان احباب کی خدمت میں اطلاعی پوسٹ کارڈ دفتر سے علیحدہ جاری ہو رہے ہیں۔ وی۔ پی سسٹم چونکہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس سے بحالت موجودہ جانبین کو کوئی فائدہ نہیں۔ لہذا بہی خواہان "القریش" سے استدعا ہے۔ کہ اطلاعی کارڈ پہنچتے ہی اپنا اپنا زرچندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیں (منیجر)

القریش کا سرورق

اگرچہ صحافت حاضرہ کی ترقی کا معیار فسانہ نگاری، عشق، محبت کی داستانیں اور خیالی عریاں تصویروں کی اشاعت قرار پا گیا ہے۔ علمی و ادبی اور اخلاقی و تاریخی مضامین کی کچھ قدر و قیمت نہیں رہی۔ مگر ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ البتہ سرورق کو رنگین و دلکش بنانے کی سنت جاریہ کی تقلید کوئی بری بات نہیں۔ لہذا چاہتے ہیں۔ کہ القریش کے سرورق کا کوئی دلچسپ اور خوشنما ڈیزائن تجویز کریں ناظرین کرام مشورہ دیں۔ کہ وہ کس قسم کے ڈیزائن کو پسند کرتے ہیں۔ جوابات موصول ہونے پر انشاء اللہ تعالے القریش کے صفحہ اول کو دلربا اور خوشنما بنانے کی کوشش کی جائے گی "

(منیجر)

لائبریری شریف گنج امرتسر

امرتسر بیرون دروازہ مہاں سنگھ شریف گنج کے نام سے ایک نئی آبادی میں مسٹر عبدالغفار اور چند علم دوست نوجوانوں کی مساعی سے انجمن خدام خلق کی زیر سرپرستی ایک لائبریری کا قیام عمل میں آئے ہوئے تین چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ لائبریری اوقات مقررہ پر کھلی رہتی ہے۔ اور اس طریق سے علمی نیا بینی کا تواتر جاری ہے۔ لائبریری کے مفاد پر عامہ فرسائی تحسین حاصل ہے۔ ان نوجوانان شریف گنج کی تگ و دو قابل تعریف ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ مقامی میونسپلٹی حسب دستور انکی حوصلہ افزائی کیلئے دست امداد بڑھائے۔ تاکہ یہ علمی ادارہ ابتدائی مشکلات سے عہدہ برآ ہو کر بوجہ احسن خدمت خلق انجام دیسکے ہم خواجہ محمد غلام صادق صاحب رئیس صدر میونسپلٹی کی توجہ اس ضرورت کیجانب معطوف کراتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ وہ اہلیان شریف گنج کے اس علمی ادارہ کی امداد و اعانت سے شکریہ کا موقع دینگے "

افسانہ

حامد اور جمیلہ

(گذشتہ پیوستہ سے)

۴

آج حامد کے ابا نے معززین ورؤسائے کرام وکلاء صاحبان اور اہل شہر کو ایک پُرتکلف دعوت ولیمہ دی۔ حامد ایک زرق برق لباس پہنے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھا رہے۔ آس پاس معززین شہر جو اس تقریب پر خاص طور پر مدعو کئے گئے تھے۔ بیٹھے۔ حامد میاں کی درازئ عمر کے لئے دعائیں دے رہے ہیں۔ یہ تقریب بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی۔ دو تین دن کے بعد جب سب کاموں سے فراغت ہوگئی۔ تو حامد نے باقاعدہ سکول جانا شروع کردیا۔ آخر حامد میاں انٹرنیس کے امتحان میں پاس ہوگئے۔ اور مقامی انٹرمیڈیٹ کالج کی فرسٹ ایر کلاس میں داخل ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حامد کے ابا کو بخار کی شکایت ہوئی۔ پہلے پہل تو اس کو معمولی سمجھا گیا۔ لیکن جب بخار کے ساتھ کھانسی بھی آنے لگی۔ اور تپ دق کا شبہ ہوا۔ تو علاج معالجہ شروع ہوا۔ شفا کی ہرچند کوشش کی گئی۔ لیکن بیماری مرض الموت ثابت ہوئی۔ اور آخر ان کا روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔ مذہبی رسومات کے مطابق ان کی نعش کو سپرد خاک کیا گیا۔ تین دن تک عذر خواہی کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ تیسرے دن قُل ہوئے۔ ایصال ثواب کے لئے کئی قرآن شریف پڑھ کر مرحوم کی روح کو بخشے گئے۔ حامد کے ابا کی موت اس گھر کی بربادی کا پیغام لے کر آئی تھی۔ کیونکہ حامد کی والدہ اپنے خاوند کی جدائی کو برداشت نہ کرسکی۔ اور بیمار رہنے لگی۔ اور چند ہی مہینوں کے اندر اندر وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوکر اپنے خاوند کے پاس پہنچ گئی۔ حامد اپنے ابا کی موت کا صدمہ ابھی بھولے ہی نہیں تھے۔ کہ والدہ بھی ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئی۔ حامد کا دل اداس رہنے لگا۔ جمیلہ جو حامد کی اس حالت میں تسلی وتشفی کرتی رہتی تھی۔ ایک دن موقعہ پاکر حامد میاں کو مخاطب کرکے یوں گویا ہوئی۔

جمیلہ۔ تایا صاحب اور تائی صاحبہ کی موت پر ہم جتنا بھی ماتم کریں۔ کم ہے۔ تمام عمر بھی ان کی یاد میں تڑپیں۔ آنسو بہائیں لیکن وہ کبھی فراموش نہیں ہوسکتے۔ لیکن دنیا دار الفنا ہے۔ جو شخص پیدا ہوا ہے۔ اس نے مرنا ہے۔ لیکن دنیا کے کاروبار بدستور جاری رہتے ہیں:

حامد۔ ابا جان اور اماں جان کی موت ایسی نہیں۔ کہ اس کو فراموش کردیا جائے۔ کاش! میں بی۔ اے پاس کرلیتا۔ کسی اعلےٰ عہدہ پر مامور ہوجاتا۔ اور ان کی خدمت گذاری کرتا:

جمیلہ۔ بی۔ اے پاس کرنا اب کونسا مشکل ہے۔ آپ تعلیم کو جاری رکھیں۔ تایا صاحب نے جتنا روپیہ چھوڑا ہے۔ وہ اگر احتیاط کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ تو سالہا سال کے لئے کافی ہے:

حامد - تمہاری اس وقت کی گفتگو قابل قدر ہے - خدا تم جیسی مونس و غمخوار بیوی ہر ایک کو دے - میں تمہاری قدر کرتا ہوں - اور تمہاری نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا ۔

۵

حامد نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد اپنے سلسلۂ تعلیم کو جاری رکھا - اور ہر کام اپنی بیوی کے صلاح و مشورہ سے کرتا رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کی طبیعت آوارہ ہو گئی - تعلیم سے جی اکتا گیا - اس نے کالج چھوڑ دیا - اور بیکار رہنے لگا - محلے کے چند غنڈوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو گیا - جو سایہ کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے - اور اس کو لوٹ لوٹ کر کھانے لگے - شراب پی جانے لگی - نسیم جان طوائف کا گانا سننا جانے لگا - روزانہ حامد میاں نسیم جان طوائف کے چوبارے پر اپنے دوستوں کے ساتھ جاتے - شراب پیتے - گانا سنتے اور سینکڑوں روپے ضائع کر آتے - شدہ شدہ ان حالات کی خبر جمیلہ کے کانوں تک پہنچی - وہ خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہی - پہلے پہل تو اس کو یقین نہ آیا - کیونکہ حامد اور جمیلہ میں بے حد محبت تھی - لیکن جب حامد نے التفات بھی کم کر دیا - معمولی گفتگو کے سوا محبت کرنا - بیٹھنا ترک کر دیا - تو جمیلہ کو یقین ہو گیا - کچھ عرصہ تو وہ صبر کئے رہی - لیکن آخر اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا - جب حامد راتوں کو بھی گھر سے غیر حاضر ہونے لگا - تو جمیلہ نے حامد کو ان حالات کے برے نتائج سے آگاہ کرنے کی غرض سے یوں کہا -

جمیلہ - میرے سرتاج ! آپ اتنے بے پروا ہو گئے - کہ کنیز کی طرف نظر التفات ہی مبذول نہیں فرماتے - میں وہی ہوں جس کی صلاح کے بغیر آپ کسی سے بات تک نہ کرتے - یا آج یہ حالت ہے - کہ کئی کئی دن آپ کی صورت دیکھنے کے لئے ترس جاتی ہوں ۔

حامد - بدتمیز کہیں کی - تم کو کیا - میں خواہ کہیں رہوں - تم کوئی میری افسر ہو - خبردار آئندہ کے لئے کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا ۔

جمیلہ - میں نے تو کوئی گستاخی نہیں کی - اگر آپ کو میری گفتگو ناگوار گذرتی ہے - تو میں عرض نہیں کرتی -

حامد بغیر جواب دئیے پلنگ پر لیٹا اور سو گیا - دوپہر کے بعد اٹھا - اور جمیلہ سے کچھ کہے بغیر گھر سے باہر چلا گیا ۔

۶

نسیم جان اپنے چوبارے پر بیٹھی ہے - کہ اتنے میں حامد میاں تشریف لائے - اور یوں گویا ہوئے -

حامد - پیاری تمہاری جدائی بڑی شاق گذرتی ہے - جب تک تمہارے پاس رہتا ہوں - طبیعت کو چین اور دل مسرور رہتا ہے - لیکن جب یہاں سے جاتا ہوں - تمہاری یاد ہر وقت بے چین کئے رکھتی ہے -

نسیم جان - اجی میں عرض کروں - یہی حالت میری ہے - جب آپ تشریف لے جاتے ہیں - تو گویا دل ہی نکال کر لے جاتے ہیں اس دن آنکھیں فرش راہ کئے رکھتی ہوں - آپ تو ہر وقت میرے پاس ہی تشریف رکھا کیجئے -

حامد - اگر تم یہ چاہتی ہو - کہ ہر وقت میرے پاس رہو - تو میں تم کو وہ راستہ بتاتا ہوں - جس پر چل کر تم ہر وقت میرے پاس رہ سکتی ہو

یعنی تم باقاعدہ میرے ساتھ نکاح کرلو ۔ پھر تم میری اور میں تمہارا ۔ میں چاہتا ہوں ۔ کہ جس طرح تم میرے دل کی مالکہ ہو ۔ اس طرح میرے گھر بار کی بھی مالکہ بنو ۔

نسیم جان ۔ مجھے نکاح میں تو کوئی عذر نہیں ۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے ۔ کہ آپ اپنی ساری جائیداد میرے نام رجسٹری کروادیں ۔ پھر میں آپ ہی کی ہو جاؤں گی ۔ جہاں چاہیں ۔ مجھے رکھیں ۔ جہاں چاہیں ۔ لے جائیں ۔ آج رجسٹری کروادیں کل نکاح ہو سکتا ہے ۔

حامد ۔ پیاری یہ کونسی بڑی بات ہے ۔ میری تو جان بھی تم پر قربان ہے ۔

ایک دو دن میں ہی حامد نے اپنی ساری جائداد باضابطہ طور پر نسیم جان کے نام رجسٹری کروادی ۔ اور اس کے ساتھ نکاح کرکے اسے اپنے گھر لے آیا ۔ جمیلہ کو حکم دیا گیا ۔ کہ وہ نسیم جان کی خدمت کیا کرے ۔ اور اس کے تابع فرمان رہے ۔ جمیلہ نے دل پر صبر کا پتھر باندھا ۔ اور اس حالت میں بھی خدا کا شکریہ ادا کیا ۔ جمیلہ لونڈیوں کی طرح نسیم جان کی خدمت کرتی ۔ اور اس کے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گذارہ کرتی ۔ (باقی دارد)

خودساختہ پیمبروں کے افسانے

عباسیہ کے دور میں جب ایک طرف فلسفہ یونان کا مذاق مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا ۔ اور دوسری طرف مختلف مذاہب کی تاریخ سے اہل عرب آشنا ہونے لگے تھے ۔ صدہا لوگوں نے نبوت کا دعوے کیا ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جیسے ان دنوں نبوت کے مدعی بننے کا ایک فیشن سا ہو گیا تھا ۔ ان میں سے دوچار کو اتنا موقع بھی ملا ۔ کہ کوئی بڑا گروہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا ۔ اور وہ بغاوت اور سرکشی کرنے کے بعد پکڑے اور قتل کئے گئے ۔ مگر زیادہ تر ایسے ہی لوگ نظر آتے ہیں ۔ جو دعوٰی نبوت کرتے ہی پکڑے جاتے ۔ اور خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہونے کے بعد بھی جب اپنے دعوے پر قائم رہتے ۔ تو ان کی گردن ماری جاتی اس قسم کے لوگوں کی ان دنوں میں اس قدر کثرت ہو گئی تھی ۔ کہ سن کے تعجب ہوتا ہے ۔ چنانچہ مامون رشید کے سامنے ایکبار دس مدعیان نبوت ایک ساتھ پکڑ کے لائے گئے ۔ قصر خلافت میں آتے وقت جب وہ راستہ میں وقار و تمکنت کی شان سے گذر رہے تھے ۔ کیونکہ سب تعلیم یافتہ اور شائستہ صورت کے لوگ تھے ۔ تو ایک طفیلی کو جو دعوتوں میں بے بلائے جا کے پیٹ بھرنے کا عادی ہو رہا تھا ۔ دھوکہ ہوا ۔ کہ یہ لوگ کہیں دعوت میں جا رہے ہیں ۔ اور ان کے غول میں مل گیا ۔ مامون کے سامنے جب یہ لوگ پہنچے ۔ تو سب اہل محفل متحیر تھے ۔ کہ دس گیارہ کیونکر ہو گئے ۔ جب تصدیق کے بعد ان کے قتل کا حکم ہوا ۔ تو وہ طفیلی گھبرایا ۔ اور بولا کہ میں تو یہ سمجھ کے ان کے ساتھ ہو لیا ۔ کہ یہ کسی امیر کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں ۔ ورنہ مجھے دعوٰی نبوت سے کیا علاقہ ۔ یہ سن کے تمام حاضرین ہنس پڑے ۔ اور مامون بھی مارے ہنسی کے لوٹ گیا ۔ اور کہا ۔ اسے بھی لے جاکے قتل کرو ۔ جب اس نے ان لوگوں کا ساتھ دیا ہے ۔ تو آخر تک

نباہنا چاہیئے۔ لیکن یقین ہے۔ کہ اس دھمکی کے بعد وہ چھوڑ دیا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعیان نبوت میں سے اکثر مذاقاً دعویٰ کر دیا کرتے۔ اور خلیفہ کے سامنے کوئی لطیفہ یا مذاق کا فقرہ کہہ کر چھوٹ جاتے جیساکہ واقعات ذیل سے ظاہر ہوگا :

خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ جب اسے پکڑ کر دربار خلافت میں لائے۔ تو مہدی نے پوچھا۔ "تم نبی ہو ؟" بولا۔ "جی ہاں" پوچھا۔ "اور کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہو" بولا۔ "تم نے کسی کے پاس ایک گھڑی بھر کے لئے بھی تو جانے نہیں دیا۔ میں نام لوں تو کس کا لوں ؟ ادھر میں نے دعویٰ کیا۔ اور ادھر تم نے مجھے پکڑ کے قید خانہ میں بند کر دیا۔" یہ جواب سُنکر مہدی ہنسا۔ اور اسے چھوڑ دیا :

ایک شخص نے ایک بار بصرے میں پیغمبری کا دعوے کیا۔ لوگ اسے پکڑ کے حاکم بصرہ سلیمان بن علی کے پاس لائے۔ سلیمان نے صورت دیکھتے ہی کہا۔ تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو ؟ بولا جی اسوقت تو قیدی ہوں۔" پوچھا کم بخت تجھے کس نے نبی بنایا ہے ؟ بولا بھلا پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی تہذیب سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اے بے عقیدہ شخص اگر میں گرفتار نہ ہوتا۔ تو جبرائیل کو حکم دیتا۔ کہ تم سب کو ہلاک کر ڈالیں۔ مگر کیا کروں۔ قید میں ہوں۔ سلیمان نے پوچھا۔ "تو کیا قیدی کی دعا قبول نہیں ہوتی ؟" بولا جی اور کیا خصوصاً انبیاء کا تو معمول ہے۔ کہ جب تک قید رہتے ہیں۔ ان کی دعا آسمان پر نہیں جاتی۔" سلیمان کو اس پر ہنسی آگئی۔ اور کہا۔ اچھا میں تم کو چھوڑے دیتا ہوں۔ آزادی پانے کے بعد تم جبرئیل کو حکم دو۔ اگر انہوں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا۔ تو ہم سب تم پر ایمان لائیں گے۔" یہ سنکر بولا۔ خدا سچ فرماتا ہے۔ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ۔ (لوگ جب تک عذاب نہ دیکھ لینگے ایمان نہ لائینگے) یہ جواب سن کے سلیمان ہنسا پھر اس سے کہا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔" اور اسے چھوڑ دیا :

مامون کے عہد میں ایک اور شخص نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ میں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔ جب وہ مامون کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس وقت ثمامہ بن اشرس مامون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس مدعیٔ نبوت کی کیفیت سن کے کہا۔ کہ میں نے ایسا جری شخص نہیں دیکھا۔ کہ خدا پر بھی تہمت لگائے۔ ثمامہ نے کہا۔ اگر اجازت ہو۔ تو میں اس سے گفتگو کروں۔ اس نے اجازت دی۔ اور ثمامہ نے کہا۔ اے شخص حضرت ابراہیمؑ کے پاس تو نبوت کی دلیلیں بھی تھیں۔ تمہارے پاس کونسی دلیل ہے ؟ پوچھا۔ ابراہیمؑ کے پاس کونسی دلیلیں تھیں ؟ ثمامہ نے کہا۔ آگ جلائی گئی۔ اور وہ اس میں ڈالدیئے گئے۔ آگ ان کے لئے ٹھنڈی اور آرام دہ ہوگئی۔ ہم تمہارے لئے آگ جلاتے ہیں۔ اور تمہیں اس میں ڈال دینگے۔ اگر تمہارے لئے بھی آگ ویسی ہوگئی۔ تو تم پر ایمان لے آوینگے۔" یہ سنکر وہ بولا۔ یہ زیادہ مشکل ہے۔ اس سے کوئی آسان صورت بتاؤ۔ ثمامہ نے کہا۔ تو حضرت موسیٰؑ کے ایسے دلائل نبوت پیش کرو۔ اس نے پوچھا۔ ان کے دلائل کیا تھے ؟ کہا۔ ان کے پاس عصا تھا۔ جب اسے زمین پر ڈال دیتے۔ اژدہا بن جاتا۔ اور اسی عصا سے مار کے انہوں نے سمندر ٹھیرا دیا تھا۔ بولا۔ "اس سے بھی آسان صورت نکالئے۔ کہا۔ تو حضرت عیسےٰؑ کے دلائل سہی۔ پوچھا وہ کیا تھے ؟ کہا مردوں کو زندہ اور اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ بولا۔ "یہ تو سب پر قیامت ہے۔" ثمامہ نے کہا۔ پھر کوئی دلیل نبوت تو ضرور ہونی چاہیئے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ کہ مجھے شیطانوں کے پاس بھیجتے ہو۔ تو کوئی دلیل دو۔ تاکہ اسے پیش کروں۔ اس پر جبرئیل بگڑے۔ خفا ہوئے اور کہا۔" تم نے خود ہی برائی سے اپنے کام

کی ابتدا کی ۔ جا کے دیکھو ۔ تاکہ لوگ کیا کہتے ہیں ؟" یہ باتیں سن کے ثمامہ نے ماموں سے کہا ۔ امیرالمومنین اس کا دماغ بگڑا ہوا ہے ۔ اور میرے خیال میں تو مجنوں ہے "ماموں نے کہا ۔" ہاں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں ۔ اور یہ کہہ کے اسے نکلوا دیا ۔

یونہیں ایک شخص ادعاء نبوت کا مجرم بن کے خلیفہ مہدی کے سامنے پکڑا آیا ۔ مہدی نے اس کی صورت دیکھ کے پوچھا ۔ تم کب مبعوث ہوئے بولا ۔" آپ کو تاریخ سے کیا تعلق ؟" مہدی نے پوچھا ۔ تمہیں کہاں نبوت ملی ؟ بولا ۔ خدا کی قسم یہاں تو ایسی ایسی باتیں پوچھی جا رہی ہیں ۔ جن کو نبوت سے کوئی علاقہ نہیں ۔ اگر میری نبوت مانتے ہیں ۔ تو میں جو کچھ کہوں ۔ اسے مانئے ۔ اور میری پیروی کیجئے ۔ اور اگر مجھے آپ جھوٹا سمجھتے ہوں ۔ تو اپنے گھر خوش رہئے ۔ اور مجھے چھوڑ دیجئے ۔ کہ میں اپنا راستہ لوں ۔" مہدی ۔" چھوڑ کیونکر دوں ؟ اس لئے کہ تمہاری وجہ سے دین میں فساد پڑیگا ۔ یہ سن کے بولا ۔ بڑے تعجب کی بات ہے ۔ جب اپنے دین میں خرابی پڑنے کے اندیشہ سے آپ برہم ہوئے جاتے ہیں ۔ تو پھر مجھے کیوں نہ غصہ آئے ؟ کیونکہ میری تو نبوت ہی بگڑی جاتی ہے ۔ آپ کی ساری شان و شوکت اور یہ سارا جبروت معن بن زائدہ اور حسن بن قحطبہ کے ایسے سپہ سالاروں کے برتے پر ہے ۔ اتفاقاً اس وقت قاضی شریک سامنے کھڑے ہوئے تھے ۔ مہدی نے کہا ۔ قاضی صاحب آپ اس پیغمبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟ قبل اسکے کہ قاضی شریک لب ہلائیں ۔ اس شخص نے کہا ۔" آپ نے میرے معاملہ میں ان سے تو مشورہ لیا ۔ بھلا مجھی سے کیوں نہ مشورہ لیا ۔ مہدی نے کہا ۔ اچھا تمہیں بتاؤ ۔ کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ بولا ۔ میں اپنا فیصلہ ان انبیاء پر چھوڑتا ہوں ۔ جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں ۔ بس جو ان کا فیصلہ ہو ۔ اسی پر عمل کیجئے مہدی نے کہا ۔ مجھے یہ منظور ہے ۔ اب اس نے پوچھا ۔ اچھا بتائیے میں آپکے نزدیک کافر ہوں یا مومن ؟ مہدی نے کہا ۔" تم کافر ہو ۔" تو بس قرآن میں موجود ہے ۔ کہ ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم (تو تو کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کر ۔ اور ان کے تکلیف دینے کو چھوڑ دے ۔ اسلئے آپ نہ میری پیروی کیجئے ۔ اور نہ مجھے ستائیے ۔ بلکہ مجھے چھوڑ دیجئے ۔ کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس جاؤں ۔ جو کہ پیغمبروں کے پیرو ہوتے آئے ہیں ۔ اور بادشاہوں اور جباروں کو میں بھی چھوڑ دوں ۔ جو کہ جہنم کے کندے ہیں ۔" یہ سن کے مہدی ہنسا اور اسے آزادی دی ۔

ایکدن عبداللہ بن حازم دجلہ کے پل کے پاس اپنی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ کہ اتنے میں لوگ ایک شخص کو پکڑے ہوئے لائے ۔ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا ۔ انہوں نے اس سے کہا ۔ تم پیغمبر ہو ؟ بولا جی ہاں ۔" پوچھا کس قوم پر مبعوث ہوئے ہو ؟ بولا کیسی پر ہوا ہوں تمہیں کیا ؟ میں شیطان پر مبعوث ہوا ہوں ۔ یہ جواب سنکر عبداللہ ہنسے ۔ اور کہا ۔ اسے چھوڑ دو ۔ کہ شیطان ملعون کے پاس جائے ۔" ثمامہ بن اشرس کہتے ہیں ۔ میں قید تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مہذب اور شائستہ اور باوقار شخص قیدخانہ میں آیا ۔ اس وقت میرے ہاتھ میں شربت کا جام تھا ۔ اسے دیکھ کے میں اسقدر متحیر ہوا ۔ کہ جام کو منہ سے لگانا بھول گیا ۔ اور اس سے کہا ۔" آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں ۔ لوگوں نے کس گناہ پر آپ کو قید کیا ہے ؟" بولا ۔ یہ بھاش مجھے پکڑ لائے ہیں ۔ اور محض اس بناء پر کہ میں نے امر حق کو ظاہر کیا ۔ میں نبی مرسل ہوں ۔" یہ سن کے میں متعجب ہوا ۔ اور اسے کہا ۔ کوئی معجزہ بھی آپ کے پاس ہے ؟ بولا جی ہاں ۔ میرے پاس تو سب سے بڑا معجزہ موجود ہے ۔ پوچھا وہ کیا ؟ کہا کسی حسین عورت کو لاؤ ۔ دیکھو ابھی حاملہ کرا دونگا پھر اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا ۔ جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا ۔ ثمامہ نے یہ سن کے بمشکل سے ہنسی روکی ۔ اور کہا ۔ صلی اللہ علیک ۔ پھر جام پیش کر کے کہا ۔ لیجئے ۔ اب نوش فرمائیے ۔"

(ماخوذ)

غیر مسلم گزیٹڈ عہدیدار

تعداد	ماہوار	مختلف الاؤنس
۲۲۹	۱۵۵۸۷	۳۰۲۳ روپیہ ماہانہ

غیر مسلم خطاب یافتگان

راجہ راجایان مہاراجہ بہادر - راجہ راجہان بہادر
بحری بلونت مہا بہادر - جیونت بہادر - ونت بہادر ۴
راجہ بہادر ۱۷ - راجہ ۲ - ملک ۱ - جنگ ۲ -
رمانی ۷ - جملہ ۳۱

تعداد غیر مسلم منصبداران اضلاع سرکار عالی

جو ۲۰۰ روپیہ سے زائد کسی مقدار تک منصب پاتے ہیں ۲۹۵

۲۵۰ "	"	"	"	"	۲۶۳
۳۰۰ "	"	"	"	"	۲۳۳
۴۰۰ "	"	"	"	"	۱۸۵
۵۰۰ "	"	"	"	"	۱۴۷
۶۰۰ "	"	"	"	"	۱۱۷
۹۰۰ "	"	"	"	"	۶۸
۱۲۰۰ "	"	"	"	"	۴۱
جملہ					۱۳۴۹

تعداد غیر مسلم منصب داران حیدرآباد دکن :- ۴۰۸
رقم ماہانہ :- ۱۶۸۴۰ روپے ۱۲ / ۳ پائی
تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران خیرات و مبرات :- ۲
رقم ماہانہ :- ۱۷۹

تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران رعایتی حیدرآباد دکن ۲۳۴
رقم ماہانہ :- ۳۹۳۴ روپے
تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران حسن خدمت :- ۱۰۱۹
رقم ماہانہ :- ۱۴۴۲۸۱ روپے
تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران رفاہی حیدرآباد دکن :- ۲۰
رقم ماہانہ :- ۵۲۴ روپے
تعداد غیر مسلم وظیفہ خواران بشمول اضلاع عالی وظیفہ ایک جین حیاتی عطیہ نقدی کا نام ہے جس کا تقرر ماہواری حساب سے نہیں ہوتا ہے۔

جنکی آمدنی ۳۰۰ روپیے سالانہ سے زائد ہے ۵۲۰

"	۴۰۰	"	"	"	۳۶۰
"	۶۰۰	"	"	"	۳۰۲
"	۹۰۰	"	"	"	۱۳۶
"	۱۳۰۰	"	"	"	۱۰۴
"	۱۵۰۰	"	"	"	۸۹
"	۱۸۰۰	"	"	"	۸۱
"	۲۴۰۰	"	"	"	۶۳

جن کی آمدنی ۳۰۰۰ روپے سالانہ سے زائد ہے ۴۱

"	۳۶۰۰	"	"	۳۲
"	۴۲۰۰	"	"	۲۲
"	۵۰۰	"	"	۱۸
			جملہ	۱۱۷۸

دولت آصفیہ کی خبریں

شہریار دکن اور اصلاحات

حضور نظام کی بیدار مغزی و رعایا نوازی ضرب المثل ہے۔ آپ نے رعایا کو بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم کی مراعات دے رکھی ہیں۔ اور ہر وقت زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلنے کو تیار رہتے ہیں۔ ریاست کا نظام حکومت ایک کونسل کے سپرد ہے جس کے صدر مہاراجہ سر کشن پرشاد ہیں۔ یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ عنقریب دہلی تشریف لانے والے ہیں۔ جہاں ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے۔ اس اثنا میں بعض دیگر امور کے علاوہ وائسرائے ہند سے مشورہ کریں گے۔ کہ برطانی ہند کی مانند قلمرو آصفیہ میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں۔ اور وہاں پر اسمبلی اور کونسلیں قائم کی جائیں۔ اور عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے ؎

حضور نظام کا یہ عمل قلمرو حیدر آباد کے لئے مزید شادابی و فراغبالی کا موجب ہوگا ؎

استرداد برار کی حمایت

امراؤتی میں سیٹھ سری نارائن رام بلاس آنریری مجسٹریٹ اور زمیندار کے زیر صدارت باشندگان علاقہ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں بالاتفاق یہ قرارداد منظور ہوئی۔ کہ حکومت برطانیہ برابر کی واپسی کا فیصلہ اس عہدنامہ کی دفعات کے مطابق کرے۔ جو حکومت برطانیہ اور تاجدار دکن کے درمیان ہوا تھا۔ اور خود غرض اشخاص کی ایجی ٹیشن کا کوئی لحاظ نہ کرے

قرارداد مسٹر شرف الدین سابق رکن کونسل ایڈوکیٹ عدالت عالیہ نے پیش کی۔ اور مسٹر ہدایت علی پلیڈر ریونسپل کمشنر کی تائید اور متعدد دیگر اصحاب کی تائید مزید سے بالاتفاق منظور ہوئی۔ اور قرارداد کی نقول تار کے ذریعہ مسٹر میکڈانلڈ نیز سر آغا خان اور سر اکبر حیدری کی خدمت میں بھیجی گئیں ؎

ولیعہد دکن کی شادی

دکن کے شہزادگان ذی جاہ کی شادیوں کی خبر دکن اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ خبر ہی خبر ہے۔ یا اس میں کوئی صداقت بھی ہے۔ کیونکہ ذمہ دارانہ طور پر کسی اخبار میں اس خبر کی اشاعت نہیں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سابق سلطان ٹرکی خلیفہ عبدالحمید خان صاحب کی صاحبزادی سے شہزادہ معظم جاہ اور آپ کی کسی عزیز ترین لڑکی سے شہزادہ اعظم جاہ کا عنقریب عقد نکاح ہونے والا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو عالم اسلام میں ان تعلقات کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا ؎

کاغذ سازی

معلوم ہوا ہے۔ کہ دولت آصفیہ عالیہ کی زیر سرپرستی حیدر آباد دکن کے ضلع عادل آباد میں کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جاری کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ مسٹر نظام الدین ماہر کاغذ سازی کا بیان ہے۔ کہ ضلع عادل آباد میں بانس بڑی کثیر تعداد میں پیدا ہوتا ہے۔ اور کاغذ نہایت اعلے قسم کا تیار ہو سکتا ہے ؎

دی زیر سند پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام محمد علی رونق پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر کے باہتمام چھپکر دفتر القریش شریف گنج امرتسر سے شائع ہوا

Registered No. L. 1474

ALQURAISH

AMRITSAR.

Only Monthly Quraishi Magazine

PRINTED & PUBLISHED

Mohammad Ali Raunaq Siddiqi.

AT THE

WAZIR-I-HIND PRESS HALL BAZAR.

AMRITSAR.

Annual Subscription Rs. 3 Single Copy As. 4.

القریش
امرتسر
جریدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۷ بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ نمبر ۱۲

دولت آصفیہ کے شہزادگان عالی تبار کی شادی خانہ آبادی کی خبر پر آخر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے جریدۂ غیر معمولی مجریہ یکم رجب ۱۳۵۰ھ نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہ جریدہ سلطان ابن سلطان خاقان زمان والا دودمان محی الملّۃ والدّین حامئے شرع متین اعلیٰحضرت ہز اگزالٹڈ ہائی نس حضور نظام عالی مقام خلد اللہ ملکہ' و سلطانہ' کے دستخطوں سے شائع ہوا ہے۔ اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"بفضلہ' تعالےٰ آج کا دن یعنی یکم رجب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء خاندان آصف جاہی کے لئے نہایت مبارک و مسعود ہے۔ کہ رشتہ اتحاد و یگانگت درمیان ہر دو خاندان یعنی خاندان آصف جاہی و خاندان عثمانی بہ توسط عقد مستحکم ہو چکا ہے۔ یعنی ولیعہد ریاست حیدرآباد اعظم جاہ کے حبالہ نکاح میں سابق سلطان ترکی عبدالمجید خان کی اکلوتی صاحبزادی "درشہوار" منسلک ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح ولیعہد ریاست کے حقیقی برادر معظم جاہ کے حبالہ نکاح میں خلیفہ موصوف کی حقیقی بھانجی صاحبزادی "نیلوفر" منسلک ہوئی ہیں اول الذکر کا زر مہر معجل پچیس ہزار پونڈ اور متاخر الذکر کا زر مہر معجل پندرہ ہزار پونڈ قرار پایا۔ اور یہ طے پایا کہ یہ چالیس ہزار پاؤنڈ کی رقم بتوسط ٹرسٹ (مجلس امنا) انوسٹ (چالو) کی جائے۔ تاکہ اس کے انٹرسٹ (منافعہ) سے ہر دو صاحبزادیاں متمتع ہوتی رہیں۔ اس کے سوا منجانب اسٹیٹ حیدرآباد ہر دو عروس کی تیاری

ٹرد سو (بہیز) کے لئے مبلغ ہمہ صد ار رپاؤنڈ بطور عطیہ دیئے گئے۔ الحاصل بمقام نائیس (جنوبی حصہ فرانس) خود خلیفہ نے بحیثیت قاضی بنفس نفیس روبروئے عہدہ داران سرکاری عقد پڑھایا۔ اس انتظام بالا سے گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی اتفاق کیا۔ آخر میں میری دعا ہے۔ کہ زمانہ آئندہ میں اس تاریخی واقعہ سے ہر دو خاندانوں کے لئے بہت کچھ فلاح و بہبود کی جو توقع ہے۔ وہ ضرور کامیاب ہوگی جس کے آثار ابھی سے نمایاں ہیں۔ مگر چونکہ صاحبزادگان بلند اقبال کے عقد کی تاریخ حسن اتفاق سے میری سالگرہ کے دن واقع ہوئی ہے جس دن کہ عام تعطیل ہے۔ لہٰذا اس تقریب کی یادگار میں سال آئندہ سے ہر سال ۱۲ نومبر کو ایک دن کی عام تعطیل ممالک محروسہ میں قرار دیجائے اور یہ جریدہ غیر معمولی میں بغرض اطلاع عوام شائع کیا جائے۔"

شرح دستخط مبارک

(یکم رجب ۱۳۵۰ھ یوم پنجشنبہ)

عقد کی تقریب سعید نیس کے مقام پر ۱۲ نومبر کی نیک ساعت میں وقوع پذیر ہوئی۔ اور نکاح نامہ پر سر اکبر حیدری نے شہزادگان بلند اقبال کی طرف سے اور سلطان عبدالمجید انار اللہ برہانہ نے شہزادیوں کی طرف سے دستخط ثبت فرمائے۔ اور اس طرح خدائے ذوالجلال والاکرام کے فضل و کرم سے دنیا کے دو عظیم الشان سلمان شاہی خاندانوں میں رشتہ اتحاد و اخوت مستحکم و استوار ہوگیا۔ الحمدللہ علی احسانہ۔

شہزادی در شہوار خانم حسن صورت، حسن سیرت، علم و فضل اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے کم از کم مسلمانوں میں نادر روزگار میں نوزبانوں پر دستگاہ کامل رکھتی ہیں۔ سترہ بروایت دگر بائیس سال کی عمر ہے۔ سلطان موصوف کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ بعید سلیقہ شعار، حیادار اور خوش اخلاق ہیں۔ اور خاندان توسبحان اللہ۔ سلاطین عثمانیہ سے بڑھ کر بلند و بالا خاندان آج دنیا میں کون ہوگا۔ عثمان۔ محمد فاتح، سلیمان۔ مراد اور سلیم (رحمہم اللہ) کی اولاد سے زیادہ بلند مرتبت اور والامنزلت اولاد کہاں ملیگی۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں جب سلطان وحیدالدین کی حالت ردی تھی۔ اور وہ فرار کے درپے تھے۔ احمد شاہ قاچار کجکلاہ ایران نے لڑکی کے لئے درخواست کی تھی۔ جو مسترد کردی گئی تھی۔ اعلیحضرت حضور نظام کے لئے مسرت و انبساط شادمانی و خوشی کا مقام ہے۔ کہ آپ کی بہو ایک ایسے دودمان عالی کی لڑکی ہے۔ اور اعلیحضرت سلطان المعظم کی خوش قسمتی ہے۔ کہ ان کی صاحبزادی کو ایسا شوہر ملا۔ جو ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کا ولیعہد ہے۔

مذکورۃ الصدر دو عظیم المرتبت شاہی خاندانوں کا پیوند خدائے برتر و اکبر کی رحیمی و کریمی ہے۔ اور دنیائے اسلام کے لئے انتہائی فرحت و شادکامی کا موجب۔ بارگاہ صمدی میں بخشوع و خضوع دعا ہے۔ کہ وہ پاکذات محبت و اخوت کے اس رشتہ کو قائم و دائم رکھے۔ اور زوجین کے لئے سلامتی و فائز المرامی کا موجب ہو!

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!"

اخیر میں ہم آنحضرت ظل سبحانہ کی بارگاہ قدسی اساس میں اپنی اور ناظرین "القریش" کیطرف سے بخلوص دل عقیدتمندانہ ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔

"گر قبول افتد زہے قسمت"

نظر بد دور! شاہزادگان والا دودمان کی شادیوں اور اس پر دو عظیم القدر مسلم شاہی خاندانوں کی مواصلت سے جہاں خاص و عام شاد ماں و شاد کام ہو رہے ہیں۔ وہاں اخبار "ریاست" دہلی ایسے متعصب و تنگ نظر اپنی فطرت و طینت سے مجبور اپنا سر پیٹ رہے ہیں۔ تعصب کا یہ مجسمہ اپنی ۱۲ نومبر کی اشاعت میں لکھتا ہے۔ کہ:۔

"بالواسطہ اس میں حکومت کا ہاتھ ہے۔ اس طریق کار سے حکومت کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ معزول خلیفہ زیادہ سے زیادہ انگریزوں کے زیر اثر آجائے۔ اور جب کبھی ضرورت ہو۔ برطانوی سلطنت خلیفہ کا نام لے کر مسلمانوں کو اپنے امپیریلزم کی زنجیروں میں آسانی کے ساتھ جکڑ سکے"

ان الفاظ کے بعد وہ کوتاہ بین مسلمانان عالم کو متنبہ کرتا ہے۔ کہ وہ حکومت کی ان گہری چالوں سے بچے رہیں۔ تو گویا اس ہرزہ سرائی اور افترا خانی سے وہ چاہتا یہ ہے۔ کہ مسلمانان عالم دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ دونوں سے بدظن ہو جائیں۔ اور وہ اپنی ان چالوں میں جو اسلامی ریاستوں میں وہ فتن و فساد کی آگ مشتعل کرنے کے لئے چل رہا ہے تا سانی کے ساتھ کامیاب ہو جائے۔ اسی اشاعت میں اس دشمن امن و اتحاد نے حضور نظام اور والئی بھوپال کے خلاف جی بھر کے زہر اگلا ہے۔ چونکہ وہ جبلت سے مجبور ہے۔ اور اس کا اقتضائے طبیعت ہی یہی ہے۔ اس لئے ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کہ نظر بد دور!

بحضور شہریار دکن

دائم عروس ملک ترا در کنار باد
دولت بزیر رایت شہر رہگذار باد

ہر سو رخ آوری بود اقبال پیش پیش
نصرت قرین و ظل خدا چتر دار باد

عدل تو خلق را دہد آسودہ زندگی
پیر و جواں چو طفل دراں گاہوار باد

اسلام از تو تازہ و علم از تو زندہ شد
لطف رسولؐ بر تو زدہٗ صد ہزار باد

ابدال و غوث و قطب نگہبان ترا بوند
پیوستہ فضل حضرت پروردگار باد

ناہید چرخ نغمہ سرائے بہ بزم تو
بہرام وقت رزم تو خنجر گذار باد

خورشید اوج شمسہ بود بر سر علم
نورانی از شعاع تو ہر یک دیار باد

ہندوے آسمان بہ ترازوئے عدل تو
با قاضیش قرین و سعادت نثار باد

ہر روز روز عید و نشاط و طرب بود
شبہا چو لیلۃ القدرت بیشمار باد

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ کہ شد زین زندگی
زین ہر دو زین زندگیت برقرار باد

ہر چشم زخم دور و عدوئے تو نامراد
قہرآن دعا چو بخت شہی کامگار باد

تہنیت نامجات

جو شہزادگان ذی وقار کی شادی کتخدائی کی تقریب پر بارگاہِ خسروی میں پیش کئے گئے۔ بصد مسرت وفرحت درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ناظرینِ "القریش" محظوظ ہوں:-

قرانِ سعادت اقتران

زہے مواصلتِ دین و ملک و عزت وجاہ

از علامہ عبداللہ العمادی ناظرِ امورِ مذہبی سرکارِ عالی

خجستہ طوئی[1] ہمایون واقترانِ سعید — بہ یُمن وسعد برا سلامیانِ دولت خواہ
کہ عقدِ عظمتِ شہزادگانِ فرخ فال — بہ بستہ اندر روزِ سعید مولدِ شاہ
بہ نور دیدۂ عبدالمجید خان پیوست — ولی عہدِ دکن شاہزادہ اعظم جاہ
زبوستانِ خلافت بچید نیلوفر — بہار و بوئے چمن حضرت معظم جاہ
بہ دستیاریٔ اقبالِ لازوال کشود — ستارۂ[2] کہ فروہشتہ بود بر رُخ آماہ
زحسنِ خدمتِ حیدر نواز جناب فزود — جمالِ وحدتِ دین الفت خصوصیت کاہ
دو خان و مان شہنشاہی اتحاد گرفت — زہے مواصلتِ دین و ملک و عزت وجاہ
فروغ یابد از و اتحاد اسلامی — شرف پذیر و از و ملتِ رسول اللہ
بہ شادکامیٔ اسلام زود باز آید — بہارِ رفتہ کہ بادِ صبا است بر سر راہ
چنیں قرانِ سعادت نشان مبارک باد — بہ نائبِ نبوی پادشاہِ ظل اللہ

جبینِ ہند و دکن سجدہ ریزِ مہر و وفا
سرِ عقیدتِ ترک و عرب بریں درگاہ

قطعہ

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

نورِ عینینِ شہِ عثمان سپہرِ برتری — کتخدا گشتند با صد رفعت و نام آوری
از زبانِ قدسیاں ایں نغمہ می آید بگوش — عقدِ مہر و ماہ شد با زہرہ و با مشتری

(جریدہ غیر معمولی)

---

[1] طوئی - عقدِ نکاح [2] ستارہ - پردہ -

نظم

از محمد حسین صاحب ادیب ایم - اے - بی - ای - ڈی - صدر مدرس مدرسۂ فوقانیہ کھمم

دکن کی "نیس" میں شادی مبارک ہو مبارک ہو
وطن کی خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو

ٹکا ہے تاج آصف میں "درِ شہوار" ترکی کا
تجھے اعظم ولی عہدی مبارک ہو مبارک ہو

گئے تو تھے سیاحت کو مگر خوبیٔ قسمت سے
ملی ترکی کی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو

معظم جاہ کے بھی دل کو بھایا حُسنِ "نیلوفر"
عروسوں کی برومندی مبارک ہو مبارک ہو

مچایا ہے زبانِ برق نے اک شورِ عالم میں
یہ عقدِ ترکی و ہندی مبارک ہو مبارک ہو

فضائے "نیس" نے دیکھا نہ تھا ایسا کبھی منظر
شکوہ حیدرآبادی مبارک ہو مبارک ہو

بڑھایا مرتبہ عثمان نے پھر آلِ عثماں کا
ہمارے شہ کی پامردی مبارک ہو مبارک ہو

ادیبِ خوشنوا کی ہے دُعا سلطانِ عالم کو
شکوہ و شانِ جمشیدی مبارک ہو مبارک ہو

ندوۃ القریش کی پیشکش

۲۲ نومبر آج غیر معمولی طور پر حاضری بہت زیادہ تھی۔ زراعتی حقوق کے مسئلہ متدائرہ اور دیگر امور ضروریہ کے علاوہ شہزادگان والا دودمان کی شادیوں پر مسرت و شادکامی کا اظہار کرتے ہوئے حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔ سکرٹری

"قریشیان ہند کی نمائندہ جماعت "ندوۃ القریش" کا یہ غیر معمولی شاندار اجلاس کوہ شکوہ اعلیحضرت سلطان العلوم محی الملت والدین ہز اگزالٹڈ ہائی نس اورنگ نشین دکن حرسہا اللہ عن الشر والفتن کی بارگاہ گیتی پناہ میں شہزادگان والا دودمان کی شادیوں کی تقاریب کے تزک و احتشام شاہانہ کے ساتھ انجام پذیر ہونے پر بخلوص و عقیدت ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہے۔

اور دولتیں آصفیہ و عثمانیہ کے ان تعلقات کو جو اس رشتہ سے قائم ہوئے ہیں۔ دنیائے اسلام کے لئے فخر و مباہات اور فرحت و مسرت کا موجب سمجھتا ہے۔ اور بارگاہ ایزد متعال میں بخشوع و خضوع بخیر نتائج کی دُعا کرتا ہے

آمین!

معراج

بزمِ کن میں جونہی عزمِ ایزدِ باری ہوا انکشافِ سرِّ سبحان الذی اسریٰ کرے
حکم یہ ناموسِ اکبر کے لئے جاری ہوا نقشِ پائے مصطفےٰ سے زینتِ اقصیٰ کرے

صدرِ بزمِ انبیاء کو لائے پھر سوئے فلک
رحمۃ للعٰلمین کو دیکھ لیں حور و ملک

حسبِ منشائے خدا حاضر ہوئے لیکر براق آستانِ مصطفےٰ پر وقتِ شب روح الامین
بن گئے قندیلِ نوری انجمِ نیلی رواق بقعۂ انوار ان سے ہوگئی ساری زمیں

کی ادب سے عرض۔ اے تو جو سراپا نور ہے
چل کہ تیرا منتظر جلوہ فشانِ طور ہے

چشمِ بینائے نبوت نور سے پروا ہوئی باریابی کا شرف جبرئیل کو حاصل ہوا
آشنائے گوشِ دل جب عرضِ یکتا ہوئی دم زدن میں صحنِ اقصیٰ میں وہ جا داخل ہوا

چشمِ بزمِ انبیاء یہ شوق فرشِ راہ تھی
چار سو آواز۔ صدقے یا رسول اللہ تھی

مسجدِ اقصےٰ سے جب اس نے کیا عزمِ فلک سدرہ تک تھامے گیا روح الامیں اسکی رکاب
فرشِ راہ آنکھیں کئے استادہ تھے حور و ملک شوقِ استقبال یہ تھا آپ ہی اپنا جواب

شش جہت میں چرخ پر شورِ مبارک باد تھا
حور و غلمان و ملک ہر ایک ہی دلشاد تھا

جب ملا جبرئیل کو سدرہ پہ حکمِ بے پری عرش پر لے کر گیا رفرف وہیں فر فر اسے
جونہی واں پہنچا نگینِ خاتمِ پیغمبری رحمتِ حق نے لیا ہاتھوں پہ خود بڑھ کر اسے

میم کا پردہ اٹھا گیا۔ گلشنِ وحدت کھلا!
قاب قوسین کا یہ نقشہ عرشِ اعظم پر کھنچا

کیا کہیں ہم ذکر اس محفل میں تھا کیا کیا ہوا دور اس منزل سے کوسوں فکر بھی ادراک بھی
شانِ محبوبی نے تھا لیکن وہاں پہنا ہوا! تاجِ کنزاً مخفیاً بھی خلعتِ لولاک بھی

قرب کی منزل تھی۔ مازاغ البصر تھا۔ نور تھا
جل رہا اک اک طرف سو سو چراغِ طور تھا

در کھلے جس وقت خلوت خانۂ انوار کے — اور ہی عالم ہوا کچھ عالمِ ملکوت کا
فیض جلوہ افگنی سے چرخ انجم بار کے — ذرہ ذرہ غیرتِ خورشید تھا ناسوت کا

پرتوِ حسنِ نبوّت جب فلک افروز تھا
دیدۂ قدرت ہی اس سے ایک لطف اندوز تھا

پیشِ وحدت جب نبوّت تھی حقیقی شان میں — گوش برآوازِ رحمت مغفرت استادہ تھی
کس لئے موجیں نہ اٹھتیں قلزمِ حیان میں — ذاتِ حق عالم کی خاطر خود کرم آمادہ تھی

یوں ہوئی محبوبیت کو بندگی سامانِ ناز
بے نیازی نے چنے اٹھ اٹھ کے گلہائے نیاز

آیا جب اس راز کی محفل کا وقتِ اختتام — عرش کے سائے میں باغِ لطف و رحمت کھل گیا
بن گئے فردوس و رنگ و بو وہ گلہائے مرام — جن کو خوش بختی سے دامانِ مرتّل مل گیا

دیدہ بر روئے نبوّت عالمِ توحید تھا
منظرِ رخصت یہ بالائے جہانِ دید تھا

خلوت آرا جس گھڑی پھر عرش پر وحدت ہوئی — منظرِ جلوت ہوا دم بھر میں مستورِ حجاب
گل بدامن یوں نبوّت عازمِ رخصت ہوئی — اس کے سائے سے تھی روشن غنچہ ہائے چرخ تاب

ایک دم آیا وہاں وہ امّی گویا کلام!
فرشِ راہ آنکھیں کئے تھے جس جگہ سدرہ مقام

ہو چکے پشتِ براقِ خوش عناں پر جب سوار — لیگیا جنّت میں پھر ان کو رفیق نور زاد
یوں بڑھا یمنِ قدم سے اسکے جنّت کا وقار — ہو گیا ہر برگ اس کا غیرتِ باغِ عماد!

نغمۂ عرفانِ طوبےٰ یوں ترنم ریز تھا
خلد میں اس کا تصور بھی سرور انگیز تھا

اپنا سر منظر انہیں جنّت نے جب دکھلا دیا — چرخ سے سوئے زمین آنے پہ وہ مائل ہوئے
خیر مقدم کو وہاں موجود تھے سب انبیاء — مسجدِ اقصےٰ میں وہ جب آ کے پھر داخل ہوئے

نغمۂ تکبیر بر لب جب اٹھے گردوں مقام
مقتدی سارے پیمبر تھے محمدؐ تھے امام

ہو چکی جس دم ادا ان کی نماز با حضور — اس مقدس بزم سے وہ عازم بطحا ہوئے
موجزن زیر فلک تھا شش جہت میں بحر نور — شان حق۔ اس شان سے وہ داخل کعبہ ہوئے

ان کو فائز چھوڑ کر باب حرم پر جبرئیل
کر گئے تخئیل کی صورت سوئے گردوں رحیل

سرنگوں امت کے غم میں جب گئے وہ عرش پر — سرفرازی اس ادائے غم پہ قرباں ہو گئی
لیکے جو گلدستۂ رحمت وہ اترے فرش پر — بہر محشر اس سے امت گل بداماں ہو گئی

کس قدر نادر عطیہ ہے وہ جس کو بر ملا
صاحب معراج نے معراج مومن ہے کہا

میں بھی اور ماں باپ میرا بھی فدا اس ذات پر — جس کے دل میں عمر بھر شاکر غم امت رہا
صورت خورشید چمکا عالم ظلمات پر — دوست و دشمن کے سر پر صورت رحمت رہا

اے خوشا روزے کہ بن کر رحمۃ للعٰلمیں
آیا چمکانے وہ اپنے نور سے روئے زمیں

(غیر مطبوعہ) — **شاکر صدیقی**

تصحیح

ناظرین کرام نومبر کے رسالہ کی اغلاط بقرار ذیل درست کر لیں :۔

نعت صفحہ ۳ ۔ دوسرا شعر دوسرا مصرعہ ۔ ”دل اب مے طہور سے بھی بے نیاز ہے“
آٹھواں شعر پہلا مصرعہ ۔ حقیقت مگر کی بجائے حقیقت نگر“

صفحہ ۲۴ ۔ چوتھی سطر ۔ ۲ نومبر کی بجائے ۲۷ اکتوبر : دوسری سطر کے آخری الفاظ ۔ واقع ہو جانا کی بجائے ”واقع ہو جائے“ سطر ۹ ۔ ماہ کی بجائے ”وہ“
اکتوبر کی اشاعت ”نوائے درد“ عنوان کے ایک مصرعہ میں کا ایک لفظ کسی وجہ سے کٹ گیا ۔ یوں درست کر لیجیئے :۔
تموج اپنے دم سے پھونک دے بحر حمیت میں

یادِ ماضی

"ہفت اقلیم میں تھا سکہ ہمارا جاری"

قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں کی تمدنی، سیاسی، قومی اور اخلاقی حالت جیسی تھی۔ تاریخ اسلام اس کی ناقابل تردید شہادت پیش کرتی ہے۔ بعثتِ نبی آخرالزمان سے پہلے عرب پر جہل و بداخلاقی کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ شش جہات میں بجز تاریکی کچھ نہ تھا۔ خدائے واحد کو چھوڑ کر خود ساختہ بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ آتش، آب، خاک اور باد تک کو پوجا جاتا تھا۔ عجم تو عجم۔ عرب ہی میں معبودوں کی اس قدر افراط تھی۔ کہ ہر قبیلے کا جدا جدا معبود تھا۔ مولانا حالیؒ عرب کی اس کیفیت کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں ؎

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا　　کسی کا ہبل اور کسی کا صفا تھا

یہ عزا پہ وہ نائلہ پر فدا تھا　　اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور

اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

عرب و عجم کی یہ افسوسناک حالت حق تعالےٰ سے دیکھی نہ گئی۔ رحمتِ حق جوش میں آئی۔ ظلمت کی گھٹائیں پھٹ گئیں۔ مہرِ رسالت ضیا بار ہوا۔ دعائے خلیل اور نوید مسیحا۔ یعنی حبیب رب مختار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تاریکی کافور ہوئی۔

اندھیرا نور نے گھیرا اوجالا ہو گیا ہر سو

عرب و عجم تہذیب و تمدن کے نور سے منور ہو گئے۔ تمام گمرہی اور ضلالت خدا پرستی سے تبدیل ہو گئی۔ رحمتِ عالم نے عرب ہی پر موقوف نہیں۔ تمام دنیا کو زہد، اتقا، حیا، مروت، حمیت، صدق، امانت و دیانت، شجاعت و سخاوت، استقلال، عالی ہمتی، حلم، عفو، رواداری، انسانی ہمدردی اور انکساری کا سبق پڑھایا۔ اور ایسا کہ آجتک زبان زد ہر خاص و عام ہے۔ موجودہ ترقی تمدن اسی اسلامی نور کا پرتو ہے۔

ہم کیا تھے؟ اس کا جواب "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کے مصداق ہے۔ دشتِ قپچاق کے ذرات اور اسپین کا قلعہ ہماری سابقہ شان کے شاہد ہیں۔ پیرس۔ الفینز۔ اور روما کے در و دیوار ہماری گذشتہ عظمت کا زبانِ حال سے اعتراف کر رہے ہیں۔ آہ! وہ کیا مبارک زمانہ تھا۔ کہ ؎

ہر کہ و مہ کی زبان پر تھا فسانہ اپنا　　مستقل اہل یقین [illegible] اپنا

تھا جو بیگانہ بنا تھا وہ یگانہ اپنا　　شور تکبیر تھا میداں میں ترانہ اپنا

آجتک گونج رہی ہے وہ صدا کانوں میں
مست پندار اچھل پڑتے ہیں میخانوں میں

ہم تھے نقارۂ توحید بجانے والے ۔۔۔ شرک کا حرف زمانے سے مٹانیوالے
ہبل اور لات کو لاتوں سے گرانیوالے ۔۔۔ کلمہ بت کو محمدؐ کا پڑھانے والے

ہفت اقلیم میں تھا سکہ ہمارا جاری
مثل خوں رعب تھا ہر رگ میں ہمارا ساری

اسکے برعکس موجودہ انحطاط کے دور نے عالم اسلام میں ایک عظیم انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اب وہی ہم ہیں کہ اسلام کو ہم سے ننگ و عار ہے۔ ناداری کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں سے

اب وہی ہم ہیں کہ مجبور بھی نادار بھی ہیں ۔۔۔ شرع سے دُور ہیں قرآن سے بیزار بھی ہیں
سب سے چھوٹے بھی ریاکار بھی مکار بھی ہیں ۔۔۔ بدعمل بھی ہیں باخوار بھی میخوار بھی ہیں

ہیں سیاہ کار معابد میں - الہی توبہ
زشت کردار مساجد میں - الہی توبہ

اب وہی ہم ہیں کہ آلام و مصائب ۔ مفلسی و تنگدستی اور عسرت و بے مائیگی ایسی بلاؤں کے شکار ہو رہے ہیں ۔ ایسی عسرت و بے زری نے ہم مسلمانوں سے ان ہونے کام کروائے ۔ زر و دولت کی خاطر، ایمان ، مذہب تک کو قربان کردیا ۔ ہم سے ایمان و ایقان راسخہ کا فقدان کیوں ہے ؟ اس لئے کہ ہم احکام الہی کی تعمیل سے منحرف ہو گئے ہیں ۔ ایسی صورت میں ایمان و مذہب کہاں ؟ وقعت و عالی ہمتی کی توقع عبث ۔ ہمارے ماحول سناظر سم آلودہ ، بداخلاقی و سیاہ کاری کا دور دورہ ، افلاس اور مصائب کی گھٹائیں اور مصیبت و تباہی کے سامان ۔

اگر اب بھی مسلمان رضائے الہی پر کاربند ہو جائیں ۔ تو پھر از سر نو بام رفعت پر پہنچ جائیں ۔ کھوئی ہوئی عظمت ہاتھ آجائے ۔ اور ہفت اقلیم کے خزانے مل جائیں ۔

مسلمانو! اُٹھو ! احکام الہی کی تعمیل کرو ۔ اس کی اشاعت میں تن من دھن سے دریغ نہ کرو ۔ حقیقی معبود کی رضا ڈھونڈو ۔ رسول مکرمؐ کی تقلید اصلی معنوں میں کرو ۔ مصحف مقدس کو اپنا رہنما بناؤ ۔ پھر دیکھو ۔ دینی و دنیاوی عزت تمہاری ہمراز ، مال و دولت تمہاری غلام ، ثروت و شوکت تمہاری لونڈی ، کھوئی ہوئی عظمت تمہاری کنیز اور تمام دنیا تمہاری محکوم ہوگی ۔

احقر رشید

معذرت

نومبر کی اشاعت میں "عدل اسلامی" ایک مضمون ہماری عدم حاضری میں محض "مولانا راشد الخیری" کے نام کی ضمانت پر شائع کر دیا گیا ہے حقائق سے بعید اور تاریخی شواہد کے خلاف ہونیکی وجہ سے چونکہ وہ ناقابل اشاعت تھا ۔ اس لئے ہمیں اس کی اشاعت پر افسوس ہے ۔

نعت

اے رہنمائے باغِ جنّت — اے ساقئِ خاصِ بزمِ وحدت

اے خازنِ گنجِ نکتہ دانی — اے واقفِ سرّ لن ترانی

اے مجتمعِ حدوث و امکاں — لولاک لما بہ تست نازاں

اے زنگ زدائے شیشۂ دل — اے دیدہ نشین سوادِ منزل

اے زیبِ مکانِ امّہانی — فرخندہ مکین لامکانی

اے راہ نوردِ قابِ قوسین — اے نزل کشِ بقائے دارین

اے نغمہ زنِ نوائے توحید — منّت نہ ذکرِ نعت و تمجید

اے زینتِ مسندِ نبوّت — اے رابطۂ رشتۂ اخوّت

اے خلقِ عظیم بر تو نازاں — اے رہنمائے دین و ایماں

برخیز و نگاہ سوئے ما کن — از پنجۂ بیکسی رہا کن

بر امّتِ زار رحم فرما — کایں وقت مصیبت است برما

رافت بہ وجودِ تست موزوں — رحمت بہ کمالِ تست موزوں

مائیم غریقِ بحرِ عصیاں — رفتیم بسے خلافِ فرماں

اے فخرِ قریش و شیخ و سادات — اے مظہرِ الفت و مواسات

ایں قومِ قریش متبدل شد — عزت بر فزائش بدل شد

بردار دو دستِ خود دعا را

پر ساز تو دامنِ رجا را

(غیر مطبوعہ) — انور صدیقی

اعجاز عباد

فاضل ایاز

بسا جواہر رخشاں و گوہر تاباں ‏ ‏ بقعر لجۂ بحر عمیق در افتاد
بسا گلے کہ شگفتہ دست کس نہ دید آنرا ‏ ‏ کہ بوئے خویش بویرانہ مید ید بر باد

فاضل ایاز اپنے عہد کے بہت بڑے عارف و کامل گذرے ہیں۔ آپ کے سوانح حیات حیرت و استعجاب سے یکسر معمور ہیں۔ ابتدا میں آپ قزاقی و رہزنی کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے تھے۔ صحرا نوردی کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور دشت و جبال میں راہگیروں اور زائروں پر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کر لینے کی غرض سے آپ ہمیشہ فقیرانہ لباس میں رہتے۔ اور ریش مبارک بے اندازہ طویل کئے ہوئے سبحہ و تسبیح کو ہاتھ سے کبھی جدا نہ کرتے تھے۔ آپ کے رفقا کار بکثرت تھے۔ جو مال غنیمت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور آپ ان کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم کر دیا کرتے۔ اور ایک حصہ اپنے لئے علیحدہ رکھ لیتے۔ لیکن باایں ہمہ آپ ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ کرتے۔ اور نہ صرف خود بلکہ اگر ان کے بادیہ ماتحتوں میں سے کوئی شخص بھی اس میں تساہل کرتا۔ تو وہ اس کو اپنی خدمات سے معزول و برطرف کر دیتے تھے ؛

بہر کیف وہ صاحب جود و کرم اور مرد شجاع تھے۔ اگر مسافروں کے قافلہ میں کوئی عورت ہوتی۔ تو ہرگز اس قافلہ پر حملہ آور نہ ہوتے تھے۔ اور نہ کبھی اس شخص پر حملہ کرتے جس کے پاس کافی زر و نقدنہ ہوتا تھا۔ اور جب کبھی وہ کسی کو لوٹتے۔ تو اسے زاد راہ کے طور پر سفر تمام کرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کافی روپیہ دیدیا کرتے تھے ؛

عالم غنفوان میں وہ ایک شاہد رعنا کے عاشقانہ والا دستیدا ہو گئے تھے۔ جس کو کہ وہ جو کچھ حاصل کرتے۔ دیدیا کرتے تھے۔ ایک روز مسافروں کا ایک قافلہ اسی بیابان میں سے گذرا۔ جہاں کہ فاضل معہ اپنے طائفہ کے رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص کے پاس کچھ نقدی تھی۔ فاضل کے رفقاء کے ہم مشرب کو دیکھ کر وہ شخص فکرمند ہوا۔ لیکن اس نے فاضل کو درویشانہ پیرہن میں دیکھا۔ اسے اس امر کا بالکل شک و شبہ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے غارتگروں کے سرخیل ہیں۔ وہ ان کے حضور میں جا کر درخواست کرنے لگا۔ کہ خدا را اس ہمیان کو اپنے پاس اس وقت تک امانت رکھ لیجئے۔ جب تک کہ وہ مراجعت کر کے اس کو واپس نہ طلب کرے فاضل نے اس سے کہا۔ کہ اپنی تھیلی کو جس مقام پر جی چاہے۔ رکھ دو۔ مسافر نے ایسا ہی کیا۔ اور اپنے ہمسفروں کے پاس چلا گیا معاً فاضل کے ستمگار ان پر تاخت کرلائے۔ اور دل کھول کر غارت و تخریب کا بازار گرم کیا ؛

قزاق جب فرار ہو گئے۔ تو یہ مسافر فاضل کے پاس گیا۔ وہ نہایت حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔ جبکہ اسے معلوم ہوا۔ کہ وہ انہی غارت گردوں کے سرطائفہ ہیں۔ تمام قزاق مال غنیمت لاکران کے گرداگرد حلقہ کئے ہوئے مجتمع تھے۔ یہ دیکھ کر تب تو وہ غریب الوطن خوف و مہابت سے مغلوب لرزہ بہ اندام ہو گیا۔ اور زبان کھولنے کی جرأت نہ کر سکا۔ فاضل نے دریافت کیا۔ کہ تو یہاں پر کیوں آیا؟ تو مسافر نے تقویت پاکر ہوش بجا کئے۔ اور جواب دیا۔ کہ میں نے اپنا زر نقد تمہارے سپرد کیا تھا۔ اور اب وہ واپس لینا چاہتا ہوں۔ میری امانت واپس دیدیجئے۔ فاضل نے جواب دیا۔ کہ اپنی زرہمیان اس جگہ سے اٹھا لو۔ جہاں پر کہ تم نے اس کو رکھا تھا۔ وہ اسی مقام پر پڑی ہوئی ہے۔ اور کسی متنفس نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ مسافر نے بے کم و کاست اپنی امانت اٹھالی۔ اور گل نو دمیدہ کی طرح شگفتہ خاطر چلا گیا۔ اس پر فاضل کے لواحقین دست بسر ہو کر استفسار کرنے لگے۔ کہ آپ نے وہ زر خواستہ جو اس نے آپ کے پاس ایداع کیا تھا۔ واپس دیدیا؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ اس نے مجھے مرد مؤتمن تصوّر کیا تھا۔ چنانچہ میں نے دیانت و اعتماد کا سلوک کیا؛

ایک دوسری شب میں فاضل نے تاجروں کے ایک قافلہ پر شبخون مارا۔ اور جب وہ خیمہ کی غارت و بربادی میں مصروف تھے ایک تاجر نے قرآن کریم سے ایک آیت ترتیل کی۔ کہ کیا ایمان والوں کے لیئے وہ وقت نہیں آگیا۔ کہ وہ تہدید الہی پر اپنے قلوب کو حلیم و فروتن نہ کرلیں گے۔ اس بات کا فاضل کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ وہ ساکت و صامت تصویر حیرت بنے کھڑے رہے۔ اور چشم پرنم ہو کر کہا۔ کہ بیشک وہ وقت آگیا ہے۔ یہ کہکر انہوں نے قافلہ کو خیرباد کہدیا۔ اور دشت و ہاموں کا رخ کیا۔ اثنائے راہ میں وہ تجاروں کے ایک دوسرے قافلہ سے دوچار ہوئے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہ رہا تھا۔ کہ یہ راستہ مامون و محفوظ نہیں ہے۔ کیونکہ فاضل اسی رہگذر میں رہتا ہے۔ فاضل رک گئے۔ اور ان کے پاس جاکر کہا۔ کہ میں ایک بشارت تمہارے گوشگذار کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ فاضل تائب ہو گیا ہے۔ اور آج وہ تم سے دور بھاگ رہا ہے۔ یہ کہکر وہ تیز دوڑنے لگے۔ راستہ میں ایک اور شخص ملا۔ فاضل اس کے پاس جاکر کہنے لگا۔ کہ میں مجرم و خطا دار ہوں۔ مجھے بادشاہ کے باب عالی میں لے چلو۔ وہ تم کو گرانقدر انعام و اکرام سے سرافراز کریگا۔ وہ شخص ان کی درخواست پر ان کو بادشاہ عصر کے حضور لے گیا۔ بادشاہ نے فاضل کی صورت حال پر نظر کر کے سمجھ لیا۔ کہ اب ان میں کافی تبدیلی ہو گئی ہے۔ لہذا ان کو اس کے مسکن پر بھجوا دیا؛

جونہی فاضل اپنے مکان کے دروازہ میں داخل ہوئے۔ وہ رکیک آواز میں اپنی بیوی اور بچوں کو بلانے لگے۔ ان کی عورت نے کہا۔ واعجبا! ان کو سخت جراحت پہنچی ہوگی۔ فاضل نے جواب دیا۔ کہ فی الحقیقت میں سخت مجروح ہو گیا ہوں۔ ان کی اہلیہ نے دریافت کیا۔ کہ کس جگہ پر؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ قلب حزین میں۔ اس کے بعد فاضل مع اپنے اہل و عیال مکہ شریف کو ہجرت کر گئے۔ اور زہد و تقویٰ، عبادت و حصانت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور وہ اپنے زمانہ کے مشہور ترین مشائخ و مشاہیر کے ساتھ

مدت العمر بود و باند کرتے رہے۔ اور آخر کار خود بھی شہرۂ آفاق عارف و سالک مشہور ہو گئے ؛

ایک رات خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے ندیموں سے فرمایا۔ کہ میرا دماغ دنیاوی افکار و علائق سے سیر چشم ہو گیا ہے آج شب کو مجھے کسی ایسے شخص کے پاس لے چلو۔ جو میرے قلب پریشان کو سکون و طمانیت دے۔ چنانچہ ان کے مصاحب ان کو ابوصفیان کے دولتکدہ پر لے گئے۔ ہارون نے دروازہ پر دستک دی۔ ابوصفیان فوراً دروازہ کھولکر باہر تشریف لائے اور پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ مصاحب نے کہا۔ کہ یہ خلیفہ ہیں۔ اس پر ابوصفیان نے عرض کیا۔ کہ کاش آپ نے اس کے قبل مجھے مطلع کر دیا ہوتا۔ تو بجائے اس کے کہ بادشاہ خود قدم رنجہ فرماتے۔ میں خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا۔ ہارون الرشید نے فرمایا۔ کہ یہ وہ شخص نہیں ہے۔ جس کی مجھے تلاش ہے۔ مجھے ان سے بھی بزرگتر فرد کی ضرورت ہے ؛

ابوصفیان نے کہا۔ کہ فاضل ایاز تمہارے لئے بہت مفید ہوگا۔ تب ہارون الرشید اور ان کے جلیس فاضل کے غریبانہ کلبہ پر آئے۔ فاضل قرآن پاک تلاوت فرما رہے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فاضل نے مکان کے اندر سے دریافت کیا کون ہے؟ جواب ملا۔ خلیفہ ہارون الرشید! فاضل نے کہا۔ تم کو مجھ سے کیا سروکار۔ میری توجہ کو کسی دوسری جانب معطوف کرنے کی کوشش مت کرو۔ مصاحب نے جواب دیا۔ بادشاہ ملک کا احترام ضروری چاہیئے۔ فاضل نے کہا۔ کہ میرا ہرج مت کرو۔ اس پر ان لوگوں نے مکان میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ فاضل نے اجازت تو دے دی۔ مگر شمع گل کر دی۔ تاکہ خلیفہ کے بشرہ کی جانب نہ دیکھ سکیں۔ اسی تاریکی میں خلیفہ نے ہاتھ پھیلایا۔ اور فاضل نے مصافحہ کیا۔ فاضل نے کہا۔ صد حیف! کتنا ملائم ہاتھ ہے۔ لیکن کیا یہ جہنم کی شعلہ زن آگ سے محفوظ رہ سکیگا؟ یہ کہکر وہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ ہارون رشید رونے لگے۔ فاضل نے کہا۔ اگر تم عذاب جہنم کی درشتیوں سے مامون و محفوظ رہنا چاہتے ہو۔ تو دیرینہ سال بزرگوں کی عزت اپنے باپ کی طرح کرو۔ نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح دیکھو۔ اور واجب العزت خواتین کو اپنی بہنوں کی طرح۔ خدا کا خوف کرو۔ اور اللہ کی رضا جوئی میں سعی بلیغ کرو۔ کیونکہ کل یوم النشور کی دار و گیر میں اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ ہارون مختل و از خود رفتہ ہو کر ڈاڑھیں مارنے اور چیخنے چلانے لگے۔ ان کے مصاحب نے کہا۔ وائے افسوس! تم تو ان کو مار ڈالوگے۔ فاضل بولے۔ خاموش! ہامان خاموش!! ان کو میں نہیں مار ڈالوں گا۔ بلکہ ان کے ندیم و ہمنشیں۔ ہارون الرشید اور بھی دلدوز و زہرہ گداز آواز میں نعرے مارنے لگے۔ اور کہا۔ کہ وہ تم کو ہامان کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مجھے فرعون سمجھتے ہیں۔ تب ہارون نے پوچھا۔ کہ تم مقروض تو نہیں ہو؟ فاضل نے کہا۔ ہاں! میں خدائے ذوالجلال کا مقروض ہوں۔ ہارون الرشید نے دریافت کیا۔ کہ آیا تم کسی انسان کے قرض و دام سے زیر بار تو نہیں ہو؟ فاضل نے جواب دیا۔ صد ہزار شکر و احسان ہے۔ اس کارساز مطلق و معبود حقیقی کا کہ جس کے انعام و اکرام اور لطف و عنایات سے میں نے کسی سے ایک خرمہرہ بھی نہیں لیا۔ ہارون نے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی پیش کی۔ اور کہا۔ کہ میری نذر قبول فرمائیے۔ یہ وجہ حلال

ہے۔ فاضل نے نفرت وحقارت سے کہا۔ یاللعجب! میری پند ونصائح کا اثر تمہارے دل پر بالکل نہیں ہوا ہے۔ بس چلے جاؤ۔ یہ کہکر انہوں نے اپنا دروازہ بند کرلیا۔ ہارون نے باہر آکر کہا۔ درحقیقت یہ شخص اکابر زمان میں سے ہے ؛

اس تبدیلی کے بعد فاضل کو عزلت ومجاہدت کا بہت شوق وشغف رہا۔ ان کی زندگی کے آخری تیس سال میں کسی نے انہیں خندہ لب نہیں پایا۔ صرف اس وقت جبکہ ان کا لڑکا قضائے الہٰی سے فوت ہوگیا تھا۔ ان کا چہرہ تبسم ریز پایا گیا تھا کسی نے سوال کیا۔ کہ آپ کی اس شگفتگی کا کیا سبب ہے ؟ فاضل نے جواب دیا۔ کہ مجھے ہر اس چیز سے ربط وانس ہے جس میں خدا کی رضا وخوشنودی شامل حال ہو؛

”اس عالم ثانی میں راحت وخوشی، شادی وعشرت اتنی ہی تعجب خیز او رحیرت افزا ہیں۔ جتنی کہ رنج ومصیبت، ماتم وعسرت دار القرار میں“۔

اس کے دل میں خوفِ خدا ہے۔ اس سے سب لوگ خائف وہراساں رہتے ہیں۔ دنیا سے وابستگی پیدا کرلینا آسان تر ہے لیکن اس سے وارستگی کہیں زیادہ دشوار؛

(مترجمہ) **ایم عبدالرؤف**

جذبات عالی

از سید محمد عامر عباس عالی عباسی امروہوی مدیر ”ہمنشین“

سینکڑوں چارہ گر درد مسیحا دیکھے | اچھے ہوتے نہ مگر عاشق شیدا دیکھے
تو ہے وہ پردہ نشین صاحب عظمت وحسین | ہو خجل حور جو تیرا رُخ زیبا دیکھے
گلبدن غنچہ دہن تجھسا نہ دیکھا کوئی، | گو زمانہ میں ہزاروں گل رعنا دیکھے
وصل کی رات میں دل کو ہے عجب لذتِ عشق | روٹھنا ان کا کوئی میرا منانا دیکھے
بھول جائے گل وگلشن کی محبت بلبل | گر بہارِ چمن حسن دل آرا دیکھے
عشق کے واسطے لازم ہے ارادت ہونا | چشم مجنوں سے کوئی صورت لیلیٰ دیکھے
دیکھنے کے لئے انساں کو ملی ہیں آنکھیں | کیوں نہ دنیا میں حسینوں کا تماشا دیکھے
ہاتھ اک اور لگانا ترے صدقہ قاتل | اپنے بسمل کو جو مقتل میں تڑپتا دیکھے

شمع بھی جان دے اس رُخ پہ بنے پروانہ
دیکھ کر عالی اسے کیوں ید بیضا دیکھے

(غیر مطبوعہ)

ندائے غیب

نتائج طبع حضرت برنی - ایم - اے

آسماں پر چھا چکی تھی جب سیاہی شام کی
آئی کانوں میں صدا اک مرغِ بے ہنگام کی

سر میں اس آواز سے سودا سا پیدا ہو گیا
اور تلاطم سا تخیّل میں ہویدا ہو گیا

سازِ شوقِ نغمہ ہائے زیرِ مشقِ مضرابِ خیال
طفلِ دل کرنے لگا تکرارِ ابوابِ خیال

یا الٰہی! یہ صدا اک بانگِ بے ہنگام ہے
یا برائے اہلِ عالم خواب کا پیغام ہے

یا ہے آہِ آتشیں اک ہستیٔ مایوس کی
یا سرِ تابوتِ عاشق ہے صدا ناقوس کی

یا شہیدانِ وفا کا نعرۂ تکبیر ہے
یا گرفتارِ جنوں کا نالۂ زنجیر ہے؛

یا کسی کا شیشۂ دل ہو گیا ہے چور چور
یا ہے مصروفِ دعائے وصل قلبِ ناصبور

یا کیا غنچوں نے اپنے پیرہن کو تار تار
یا یہ عرضِ قلقلِ مینا ہے پیشِ بادہ خوار

یا تموّجِ نوحہ خواں ہے بر سرِ قبرِ حباب؛
یا ہے جذبِ ماہ سے دریا میں پیدا اضطراب

یا کہیں لہروں میں ہے کچھ رنج کی گفت و شنید
یا مرے کانوں میں آیا شیونِ محرومِ دید

یا غضب آگیں کہیں بحرِ تلاطم خیز ہے
یا شررافشان دہانِ کوہِ آتش بیز ہے

یا کہیں گذری ہے صرصر رہگذارِ تنگ سے
یا کوئی دل لٹ گیا ہے چشمِ شوخ و شنگ سے

یا تصادم ہو گیا ہے دو بڑے اجسام کا
یا کہیں غل پڑ رہا ہے آج حشرِ عام کا

یا کوئی صدمہ ہوا ہے کوٹلے کی کان پر
یا کہیں بجلی گری ہے خرمنِ دہقان پر

یا شجر کوئی گرا ہے بادِ تند و تیز سے؛
یا کوئی فتنہ اٹھا ہے حسنِ شر انگیز سے

یا مؤذن دے رہا ہے بامِ مسجد سے اذان
یا پپیہا کہ رہا ہے "پی کہاں" "اے پی کہاں"

اک ندا آئی کہ یہ تیرا خیالِ خام ہے
در حقیقت خود تری ہستی ہی بے ہنگام ہے

تاریخ اسلام کا ایک ورق

فتح بیت المقدس

(از سید معظم علی صاحب نجیب آبادی)

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کا دور دورہ ہے۔ اسلام کی فوجیں توحید الٰہی کا جھنڈا بلند کرنے اور مخلوق الٰہی کو مساوات کا سبق پڑھانے کے لئے جزیرہ نماعرب سے نکل کر فتح ونصرت کے ڈنکے بجاتی ہوئی دور دور کے مقامات تک پہنچ گئی ہیں۔

ان ہی فوجوں کا ایک دستہ توحید الٰہی کا پرچم اڑاتا ہوا قانون الٰہی کو جاری کرتا اور انسان کو مساوات کا بھولا ہوا سبق یاد کراتا ہوا بیت المقدس تک پہنچا۔ تاکہ اس خدا کے گھر کو جس کی بنیاد حضرت سلیمان جیسے برگزیدہ نبی کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ تثلیث کے شرک کی پلیدی سے پاک کرکے توحید الٰہی کا علم نصب کرے:

بیت المقدس کے عیسائیوں۔ یہودیوں کا ٹڈی دل بھی جب ان چند گنتی کے مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور حاملان تثلیث کی بھیڑ حاملان توحید کی تاب مقاومت نہ لاسکی۔ تو میدان چھوڑ کر قلعہ بند ہوگئی۔ شہر کے دروازے ہر طرف سے بند کرلئے۔ زبردست پہرے بیٹھ گئے۔ فصیلوں پر مورچہ بندی ہوگئی۔ مسلمانوں نے شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مشورے

ادھر تو مسلمان افسر اس فکر میں ہیں۔ کہ اس شہر کو جلد فتح کیا جائے۔ شہر پناہ کے گرد چکر پر چکر لگا رہے ہیں۔ کہ کہیں انگلی رکھنے کو جگہ مل جائے۔ ادھر بیت المقدس شہر کے اندر یہودا اور عیسائیوں نے مدتوں کی عداوتوں سے چشم پوشی کرکے مشترک طور پر مجلس مشاورت کر رکھی ہے۔ کہ اس گھیر لینے والی فوج کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اراکین شہر۔ مدبرین سلطنت، عمائدین علما یہود و نصاریٰ نے بالآخرہ یہ فیصلہ کیا:

ہمارے نبیوں بزرگوں کی پیشگوئی ہے۔ کہ اس شہر کو کوئی قوم فتح نہیں کرسکتی۔ ہاں ایسی قوم کا اس شہر پر تسلط ہوجائے گا۔ جن کی خدا ترس آنکھیں اجنبی عورت پر نہ اٹھیں گی۔ اور جن کی سیر چشمی باوجود فاقہ مستی کے دوسرے کے مال کو نظر میں نہ لائے گی۔ اور اس قوم کا حاکم اعلےٰ اس قوم کا بادشاہ اس قد و قامت اس حلیہ اس سراپا کا ہوگا۔ لہٰذا مسلمانوں سے کہو کہ ان کے امیر کو بلاؤ۔ اور ان کے زہد و تقوے کا امتحان کرلو۔ اگر ان کا امیر اسی حلیہ کا ہے۔ اور مسلمان قوم میں زہد و تقویٰ اسی درجہ کا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بزرگوں کی پیشینگوئی ہے۔ تو بیشک شہر ان کے حوالہ کردینا چاہئے۔ اور اگر ان کے امیر کا یہ حلیہ نہیں۔ اور اس قوم میں زہد و تقویٰ کے یہ اوصاف نہیں۔ تو پھر شہر سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ فتح یقینی ہے:

بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

شہر کے چند سربرآوردہ ذمہ دار رکن امن کی جھنڈیاں ہاتھوں میں لے کر شہر کی فصیل پر آئے۔ اور

لشکر اسلام کے سپہ سالار سے صلح کی خواہش کرتے ہوئے یہ استدعا پیش کی ۔ کہ آپ لوگ اپنے بادشاہ کو بلوالیں ۔ ہم بیت المقدس ان کے حوالے کردیں گے ۔ مسلمانوں کو اگرچہ اپنی فتح کا یقین تھا ۔ مخالف مرعوب ہو کر میدان چھوڑ چکا تھا ۔ لیکن خدا ترس مسلمانوں نے اسی کو مناسب سمجھا ۔ کہ مخلوق الٰہی کا خون بہائے بغیر ہی بنائے سلیمانی میں قانون الٰہی جاری ہو جائے ۔ تو زیادہ اچھا ہے ۔ ان کی عرض قبول کرتے ہوئے دارالخلافہ کو رپورٹ دی ۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

آپ تشریف لے آئیں ۔ تو بغیر ایک قطرۂ خون بہائے شہر پر قبضہ ہوتا ہے ۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس اس رپورٹ پر دارالخلافت میں مجلس حضوری (پارلیمنٹ) قائم ہوئی ۔ ارباب بست و کشاد اور اہل حل و عقد جمع ہوئے اس زمانہ کے لوگوں کو تعجب ہوگا ۔ کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے بادشاہ امیرالمومنین کے ایک لمبے سفر کا مسئلہ پیش ہے ۔ مگر کسی بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی رقم کا ذکر تک نہیں آتا ۔ کہ اتنے ہزار یا اتنے لاکھ میں یہ سفر ہو سکے گا ۔ نہ اس کا ہی ذکر آتا ہے ۔ کہ ہمرکابی میں کتنے عمائد ہونگے ۔ اور جلو میں کتنی فوج ہوگی ۔ ہراول میں کتنے دستے ہونگے ۔ اور مقدمۃ الجیش میں کتنے گارد ہوں گے ۔ نقباء کی کیا مقدار ہوگی ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی مسئلہ زیر بحث نہیں آتا ۔ تمام ارکین دولت ۔ ممبران پارلیمنٹ کا بھی یہی فیصلہ ہوتا ہے ۔ کہ اگرچہ امیرالمومنین کو صعوبت سفر کا سامنا ہوگا ۔ مگر خدا کے بندوں کے خون سے زمین لالہ زار نہ ہوگی ۔ جس کا ایک ایک قطرہ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی ہے ۔

بادشاہ اسلام کی مساوات پسندی امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے سفر کا ارادہ کر دیا ۔ تو پھر اب دیر کیا تھی ۔ اپنی سواری کا اونٹ کسا ۔ اور زادِ راہ کے لئے تھوڑا سا ستو لیکر چل کھڑے ہوئے ۔ اپنی ابتدائی عمر کے حصہ میں بسلسلہ تجارت ممالک شام کا اکثر سفر کئے ہوئے تھے ۔ تو اب کسی رہبر کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ رخت سفر اونٹ پر رکھ کر سوار ہوئے ۔ تو ایک وفادار جان نثار غلام نے مہار پکڑ لی ۔ کہ حضور یہ جانثار کو شش ہمرکابی میں ضرور چلیگا ۔ غلاموں کے ناز بردار عمرؓ کا یہ غلام مچل گیا ۔

مسلمانوں کا بادشاہ اور وہ بادشاہ جس کے نام سے قیصر و قصریٰ لرزہ براندام ہیں ۔ وہ بادشاہ جس کے در دولت پر اکناف عالم کے بادشاہ جبہ سائی کرتے ہیں ۔ وہ بادشاہ جس کی آواز پر بڑے بڑے مستحکم قلعے فتح ہو جاتے ہیں ۔ وہ بادشاہ جس کے ہاتھ میں روم و شام کے خزانوں کی کنجیاں ہیں ۔ کس سادگی سے فرماتے ہیں ۔ میرے پاس اور اونٹ نہیں ۔ جو تجھے سواری کے لئے دوں ۔ اور اس کو میرا دل گوارا نہیں کرتا ۔ کہ خدا کا ایک بندہ جو میری ہی طرح انسان ہے ۔ میرے ساتھ پا پیادہ چلے ۔

بہت دیر گفت و شنید ہونے کے بعد آخر اس پر فیصلہ ہوا ۔ کہ وہ غلام ساتھ تو ضرور چلے ۔ مگر اس شرط پر کہ ایک دن امیرالمومنین اونٹ پر سوار ہوں ۔ وہ غلام نکیل پکڑ کر چلے ۔ اور ایک دن وہ غلام سوار ہو ۔ اور امیرالمومنین کے ہاتھ میں نکیل ہو ۔ اللہ اکبر یہ ہے اسلام کی تعلیم ۔ یہ ہے سلیمانی مساوات کا نقشہ ۔ یہ ہیں آقا اور غلام ۔

الحاصل آقا و غلام کا ایک مساویانہ شرط پر یہ طول طویل سفر شروع ہوا ۔ اور اس لشکر اسلام کو جو بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے امیرالمومنین کی تشریف آوری کا انتظار کر رہا ہے ۔ اطلاع پہنچ گئی ۔ کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو امیرالمومنین یہاں پہنچ جائیں گے ۔ اندرون شہر

بیت المقدس میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی ؛

مقررہ وقت پر تمام شہر کے چھوٹے بڑے فصیل پر اس خیال سے جمع ہو گئے۔ کہ بادشاہ اسلام کی سواری کا تزک و احتشام اور امیر المومنین کا جاہ و جلال۔ فاروق اعظم کی آمد کا طمطراق دیکھیں۔ ادھر لشکر اسلام بھی اپنے سردلعزیز حاکم اعلےٰ کی سلامی کے لئے صف لبستہ ہو گیا صبح سے انتظار کرتے کرتے دوپہر کے قریب مدینہ سے آنیوالی سڑک پر ایک چھوٹا سا بگولہ اٹھنے کے بعد ایک اونٹ سوار آتا دکھائی دیا جس کے اونٹ کی مہار ایک بلند قامت تھامے ہوئے اسی طرف آرہا ہے۔

امیر المومنین کی شان

اہل شہر اس خیال میں تھے۔ کہ امیر المومنین تشریف لا رہے ہیں۔ نہ معلوم کتنی تو ردفن چوکیاں ہونگی اور کتنے دستے ہراول کے ہونگے۔ اور کتنے سوار نقابت پر مامور ہونگے۔ اور کتنی قسم کے باجے شور محشر برپا کئے ہوئے آتے ہونگے۔ اور ان کے ہلالی نشان آنکھوں کو خیرہ کرتے ہونگے۔ اور نہ معلوم کتنی لاکھ تلواریں بجلی کی طرح چمکتی آتی ہونگی۔ اور اتنے بڑے بادشاہ کی آمد آمد میں فوج کی گرد و غبار کا کم سے کم یہ تو عالم ہوگا۔ کہ فردوسی ایک طرف کھڑا کہتا ہوگا ؏

زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

بخلاف اس کے دیکھا تو یہ دیکھا۔ کہ مدینے کی طرف سے ایک سوار آتا ہے۔ اور ایک انسان اونٹ کی نکیل تھامے ہوئے ہے خیال ہوا کہ شاید کسی وجہ سے امیر المومنین رضؓ کی سواری آج نہ پہنچ سکے گی۔ یہ ایک سوار اطلاع کے لئے آتا ہوگا۔ اہل شہر اس خیال ہی میں تھے۔ کہ سپہ سالار لشکر اسلام کی دوربین نظروں نے اپنے امیر کا نہ چھپنے والا قد و قامت اور اپنے امیر کا مخصوص کمبل کا لباس دیکھا۔ تو نعرۂ تکبیر بلند کیا تمام لشکر میں نعرۂ تکبیر کے ساتھ خوشی کا غلغلہ جو بلند ہوا۔ تو اہل شہر سمجھے کہ شاید یہی اونٹ سوار ان کا امیر ہے ؛

اپنے یہاں کے بیان کردہ حلیے کو منطبق کرنے لگے۔ اس حلیئے کو اس اونٹ سوار سے جب کوئی نسبت ہی نہ پائی۔ تو اپنے قریب کے کسی اسلامی سوار سے پوچھا۔ کہ تمہارا امیر یہی اونٹ سوار ہے ؟ وہ کہتا ہے نہیں۔ اونٹ پر تو غلام سوار ہے۔ ہمارا امیر بلند قامت بلند اقبال چھریرے جسم کا وہ ہے جس کے ہاتھ میں اس وقت اونٹ کی نکیل ہے " اللہ اللہ! کیا شان ہے ایمان کی کہ منزل پر پہنچنے کے دن دوسری قوم کے سامنے ہونے کے وقت بھی اتفاق سے غلام کے سوار ہونے کی باری ہے۔ تو حق پسند عمرؓ کی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی۔ کہ اس کا حق خود لے لے ؛

یہ سنکر اہل شہر اس نکیل پکڑنے والے پر جو اس حلیہ کو منطبق کرتے ہیں۔ تو سر مو فرق نہیں پاتے۔ ہو بہو اسی حلیہ کا امیر اور امیر بھی ایسا کہ اس کی اور اس کے غلام کی معاشرت میں۔ لباس میں راحت و تکلیف میں کوئی فرق نہیں۔ اس جلالت مآب امیر کے اس مساویانہ برتاؤ کا رعب ہیبت الہیہ کا دبدبہ ان کے دلوں پر اثر کر گیا کہ سب کو لرزہ براندام کر دیا ہے :

مسلمانوں کا امتحان

امیر المومنین کو اس حلیہ کے مطابق پاکر اہل شہر نے مشورہ کیا۔ کہ اب اس قوم کے زہد و تقویٰ کا امتحان اور باقی ہے۔ تمام شہر کو آراستہ کرایا۔ قیمتی اشیاء کا دوکانوں کے باہر انبار لگوا دیا۔ خوبصورت مہ جبینوں۔ نا کتخداؤں وغیرہ مہ پاروں کو سجا بنا کر دوکانوں پر بٹھلا دیا۔ اور ان سے کہہ دیا گیا۔ کہ آنے والے لشکر کا کوئی سپاہی ان چیزوں میں سے کچھ لینا چاہے

تو اسے روکا نہ جائے ۔ لڑکیوں میں سے کسی پر کسی سپاہی کی نظر پڑے ۔ تو اپنے آپ کو خود پیش کر دے ۔ شہر میں دین و ایمان کے لئے یہ شیطانی جال بچھا کر امیر المومنین کی خدمت میں درخواست پیش کی ۔ کہ معہ لشکر شہر میں تشریف لائیں ۔ ہم لوگ شہر حوالہ کر دیں گے ؛

ادھر سپہ سالار اسلام کو معلوم ہو گیا ۔ کہ اہل شہر نے یہ انتظامات کئے ہیں صبح کو شہر میں جانے کے لئے جب لشکر صف آرا ہوا ۔ تو سپہ سالار نے تمام لشکر کو مخاطب کر کے کہا ۔ خدا فرماتا ہے ۔ **لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا** ۔ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں ۔ کہ اجنبی عورت کو بالقصد دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے ۔ دوسروں کے مال پر نظر ڈالنا مسلم کا شیوہ نہیں ۔ پس یہ کہ کر لشکر کو شہر میں داخل ہونے کا حکم دے دیا ۔ شہر پناہ کے دروازہ پر عمائدین شہر استقبال کے لئے جمع تھے ۔ اور جا بجا ان کے جاسوس اسلامی لشکر کے نگران اور ان کی نظروں تک کی نگہداشت کے لئے مامور تھے ۔ لشکر شہر کے اس سرے سے داخل ہو کر اس سرے تک پہنچ گیا ۔ مگر اس خدا ترس قوم کے کسی فرد واحد کی نظر نیچے سے اوپر کو بھی نہ اٹھی ۔ جو وہ قیمتی اشیاء کو دیکھتی ۔ یا کسی مہ جبین پر پڑتی ۔ جب اس سکوت زہد ، تقویٰ کے ساتھ یہ مختصر سا لشکر خدا پر بھروسہ کئے مخالف قوم کے مضبوط و مستحکم قلعہ میں داخل ہو گیا ۔ ایک خدا سے ڈرنے والا مختصر گروہ بلا خوف و خطرہ دشمن کے محفوظ قلعہ میں آ گیا ۔ اور جاسوسوں کی رپورٹ بھی گذری ۔ تو اہل شہر نے شہر اس مقدس قوم کے حوالے کر دیا ۔ اس قوم نے شہر پر قبضہ جما کر کیا کیا ؟ یہ کسی دوسری صحبت کے لئے اٹھا رکھئے گا ۔

(تبلیغ)

ٹرکی جدید

چشم دید حالات

مختلف جرائد و اخبارات میں ایک سیاح کے چشم دید حالات شائع ہوئے ہیں۔ ٹرکی جس کے متعلق الحاد و زندقہ کی مختلف روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔ سیاح مذکور ان کی تردید کرتا ہوا رقمطراز ہے کہ :-

قسطنطنیہ کی سڑکوں پر سے گزرا۔ تو مجھ کو انقلابات کی جھلک نظر آئی۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے قسطنطنیہ یا استانبول کو مستقر حکومت ہونے کے شرف سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن وہ قسطنطنیہ کی جاذبیت میں کوئی کمی نہ کر سکے۔ قسطنطنیہ کا منظر آج بھی ویسا ہی پرکیف ہے۔ اور اس میں مشرقی شان امارت کے دلکش نظارے اب بھی اسی طرح نظر آتے ہیں۔ سیاحوں کو فرق صرف یہ نظر آتا ہے۔ کہ پہلے مردوں کے سر پر خوشنما لال ٹوپی ہوتی تھی۔ اب وہ ٹائرولین قسم کی چھجہ دار مغربی ٹوپی پہنتے ہیں۔

ترکی خواتین کا نقاب

ہاں ترکی عورتوں میں زیادہ انقلاب نظر آتا ہے۔ ترکی عورتیں آزادی کے ساتھ تو پہلے بھی باہر نکلتی تھیں۔ لیکن ان کے چہروں پر آنکھوں کے نیچے ایک باریک نقاب ہوتا تھا۔ لیکن اب اس نقاب نے جو پہلے آنکھوں کے نیچے رہتا تھا۔ اب چہرے سے بھی نیچے سرک کر شانوں پر ایک لوازمہ فیشن کی حیثیت اختیار کر لی ہے عورتوں کی پوشاک میں اب مغربی انداز زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن وہ میموں کی طرح مغربی ٹوپی اب بھی استعمال نہیں کرتی ہیں۔ ان کے سروں پر ایک خوشنما لیسدار ٹوپی ہوتی ہے۔

ترک پکے مسلمان ہیں

ترکوں کے الحاد کی داستانیں بالکل فرضی ہیں۔ یورپین ممالک نے جو صدیوں سے ترکی قوم کے دشمن رہے ہیں۔ انہیں اسلامی ہمدردی سے محروم کرنے کے لئے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہے۔ جس طرح ہمارے ہندوستان میں بعض دولت مند اور روالیان ریاست مسلمان مذہبی فرائض کی پابندی نہیں کرتے۔ یہی ترک ارباب ثروت کا بھی حال ہے۔ باقی ترک عوام اسی طرح پابند مذہب اور پکے مسلمان ہیں۔ جس طرح ہمارے ہندوستان کے وہ مسلمان جو ترکوں کو محض اس الزام میں بدنام کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے برائے نام خلافت کا مرکز توڑ دیا۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ چونکہ ترکوں میں تعلیم مقابلۃً زیادہ ہے۔ اور ان کی رگوں میں غلامی کے جراثیم پیوست نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ عام ہندوستانی مسلمانوں کی طرح تنگ خیال، متعصب اور کوتاہ نظر نہیں۔ اگر اسلام کی اصل روشنی میں دیکھا جائے۔ تو ایک ترک ایک ہندوستانی سے زیادہ سچا اور مخلص مسلمان ہے۔ اوقات نماز میں مسجدیں آج بھی اسی طرح بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ جیسی کہ سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں۔ پھر ترکی قوم سوٹ پوش ہے۔ ہمارے ہندوستان میں بھلا کتنے سوٹ پوش نوجوان اذان کی آواز سن کر مسجدوں میں

جاتے ہیں۔ صرف اسی ایک حالت سے موازنہ کرنا چاہئے۔ کہ ترک زیادہ مخلص مسلمان ہیں۔ یا زبانی جمع خرچ بگھارنیوالے ہندوستانی؟

پابندئ نماز

میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ نماز مغرب کے وقت قسطنطینیہ کی سڑکیں سونی ہوجاتی ہیں۔ ہر سوٹ پوش اور ہیٹ نواز ترک مسجد کی طرف بھاگتا ہے۔ تعلیم یافتہ فیشن ایبل خواتین اپنا لباس سنبھالتی ہوئی فریضۂ مغرب ادا کرنے کے لئے تیار ہوجاتی ہیں۔ مغربی پوشاک میں ملبوس ان عورتوں اور مردوں کو خدائے واحد قہار کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے دیکھ کر جو دل پر گہرا اثر پڑجاتا ہے۔ وہ ہندوستان کی مساجد میں چند لمبی داڑھی والے مولویوں اور چند غریب اہل حرفہ کو دیکھ کر نہیں پڑسکتا۔ افسوس ہے۔ کہ ان تنگ خیال مسلمانوں کی نگاہ میں جو اپنے آپ کو اسلام کا واحد ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں۔ ترک پھر بھی ملحد، بے دین اور کافر ہیں؟

مغربی تمدن

قسطنطینیہ سے جب میں انگورہ کی جانب روانہ ہوا۔ تو مجھے انقلاب کی جھلک زیادہ گہری نظر آئی۔ شہروں میں تو ترک پہلے بھی سوائے ہیٹ کے مغربی پوشاک پہنتے تھے۔ لیکن دیہاتوں میں پتلون نما شلوار یا شلوار نما پتلون کا زیادہ رواج تھا۔ اور ترک کاشتکاروں کے لباس میں شرقیت غالب تھی۔ لیکن اب دیہاتوں میں بھی مغربی پوشاک کا رواج بڑھ رہا ہے۔ ترکی ٹوپی تو بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ اندرونی علاقوں میں وائرلیس، ٹیلیگرافی، ریلوے لائن اور مشنریوں کے رواج سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ایشیائی حصہ کے قالب میں مغربیت کس طرح حلول کررہی ہے۔ دس بارہ سال پیشتر کون خیال کرسکتا تھا۔ کہ قونیہ عسکی شہر یا انگورہ میں مغربی تمدن کے آثار نظر آئیں گے؟

انگورہ کی سیر

ترکی جمہوریہ کا پایہ تخت انگورہ مغربی انداز کا خوشنما شہر ہے۔ صرف چند برسوں ہی کے اندر اس کی از سرِ نو تعمیر ہوئی ہے۔ انگورہ کی آبادی بڑھتی جارہی ہے۔ دفاتر حکومت کے علاوہ غیر ملکی سفارت خانوں کی عمارتیں بھی خوشنما ہیں۔ انگورہ میں سب سے زیادہ شاندار سڑک "شارع غازی" ہے۔ اسی سڑک پر ترکی قوم کے مایۂ ناز ہیرو مصطفےٰ کمال پاشا کا مجسمہ نصب ہے۔ شام کے وقت "شارع غازی" پر بہت چہل پہل رہتی ہے۔ یہ سڑک اپنی صفائی اور نفاست میں لندن اور پیرس کے مشہور صاف ستھرے بازاروں کا مقابلہ کرتی ہے۔ آمدورفت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن کوڑا کرکٹ تو درکنار کہیں گردوغبار کا بھی نام نہیں ہوتا۔ ترک سگرٹ نوشی کے بہت عادی ہوتے ہیں۔ سگرٹ کے بچے ہوئے حصوں کو پھینکنے کے لئے جابجا زنگین ٹپ نصب ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی موٹر سے سگرٹ پھینکے۔ تو صاف کرنے والے فوراً اس کو اٹھا لیتے ہیں۔ "شارع غازی" کے کنارے پر ایک خوشنما نوتعمیر مسجد ہے۔ جس کے چاروں طرف بہت پررونق میدان ہے۔ یہاں لوگ جمع ہوکر قہوہ نوشی کرتے ہیں۔ ان دوکانوں پر اعلےٰ قسم کی بیڑیاں دستیاب ہوتی ہیں؟

سرکاری ملازمین کے لئے انگورہ کی موجودہ آبادی سے باہر خوشنما کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ اور اس حصہ کو نیا شہر کہتے ہیں۔ شام کو پانچ بجے سرکاری ملازمین دفتروں سے فرصت پاکر اپنے کوارٹروں میں جاتے ہیں۔ اور "شارع غازی" پر ان کی موٹروں کا ہجوم ہوتا ہے؟

غازی پاشا

انگورہ میں پہاڑی کے اوپر غازی مصطفےٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ کی سرکاری قیامگاہ ہے۔ عمارات بہت سادہ مگر دلکش ہیں۔ میں ایک دن اس پہاڑی کے اوپر بھی گیا۔ پھاٹک پر مسلح سنتریوں کا پہرہ تھا۔ دفعتہً سنتریوں نے رائفلیں سنبھالیں۔ اور وہ مؤدبانہ فوجی انداز میں کھڑے ہوگئے۔ میں نے اوپر نگاہ اٹھائی۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اوپر چھجے پر کھڑے ہوئے تھے۔ میں ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوکر ترکی قوم کے اس نجات دہندہ کو دیکھتا رہا۔ غازی موصوف چند منٹ تک پھاٹک کی جانب دیکھتے رہے۔ ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ اس کے بعد ٹہلنے لگے۔ اتنے میں چند ترک کاشتکار پھلوں کی ٹوکریاں لئے ہوئے آئے۔ وہ پھاٹک کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مسلح سپاہیوں نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔ کاشتکاروں نے اندر جاکر اپنے غازی کی زیارت کے لئے اصرار کیا۔ لیکن سپاہیوں نے انہیں پھاٹک کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اتفاق سے مصطفےٰ کمال پاشا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ انہوں نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ ایک جانب ہٹ گئے۔ ترک کاشتکاروں کے چہرے مسرت سے کھل گئے۔ اور وہ اندر داخل ہوئے؛

میں نے دیکھا غازی ممدوح اپنی رعایا کو دیکھکر مسکرا رہے تھے۔ کاشتکاروں نے قدیم ترکی انداز پر غازی کو سلام کیا۔ غازی نے باواز بلند ان کے سلام کا جواب دیا۔ اور ایک اے ڈی کانگ ان کو اوپر لے گیا۔ میرے خیال میں یہ غریب کاشتکار اپنے محبوب غازی کی خدمت میں نذر کرنے کے لئے پھلوں کی ٹوکریاں لائے تھے۔ اس نظارہ سے مجھے یہ اندازہ ہوا۔ کہ ترکی قوم کو اپنے غازی سے محبت ہے۔ اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا بھی ان لوگوں پر جو ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیں۔ زیادہ پابندیاں عائد نہیں کرتے؛

انگورہ سے میں قونیہ گیا۔ یہاں اول الذکر کے مقابلہ میں مشرقیت زیادہ غالب ہے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے مذہبی پیشواؤں کو مغربی لباس سے مستثنے اقرار دیا ہے۔ اور چونکہ قونیہ کو ایک مذہبی مرکز ہونیکا شرف حاصل ہے۔ اس لئے لمبے چغے اور رنگین عمامے بکثرت نظر آتے ہیں؛

ٹرکی آنے سے پیشتر میں نے سنا تھا۔ کہ غازی مصطفےٰ کمال نے اپنے شوق تجدید میں قونیہ کی مشہور خانقاہ کو حکماً بند کرکے درویشوں کو نکال دیا ہے لیکن یہاں پہنچکر یہ اطلاع بالکل غلط ثابت ہوئی۔ پچھلے عرصہ میں قونیہ کے چند درویشوں نے حکومت کے خلاف بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا اسی سلسلہ میں ترکی حکومت نے چند درویشوں کو پھانسیاں دیں۔ اور چند کو خارج البلد کردیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خانقاہ سے کسی قسم کا تعارض نہیں کیا۔ درویشوں کا مستانہ وار رقص آج بھی قونیہ میں ہوتا ہے۔ اور زمانہ قیام میں مجھے خود ایک مرتبہ رقص دیکھنے کا اتفاق ہوا؛

محصولوں کی زیادتی

ٹرکی میں غیر ممالک کا سرمایہ ضرور لگ رہا ہے لیکن مصطفےٰ کمال پاشا حتی الامکان اپنے ملک کو غیر ملکی سرمایہ کے دام اور قرض کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے حکومت زیادہ ٹیکس لگانے پر مجبور رہے۔ سڑکوں پر جو لوگ چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ حکومت ان سے ٹیکس وصول کرلیتی ہے ٹیکس کی یہ شدت لوگوں کے لئے تکلیف دہ تو ضرور ہے لیکن حکومت کی مجبوری اور خود مستقل قومی فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترک عاشقان وطن اس گرانباری کو بخوشی برداشت کرتے ہیں؛ (زجگبور)

بہی خواہان "القریش" سے

خدائے تبارک و تعالے کے فضل و کرم سے اس اشاعت کے ساتھ "القریش" کی سترہویں جلد بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی - اور آئندہ اشاعت یعنے ماہ جنوری سے اٹھارہویں جلد کا آغاز ہوگا - جن معاونین کرام کا سال خریداری ماہ جنوری سے شروع ہوتا ہے - ان کے اسمائے گرامی معہ نمبر خریداری درج ذیل ہیں - چونکہ وی - پی سسٹم مجبوراً بند کر دیا گیا ہے - اس لئے ان احباب سے برادرانہ التماس ہے - کہ وہ سال آئندہ کے لئے اپنا اپنا زرچندہ بواپسی ڈاک بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر حمیت قومی کا ثبوت دیکر ہماری شکرگذاری کا موجب ہوں - امید ہے کہ مزید یاددہانی کی ضرورت نہ ہوگی ؛

۱۲۴ - پیر علی اصغر صاحب ؛
۱۹۶ - مولوی امام الدین صاحب ؛
۴۸۰ - شیخ احمد الدین صاحب ؛
۲۲۵ - قریشی محمد چراغ صاحب ؛
۱۶۲ - قاضی محمد اسمٰعیل صاحب
۸۴۶ - شیخ غلام حسین صاحب پنشنر ؛
۸۵۳ - ڈاکٹر احمد علی صاحب ؛
۸۸۸ - شیخ محمد الدین صاحب ؛
۸۹۸ - قاضی حکیم غلام مصطفٰے صاحب ؛

۱۴۲ - پیر علی احمد صاحب فریدی ؛
۲۵۶ - قریشی محبوب عالم صاحب ؛
۶۲۲ - قریشی محمد رمضان صاحب ؛
۶۲۹ - قاضی نظیر حسین صاحب ؛
۷۹۸ - پیر صوفی عبد الغنی صاحب ؛
۸۴۹ - قریشی سردار علی صاحب
۸۷۵ - قریشی احمد اللہ صاحب ؛
۸۹۶ - شیخ غلام رسول صاحب ؛

۱۸۱ - شیخ غلام حسین صاحب شاکر ؛
۴۳۷ - بابو محمد عبد الحق صاحب ؛
۶۲۳ - قاضی طالب مہدی صاحب ؛
۶۵۶ - قاضی فضل حسین صاحب ؛
۸۴۳ - منشی اقبال حسین صاحب ؛
۸۵۱ - مولوی فتح محمد صاحب اختر ؛
۸۷۷ - منشی محمد منیر صاحب ؛
۸۹۷ - شیخ عبد العزیز صاحب ؛

منیجر

نقد و نظر

سودائے مرزا - مولفہ حاجی حکیم ڈاکٹر محمد علی صاحب سندیافتہ طبیہ کالج دہلی - امرتسر - اس رسالہ میں مؤلف نے طبی دلائل اور مرزا صاحب کی تحریروں سے ثابت کیا ہے - کہ مرزا غلام احمد قادیانی نہ نبی تھے نہ مسیح اور نہ مجدد تھے نہ ولی بلکہ مالیخولیا کے مریض تھے - ان کے جملہ الہامات اور دعاوی مالیخولیا ہی کی ایک شق تھی - اس رسالہ میں مختلف کتابوں اور دیگر مطبوعات کے حوالے اور سندیں پیش کی گئی ہیں - رسالہ محنت کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے - حجم قریباً پچاس صفحات - قیمت فی نسخہ تین آنہ -

مندرجہ پتہ سے طلب کریں ؛

تاریخ عباسیہ کا ایک باب

امین و مامون

(نمبر ۳)

امین کا حسرت ناک انجام

(گذشتہ سے پیوستہ)

امین کی بے بسی

طاہر کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے اراکین سلطنت کی طرف خط لکھا۔ کہ اگر تم خلیفہ کو اس ارادے سے باز نہیں رکھو گے تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ امیر المومنین کے لیئے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے قبضہ میں دیں۔ جو یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ خائن اور غیر معتبر ہیں۔ بہتر یہ ہے۔ کہ آپ ہرثمہ بن امین سے امان طلب کرلیں۔ اس پر چند ایک بول اٹھے۔ کہ اگر حضور نے امان طلب کرنی ہے۔ تو کیوں طاہر سے طلب نہ کیجائے۔ لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ اور طاہر سے امان طلب کرنے کی بجائے ہرثمہ کے پاس چلے جانے کو ترجیح دی۔ ہرثمہ نے درخواست امان منظور کر کے کہلا بھیجا۔ کہ میں سوائے آپ کے دوسروں سے جنگ کروں گا۔ اور اگر وہ بھی امان طلب کریں گے۔ تو ان کو بھی امان دے دوں گا۔ طاہر کو جب یہ خبر پہنچی۔ تو اسے رنج پیدا ہوا۔ کیونکہ اس طرح اس کی تمام کارگذاریوں پر پانی پھر رہا تھا۔ خلیفہ امین ہرثمہ کی امان میں آگیا۔ ہرثمہ نے مناسب خیال کیا۔ کہ اس وقت طاہر سے بگاڑ اچھا نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے طاہر کے پاس جا کر کہا۔ کہ خلیفہ امین بذات خود سوائے ہرثمہ کے اور کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ لیکن خاتم خلافت عصا اور چادر جو درحقیقت شعار خلافت سے ہے۔ آپ کے حوالے کر دیگا۔ طاہر اس پر راضی ہوگیا۔ جونہی یہ لوگ طاہر سے رخصت ہوئے۔ ہرش جو کہ طاہر کے ایک اعلیٰ فوجی افسروں میں سے تھا۔ طاہر کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ ہرثمہ آپ کو فقرہ دے گیا ہے۔ اصل میں امین خاتم خلافت۔ عصا اور چادر بھی ہرثمہ کے پاس ہی لے جائے گا۔ طاہر یہ سن کر کانپ اٹھا۔ اور اسی وقت چند لوگوں کو امین کے قصر کے محاصرہ پر تعین کر دیا۔ ہرثمہ نے امین کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ آج کی شب اور صبر فرمائیے۔ کیونکہ آج صبح دریا کے کنارے پر کچھ ایسی باتیں مجھے نظر آئی ہیں۔ جن سے خطرہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ امین نے جواب دیا۔ میرے جس قدر احباب اور ہوا خواہ تھے۔ مجھ سے جدا ہوگئے ہیں۔ میں یہاں ایک ساعت بھی قیام نہیں کر سکتا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ طاہر کو اس کی اطلاع ہو جائے۔ اور مجھے گرفتار کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد امین نے اپنے دونو لڑکوں کو گلے لگایا۔ اور پیار کیا۔ اور ان دونوں سے رخصت ہو کے روتا ہوا کنارۂ دریا پر آیا۔ اور ہرثمہ جنگی کشتی پر سوار ہوگیا۔ ہرثمہ نے اس کے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیئے۔ اور کشتی کے کپتان کو حکم دیا۔ کہ جو شخص مزاحمت کرے

بلا تامل آتشباری کر دے۔ جونہی کشتی آگے بڑھی۔ طاہر کی جنگی کشتیوں کا بیڑا سامنے آ گیا۔ اور ہرثمہ کی کشتی کا محاصرہ کر کے جنگ شروع کر دی طاہر کے لشکریوں نے ہرثمہ کی کشتی پر اس شدت سے تیر باری کی۔ کہ وہ بیکار ہو گئی۔ غوطہ زنوں نے اس کشتی میں سوراخ کر دیئے۔ جس کی وجہ سے وہ فوراً پانی بھر کے ڈوب گئی؛

امین کا دردناک انجام

احمد بن سالم ناظم فوجداری جو امین اور ہرثمہ کے ہمراہ اس کشتی پر سوار تھا۔ بیان کرتا ہے "کہ کشتی کے ڈوبنے پر ہم تینوں دریا میں گر پڑے۔ ملاح نے ہرثمہ کے بال پکڑ کر نکال لیا۔ اور سطح آب پر گرتے ہی امین کے کپڑے پھٹ گئے۔ جب میں تیر کر دریا کے کنارے پر پہنچا۔ تو لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اور طاہر کے سامنے لے گئے۔ اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اپنا نام و نسب بتایا۔ پھر امین کا حال استفسار کیا۔ میں نے جواب دیا۔ وہ گرتے ہی ڈوب گیا تھا۔ اس کے بعد طاہر کے حکم سے میں ایک مکان میں قید کیا گیا۔ قید ہی کی مصیبت کچھ کم نہیں تھی۔ کہ فوراً سننے میں آیا۔ کہ طاہر نے میرے قتل کا حکم دیدیا ہے۔ اس کے سننے سے میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ بمجبوراً جو کچھ میرے قبضہ میں تھا۔ دے کر جان بچائی۔ مگر قید سے رہائی نہ پائی۔ تھوڑی رات گذری تھی۔ لوگوں نے یکایک میرے قیدخانہ کا دروازہ کھولا۔ اور امین کو اندر کر کے پھر بند کر دیا۔ اس وقت امین صرف ایک پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر عمامہ اور شانوں پر ایک پھٹا ہوا کپڑا پڑا تھا۔ میں انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر رو پڑا۔ امین نے مجھے پہچان کر کہا۔ کہ تم مجھے اپنے گلے لگا لو۔ میری طبیعت پر سخت خوف طاری ہو رہا ہے۔ میں نے امین کے کہنے کے مطابق اسے گلے لگا لیا۔ اس وقت اس کے دل کی عجیب حرکت تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ خوف کی وجہ سے گھٹا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کے حواس درست ہوئے۔ تو مجھ سے مامون کا حال دریافت کیا۔ میں نے عرض کی۔ ہنوز وہ زندہ ہے۔ امین نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے وکیل سے سمجھے مجھ سے وہ کہتا تھا۔ کہ مامون مر گیا۔ غالباً اس سے اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ میں اس کی جنگ سے غافل ہو جاؤں۔ میں نے کہا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کے وزیروں سے سمجھے۔ جنہوں نے آپ کو دھوکے میں رکھا۔ امین نے سرد آہ کھینچی۔ اور کہا "کیا وہ لوگ وعدہ امان کو پورا کریں گے" میں نے کہا "انشاء اللہ" یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ ایک شخص قیدخانے کے اندر آیا۔ اور غور سے ہماری طرف دیکھنے کے بعد چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد نصف شب کے قریب چند عجمی لوگ چمکتی ہوئی ننگی تلواریں لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ امین ان لوگوں کو دیکھتے ہی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ ان میں سے ایک نے لپک کر امین کو پکڑ لیا۔ اور زمین پر گرا کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا؛

سر طاہر کے روبرو لایا گیا۔ اور صبح ہوتے ہی لاشہ بھی پیش کیا گیا۔ طاہر نے امین کا سر شارع عام پر آویزاں کر دیا۔ اس کے بعد نامۂ بشارت مع سر، خاتم خلافت، عصا اور چادر مامون کی خدمت میں روانہ کیا۔ مامون نے ان سب کو دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ طاہر نے امین کے قتل کے بعد امان کی منادی کرا دی۔ اور جمعہ کے دن شہر بغداد میں فتح کا پھریرا اڑاتا ہوا داخل ہوا۔ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ مامون کے نام کا خطبہ پڑھا۔ اور امین کی مذمت بیان کی۔ اپنے لشکریوں کو اس نے محلسراؤں کی حفاظت کے لئے مقرر کیا زبیدہ والدہ امین اور امین کے دونوں لڑکوں موسےٰ اور عبداللہ کو بالائی داب کے شہروں کی طرف شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

لیکن چند یوم کے بعد عبد اللہ اور موسیٰ کو مامون کی طرف روانہ کر دیا۔

خلیفہ مامون نے بغداد فتح ہونے کے بعد حسن بن سہل برادر فضل بن سہل ذو الریاستین کو طاہر کے مفتوح علاقے جبل۔ عراق۔ اہواز۔ حجاز اور یمن کی گورنری مرحمت کی۔ طاہر کو جزیرہ موصل شام اور مغرب کا گورنر بنا دیا۔ اور ہرثمہ کو خراسان کی ولائت پر مامور کیا۔

ڈاکٹر اقبال کا ایک مصرعہ

برنمے خیزد ازیں محفل دلِ دیوانۂ — ساقیا پیمانہ برہم زن سرِ پیمانۂ

شبنم و خورشید آسا با تو دارم اختلاط — تا تو رُخ افروختی من ہم شدم پروانۂ

آرزوئے گفتگو در سینہ حشر انگیز شد — کے بود یارب کہ گویم پیش او افسانۂ

چشم نرگس دارد ارم مست از دیدارِ تو — در ترقی باد حُسنت وز الم بیگانۂ

از تبسم شاد گرداں خاطرِ محزونِ ما — کاش عشرت خانہ گردد از تو ماتم خانۂ

ہاشمیؔ خستہ دل ہر دم بامید وصال — مے شود قربانِ شمعِ حُسن چوں پروانۂ

من نمی فہمم ظفرؔ ایں راز از اقبالؒ پُرس

برنمے خیزد ازیں محفل دلِ دیوانۂ

ظفر ہاشمی

لندن میں

"یار وفادار" کا ذکرِ خیر

لندن ۱۰ نومبر۔ ہائیڈ پارک ہوٹل میں سر سموئیل ہور اور لیڈی ہور کے اعزاز میں گول میز کانفرنس کے وفد ریاست حیدر آباد نے ایک دعوت طعام کی۔ اس کی تقریروں میں حکومت برطانیہ اور ریاست حیدر آباد کے مخلصانہ تعلقات اور تاریخی دوستانہ رشتہ اتحاد کا بار بار اعادہ کیا گیا۔ اور محبت و خلوص کے جذبات طرفین کی طرف سے ظاہر کئے گئے۔

مہمانوں کی تعداد ۱۳۰ کے قریب تھی۔ اس میں ریاست حیدر آباد کے دو شہزادے لارڈ ہیڈلے فاروق، سر چارلس اور لیڈی وڈ، سر روڈ برک جونسن، سر سٹورٹ اور لیڈی فریزر شامل تھے۔ ہز ہائی نس سر آغا خان، لیڈی آغا خان جنرل، میرٹ ہائی کمشنر انڈیا بھی تھے۔ گول میز کانفرنس کے بہت سے انگریز و ہندوستانی مندوبین بھی شریک طعام تھے۔

سر اکبر حیدری نے کھڑے ہو کر ریاست کے لئے جام وفاداری کی تحریک کی۔ اور سر سموئیل ہور نے حضور نظام کا جام صحت و اقبال پیش کیا۔

سر اکبر حیدری نے بحیثیت صدر کے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ تقریر کے دوران میں آپ نے کہا۔ کہ جس وقت حکومت انگلستان کی ہیئت ترکیبی میں تبدیلی ہوئی۔ تو اس وقت سب سے بڑا خیال یہی تھا۔ کہ وزیر ہند کونسی ہستی بنتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذاتی اوصاف ہمدردی اور تعلقات پر بہت سی چیزوں کا انحصار ہوتا ہے۔ سر سموئیل ہندوستان کے لئے کوئی نئی ہستی نہ تھے۔ وہ ہندوستان میں پہلے ہوائی سفر پر آئے تھے۔ اور دیگر طریقوں سے ہندوستان کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ ہندوستان کے معاملات کے متعلق کافی معلومات رکھتے ہیں۔ اور وہاں کی صورت حال پر پورا عبور ہے۔

سر اکبر حیدری نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ لوگ مجھ پر یہ الزام رکھتے ہیں۔ کہ میں سیاسی عقیدت کے لحاظ سے قدامت پسند ہوں۔ آپ نے اپنی پوزیشن صاف کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں حقیقی ترقی کا حامی ہوں۔ اور سیاسی میدان میں زبردست، مگر عقل و پر احتیاط سرگرمی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے رفتار سست رہتی ہے۔

ریاست حیدر آباد کے گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ وہ مفاہمت مجموعی چاہتی ہے۔ اور اس نے فیڈریشن کے لئے سب سے پہلے رائے دی تھی۔ کانفرنس میں شریک ہونے سے ریاست حیدر آباد کی کوئی غرض نہ تھی۔ بلکہ کلیتہً سب کے مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے شریک ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حضور نظام کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی ہے۔ کہ مستحکم ترقی کے لئے مسلسل جد و جہد کی جائے۔ تاکہ اقتصادی اور دیگر امور میں ملک ترقی کر سکے۔ آخر میں سر اکبر حیدری نے فرمایا۔ کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ دوستی اور اتحاد برقرار رکھنے کی پالیسی ریاست حیدر آباد کا اساسی اصول رہا ہے۔ اور خواہ جنگ ہو یا امن حیدر آباد و برطانیہ کے درمیان ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے۔ حیدر آباد نے دونوں مواقع پر اپنے فرائض

کے احساس سے مطلق پہلو تہی نہیں کی۔ اور ان فرائض کے ساتھ حکومت نظام بھی اس چیز کی متوقع رہی۔ کہ مملکت نظام کے لوگوں کے لئے جو چیز سب سے زیادہ موزوں ہو۔ اور جو پالیسی بہترین تصور کی جائے۔ اس کے اختیار کرنے میں وہ بالکل آزاد ہو"

سرسیموئل ہور کا جواب

سرسیموئل ہور نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ افسوس ہے۔ میں جب ہندوستان گیا۔ تو حیدرآباد حاضر نہ ہو سکا۔ آپ نے حضور نظام کو مبارک باد دی کہ انہوں نے حیدرآباد کے سندوبین بھیجکر کانفرنس کے کاموں میں سہولت پیدا کردی۔ سر اکبر حیدری کی قیادت میں ریاستوں کے نقطۂ نظر اور حضور نظام کی پالیسی کی جتنی پرزور حمایت و سرگرمی کی گئی۔ اس کی آپ نے بہت تعریف کی۔ اور سر اکبر حیدری کی خوش فہمی، معاملہ بندی اور سیاست دانی کو سراہا۔ وزیر ہند نے سر اکبر حیدری کی انتھک کوششوں کی بالخصوص بہت تعریف کی۔ جو انہوں نے اتفاق ہند کی تعمیر کے کاموں میں کی تھیں"

شہزادوں کی آمد

سرسیموئل ہور نے کہا۔ کہ ریاست حیدرآباد کے دو شہزادے یہاں ایسے موقع پر موجود تھے۔ جو بہت ہی اہم اور مفید دور موجودہ سیاست کا سمجھا جاتا ہے۔ اس دوران میں انہوں نے انگلستان میں جو نقوش و اثرات اپنی طبیعت پر رکھے ہونگے۔ وہ ان کی ریاست اور ملک کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ یہ ایک قرآن السعدین ہے۔ یہ اتحاد ایشیا و یورپ میں بالخصوص بہت عمدہ ثابت ہوگا۔ آپ نے کہا۔ کہ حضور نظام کا خطاب یہ ہے "وفادار دوست ملک معظم" جو یورپ بھر میں اپنی نوع کا پہلا خطاب ہے۔ جو کسی کے لئے آجتک استعمال نہیں ہوا"۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نظام سے زیادہ اس لقب کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے"

آپ نے ہندوستان اور حکومت برطانیہ کی گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ کہ حضور نظام نے ہر وقت حکومت برطانیہ کا دست راست بنکر کام کیا ہے۔ اور ہر نازک دور میں حکومت برطانیہ کے آڑے آئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ملک معظم کے زبردست اور وفادار ترین دوست شمار ہوتے ہیں"

آپ نے کہا۔ کہ جسطرح حضور نظام کی مملکت برطانیہ کی دوست اور دست راست بنی رہتی ہے۔ اسی طرح حکومت برطانیہ بھی حیدرآباد کی دوستی میں مستحکم اور باوفا ثابت قدم ہے (نعرۂ تحسین)

آپ نے کہا۔ کہ پچھلی تاریخ کو دیکھکر جو یکسر محبت اخلاص و دوستی کی روایات پر مشتمل ہے۔ میں مستقبل کو بہت درخشاں دیکھتا ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ خواہ مشرق و مغرب میں کتنی ہی تبدیلیاں ہو جائیں۔ لیکن جہاں تک برطانیہ عظمےٰ اور مملکت حیدرآباد ملک معظم اور حضور نظام کی دوستی و وفاداری کے تعلقات اور ثابت قدمی کا تعلق ہے۔ اس کی نوعیت عمر بھر متزلزل نہ ہوگی"

سپاس تعزیت

میرے والد محترم مولوی عبدالعزیز صاحب قریشی کی وفات حسرت آیات پر جن اصحاب نے پیامات تعزیت ارسال فرمائے ہیں۔ میں بذریعہ قومی آرگن "القریش" ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

محبوب عالم قریشی لدھیانوی

بزم قریش

مولانا محمد عبدالغفار صاحب لکھری تحریر فرماتے ہیں :-

"میں اس عالم ضعیفی میں برادران قریش کی کیا خدمت کر سکتا ہوں بجز اس کے کہ اگر میرے عزیز اپنے بچوں اور بچیوں کو چار سال کے لئے سپرد کردیں - تو میں ان کو علوم دین و دنیا کی تعلیم دوں تربیت دوں - اور کچھ صنعت و حرفت سکھا دوں - اور سب سے زیادہ یہ ہے - کہ ان میں روح اسلامی پیدا کرسکوں - کہ اگر موجودہ نسل نہیں - تو آئندہ نسل تو قریش کے باعزت لقب کی مستحق ہوسکے

جو بچے ایسے ہیں - کہ اپنا کسی قسم کا خرچ برداشت نہیں کرسکتے ان کا کل خرچ دارالاصلاح اپنے ذمہ لیگا - اور اس قسم کے بچے چار سال تک دارالاصلاح سے کسی وقت نہ جاسکینگے - جو ملنا چاہیں - آکر حسب قواعد مل سکتے ہیں ۔

جو بچے خرچ برداشت کرسکتے ہیں - ان سے ۱۵ روپے ماہوار بابت کل خرچ علاوہ لباس لیا جائے گا - اور ان کو ۱۵ ستمبر سے ۱۴ اکتوبر تک ایک ماہ کی تعطیل میں گھر جانے کی اجازت ہوگی - اور زمانہ تعطیل کی فیس ہٹے ہوگی - کل فیس ہر حالت میں پیشگی ہوگی ۔

لڑکوں کی عمر بوقت داخلہ ۱۲ سال اور لڑکیوں کی عمر ۹ سال سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے - اور نہ پانچسال سے کم ہو ۔

یہ خدمت میں کرسکتا ہوں - اور اس کے علاوہ قریش اور مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی اصلاح کی ہر خدمت کو حتی الامکان حاضر ہوں - قریش کی تحریکات کے اعلانوں کو اپنے رسالہ "الفلاح" میں بھی جگہ دے سکتا ہوں ۔

مجھ کو تنظیم قریش سے بہت خوشی ہوئی - لیکن یہ امر استفسار طلب ہے - کہ صورت تنظیم کیا ہوگی؟ اور ندوۃ القریش نے اس کی کوئی اسکیم تیار کی ہے - تو وہ شائع ہونی چاہیئے - میرے خیال میں جب تک اسکیم تیار ہوکر اس پر بحث و تمحیص نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا اقدام تحصیل حاصل ہوگا - اول ایک کمیٹی اسکیم کو مرتب کرے - پھر مجلس ندوہ اس پر غور و بحث کر کے ترمیم وغیرہ کے بعد پاس کرے - اور پھر یہ ندوہ کے جلسہ عام میں پیش ہو تاکہ بعد کو عذر باقی نہ رہے - اس کے بعد ایک تنظیم کمیٹی بنا کر اس کے سپرد کر دیجائے - کہ وہ عملی جامہ پہنائے - امید ہے - کہ نتیجہ برآمد ہو - فقط "

(آپ کے اس ایثار و ہمدردی کا شکریہ ہے - قوم کو آپ کی اس قسم کی امداد کی جس کا ذکر آپ نے اپنی مندرجہ صدر سطور میں کیا ہے - ضرورت ہو - تو بے تکلف مستفید ہوسکتے ہیں - خدا آپ کو جزائے نیک دے! ایڈیٹر)

(۲)

"القریش کی توسیع اشاعت کے متعلق مکرمی پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی تحریر فرماتے ہیں - کہ " مخدومی سجاد حیدر صاحب اور قاضی نظیر حسین صاحب کی تجاویز نہایت انسب ہیں ۔ البتہ اس قدر ترمیم ہونی چاہیئے کہ تعداد بیس مقرر نہ کی جائے - بلکہ ہر وہ درد مند قوم و بہی خواہ "القریش" مجلس ترقی اشاعت کا ممبر ہو - سلسلہ سیدات بھیجدی جائیں ۔"

محترم قاضی نظیر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"مکرم سجاد حیدر صاحب کی تجویز سے مجھے کلی اتفاق ہے۔ ان کی تجویز کے مطابق بیس ممبران مجلس ترقی اشاعت میں میرا نام بھی درج فرمایئے میری تجویز کے مقابلہ میں ان کی تجویز زیادہ موزون پائی جاتی ہے "القریش" کے جب تک اکیہزار خریدار نہ ہو جائیں۔ اطمینان نہیں ہو سکتا۔ قوم کا جمود و خمود مسلمہ ہونے کے باوجود چہ تواں کرد۔ مردماں ایں اند۔ لہذا بہمیں مردماں بباید ساخت۔"

مولانا فخر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"القریش کی خدمات نہایت وقیع قابل قدر اور اس قدر لائق تحسین ہیں۔ کہ ان کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ قوم تسلیم کر چکی ہے کہ "القریش" نے ان کے لئے کیا کچھ کیا۔ مگر افسوس ہے کہ قدردانی کا بازار سرد اور متاع صلہ گراں۔ ہمیشہ مالی کمزوری کا رونا کس قدر رنج کا مقام ہے میں چاہتا ہوں۔ کہ قوم میں اسقدر احساس ہو۔ کہ "القریش" ہر بالغ فرد قوم کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اتنا نہیں۔ تو یہ تو ضرور ہونا چاہئے۔ کہ ہر ناظر و ہر خریدار وسعت اشاعت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے ہر تقریب پر "القریش" کو یاد رکھا جائے۔ اگر یہ نہیں۔ تو رسیدات کا اجرا کچھ مفید نہیں!۔ بس ایک آدھ دن خیال ہوگا۔ اور پھر رسیدات طاقچہ میں پڑی سڑتی رہیں گی۔ بھائیو! کام کرنا ہو۔ تو ہمت و استقلال، محبت و جوش اور خلوص و درد کے ساتھ کرو۔"

(یہ حقیقت ہے۔ فی الحقیقت خلوص و درد اور استقلال و ثبات قدمی کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ قوم میں کچھ احساس ہوتا۔ تو رونا کس بات کا تھا۔ "القریش" قومی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کسی صلہ کی خواہش نہیں۔ ہاں اگر قوم توجہ کرے۔ تو وسعت اشاعت میں خادم و مخدوم دونوں کی بہتری ہے۔ ایڈیٹر)

پیرزادہ قریشی فضل علی صاحب ایڈیٹر جریدہ "انصاف" تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"القریش" معنوی حیثیت میں قریش کا مشیر و رہنما (خادم۔ ایڈیٹر) ہے۔ اس کی خدمات، جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ شمالی پنجاب میں وجہ معلوم نہیں کیوں رسالہ کم آتا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے حالات کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ میں بوثوق آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس علاقہ کا ہر قریشی بھائی "القریش" کا خریدار و معاون ہوگا۔ کوشش کر رہا ہوں۔ پتہ ذیل پر جریدہ فریدہ جاری کر دیں۔ زر چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال ہوگا۔"

(حوصلہ افزائی اور توجہ فرمائی کا مشکور ہوں معاف فرمایئے اعتراف خدمات زبانی وعدوں کی حد سے نکلکر اگر عملی صورت میں آجائے۔ تو لطف ہے۔ کوشش فرمایئے۔ کہ آپ کے علاقہ کی قریشی برادری اپنے قومی آرگن کی ممد و معاون ہو۔ رسالہ جاری کر دیا گیا۔ ایڈیٹر)

(۳)

حسب ذیل بہی خواہان "مجلس ترقی اشاعت" کے ممبر تجویز کئے گئے ہیں۔ ان حضرات کی حمیت قومی اور علم دوستی سے توقع کی گئی ہے۔ کہ وہ اس قومی فریضہ کی انجام دہی کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاکر کارپردازان "القریش" کے تشکر و امتنان کا موجب ہوں گے۔ وباللہ التوفیق!

(۱) سید ظفر ہاشمی صاحب؛
(۲) "حافظ نسب رسولؐ" قاضی نظیر حسین صاحب فاروقی؛
(۳) قاضی خورشید عالم صاحب فاروقی سٹیشن ماسٹر
(۴) حضرت شاکر صدیقی؛
(۵) " قاضی شاہ ولی صاحب صدیقی۔ وکیل؛
(۶) ڈاکٹر محبوب عالم صاحب صدیقی؛

(۷) پیر علی اصغر صاحب ڈپٹی کلکٹر ؛

(۸) پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی ؛

(۹) قریشی فقیر محمد صاحب پنشنر ؛

(۱۰) قریشی عطا محمد صاحب رئیس۔ سرانواں ؛

(۱۱) ماسٹر مولوی محمد شاہ صاحب ؛

(۱۲) صوفی پیر عبدالغنی صاحب

(۱۳) مولانا قریشی امام الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ؛

(۱۴) صوبیدار ڈاکٹر غلام حسین صاحب قریشی ؛

(۱۵) شیخ غلام حسن صاحب رئیس ہریہ ؛

(۱۶) قاضی مظفر الدین صاحب متین ؛

(۱۷) قریشی سردار علی صاحب انسپکٹر ؛

(۱۸) قریشی فضل حسین صاحب سب اوورسیر ؛

(۱۹) ڈاکٹر احمد علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن ؛

(۲۰) ڈاکٹر عبدالکریم صاحب اسسٹنٹ سرجن ؛

بس معزین کا یہ پہلا گروپ ہے۔ اور ہر سہ ماہی پر انشاء اللہ تعالےٰ نیا گروپ تجویز کر دیا جایا کرے گا۔ مندرجہ صدر حضرات بڑا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ پہلی سہ ماہی میں جو یکم جنوری سے شروع ہو جائیگی یہ صاحبان معاونین کی ایک کافی تعداد "القریش" کو بہم پہنچانے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اگر توجہ کی جائے۔ تو اس عرصہ میں پانسو نئے خریداران کا مل جانا کچھ مشکل نہیں۔ جن حضرات کو رسیدات کی ضرورت ہو۔ طلب فرمالیں ؛

(۴)

سرورق کے ڈیزائن سے متعلقہ خطوط ؛ مولانا شاکر صدیقی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ :۔

"القریش" کا سرورق میری رائے میں یہی اچھا ہے۔ جو ماہ نومبر ۱۹۳۱ء کے "القریش" کا ہے۔ "ہم خرما و ہم ثواب"۔ مجھے یہ سرورق دوسرے جرائد کے رنگین اوراق سے بہتر معلوم ہوتا ہے ؛

پیر علی احمد صاحب فریدی چشتی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سرورق کو زیادہ خوشنما اور رنگین بنانے کی نسبت سادہ رکھا جائے۔ تو بہتر ہے۔ جو رقم ڈیزائن پر صرف ہوگی۔ وہ کوئی دوسری ضرورت پوری کرے گی۔ اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے ؛

(۵)

قریشی محمد نذیر صاحب صدیقی۔ توجہ فرمائی کا شکریہ۔ امید ہے۔ کہ آپ اپنے آرگن کی ہر ممکن طریق سے امداد و اعانت کریں گے۔ بحالت موجودہ "القریش" کو مالی امداد کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کو ترقی اشاعت کی طرف توجہ دینی چاہیئے ؛

مولوی عبدالقادر صاحب۔ مولوی فتح محمد صاحب۔ مولوی حرمت علی صاحب۔ آپ کے ہمدردانہ خطوط کا شکریہ ہے۔ توسیع اشاعت میں امداد کرنا آپ کا قومی فرض ہے۔

مخدوم محمد الدین صاحب۔ ترسیل چندہ کا مشکور ہوں۔ اپنے قومی آرگن کی اعانت کا خیال رکھئے ؛

(۶)

احباب ذیل نے جنوری آئندہ سے "القریش" کی اعانت قبول فرمائی : ۔

(۱) قریشی محمد یٰسین صاحب ؛

(۲) پیر انوار حسین صاحب صدیقی ؛

(۳) قریشی فضل الٰہی صاحب ؛

(۴) مولوی محمد سید عالم صاحب فاروقی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ آپ نے ۱۹۳۲ء کا چندہ بھی بذریعہ منی آرڈر ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء ؛

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَام

النّجات

(گذشتہ سے پیوستہ)

پہلا باب

ایمان

آنحضرت صلعم کی ساری عمر مبارک ترسٹھ ۶۳ سال کی تھی۔ جن میں سے پہلے چالیس ۴۰ سال تو بطور مقدمۂ خدمات نبوت ہیں۔ اور باقیماندہ تیئیس سال میں سے نبوت کے ابتدائی تیرہ سال قیام مکہ معظمہ ایسے گراں اور ناگوار سختی کے گذرے۔ کہ الامان! دوست تو در کنار دشمن بھی لرز اُٹھتے ہیں۔ اس عرصہ میں آپ ہرگز آزادانہ اور کھلم کھلا احکام الٰہی کی تبلیغ نہ فرما سکے۔ بلکہ کفار مکہ کی سخت مخالفت کے سبب آپ کو معہ پیروان خود وطنِ مالوف چھوڑنا ہی پڑا۔ اور مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جو کہ ایک دور و دراز کے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔ جا ٹھہرے۔ اور وہاں ہی پر مستقل سکونت اختیار فرمائی؛

اب باقی صرف دس سال ہی کی زندگی ہے۔ کہ جس کے اندر آپ نے نبوت جیسے مہتم بالشان عہدہ کی تکمیل اور تبلیغ۔ سیاست تعلیم حق اللہ۔ تعلیم حق العباد۔ لوازمات خانہ داری مختلف قوانین اور ضابطے۔ تصفیہ تنازعات۔ غزوات وغیرہ وغیرہ وہ امور طے فرما دیئے۔ کہ جن کی نظیر ہرگز زمانہ پیش نہیں کر سکتا۔ ع شاہان جہان اند گدایان محمدؐ؛ طرفہ یہ کہ اس قلیل عرصہ دس سالہ کے اندر وہ راتیں بھی نصف کے قریب شامل ہیں۔ جو فطرتاً آرام کے لئے ستۂ ضروریہ میں سے ہیں۔ ایک بزرگوار شاعر نے خدا ان پر رحمت کرے۔ کیسا اچھا نوٹو کھینچا ہے ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

خطاکار سے درگذر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنیوالا
مفاسد کے زیر و زبر کرنے والا ۔۔۔ قبائل کے شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ تھا جہل قرنوں سے چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے
صلی اللہ علیہ وسلم

رہی یہ بات کہ مرکر پھر اٹھنا اور قیامت جو محض ایک ڈرنا ہی ڈرنا ہے۔ کیا خدائے غالب و برتر کو یہ کچھ مشکل تھا۔ کہ اپنے بندوں کو بدوں کسی ڈر کے راہ راست پر چلا لیتا؟

افسوس کہ ہم لوگ اپنی ابتدا کو بھول جاتے ہیں۔ پہلے بھی تو اس نے ہمیں کہیں نہ کہیں سے بنا ہی کھڑا کیا۔ اگر اب بھی مرنے کے بعد وہ ہمیں بنا کھڑا کرے۔ تو کونسا اعجاب ہے۔ یا اس قدیر و جلیل کے لئے کونسی مشکل مہم اور تردد کی بات ہے۔ واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

اسی طرح سے قیامت کا قائم ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ محض ڈرنا ہی ڈرنا نہیں۔ بعد از موت کہیں نہ کہیں تو ہمارا تعلق ضرور ہوگا۔ جیسا کہ ہم ہمیشہ سے کہیں نہ کہیں تعلق رکھنے کے عادی اور پکے خوگر ہیں۔ مثلاً کمین۔ پشت پدر۔ شکم مادر۔ تولید۔ رضاعت۔ صبیت۔ رشد۔ بلوغ۔ شباب۔ کہول۔ شیخوخیت۔ صحت۔ سقم۔ خواب۔ یقظہ۔ بیداری۔ رنج۔ راحت۔ غصہ۔ حلم۔ حیات۔ ممات وغیرہ وغیرہ ہمارے ہر آن واحد کے تعلقات کے بیّن شاہد ہیں۔

الغرض بدوں تعلق تو ہم دم بھر بھی کہیں رہنے کے نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جب دنیا کا رخ ادھر سے ادھر ہو جائے گا۔ تو میدان محشر کی گرم بازاری کا وقت بھی آ موجود ہوگا۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ ہم اس وقت اپنے کئے کی جزا و سزا کو پہنچ جائیں گے۔ اور ضرور ہی پہنچ جائیں گے۔ ع۔ ہر کردہ سزائے و ہر عمل جزائے دارد۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۰ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۰ س

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

مثلاً ہم مدتوں پہلے ایک امتحان کی تیاری شروع کرتے ہیں۔ اور بڑی سرگرمی اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ

امتحان کا وقت آپہنچتا ہے۔ اور ہم فوراً خالی ہاتھ جا شامل ہوتے ہیں۔ یعنے کوئی سامان سوائے ضبطِ عمل کے کہ جو تیاری کے وقت جمع کر رکھا ہے۔ ساتھ نہیں لے جاتے ہیں۔ آخر کو ہم بعد فراغِ امتحان نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور کامیاب ہو کر نہایت بشاشت اور مسرت سے چین اڑاتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر نتیجہ برآمد ہونے پر ناکامیاب رہے۔ تو سخت رنج و الم برداشت کرتے ہیں۔ اور تیاری امتحان کی تکلیفوں کو یاد کر کے تمام عمر روتے ہوئے گذارتے ہیں۔

اب غور کرنے کی بات ہے۔ کہ زندگی تو دونوں بسر کر رہے ہیں۔ مگر دونوں کے بسر اوقات میں کتنا بڑا فرق ہے۔ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا ؎

زندگی درگردن افتادست بیدلؔ چارہ نیست ۔۔۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

پاس شدہ تو حکومت کی کرسی پر پنکھے کے نیچے ٹھنڈے ٹھنڈے سایوں میں چھنکاؤ (چھڑکاؤ) کرائے ہوئے اور باغوں کے اندر کوٹھی سمائے ہوئے رنگارنگ پھولوں کے بیل بوٹے لگائے ہوئے فرش و فروش بچھائے ہوئے اتنا کثرت سے کما رہا ہے۔ کہ اس ایک کے سہارے بیسیوں بیکار بیٹھے بٹھائے بہ آرام تمام عمدہ طرح سے خوش گذران کر رہے ہیں۔ اگر وہ ذرا سی بھی نظر اٹھائے تو کوئی ایک نوکر چاکر بجا آوری خدمت کے لئے کمربستہ اور مستعدانہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ گویا ایک اشارہ کی انتظار ہے۔ ورنہ اور کوئی دیر و درنگ نہیں۔ قولہ تعالٰے۔ ان للمتقین مفازاً حدائق واعناباً وکواعب اتراباً وکاساً دھاقاً ط

مگر ادھر بیچارا فیل شدہ ہے۔ کہ ملازمت تو بدوں پاس کئے کسی امتحان کے ملتی نہیں۔ اور جو کچھ کہ پہلے کا اندوختہ تھا۔ وہ باضافہ قرضہ تیاری امتحان کی نذر ہو چکا۔ اب کرے تو کیا کرے۔ قرضخواہ الگ ستاتے ہیں۔ اور بیوی بچے الگ۔ قہرِ درویش برجانِ درویش! ؎

نکل گھر سے لی صاف جنگل کی راہ ۔۔۔ نہ شدھ بدھ کی لی اور منگل کی راہ

تن بہ تقدیر تلاشِ معاش میں گھر سے باہر قدم اٹھاتا ہے۔ گرمی کا موسم اور دوپہر کی سخت کڑی دھوپ میں لو وزان۔ یہ بیچارا بیابانوں کے اندر ریگ کے ٹیلوں اور پہاڑ کی چوٹیوں کو طے کرتا ہوا مارے مارے بحالتِ کس مپرسی پھر رہا ہے۔ کپڑے بوسیدہ ہو رہے ہیں کہ کوئی نزدیک تک آنے نہیں دیتا۔ اس لئے کہ مبادا یہ کوئی بدرویہ آدمی ہو۔ اور کوئی آفت لا ڈالے۔ اگر خدا خدا کر کے دن بھر میں دو چار آنے مزدوری سے کما بھی لئے۔ تو بصد مشکل دو وقتہ ما یحتاج کے دور کرنے میں صرف کر لئے اور رات کسی مسافرخانے میں کھٹملوں کے کاٹتے ہوئے اور پہرے والوں کے ٹوکتے ہوئے بسر کر لی۔ صبح ہوتے ہی اٹھا۔ اور روٹی کا نام لیتے ہی کہ ؎

اے حضرتِ آفتاب روٹی ۔۔۔ عالم از بہرِ تو لوٹ پوٹی

کل والی گھاٹیوں میں بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا کہتا ہوا اتر پڑا۔ اس وقت ایک نو سالہ اور آزردہ لہجہ میں خداوند کریم کے حضور دلِ پر درد سے پکارتا ہے۔ ع در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشتِ مارا۔

قولہ تعالٰے۔ انّ جہنم کانت مرصاداً للطغین ماٰباً لٰبثین فیہا احقاباً ثم لا یموت فیہا ولا یحیٰی ط

(باقی باقی)

میری سرگذشت

نمبر (۱۳)

۱۴ مارچ ۱۸۹۶ء سے لے کر ۱۵ نومبر ۱۸۹۷ء تک علاقہ تھا لاوان ہائے سراوان اور کچھی کے جن حصص سے میرا گذر ہوا۔ اور جن جن مشہور مقامات کو میں نے دیکھا۔ وہاں عرب حکومت کے نشانات کو کسی نہ کسی رنگ میں موجود پایا۔

عربوں کے تمدن کو اگر بنظر تعمق دیکھا جائے۔ تو دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو انہوں نے اپنے تمدن کو مفتوحہ ملک میں پوری طرح سے جما دیا جیسا کہ مصر میں۔ یا یہ کہ انہوں نے ملک کے پرانے تمدن کو اپنے تمدن کے ساتھ ملا لیا جیسا کہ ہندوستان میں۔

لیکن ایران۔ افغانستان۔ بلوچستان اور سندھ میں جو اثر ہوا۔ وہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ ان ممالک کی قدیم اقوام نے عربوں کی صحبت سے متاثر ہو کر ان کے مذہب ہی کو نہیں۔ بلکہ ان کے قانون۔ طرز لباس۔ طریقہ تعمیر۔ مہمان نوازی و پناہ دہی۔ طرز بود و باند اور تمدن و معاشرت کو بھی اختیار کر لیا۔ جو اب تک ایک حد تک ان میں رائج چلا آتا ہے۔ البتہ عربی زبان بمثل مصر اور اندلس ان ممالک میں عام زبان نہ ہوئی۔ لیکن پھر بھی وہ ایک معقول حد تک ان ملکوں میں رائج رہی۔ اور اس کی حالت ان ممالک میں بجنسہ ایسی ہی رہی۔ جیسا کہ ازمنہ متوسط کے یورپ میں لاطینی زبان کی تھی۔ کیونکہ آج بھی سرزمین ایشیا کے ان حصص میں فقہ اور حدیث کی تحصیل عربی زبان ہی میں کی جاتی ہے۔

یہ مسلم ہے۔ کہ تین سو سال تک اہل عرب کا تعلق (بشمول سندھ) بلوچستان سے رہا۔ اور فتح سندھ کے بعد جس کی حد اس وقت مشرق کی طرف کشمیر تک اور مغرب کی طرف بحر ہند تک تھی۔ عربوں نے انفصال مقدمات کے لئے جو دستور العمل جاری کیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ اہل اسلام کے مقدمات شرع کے موافق قاضی فیصل کرتا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو معاملات اور تنازعات ہوتے۔ ان کو بھی قاضی ہی شرع کے مطابق چکاتا۔ البتہ ہندوؤں کے درمیان جو جھگڑے۔ زنا کاری۔ وراثت۔ لین دین اور معاہدہ وغیرہ کے متعلق ہوتے۔ ان میں پنچایت مقرر ہو کر تصفیہ پاتے۔

عرب حکومت کے اصول حکمرانی کی یہ یادگار علاقہ کچھی میں موجود ہے۔ جہاں اس دستور العمل پر اب تک عملدرآمد کیا جا رہا ہے۔

خلافت بغداد جب بنو امیہ سے بنو عباس پر منتقل ہو گئی۔ تو خلفائے عباسیہ کو کاشتکاروں کی آسائش کا بہت خیال تھا۔ اور ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی اکثر کوشش کی جاتی تھی۔ چنانچہ منصور نے گندم اور جو کی بجائے نقد مالیہ لینے کے طریق کو منسوخ کر دیا۔ اور مقاسمہ یعنی بٹائی کا طریقہ جاری کیا۔ جس سے فصل کی پیداوار کا ایک حصہ زر لگان کی بجائے لیا جاتا۔ البتہ کم حیثیت پیداواروں کھجور اور پھلدار درختوں پر بدستور سابق روپیہ لینے کا طریقہ جاری رہا۔

مہدی نے حکم دیا۔ کہ سرکاری حصہ واقعی پیداوار کے مطابق لیا جائے۔ چنانچہ جہاں زمین سرسبز و شاداب ہوتی۔ اور کاشتکار کو زیادہ محنت و مشقت نہ کرنی پڑتی۔ تو پیداوار کا نصف حصہ لیا جاتا۔

جہاں زمین کے آبپاشی کرنے میں تکلیف اٹھانی پڑتی۔ تو تیسرا حصہ۔ جہاں زیادہ تکلیف اور محنت کرنی پڑتی۔ وہاں چوتھا حصہ اور بعض حالتوں میں پانچواں حصہ۔

انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کے باغات پر نقد محصول لگایا جاتا۔ مامون نے ۲۰۰ھ میں محصول اراضی میں تخفیف کر کے اعلیٰ زمین کا محصول نصف پیداوار کی بجائے ⅖ کر دیا ۔

مگر وہ ممالک جن پر فتح کے وقت باہمی رضامندی سے مقررہ دائمی خراج لگ چکا تھا۔ وہ تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ اور وہاں کے دہقان اور کاشتکار بہت فائدہ میں رہتے تھے۔

ان تمام متذکرہ بالا اقسام کی سشرح بٹائی کے نظائر اب تک علاقہ کچھی میں موجود ہیں۔ اور ان کے مطابق عملدرآمد ہو رہا ہے۔ مقررہ دائمی خراج جس کو "زری کلنگ" اور مشخصہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا عملدرآمد اب تک علاقہ نیابت مستونگ کی بعض کاریزات پر جاری ہے۔ اور یہ سب کچھ خلفائے عباسیہ کے عہد حکومت کی یادگار ہے ۔

نقد روپیہ کی بجائے بٹائی زمیندارہ کے حق میں اس لئے زیادہ مفید ہے۔ کہ پیداوار کے مطابق ہی حصہ لیا جاتا ہے۔ اور وہ خشکابہ اراضیات جن کی سیرابی بارانی پانی پر ہی انحصار رکھتی ہو خشک سالی کے ایام میں ادائگی مالیہ سے مستثنیٰ رہتی ہیں ۔

اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ ان کا اصول تھا۔ کہ ملک میں جو با اثر امرا سپہگری کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں۔ جن کے محاصل سے جاگیردار فائدہ اٹھاتے۔ اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ ان سے یہ عہد لیا جاتا تھا۔ کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج جس کی خاص تعداد معین ہوتی تھی۔ لے کر حاضر ہو جائیں گے ۔

اس فوجی اصول کا نام "فیوڈل سسٹم" تھا۔ اور یہ طریقہ یونان روما انگلینڈ اور ایران میں جاری تھا۔ لیکن اصول سیاست کے لحاظ سے یہ انتظام غیر مکمل تھا۔ اس لئے کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر سلطنت کی تباہی کا باعث ہو جاتے جس کی نظیر روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر پرانا زمانہ متروک ہے۔ لیکن بلوچستان کے علاقہ ہائے سراوان۔ جھالاوان اور کچھی میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران تک یہ طریقہ جاری رہا۔ چنانچہ سرداران اقوام بروہی کو جنگی خدمات کے لحاظ سے خوانین سے جو جاگیرات دی گئیں۔ وہ کلیتہً جاگیرداروں ہی کے زیر نظم ونسق ہیں۔ اور وہی ان سے بٹائی لیتے ہیں۔ گویا ایک حکومت میں اس طرح پر کئی اور بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں۔ جو ایک خطرناک سیاسی غلطی کہی جا سکتی ہے ۔

چند گذشتہ واقعات اس بات کے مظہر ہیں۔ کہ بعض سرداران اقوام کے دلوں میں نہ تو کوئی قومی درد ہی تھا۔ اور نہ کوئی باہمی پائدار اتحاد۔ اس لئے اپنی اپنی رقابتوں اور دشمنیوں کی بنا پر موجودہ خان قلات کے والد ماجد میر خداداد خان (معزول شدہ) کی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دینے میں انہی سرداروں اور جاگیرداروں کی خودسری و سرکشی کا بھی بہت کچھ دخل تھا ۔

گاجان سے براہ درہ مولہ علاقہ زہری کو جاتے ہوئے جن مقامات کو جاتے ہوئے میرا گذر ہوا۔ وہ بقرار ذیل ہیں۔ (۱) کوٹڑہ۔ یہ چار گاؤں کا مجموعہ ہے۔ (۲) کوٹڑہ میر کرم خان ایلتازئی۔ ۱۹ مارچ ۱۸۹۴ء کو پہلی مرتبہ زہری کو جاتے ہوئے مجھے اسی کوٹڑہ میں میر کرم خان سے ملاقات کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ آپ ریشمی لباس میں ملبوس تھے۔ اور چند ایک حاشیہ نشین آپ کے اردگرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔ آپ نے قہوہ سے مہمان نوازی کی تھی۔ اور بہت اخلاق سے پیش آئے تھے۔ (۳) کوٹڑہ بی بی فتح خاتون۔ عفت پناہ بی بی صاحبہ

ایک قابل خاتون ہیں۔ اور میر خداداد خان صاحب معزول خانِ قلات کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔ (۴) کوٹڑہ میر گوہر خان ایلتازئی۔ میر کرم خان اور میر گوہر خان حقیقی بھائی ہیں۔ اور بی بی فتح خاتون کے فرزند ؛

ہزہائی نس سر میر محمود خان احمدزئی والئے قلات کی والدہ ماجدہ عصمت پناہ بی بی اللہ رکھی اسی خاندان ایلتازئی سے ہیں لیکن ان دونو خاندانوں کا آپس میں کافی اتفاق نہیں ہے ؛

کوٹڑہ کے اردگرد پیپل کے درخت ہیں۔ اور ایک خوشنما باغ بھی۔ جس میں آم بکثرت ہیں۔ یہاں دوپن چکیاں بھی دیکھیں۔ آبپاشی کا مستقل ذریعہ پیر چھتہ کا چشمہ ہے خضدار یا زیدی کو جاتے ہوئے سامان رسد خرید کرنے کے لئے یہ عمدہ اور آخری مقام ہے۔

(۲) پیر چھتہ۔ جو کوٹڑہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی وادی ہے۔ کھجور کے درختوں کی کثرت کے لحاظ سے اس مقام کا نظارہ اسی قسم کا ہے۔ جیسا کہ مکران میں پایا جاتا ہے۔ سیدوں کا ایک خاندان مدت سے یہاں رہتا ہے۔ جو مزار کا انچارج ہے۔ مزار کے نزدیک پانی کے چند عمدہ چشمے ہیں۔ اور جہاں سے چشمے نکلتے ہیں۔ وہاں مچھلیوں سے بھرا ہوا ایک تالاب ہے جس میں ہلکے سیاہ رنگ کی دھاریوں والی۔ سرخ دُموں والی۔ سلیٹی رنگ کی اور سیاہی مائل رنگ کی بڑے سروں والی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ جب مچھلیوں کو کچھ کھلانے کا وقت آتا ہے۔ تو پانی میں پھینکی ہوئی خوراک کے پیچھے ان کا تیزی کے ساتھ دوڑنا قابل دید نظارہ پیدا کرتا ہے۔ کھجوروں کی پختگی کے موسم میں یہاں ایک چھوٹا سا میلہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں اردگرد کے ہندو اور مسلمان جمع ہوتے ہیں ؛

(قاضی نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ)

اُردو اکاڈمی جامعہ ملیہ دہلی

جامعہ ملیہ کے مقاصد میں علمی تحقیق اور اشاعت علوم ایک بہت اہم مقصد ہے۔ اسکا جو وسیع اور مکمل نظام ارباب جامعہ کے پیش نظر ہے۔ اسے عمل میں لانے کے لئے بہتر زمانہ کا انتظار ہے۔ تاہم وہ شاندار علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا ارباب علم کا فرض ہے۔ کہ وہ جامعہ کی اکادمی کے رکن بنکر منتظمین کی ہمت افزائی فرمائیں۔

مختصر قواعد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ اکادمی ہندوستان کی ان علمی انجمنوں اور ناشروں کے ساتھ اتحاد عمل رکھتی ہے۔ جو اردو زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور ان کی قابل قدر کتابوں کی اشاعت میں حسب مقدور مدد کرتی ہے۔

۲۔ اکادمی کی طرف سے ایک علمی رسالہ "جامعہ" اور ایک تعلیمی رسالہ "پیام تعلیم" شائع ہوتا ہے ؛

۳۔ اکادمی کے رکن وہ حضرات ہو سکتے ہیں۔ جو چوبیس روپیہ سال پیشگی ادا کریں۔ یا یہ رقم کم از کم چھ چھ روپیوں کی چار قسطوں میں پیشگی ادا کردیں ؛

۴۔ ارکان کی خدمت میں ہر سال چوبیس روپے کی کتابیں پیش کیجائینگی۔ اور "جامعہ" اور "پیام تعلیم" جنکا مجموعی چندہ ۹ روپیہ سالانہ ہے۔ بلا قیمت نذر کئے جائینگے

۵۔ اکاڈمی کی فہرست اور تازہ مطبوعات ان کی خدمت میں فوراً روانہ کردی جائینگی ؛

۶۔ دوسری علمی انجمنوں اور مختلف ناشروں کی طرف سے شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست بھیجکر ارکان سے درخواست کیجائیگی۔ کہ ان میں سے اتنی کتابیں منتخب فرمائیں اکادمی کی کتابوں سے ملکر چوبیس روپے سے زیادہ کی نہ ہوں۔ یہ کتابیں بھی موصول ہونے پر فوراً ارکان کی خدمت میں روانہ کی جائیں گی۔

واقعات و حوادث

چغہ مبارک

پیرس کے ایک عجائب گھر میں آنحضرتؐ کا چغہ مبارک دکھایا گیا۔ اخبار "مارننگ پوسٹ" (پیرس) کا مدیر لکھتا ہے۔ کہ:۔

"یہ ایک نہایت ہی خوبصورت اور حیرت انگیز چیز ہے۔ جس کی ساخت نے ارباب حل وعقد کو سرگرداں اور پریشان کر دیا ہے یقیناً یہ وہ چغہ ہے۔ جسے آنحضرتؐ نے استعمال میں لانے کا شرف بخشا تھا۔ یہ ایک چھوٹا اور چمکیلے رنگ کا قلمکار چغہ ہے جو نہ سوت کا ہے۔ نہ ریشم کا۔ اور نہ اُون کا۔ بعض محققین کا خیال ہے۔ کہ یہ مصر کی ایک ایسی پیداوار سے بنایا گیا تھا جس کا عنصر تیرہویں صدی سے مفقود ہے بعض کا خیال ہے۔ کہ کسی آبی جانور کے پوست کے چھلکوں سے بنا ہے"

سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے۔ کہ اس میں سارے کا سارا قرآن شریف الحمد سے لیکر والناس تک لکھا ہوا ہے۔ معتقد اہل الرائے وثوق سے کہتے ہیں۔ کہ یہ تحفہ آنحضرتؐ کو سنہ ۶ھ میں مصر کے ایک گورنر نے بھیجا تھا۔ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد یہ چغہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس رہا جو بوقت رحلت اپنے لخت جگر حضرت حسین علیہ السلام کے پاس چھوڑ گئے۔ وہ شہادت کے وقت کربلا کے مقام پر یہی چغہ پہنے ہوئے تھے چنانچہ چغہ کا اگلا حصہ کسی ہتھیار سے پھٹا ہوا ہے۔ اور اس پر خون کے داغ بھی نمایاں ہیں۔ ان کی شہادت کے بعد یہ چغہ مدینہ منورہ میں تبرکاً پشتوں تک محفوظ رہا۔ جس وقت مدینہ منورہ کو آگ لگائی۔ تو یقیناً یہ نادر تحفہ بھی نذر آتش ہو جاتا۔ مگر خوش قسمتی سے ایک فرانسیسی سیاح نے دوران سیاحت میں اسے آگ کی زد سے بچالیا۔ یہ چغہ ابھی تک اس کے خاندان کے افراد کے پاس موجود ہے۔ جس کی زیارت کے لئے دور دراز سے لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت پیرس میں آرہے ہیں۔ (رسول بخش ہیڈ ماسٹر تونسہ شریف)

برکات عثمانی

دور عثمانی میں حیدرآباد دکن عروج و ارتقا کی منزلیں کس تیزگامی کے ساتھ طے کر رہا ہے۔ اخبار بین حضرات اس سے خوب واقف ہیں۔ اور کسی شرح وبسط کی ضرورت نہیں۔ اصلاحات کے نفاذ، عدل و انصاف، رعایا نوازی و غریب پروری کے ماسوا معارف و علوم کی ضیا باریوں سے قلمرو بلقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ اور علمی ترقیاں روز افزوں ہیں اور آئے دن نئی صنعت اور نئی اختراع کے لئے کوششیں جاری و ساری رہتی ہیں۔ اردو ٹائپ کے تجربہ پر زر کثیر صرف کرنے کے بعد یہ عقدہ لاینحل حل کر لیا گیا ہے۔ اور بہترین اردو ٹائپ تیار ہو گیا ہے یقین کیا جاتا ہے۔ کہ اس ایجاد نو سے علمی دنیا کو بہترین مفاد ہوں گے۔

اردو کا نستعلیق ٹائپ انگلستان، مصر، سائبیریا اور ہندوستان میں اس وقت تک سو قسم کا تیار ہوا۔ لیکن ناتمام رہا۔ اب حضور نظام کی خسروانہ توجہ سے یہ سعی کامیاب ہوئی۔ اور ناممکن سی چیز ممکن ہو گئی۔ حضور نظام عالی مقام کا زبان اردو پر یہ ایک اور عظیم الشان احسان ہے۔

وظیفہ میں گرانقدر اضافہ

اعلیحضرت حضور نظام نے سابق خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید خان کے وظیفہ میں جو بقدر تین صد پاؤنڈ

ماہوار تھا۔ ایک ہزار پاؤنڈ کردیا ہے ؛

بلائے بے درماں

ہائی کورٹ میں سود در سود کا ایک عجیب و غریب مقدمہ پیش ہے۔ جسکی نوعیت حسب ذیل ہے :۔
آج سے انچاس سال پیشتر ۱۸۸۲ء میں کسی مسلمان نے ایک قطعہ زمین پانسو روپے میں ایک ہندو ساہوکار کے پاس رہن کردیا۔ ۱۹۳۱ء میں ساہوکار صاحب نے حساب لگایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس پانسو کی رقم پر ڈھائی لاکھ روپیہ سود المضاعف ہوچکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مقروض پر دو لاکھ پچاس ہزار پانسو روپے کا دیوانی دعویٰ دائر کردیا۔ ماتحت عدالتوں سے فیصلہ ہوچکا ہے۔ اب یہ مقدمہ ہائیکورٹ کی منزل میں ہے۔ دیکھیں کیا فیصلہ ہوتا ہے ؟ پانسو اصل اور ڈھائی لاکھ سود۔ یہ ہے قرض اور اس پر سود کا نتیجہ۔ ان عاقبت نااندیشیوں نے ہزارہا خاندان بے خانماں کردئیے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

بہی خواہان وطن سے

گول میز کانفرنس آخر خود غرضیوں کا شکار ہوگئی۔ اس کا شیرازہ منتشر ہو کے رہ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ؛
سنا جاتا ہے کہ ان نامرادیوں۔ ناکامیوں اور تلخ تجربوں کے باوجود کانگرس پھر سول نافرمانی کا صور پھونکنے والی ہے۔ حکومت خود اختیاری اور آزادی کے بدل بیکاری و بے روزگاری ملی۔ ملک تباہی و بربادی کی منزل پر مایوسیوں سے ہمکنار ہے۔ اب کی سول نافرمانی دیکھیں کیا رنگ لاتی ہے ؟
مسٹر گاندھی اور حواریین کی نیت نیک ہوتی۔ تو دس سالہ کوششیں یوں اکارت نہ جاتیں۔ ہندوستان جو نہایت امن و چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ یوں پریشان حال نہ ہوتا۔ ہندوستانیوں کی غلطی اور فاش غلطی ہے۔ کہ انہوں نے بلا غور و تعمق بلا تفکر و تدبر اپنی قسمت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیدی جو حقیقتاً اس کے اہل نہ تھے۔ اگر ان امور پر بروقت غور کرلیا جاتا۔ تو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لہٰذا دانشمندان ملک اور بہی خواہان وطن سے ہمارا آخری اور قطعی مشورہ یہ ہے۔ کہ وہ قبل اس کے کہ عواقب نتائج پر غور نہ کرلیا جائے۔ کانگرس سے اشتراک عمل کرنے سے کلیتہً احتراز کریں۔ اور المجرب المجرب حلت بہ الندامتہ کے مصداق نہ ہوں ؛ ع

"آزمودہ را آزمودن جہل است"

محکمہ ڈاک کا تازہ چرکہ

لفافہ اور کارڈ کی قیمت میں اضافہ کی تجویز پچھلے دنوں اسمبلی میں مسترد ہوگئی تھی۔ لیکن اب پوسٹماسٹر جنرل کی طرف سے یکم دسمبر کو ایک اعلان شائع ہوا ہے۔ کہ پندرہ دسمبر سے اندرون ہند لفافہ پانچ پیسے اور پوسٹ کارڈ تین پیسے کا ہوگا۔ لفافہ اور کارڈ کی قیمتوں کے اس اضافہ سے جہاں ان کاروباریوں کو جن کے کام کا انحصار ہی ڈاک پر ہے۔ پریشان کن نقصان ہوگا۔ وہاں محکمہ ڈاک کو بھی کوئی معتدبہ فائدہ نہ ہوگا۔ اور محکمہ کے وقار و اعتماد میں کمی واقع ہوجائے گی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ پوسٹماسٹر صاحب جنرل اس فیصلہ پر غور مکرر کریں ؛

مطالبات

جن احباب کی خدمت میں ان کے مطالبہ پر "القریش" حاضر رہا ہے۔ وہ ازراہِ قومی حمیت حسب وعدہ زر چندہ کی ترسیل سے ہمارا مطالبہ پورا کر کے مشکور کریں ؛

جن احباب کے ذمہ رقوم واجب الادا ہیں۔ اور وہ جلد بھجوانے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ ہماری ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے واجب الادا رقوم بواپسی ڈاک بھجوا کر مرہون منت کریں ؛

مینجر

Registered No. L. 14

ALQURAISH

AMRITSAR.

THE

Only Monthly Quraishi Magazine.

PRINTED & PUBLISHED

—BY—

Mohammad Ali Raunaq Siddiqi.

AT THE

WAZIR-I-HIND PRESS, HALL BAZAR,

AMRITSAR.

Annual Subscription Rs. 3. Single Copy As. 4.

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ